نئے فقہی مسائل کا مستند اور مدلل مجموعہ

نوازل الفقہ

جلد ششم

اسلامی قانون سیاست

اختر امام عادل قاسمی

دائرة المعارف الربانية

جامعہ ربانی منوروا شریف، سمستی پور بہار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(نئے فقہی مسائل کا مستند اور مدلل مجموعہ)

نوازل الفقہ (جلد ششم)

اسلامی قانون سیاست

اختر امام عادل قاسمی

دائرۃ المعارف الربانیۃ

جامعہ ربانی منورواشریف، سمستی پور بہار

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب:-	نوازل الفقہ (جلد ششم)
	اسلامی قانون سیاست
مصنف:-	مولانا مفتی اختر امام عادل قاسمی
صفحات:-	۵۱۸
سن اشاعت:-	۱۴۴۵ھ مطابق ۲۰۲۳ء
ناشر:-	دائرۃ المعارف الربانیۃ جامعہ ربانی منوروا شریف سمستی پور بہار
اس جلد کی قیمت:-	600-00
مکمل سیٹ کی قیمت:-	3500-00

ملنے کے پتے

☆ مرکزی مکتبہ جامعہ ربانی منوروا شریف، پوسٹ سوہما، ضلع سمستی پور بہار

848207 موبائل نمبر: 9473136822

☆ مکتبہ الامام، سی 212، امام عادل منزل، گراؤنڈ فلور، شاہین باغ، ابوالفضل پارٹ

۲، اوکھلا، جامعہ نگر، نئی دہلی 25 موبائل نمبر: 9934082422

فہرست مندرجات نوازل الفقہ جلد ششم

اسلامی قانون سیاست

(۱)باب اول (حالت غلبہ کے احکام)

☆اسلام میں سیاست کا تصور اور اہمیت:ص ۱تا۶

صفحات	عناوین	سلسلہ نمبر
۱	قرآن کے نزدیک سیاست وسیلۂ خیر ہے	۱
۱	سیاست بھی کار نبوت کا حصہ ہے	۲
۳	حقیقی سیاست	۳
۴	خیر القرون میں سیاسی قیادت علماء کے ہاتھ میں تھی	۴
۵	سیاست سے علٰحدگی کے نقصانات	۵
۵	"بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی" کا قیام	۶
۶	کچھ انگریزی داں علماء پارلیامنٹ اور اسمبلیوں میں پہونچیں	۷

☆اسلام امن وسلامتی کا مذہب:ص۷ تا ۲۲

۸	اسلام میں امن وسکون کی ہدایات	۸
۱۲	مسلم تاریخ حکمرانی سے امن وامان کے چند نمونے	۹
۱۲	عہد صدیقی	۱۰
۱۳	عہد فاروقی	۱۱
۱۶	عہد عثمانی	۱۲
۱۶	عہد حضرت علی	۱۳
۱۷	محمد بن قاسمؒ	۱۴

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۱۵	سلطان محمود غزنویؒ	۱۷
۱۶	غیاث الدین بلبنؒ	۱۸
۱۷	علاء الدین خلجیؒ	۱۸
۱۸	مغلیہ عہد	۱۹
۱۹	اورنگ زیب عالمگیرؒ	۲۰
۲۰	سلطان ٹیپو شہیدؒ	۲۰
۲۱	دکن کا اسلامی عہد	۲۱

☆ اسلامی نظام حکومت اور طریقۂ تاسیس: ص ۲۳ تا ۶۵

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۲۲	اسلامی نظریۂ حکومت	۲۴
۲۳	دو انتہاؤں کے درمیان	۲۵
۲۴	جمہوریت اور شورائیت میں فرق	۲۵
۲۵	خلافت ارضی	۲۶
۲۶	خلافت کا مفہوم	۲۸
۲۷	اسلام میں حکمراں کی حیثیت	۲۹
۲۸	اسلامی نظریۂ حکومت کا امتیاز	۳۲
۲۹	اعزاز نہیں، آزمائش	۳۵
۳۰	امیدواری کا تصور نہیں	۳۶
۳۱	اسلامی حکمراں کی صفات	۳۷
۳۲	اہلیت امارت کی شرطیں	۳۷

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۳۳	بعض مختلف فیہ شرطیں	۳۹
۳۴	ارکان شوریٰ کا معیار	۴۳
۳۵	ارکان شوریٰ کی تعداد	۴۳
۳۶	افضل کو چھوڑ کر غیر افضل کا انتخاب	۴۵
۳۷	مدت حکومت	۴۶
۳۸	محدود مدتی نظام کی خرابیاں	۴۹
۳۹	اسلامی طریقۂ انتخاب	۵۰
۴۰	انتخاب امیر کی جائز صورتیں	۵۴
۴۱	پہلا طریقہ	۵۴
۴۲	انتخاب کا دوسرا طریقہ	۵۷
۴۳	ولی عہدی کی شرائط قبولیت	۵۹
۴۴	تیسرا طریقہ	۶۰
۴۵	عوامی انقلاب	۶۲

☆انسان کی شہریت کا مسئلہ - شرعی نقطۂ نظر: ص ۶۶ تا ۱۰۶

۴۶	قومیت کا قدیم تصور	۶۶
۴۷	فطرت سے قریب تر معیار	۶۷
۴۸	وطنیت کی بنیادیں	۷۰
۴۹	شہریت کا تصور	۷۱
۵۰	شہریت کی اصطلاحی تعریف اور قسمیں	۷۲

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۵۱	بعض تنقیحات	۷۶
۵۲	عہد غلبہ اور عہد مغلوبی کے احکام	۷۷
۵۳	مطلوبہ شہریت کے لئے تفتیشی کاروائی	۷۸
۵۴	ذمہ داریوں کی تقسیم	۸۰
۵۵	تصور شہریت کی جڑیں شریعت میں موجود ہیں	۸۱
۵۶	نئے عرف وحالات میں نئے حقوق وواجبات	۸۱
۵۷	شہریت کی تنسیخ کا تصور	۸۲
۵۸	شہریت کے حدود اربعہ اور بنیادیں	۸۲
۵۹	شہریت کے نئے قواعد بنائے جاسکتے ہیں	۸۵
۶۰	مسلم ملک میں کسی بیرونی مسلمان کو شہریت دینے کا مسئلہ	۸۵
۶۱	مسلم ملک کا غیر مسلم ملکوں سے مہاجرین کے مسئلہ پر معاہدہ کرنا	۸۹
۶۲	مالکیہ اور حنابلہ کی رائے	۹۰
۶۳	شافعیہ کا موقف	۹۲
۶۴	حنفیہ کا مسلک	۹۲
۶۵	بحالات موجودہ......	۹۴
۶۶	مسلم ملک میں مسلمان پناہ گزینوں کا مسئلہ	۹۴
۶۷	شہریت سے وابستہ حقوق وواجبات	۹۸
۶۸	مسلم ملکوں میں غیر مسلموں کو شہریت دینا	۹۹
۶۹	جزیرۃ العرب میں کسی غیر مسلم کو شہریت نہیں دی جاسکتی	۱۰۱

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۷۰	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۱۰۳
۷۱	☆اسلامی حدود کی معنویت	۱۰۴

☆اسلامی قانون جنگ-بنیادی اصول واحکام:ص۱۰۷تا۱۱۵

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۷۲	دوران جنگ کی ہدایات	۱۰۹
۷۳	نقض عہد کی صورت	۱۱۱
۷۴	جنگ سے قبل اعلان ضروری ہے	۱۱۱

☆اسلامی حکومت میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق:ص۱۱۶تا۱۳۸

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۷۵	اسلامی ہدایات اور تاریخی روایات کے تناظر میں	۱۱۶
۷۶	تحفظ جان کا حق	۱۱۹
۷۷	تحفظ مال کا حق	۱۲۱
۷۸	مذہبی آزادی	۱۲۲
۷۹	مذہبی جذبات کا احترام	۱۲۳
۸۰	مذہبی حقوق کا تحفظ	۱۲۴
۸۱	اقلیتوں کے لئے نئے عبادت خانوں کی تعمیر	۱۲۷
۸۲	مذہبی عہدے اور اوقاف	۱۳۰
۸۳	باکمال غیر مسلموں کی قدر شناسی	۱۳۱
۸۴	اقلیتوں کو سرکاری عہدے اور مناصب	۱۳۲
۸۵	آزادیٔ رائے کا مطلب	۱۳۶

☆اہل کتاب سے متعلق بعض احکام: ص۱۳۹تا۱۵۱

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۸۶	اہل کتاب خواتین سے نکاح کی اجازت	۱۳۹
۸۷	اہل کتاب سے مراد	۱۴۰
۸۸	صائبین کا مصداق	۱۴۱
۸۹	موجودہ دور کے یہود و نصاریٰ کا حکم	۱۴۲
۹۰	اسلام کے بعد پیدا ہونے والے بعض باطل ادیان و مذاہب کا حکم	۱۴۳
۹۱	قادیانی سے نکاح کا حکم	۱۴۳
۹۲	اہل کتاب سے نکاح میں دار الاسلام اور دار الحرب کا فرق	۱۴۶
۹۳	ہندوستان کے ہندو اہل کتاب نہیں ہیں	۱۴۷
۹۴	عیسائی یا یہودی اسکولوں اور اسپتالوں میں داخلہ و ملازمت	۱۴۸
۹۵	حقوق زوجیت میں مسلم اور کتابی بیوی میں کوئی تفریق نہیں	۱۴۸
۹۶	کتابی بیوی کو اپنے مذہبی اعمال میں پوری آزادی حاصل ہوگی	۱۴۹
۹۷	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۱۴۹

☆غیر مسلم اقلیت کے تعلق سے عہد فاروقی کے بعض قوانین: ص۱۵۲تا۱۶۶

۹۸	زنار کا معاملہ	۱۵۵
۹۹	صلیب اور ناقوس	۱۵۶
۱۰۰	خنزیر کا معاملہ	۱۵۷
۱۰۲	اصطباغ کا معاملہ	۱۵۷
۱۰۳	عیسائیوں اور یہودیوں کی جلاوطنی کا مسئلہ	۱۵۸

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۱۰۴	ذمیوں کے لیے قانون جزیہ	۱۶۰
۱۰۵	جزیہ کی تحقیق	۱۶۰
۱۰۶	جزیہ کا آغاز	۱۶۱
۱۰۷	جزیہ کا مقصد	۱۶۲
۱۰۸	جزیہ کی مقدار اور مصارف	۱۶۵

☆قید کی سزا اور قیدیوں کے حقوق اور مسائل: ص۱۶۷تا۱۹۰

۱۰۹	قید کا نظام	۱۶۸
۱۱۰	قیدیوں کے لئے اسلامی ہدایات	۱۶۸
۱۱۲	(دعویٰ) الزام عائد کرنے کا ضابطہ	۱۷۰
۱۱۳	ملزم کو قید کرنے کا مسئلہ	۱۷۰
۱۱۴	قید کا ثبوت	۱۷۲
۱۱۵	قید کی مدت	۱۷۳
۱۱۶	قیدیوں کے حقوق	۱۷۵
۱۱۷	مذہبی امور	۱۷۵
۱۱۸	جسمانی ضروریات	۱۷۶
۱۱۹	طبی سہولیات	۱۷۷
۱۲۰	سماجی حقوق	۱۷۸
۱۲۱	اخلاقی امور	۱۷۸
۱۲۲	نابالغ مجرمین کا حکم	۱۷۹

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۱۲۳	طریقۂ احتساب	۱۷۹
۱۲۴	قیدی کو بیڑی ڈالنا	۱۸۲
۱۲۵	قید تنہائی	۱۸۲
۱۲۶	قیدیوں سے جبری کام لینا	۱۸۳
۱۲۷	ملزم اور مجرم کا فرق	۱۸۳
۱۲۸	ملزم کے قید کی مدت	۱۸۴
۱۲۹	ملزم اگر بری ثابت ہو	۱۸۵
۱۳۰	قیدی کو رابطہ کی اجازت	۱۸۵
۱۳۱	قیدی خواتین کے شیر خوار بچے	۱۸۵
۱۳۲	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۱۸۸

☆مالی جرمانہ کا شرعی حکم- تحقیق و تنقیح: ص ۱۹۱ تا ۲۳۲

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۱۳۳	تعزیرات- مفہوم اور حدود	۱۹۱
۱۳۴	تعزیرات کی قسمیں	۱۹۲
۱۳۵	مالی تعزیرات کا حکم	۱۹۲
۱۳۶	تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال کا مفہوم	۱۹۶
۱۳۷	امام ابو یوسفؒ کے قول جواز کا جائزہ	۱۹۸
۱۳۸	امام ابو یوسفؒ کے قول کی تشریح	۱۹۹
۱۳۹	المجتبیٰ کے تفرد کا مسئلہ	۲۰۱
۱۴۰	علامہ زاہدیؒ کے اعتزال کا مسئلہ	۲۰۵

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۱۴۱	عدم جواز کی روایت کی حقیقت	۲۰۶
۱۴۲	تعزیر بالمال کے منسوخ ہونے کا مسئلہ	۲۰۶
۱۴۳	فقہاء حنفیہ میں تعزیر مالی کے جواز کے قائلین	۲۱۱
۱۴۴	مالکیہ کا اصل مذہب	۲۱۵
۱۴۵	بعض مالکیہ کے یہاں جواز کی رائے	۲۱۶
۱۴۶	**شافعیہ-اختلاف اقوال**	۲۱۷
۱۴۷	**حنابلہ-اختلاف آراء**	۲۱۸
۱۴۸	علامہ ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ کی رائے	۲۱۹
۱۴۹	نسخ کا دعویٰ صحیح نہیں	۲۲۰
۱۵۰	**تنقیح و تجزیہ**	۲۲۱
۱۵۱	عدم جواز کے وجوہات	۲۲۱
۱۵۲	تعزیر مالی کے جواز کے دلائل	۲۲۵
۱۵۳	ترجیح اور وجوہ ترجیح	۲۲۸
۱۵۴	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۲۳۱

☆ بین مذہبی مذاکرات-احکام وآداب: ص ۲۳۳ تا ۲۹۷

۱۵۵	مذہبی بنیادوں پر مذاکرات ممکن نہیں	۲۳۳
۱۵۶	امت کی تہذیبی شناخت کو خطرہ	۲۳۵
۱۵۷	اسلام مکمل خود سپردگی کا نام ہے	۲۳۷
☆	☆☆☆☆	☆

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۱۵۸	تہذیبی تحفظ کی ہدایات	۲۴۰
۱۵۹	سیاسی یا سماجی مسائل پر مذاکرات ہوسکتے ہیں	۲۴۴
۱۶۰	عہدِ نبوی میں بین الاقوامی اتحاد کے نمونے	۲۴۵
۱۶۱	میثاق مدینہ میں یہود کی شمولیت	۲۴۵
۱۶۲	حلف الفضول	۲۴۷
۱۶۳	حلف خزاعہ کی تجدید	۲۴۸
۱۶۴	غیر مسلموں سے دفاعی اتحاد	۲۵۰
۱۶۵	اہل مذاہب کی قربت ممنوعہ موالات کے دائرے میں داخل نہ ہو	۲۵۰
۱۶۶	دیگر مذاہب کی کتابوں کا حوالہ اور ان سے استفادہ	۲۵۳
۱۶۷	قرآن کریم میں دیگر مذہبی کتابوں اور شخصیات کے حوالے	۲۵۴
۱۶۸	کلام نبوت میں دیگر مذہبی کتابوں کے حوالے	۲۶۰
۱۶۹	کئی صحابہ تورات کے عالم تھے	۲۶۲
۱۷۰	خوشگوار تعلقات کے لئے غیر مسلموں کے مذہبی اعمال میں شرکت کرنا	۲۶۵
۱۷۱	ہم آہنگی برقرار رکھنے کے لئے جائز اعمال کا ترک	۲۶۹
۱۷۲	ذبیحۂ گاؤ ایک تہذیبی اور قومی مسئلہ	۲۷۴
۱۷۳	نظریات باطلہ پر تنقید کے حدود	۲۷۷
۱۷۴	مشترکہ سماجی مسائل پر دیگر اہل مذاہب کے ساتھ اشتراک	۲۸۲
۱۷۵	دیگر اہل مذاہب کے ساتھ سیاسی اشتراک	۲۸۳
۱۷۶	سیاسی اتحاد کے لئے مسلمانوں کے غلبہ کی قید ضروری نہیں	۲۸۶

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۱۷۷	مذاکرات میں اگر خواتین نمائندے بھی شریک ہوں	۲۹۰
۱۷۸	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۲۹۶

☆بین الاقوامی تعلقات - معیار اور ہدایات (سیاست خارجہ): ص۲۹۸تا۳۱۸

۱۷۹	اسلام سے قبل دنیا کی سیاسی صورت حال	۲۹۸
۱۸۰	مدینہ کی اسلامی ریاست	۳۰۱
۱۸۱	میثاق مدینہ	۳۰۱
۱۸۲	پیغمبر اسلام کی سفارتی مساعی	۳۰۱
۱۸۳	عہد نبوت کے بعض سفراء	۳۰۴
۱۸۴	سفارتی اصول وادب	۳۰۶
۱۸۵	معاہدات نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم	۳۰۸
۱۸۶	بین الاقوامی معاہدات کے بنیادی اصول وآداب	۳۱۰
۱۸۷	☆غیر ملکیوں کے لئے حقوق وتحفظات	۳۱۵

☆باب دوم (حالت مغلوبی کے احکام)

☆غیر مسلم ملکوں میں مسلم اقلیت کے مسائل: ص۳۱۹تا۳۶۱

۱۸۸	عہد نبوت کے تین ادوار	۳۱۹
۱۸۹	فقہ الاقلیات کی بنیاد	۳۲۱
۱۹۰	غیر مسلم ملکوں میں قیام وسکونت کی شرعی حیثیت	۳۲۳
۱۹۱	غیر مسلم ملکوں کی تقسیم	۳۲۳

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۱۹۲	عقلی استدلال	۳۲۸
۱۹۳	قائلین جواز کے دلائل	۳۲۹
۱۹۴	قول راجح	۳۳۲
۱۹۵	غیر مسلم ملکوں میں قیام کے محرکات	۳۳۳
۱۹۶	سیاسی پناہ کا حصول	۳۳۳
۱۹۷	مسلمانوں سے جنگ کا ارادہ	۳۳۴
۱۹۸	تجارت یا کسی عمل کے لیے قیام	۳۳۵
۱۹۹	تحصیل علم کے لیے وقتی قیام	۳۳۷
۲۰۰	دعوت الی اللہ کے لیے سفر واقامت	۳۳۸
۲۰۱	طبی اغراض کے تحت قیام	۳۳۹
۲۰۲	سیر وسیاحت اور تفریح طبع کے لیے قیام	۳۳۹
۲۰۳	☆مسلمانوں کے لئے غیر مسلم ملکوں کی شہریت حاصل کرنا	۳۴۱
۲۰۴	دونقطۂ نظر	۳۴۱
۲۰۵	قائلین عدم جواز کے دلائل	۳۴۳
۲۰۶	جمہور کے دلائل	۳۴۶
۲۰۷	قواعد فقہ سے رہنمائی	۳۴۷
۲۰۸	مسلک راجح	۳۵۱
۲۰۹	معاشی مقاصد کے تحت ترک وطن کرنا	۳۵۵
۲۱۰	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۳۶۰

☆غیر مسلم ملک میں نظام امارت شرعیہ - احکام اور حدود: ص ۳۶۲ تا ۳۹۴

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۲۱۱	تنظیم واجتماعیت اسلام میں مطلوب ہے	۳۶۲
۲۱۲	اسلام اجتماعیت کے بغیر اوراجتماعیت امارت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی	۳۶۴
۲۱۳	نصب امیر کے لئے مملکت کا وجود ضروری نہیں	۳۶۸
۲۱۴	مغلوبانہ حالات میں بیعت امارت	۳۶۹
۲۱۵	دارالکفر میں بحیثیت امیر حضرت طالوت کا تقرر	۳۶۹
۲۱۶	حالت مغلوبی میں بیعت عقبہ	۳۷۱
۲۱۷	عہد نبوت میں دوسرے غیر مسلم علاقوں میں تقرر امیر	۳۷۴
۲۱۸	دارالحرب یمامہ میں انتخاب امیر	۳۷۶
۲۱۹	فقہی تصریحات	۳۷۶
۲۲۰	قوت قاہرہ کے بغیر بھی امارت قائم ہوسکتی ہے	۳۷۹
۲۲۱	اسلامی تاریخ میں مغلوبانہ امارت کے نظائر	۳۸۳
۲۲۲	قدیم فارسی میں والی و قاضی کے لئے ہنر مند (یاہنر من) کی اصطلاح	۳۸۴
۲۲۳	شریعت میں قیام امارت کے لئے قوت قاہرہ شرط نہیں ہے	۳۸۵
۲۲۴	اہلیت امارت کے لئے مطلوبہ معیار	۳۸۶
۲۲۵	حدیث میں امام ضعیف سے مراد	۳۸۸
۲۲۶	قوت تنفیذ کا مطلب	۳۸۹
۲۲۷	امارت شرعیہ کے لئے بیعت کی ضرورت	۳۹۱
۲۲۸	دارالاستیلاء میں امارت کبریٰ کے بارے میں مولانا سجادؒ کا موقف	۳۹۳

☆غیر اسلامی ملک میں نظام قضا-شرعی حیثیت وضرورت: ص۳۹۵تا۴۱۴

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۲۲۹	قضا کا مفہوم اور معیار-قضا کے لئے قوت تنفیذ شرط نہیں	۳۹۷
۲۳۰	عام مسلمان بوقت ضرورت قاضی کا تقرر کرسکتے ہیں	۳۹۹
۲۳۱	شاہ عبد العزیزؒ غیر اسلامی ہندوستان میں نظام قضا کے اولین داعی	۴۰۱
۲۳۲	حضرت مولانا سجادؒ نے اس فکر کو عملی قالب عطا کیا	۴۰۲
۲۳۳	دار القضاء یا جماعۃ المسلمین العدول (شرعی پنچایت)؟	۴۰۳
۲۳۴	غیر اسلامی ہندوستان میں تقرر قاضی کا مسئلہ	۴۰۷
۲۳۵	مسلم حکمراں کی موجودگی میں عام مسلمان قاضی کا تقرر نہیں کرسکتے	۴۰۸
۲۳۶	قوت واختیار کا اصل سرچشمہ	۴۱۲
۲۳۷	جمعیۃ علماء ہند نے ہر دور میں نظام قضا کی حمایت کی	۴۱۳

☆جمہوری انتخابات-احکام اور مسائل: ص۴۱۵تا۴۶۲

۲۳۸	عہدہ کی طلب	۴۱۵
۲۳۹	اجتماعی مفادات کے تحفّظ کے لئے آگے بڑھنا	۴۱۷
۲۴۰	اُسوۂ یُوسفیؑ	۴۱۷
۲۴۱	اسوۂ سلیمانیؑ	۴۱۸
۲۴۲	جمہوری پارلیامنٹ جب کوئی قانون خلافِ شَرع پاس کرے	۴۲۱
۲۴۳	کافرانہ قیادت کے تحت عہدہ قبول کرنا	۴۲۲
۲۴۴	قواعد فقہیہ سے رہنمائی	۴۲۵
۲۴۵	معاصر علماء کی رائے	۴۳۰

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۲۴۶	ووٹ کی شرعی حیثیت	۴۳۱
۲۴۷	ووٹ دینے کا حکم	۴۳۴
۲۴۸	امیدوار کے انتخاب کا معیار	۴۳۶
۲۴۹	انتخابات کے موقعہ پر سیاسی جماعتوں سے اتحاد کا اصول	۴۳۹
۲۵۰	غیر مسلموں سے جنگی اتحاد	۴۴۰
۲۵۱	کسی غیر مسلم سیاسی جماعت کا تعاون	۴۴۱
۲۵۲	حبشہ میں حضرت زبیرؓ کا میدان جنگ کی طرف نکلنا	۴۴۲
۲۵۳	واقعۂ حبشہ سے استدلال کی صحیح نوعیت	۴۴۳
۲۵۴	فارس وروم کی جنگ کے موقع پر مسلمانوں کا ردعمل	۴۴۶
۲۵۵	غزوۂ احزاب کا ایک واقعہ	۴۴۷
۲۵۶	سنتِ یوسفی	۴۴۹
۲۵۷	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۴۵۱
۲۵۸	جھنڈے کو سلامی دینا	۴۵۲
۲۵۹	وندے ماترم" یا اس قسم کے دیگر قومی ترانوں کا حکم	۴۵۸
۲۶۰	تجویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۴۵۹
۲۶۱	باہمی نزاعات میں غیر اسلامی عدالتوں کے فیصلے	۴۵۹
۲۶۳	تجویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۴۶۲

☆غیر مسلموں کے ساتھ سماجی تعلقات: ص ۴۶۳ تا

۲۶۴	تہذیبی اختلاط اسلام کے مزاج کے خلاف ہے	۴۶۳

سلسلہ نمبر	عناوین	صفحات
۲۶۵	مخلوط آبادی میں قیام کا حکم	۴۷۰
۲۶۶	غیر مسلموں سے سماجی تعلقات کا معیار	۴۷۱
۲۶۷	غیر مسلموں کی خوشی و غم میں شرکت	۴۷۵
۲۶۸	غیر مسلم کی تجہیز و تکفین میں شرکت	۴۷۶
۲۶۹	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۴۸۰
۲۷۰	غیر مسلموں کے تہواروں میں مسلم قصابوں کی خدمات	۴۸۱
۲۷۱	غیر مسلموں سے تحائف کا تبادلہ	۴۸۲
۲۷۲	غیر مسلموں کی دعوت	۴۸۴
۲۷۳	غیر مسلموں کے تہواروں کا تحفہ	۴۸۵
۲۷۴	غیر مسلموں کو ان کے تہواروں میں تحفے دینا	۴۸۸
۲۷۵	غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات میں شرکت	۴۸۸
۲۷۶	اسلامی تقریبات میں غیر مسلموں کی شرکت	۴۹۲
۲۷۷	غیر مسلموں کی عبادتگاہوں کی تعمیر اور نقشہ سازی	۴۹۲
۲۷۸	غیر مسلموں سے چندہ لینا اور دینا	۴۹۳
۲۷۹	غیر مسلموں کی طبقاتی جنگ میں مسلمانوں کا کردار	۴۹۴
۲۸۰	ہنگامی مواقع پر غیر مسلموں کی امداد	۴۹۷
۲۸۱	تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا	۴۹۹

اسلام میں سیاست کا تصور اور اہمیت[1]

اسلام ایک کامل دین اور مکمل نظام حیات کا نام ہے، سیاست بھی اس کا ایک اہم ترین حصہ ہے۔

قرآن کے نزدیک سیاست وسیلۂ خیر ہے

سیاست اسلام میں ممنوع نہیں ہے، بلکہ مقاصد اسلام کے حصول میں معاون ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ *الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُاالزَّكَاةَوَأَمَرُوابِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْاعَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ[2]

ترجمہ :اللہ پاک ان لوگوں کی ضرور مدد کرے گا جواس کے دین کی مدد کریں گے کیوں کہ اللہ تعالیٰ قوی اور غالب ہے، اور وہ لوگ جن کی مدد اللہ کرے گا اگر ہم ان کو زمین پر قابض بنادیں تو وہ نمازیں قائم کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور اچھے کاموں کا حکم کریں گے اور بری باتوں سے منع کریں گے اور تمام کاموں کا انجام و مآل اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

ظاہر ہے کہ تمکین فی الارض (حکمرانی) سیاست ہی کا ایک جزو ہے، اس آیت کریمہ میں قرآن نے تمکین کو اقامت دین کے لئے معاون قرار دیا ہے۔

سیاست بھی کار نبوت کا حصہ ہے

سیاست انبیاء کے طریق کار کا حصہ رہی ہے، بنی اسرائیل میں امتوں کی دینی قیادت کے ساتھ سیاسی قیادت بھی انبیاء ہی کرتے تھے، حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

------ حواشی--

1 - تحریر بمقام جامعہ ربانی منورواشریف، بتاریخ ۸/ رجب المرجب ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱/ فروری ۲۰۲۱ء

2 -سورة الحج ۴۱،۴۰

كَانَتْ بَنُوإِسْرَائِيلَ تَسُوسُهُمُ الأَنْبِيَاءُ، كُلَّمَاهَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهُ نَبِيٌّ[3]

حضرت یوسفؑ، حضرت داوٗدؑ، حضرت سلیمانؑ اور حضرت موسیٰؑ وغیرہ پیغمبروں نے سیاسی حکمرانی کی جو تاریخ رقم کی اس کا تذکرہ قرآن کریم میں بھی موجود ہے:

☆حضرت یوسفؑ کے بارے میں ارشاد ہے:

وَكَذَلِكَ مَكَّنَّالِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُمِنْهَاحَيْثُ يَشَاءُ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَشَاءُ وَلَانُضِيعُ أَجْرَالْمُحْسِنِينَ[4]

☆حضرت داوٗدؑ کے بارے میں فرمایا گیا:

يَادَاوُودُإِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَاتَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌبِمَانَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ[5]

☆حضرت موسیٰؑ نے فرعون سے بنی اسرائیل کی حوالگی کا مطالبہ ان الفاظ میں کیا:

أَنْ أَدُّواإِلَيَّ عِبَادَاللَّهِ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ[6]

ترجمہ :اے فرعون اور فرعونی حکومت کے ارباب حل وعقد! خدا کے بندوں کو میرے حوالے کردو، کیونکہ میں خدا کا بھیجا ہوا ہوں، اور میں ہی ان خدا کے بندوں کا امین ہوں ان کی نگرانی کا میں مستحق ہوں"

☆حضرت یوسفؑ بھی اپنی مرضی سے حکومت میں حصہ دار ہوئے تھے:

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ

------ حواشی--

3 -الجامع الصحيح المختصرج ٣ ص ١٢٧٣ حديث نمبر:٣٢٦٨المؤلف:محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر:دارابن كثير،اليمامة–بيروت الطبعة الثالثة،1407–1987 تحقيق:د.مصطفى ديب البغاأستاذالحديث وعلومه في كلية الشريعة–جامعة دمشق عدد الأجزاء6-

4 -سورة يوسف :٥٦۔

5 -ص :٢٦

6 -سورة الدخان :١٨

لَدَيْنَامَكِينٌ أَمِيْنٌقَالَ اجْعَلْنِي عَلَى خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ[7]

☆حضرت سلیمانؑ نے بھی رب العالمین سے خود یہ حکومت طلب فرمائی تھی:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهَبْ لِي مُلْكًالَايَنْبَغِي لِأَحَدٍمِنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ[8]

حقیقی سیاست

دراصل موجودہ حالات میں سیاست کا اصل تصور لوگوں کے ذہنوں سے دھندلا گیا ہے، سیاست مکر وفریب، کذب وظلم اور موقعہ پرستی کا نام نہیں ہے، سیاست رعایا کے حقوق ومفادات کے تحفظ کے لئے انتظام مملکت کا نام ہے، یہی سیاست عادلہ ہے، اور انبیاء کی سیاست اسی قسم کی تھی، اگر کسی سیاست میں انسانی حقوق اور خدائی حدود کی رعایت ملحوظ نہ رہ سکے تو وہ سیاست ظالمہ ہے، انبیاء اور علماء کی سیاست کو اس سے کوئی واسطہ نہیں، علامہ شامیؒ نے اس پر بہت تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے:[9]

سیاست کی صحیح تعریف یہ ہے کہ ایک بڑے اسلامی مفکر حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد بہاریؒ کے الفاظ میں:

"اقوام وحکومتوں کے اندرونی احوال اور باہمی تعلقات کے اسلوب اور مصالح کا علم اور ان کی نگہداشت کا نام سیاست ہے"[10]

اس روشنی میں حقیقی سیاست خارج از دین نہیں بلکہ عین دین ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ، خلفاء راشدین اور بہت سے صحابہ کرامؓ نے سیاست میں حصہ لیا، اور دنیا امن وانصاف سے معمور ہوگئی جس کی تفصیلات تاریخ کے صفحات پر موجود ہیں۔

------ حواشی--

[7] -سورة یوسف ۵۴، ۵۵۔

[8] -سورة ص :۳۵۔

[9] -حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ۴ ص ۱۵ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م. مكان النشر بيروت،عدد الأجزاء 8

[10] -خطبہ صدارت مرادآباد ص۴۹۔

خیر القرون میں سیاسی قیادت علماء کے ہاتھ میں تھی

خلفاء راشدین کی مجلس شوریٰ میں علماء کی تعداد غالب تھی[11] حضرت عمرؓ کے دور میں مہاجرین اولین کی رائے کو ترجیحی حیثیت حاصل تھی[12]

اسلامی تاریخ کے ابتدائی ادوار میں علماء کی بڑی تعداد سیاست میں شریک ہوتی تھی، اوراس کو علماء ومشائخ کے لئے معیوب تصور نہیں کیا جاتا تھا، لیکن بعد کے زمانے میں سیاست میں علماء کی شرح کم ہونے لگی، یہاں تک کہ ابن خلدون کو کہنا پڑا:

العلماء من بين البشر ابعد عن السياسة[13]

علماء کا طبقہ سیاست سے سب سے زیادہ دور ہے۔

مگراس کو شجر ممنوعہ بھی نہیں سمجھا گیا، بلکہ بڑے بڑے علماء واعیان اس میں شریک [14] اس کی مثال میں علامہ ابوالقاسم محمود بن المظفر المروزیؒ (ولادت جمادی الثانیہ ۴۶۶ھ –وفات رمضان المبارک ۵۳۰ھ قبر شریف چاب قلعہ باتکر)[15] ☆علامہ عیسیٰ بن محمد بن عیسیٰ الحسنی الطالبی ابو محمد ضیاء الدین الہکاری

------ حواشی ------

[11] -السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ج ١٠ ص ١١٤ حديث :٢٠٨٣٨المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق:الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آبادالطبعة: الطبعة : الأولى . 1344 هـ عدد الأجزاء :10-

[12] - الجامع الصحيح المختصر ج ٥ ص ٢١٦٣ حديث نمبر:٥٣٩٧ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6

[13] - تاريخ ابن خلدون ج ١ص ٥٤٢المؤلف : عبد الرحمن بن محمد ، ابن خلدون (المتوفى : 808هـ)دار احياء التراث العربي بيروت – لبنان

[14] -خطبۂ صدارت مرادآباد ص ۵۲۔

[15] - التحبيرفي المعجم الكبيرج ٢ ص ٢٨٦المؤلف : عبد الكريم بن محمدبن منصور التميمي السمعاني المروزي،أبو سعد (المتوفى: 562هـ)المحقق : منيرة ناجي سالم الناشر : رئاسة ديوان الأوقاف –بغدادالطبعة : الأولى ،1395هـ– 1975م عدد الأجزاء :2

(متوفی ۵۸۵ھ مطابق ۱۱۸۹ء)[16] ☆ قاضی القضاۃ تقی الدین عبد الرحمن بن عبد الوہاب العلامی المصری الشافعی (متوفی ۶۹۵ھ مطابق ۱۲۹۶ء)[17] ☆ ظہیر الدین محمد بن الحسین ابو شجاع الروذراوریؒ (۴۳۷ھ – ۴۸۸ھ مطابق ۱۰۴۵ء - ۱۰۹۵ء)[18] ☆ علامہ محمد بن الحسین الانصاری[19] ☆ قاضی القضاۃ علامہ تاج الدین عبد الوہاب بن خلف[20] وغیرہ کا نام پیش کیا جاسکتا ہے، جنہوں نے علمی مقام و مرتبہ کے باوجود سیاست میں بھی مقام بلند حاصل کیا، اور سیاست کے پلیٹ فارم سے دین وملت کی شاندار خدمات انجام دیں۔

سیاست سے علٰحدگی کے نقصانات

لیکن سیاست میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے امت مسلمہ کا بڑا نقصان ہوا، علماء نے بھی سیاسی قیادت کا محاذ ترک کر کے پوری امت مسلمہ کو دوسروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا اور اس طرح ملکی اور قومی سیاست صحیح منہج سے دور ہوتی چلی گئی، اور اسلامی سیاست کی جگہ مغربی سیاست کے قدم مضبوط ہوتے چلے گئے۔ البتہ ماضی قریب میں کچھ شاندار مثالیں بھی رہی ہیں، مثلاً:

"بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی" کا قیام

حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحبؒ نے امارت شرعیہ، تحریک خلافت، اور جمعیۃ علماء کے کارکنوں کے تعاون سے ایک سیاسی جماعت "بہار مسلم انڈی پنڈنٹ پارٹی" کی بنیاد رکھی، اور ۲۵/ اگست

------ حواشی ------

[16] - الأعلام ج ٥ص١٠٧ المؤلف : خير الدين بن محمود بن محمد بن علي بن فارس، الزركلي الدمشقي (المتوفى : 1396هـ)الناشر : دار العلم للملايين الطبعة : الخامسة عشر – أيار / مايو 2002 م [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع، وتراجمه مضافة لخدمة التراجم (أكثر من 14000 ترجمة)]

[17] - الأعلام ج ٣ص٣١٥ المؤلف : خير الدين بن محمود بن محمد بن علي بن فارس، الزركلي الدمشقي (المتوفى : 1396هـ)الناشر : دار العلم للملايين الطبعة : الخامسة عشر – أيار / مايو 2002 م [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع،

[18] - الأعلام ج ٦ص١٠١ المؤلف : خير الدين بن محمود بن محمد بن علي بن فارس، الزركلي الدمشقي (المتوفى : 1396هـ)الناشر : دار العلم للملايين الطبعة : الخامسة عشر – أيار / مايو 2002 م [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع،

[19] -خطبۂ صدارت مرادآباد ص۵۳،۵۴۔

[20] -خطبۂ صدارت مرادآباد ص۵۴۔

۱۹۳۵ء مطابق ۲۴ / جمادی الاولیٰ ۱۳۵۴ھ کو نواب علی سجاد کی صدارت میں مسٹر ایم محمود بیرسٹر صاحب کے مکان پر ایک اجتماع (جس میں علماء اور دانشوران قوم وملت کی کثیر تعداد شریک ہوئی) منعقد ہوا جس میں حضرت مولانا سجاد کو ان کے انکار کے باوجود متفقہ طور پر پارٹی کا صدر منتخب کیا گیا[21]۔

کچھ انگریزی داں علماء پارلیامنٹ اور اسمبلیوں میں پہونچیں

حضرت مولاناؒ سجاد کی مضبوط رائے تھی کہ علماء کا ایک طبقہ ایسا ہونا چاہئے جو انگریزی وغیرہ سے واقف ہو اور وہ پارلیمانی سیاست میں حصہ لے اور پارلیامنٹ اور اسمبلیوں میں اسلام اور مسلمانوں کی ترجمانی کرے، اگر ایسا نہیں ہوا تو مسلمانوں کا سخت قومی نقصان ہو گا،[22]

اس بات کی سچائی آج واضح طور پر محسوس ہوتی ہے، پارلیامنٹ اور اسمبلیوں میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے جس طرح آزادانہ قانون سازی ہو رہی ہے، اگر انگریزی زبان وبیان سے آشنا، علوم جدیدہ سے واقف اور عصری سیاست کی سمجھ رکھنے والے علماء کی ایک جماعت وہاں موجود ہوتی تو اس فتنہ کا مقابلہ کیا جاسکتا تھا۔۔۔۔اب بھی ہمارے لئے موقعہ ہے کہ ہم آئندہ کی تیاری کریں ورنہ آنے والا وقت (الامان والحفیظ) اس سے بھی زیادہ بھیانک ہو گا۔۔۔پھر تاریخ ہمیں معاف نہیں کرے گی۔الیس منکم رجل رشید۔

------ حواشی ------

21 - مولانا ابو المحاسن محمد سجاد–حیات وخدمات ص ۳۴۸ مضمون مولانا سہیل اختر قاسمی دار القضاء امارت شرعیہ پٹنہ بحوالہ نقیب ص ۵،۱ شمارہ بابت: ۶ / رجب المرجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲۲ / ستمبر ۱۹۳۶ء)

22 - حضرت مولانا محمد سجاد–حیات وخدمات ص ۳۸۴ (مجموعۂ مقالات مولانا سجاد سیمینار پٹنہ ۱۹۹۹ء) مضمون حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ۔

اسلام امن وسلامتی کا مذہب

(مسلمانوں کی تاریخ حکمرانی سے چند نمونے)[23]

اسلام سے قبل دنیا اندھیری تھی، ہر طرف ظلم وجور کا دور دورہ تھا، امن وامان نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی، کبھی رنگ ونسل کے نام پر، کبھی زبان وتہذیب کے عنوان سے اور کبھی وطنیت وقومیت کی آڑ میں انسانیت کو اتنے ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا تھا اور ان ٹکڑوں کو باہم اس طرح ٹکرادیا گیا تھا کہ آدمیت چیخ پڑی تھی، اس وقت کی تاریخ کا آپ مطالعہ کریں گے تو اندازہ ہوگا کہ پوری دنیا بدامنی وبے چینی سے لبریز تھی، وہ پسماندہ علاقہ ہو یا ترقی یافتہ اور مہذب دنیا، روم وافرنگ ہو یا ایران وہندوستان، عجم کا لالہ زار ہو یا عرب کا صحراء وریگزار، ساری دنیا اس آگ کی لپیٹ میں تھی، اسلام سے قبل بہت سے مذہبی پیشواؤں اور نظام اخلاق کے علمبرداروں نے اپنے اپنے طور پر امن ومحبت کے گیت گائے اور اپنے اخلاقی مواعظ وخطبات سے اس آگ کو سرد کرنے کی کوشش کی جس کے خوشگوار نتائج بھی سامنے آئے مگر اس عالمی آتش فشاں کو پوری طرح ٹھنڈا نہیں کیا جاسکا۔ اسلام نے پہلی بار دنیا کو امن ومحبت کا باقاعدہ درس دیا اور اس کے سامنے ایک پائیدار ضابطۂ اخلاق پیش کیا جس کا نام ہی "اسلام" رکھا گیا یعنی دائمی امن وسکون اور لازوال سلامتی کا مذہب" یہ امتیاز دنیا کے کسی مذہب کو حاصل نہیں، اسلام نے مضبوط بنیادوں پر امن وسکون کے ایک نئے باب کا آغاز کیا اور پوری علمی واخلاقی قوت اور فکری بلندی کے ساتھ اس کو وسعت دینے کی کوشش کی، آج دنیا میں امن وامان کا جو رجحان پایا جاتا ہے اور ہر طبقہ اپنے اپنے طور پر کسی گہوارۂ سکون کی تلاش میں ہے یہ بڑی حد تک اسلامی تعلیمات کی دین ہے۔

------ حواشی ---

23 - تحریر بمقام جامعہ ربانی منورواشریف، بتاریخ ۸/ جولائی ۲۰۰۶ء

اسلام میں امن وسکون کی ہدایات

جس معاشرہ کا شیرازۂ امن بکھرتا ہے اس کی پہلی زد انسانی جان پر پڑتی ہے، اسلام سے قبل انسانی جانوں کی کوئی قیمت نہ تھی مگر اسلام نے انسانی جان کو وہ عظمت واحترام بخشا کہ ایک انسان کے قتل کو ساری انسانیت کا قتل قرار دیا، قرآن کریم میں ہے:

من اجل ذلک کتبناعلی بنی اسرائیل انہ من قتل نفسا بغیر نفس اوفسادفی الارض فکانما قتل الناس جمیعاومن احیاہا فکأنمااحیاالناس جمیعا[24]

ترجمہ:"اسی لئے ہم نے بنی اسرائیل کے لئے یہ حکم جاری کیا کہ جو شخص کسی انسانی جان کو بغیر کسی جان کے بدلے یا زمینی فساد برپا کرنے کے علاوہ کسی اور سبب سے قتل کرے اس نے گویاساری انسانیت کا قتل کیااور جس نے کسی انسانی جان کی عظمت واحترام کو پہچانااس نے گویاپوری انسانیت کو نئی زندگی بخشی۔"

انسانی جان کاایساعالم گیر اور وسیع تصور اسلام سے قبل کسی مذہب وتحریک نے پیش نہیں کیاتھا۔

☆اسی آفاقی تصور کی بنیاد پر قرآن اہل ایمان کو امن کا سب سے زیادہ مستحق اور علمبردار قرار دیتاہے۔ارشاد باری ہے:

فای الفریقین احق بالامن ان کنتم تعلمون، الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم اولئک لہم الامن وہم مہتدون[25]

ترجمہ: دونوں فریقوں (مسلم اور غیر مسلم) میں امن کا کون زیادہ حقدار ہے؛ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ، جو لوگ صاحب ایمان ہیں اور جنھوں نے اپنے ایمان کو ظلم وشرک کی ہر ملاوٹ سے پاک رکھاہے امن انہی لوگوں کے لئے ہے اور وہی حق پر بھی ہیں"

☆اسلام قتل وخونریزی کے علاوہ فتنہ انگیزی، دہشت گردی اور جھوٹی افواہوں کی گرم بازاری کو

------ حواشی ------------------------------------

[24] -المائدہ:32

[25] -الانعام:82،81

بھی سخت ناپسند کرتا ہے وہ اس کو ایک جارحانہ اور وحشیانہ عمل قرار دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحہا[26]

ترجمہ: اصلاح کے بعد زمین میں فساد برپا مت کرو۔

ان اللہ لایحب المفسدین[27]

ترجمہ: ”اللہ تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس مضمون کی متعدد آیات قرآن پاک میں موجود ہیں۔

☆ امن ایک بہت بڑی نعمت ہے، قرآن نے اس کو عطیۂ الٰہی کے طور پر ذکر کیا ہے۔

فلیعبدوارب ھذاالبیت الذی اطعمھم من جوع و آمنھم من خوف[28]

ترجمہ: اہل قریش کو اس گھر کے رب کی عبادت کرنی چاہئے جس رب نے انہیں بھوک سے بچایا، کھانا کھلایا اور خوف وہراس سے امن عطا فرمایا۔

☆ اسلام میں امن کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت (حرم مکہ) کو گہوارۂ امن قرار دیا گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

من دخلہ کان آمنا[29]

ترجمہ: اس میں داخل ہونے والا ہر شخص صاحب امان ہو گا۔

احادیث میں بھی زمین میں امن وامان برقرار رکھنے کے سلسلے میں متعدد ہدایات موجود ہیں مثلاً:

☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”صاحب ایمان“ کی علامت یہ قرار دی ہے کہ اس سے کسی انسان کو بلاوجہ تکلیف نہ پہنچے۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

------ حواشی--

[26] ۔الاعراف:56

[27] ۔القصص:77

[28] ۔القریش:4،5

[29] ۔آل عمران: ۹۸

کہ:

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ والمؤمن من آمنہ الناس علی دمائہم واموالہم[30]

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے جس سے لوگوں کی جان ومال کو کوئی خطرہ نہ ہو۔".

☆ایک اور موقعہ پر ظلم وتنگ نظری سے بچنے کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامۃ واتقوا الشح فان الشح اہلک من کان قبلکم حملہم ان سفکوا دمائہم واستحلوا محارہم [31]

ترجمہ: ظلم سے بچو، اس لئے کہ ظلم قیامت کی بدترین تاریکیوں کا ایک حصہ ہے، نیز بخل وتنگ نظری سے بچو اس چیز نے تم سے پہلے بہتوں کو ہلاک کیا ہے اسی مرض نے ان کو خونریزی اور حرام کو حلال جاننے پر آمادہ کیا".

☆بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کی قسم! مومن نہیں ہو سکتا، اللہ کی قسم مومن نہیں ہو سکتا، کسی نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ! کون مومن نہیں ہو سکتا؟ فرمایا کہ جس کے شر سے اس کے پڑوسی محفوظ نہ ہوں۔"[32]

☆حضرت جریر بن عبد اللہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس[33]

------ حواشی---

30 - ترمذی: حدیث نمبر2627

31 - مسلم: حدیث نمبر2578

32 - بخاری: حدیث نمبر6016

33 - بخاری: حدیث نمبر7376

ترجمہ: ”اللہ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔“

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

خیرکم من یرجی خیرہ یومن شرہ وشرکم من لا یرجی خیرہ ولا یومن شرہ.

ایک اور موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصبیت و تنگ نظری کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

”وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف بلائے اور جو عصبیت کی بنیاد پر قتال کرے“[34]

نیز اہل معاہدہ اور کمزوروں پر ظلم کی نکیر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

الامن ظلم معاہدااو انتقض اوکلفہ فوق طاقتہ اواخذ منہ شیئا بغیرطیب نفس فانا حجیجہ یوم القیامۃ[35]

ترجمہ: خبر دار! جو کسی معاہد پر کوئی ظلم کرے گا، یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا، یا طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ ڈالے گا، یا اس کی مرضی کے بغیر اس سے کوئی چیز حاصل کرے گا؛ تو قیامت کے دن میں خود اس کے خلاف دعویٰ پیش کروں گا۔“.

اسی طرح ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

جس نے کسی معاہد (ذمی غیر مسلم) کو قتل کیا، وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم رہے گا[36]

اس طرح کی متعدد روایات کتب حدیث میں موجود ہیں جن میں ظلم وجبر سے بچنے، پر امن

------ حواشی --

34 - ابوداؤد: کتاب الآداب، باب العصبیۃ، حدیث نمبر 1521

35 - ابوداؤد: کتاب الخراج والامارۃ: حدیث نمبر 3052

36 - مسند احمد، حدیث نمبر: 20464، ابن ماجہ کتاب الدیات: حدیث نمبر 2686، نسائی باب القسامہ، حدیث: 4752

زندگی گذارنے، دوسروں کے حقوق کی ادائیگی، فتنہ وشر انگیزی سے اجتناب اور خیر کی اشاعت، عمل خیر میں زیادہ سے زیادہ شرکت، روئے زمین میں ایک امن پسند خوشگوار اور مثبت ماحول کی تشکیل، عام انسانوں کے ساتھ (خواہ وہ کسی بھی مذہب و قوم سے تعلق رکھتے ہوں) فراخدلی ورواداری اور ہر مذہب و قوم کی مذہبی روایات و شخصیات کے احترام کی پرزور تلقین کی گئی ہے۔ نیز اس سلسلے میں عہد رسالت کے جو قیمتی ”علمی“ نمونے ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔

مسلم تاریخ حکمرانی سے امن وامان کے چند نمونے

امت مسلمہ نے ان اخلاقی اور قانونی ہدایات اور عہد رسالت کے علمی نمونوں کو ہر دور میں پوری اہمیت دی اور روئے زمین پر ایک پرامن قوم کی حیثیت سے اپنی پہچان قائم کی، مسلمانوں نے اس مقصد کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ بھی فراخدلانہ رویہ اختیار کیا، ان کے حقوق وجذبات کی رعایت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طرح قیام امن کا عمل متاثر نہ ہو خواہ اس کے لئے ان کو بڑی سے بڑی قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ مسلمانوں کی انہی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ مسلمانوں کی صدیوں پرانی تاریخ میں فرقہ وارانہ فسادات اور خونریز ہنگاموں کا دور دور تک کوئی نشان نہیں ملتا۔ مسلمانوں کے امن پسند ہونے کی اس سے بڑی شہادت کیا ہوسکتی ہے؟

اسلامی عہد حکومت کے مختلف ادوار سے اس ضمن میں بعض نمونے پیش کئے جاتے ہیں:

عہد صدیقی

عہد رسالت کے بعد تاریخ اسلامی کا سب سے قیمتی عہد عہد صدیقی ہے۔ اس عہد کا ابتدائی حصہ اگرچہ ہنگامی حالات سے لبریز ہے مگر اس کا زیادہ تر تعلق خارجی ہے۔ داخلی طور پر ملک میں کوئی بدامنی نہیں تھی اور بالخصوص غیر مسلموں کے ساتھ پوری رواداری اور فراخدلی کا ماحول قائم تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں جو ممالک فتح ہوئے، وہاں غیر مسلم آبادی کے حقوق کا مکمل لحاظ رکھا گیا۔ حیرہ فتح ہوا تو وہاں کے عیسائیوں سے یہ معاہدہ ہوا کہ ان کی خانقاہیں اور گرجا گھر منہدم نہ کئے جائیں گے، ان کا وہ قصر نہیں

گرایا جائے گا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں، ان کے ناقوس اور گھنٹے بجانے پر پابندی نہ ہوگی، تہوار کے موقع پر صلیب نکالنے پر ممانعت نہ ہوگی، اسی معاہدہ میں یہ بھی تھا کہ یہاں کے ذمیوں کو فوجی لباس کے علاوہ ہر طرح کی پوشاک پہننے کی اجازت ہوگی بشرطیکہ وہ مسلمانوں سے مشابہت پیدا کرنے کی کوشش نہ کریں۔

آپ کے عہد خلافت میں ایک غیر مسلم عورت کا ہاتھ ایک مسلمان افسر نے صرف اس جرم میں کٹوادیا تھا کہ وہ مسلمانوں کی ہجو میں اشعار گاتی تھی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اس افسر کو تنبیہ فرمائی کہ اگر وہ عورت مسلمان تھی تو کوئی معمولی سزا دینی چاہئے تھی اور اگر ذمی تھی تو جب ہم نے اس کے کفر وشرک سے درگذر کیا تو یہ تو اس سے فروتر چیز تھی[37]۔

عہد فاروقی

حضرت فاروق اعظمؓ کا عہد پوری دنیائے حکمرانی کی تاریخ میں ایک امتیازی حیثیت کا حامل ہے، ملک کی ترقی وخوشحالی، امن وامان کی بحالی، داخلی سلامتی، خارجی سیاست، پیداوار میں اضافہ، ایجادات و اکتشافات اور علمی تحقیقات کے لحاظ سے یہ عہد اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت فاروقؓ کے بعد چشم فلک نے اس سرزمین پر اتنا خوبصورت عہد حکومت دوبارہ نہیں دیکھا جس میں ہر شخص اپنے کو محفوظ اور ترقی پسند محسوس کرتا تھا اور مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ بھی مکمل رواداری ملحوظ رکھی جاتی تھی۔ آپ کے عہد میں بیت المقدس فتح ہوا تو خود حضرت عمر فاروق کی موجودگی میں وہاں کے لوگوں سے یہ معاہدہ ہوا کہ:

> "یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین نے ایلیاء کے لوگوں کو دیا کہ ان کا مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کیلئے ہیں، اس طرح کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی اور نہ وہ ڈھائے جائیں گے، نہ ان کو اور نہ ان کے احاطے کو نقصان پہنچایا جائے گا، اور نہ ہی ان کے صلیبوں اور ان

------ حواشی--

37 -سیاسی وثیقہ جات ص ۱۲۷ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، حقوق انسانی کا اسلامی منشور ص ۴۹ اختر امام عادل قاسمی

کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان و مال لے کر یونانیوں کے ساتھ منتقل ہونا چاہے تو ان کو اور ان کے گرجاؤں اور صلیبوں کو امن ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائے اور جو کچھ اس تحریر میں ہے اس پر اللہ کا، رسول کا، خلفاء کا اور مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ وہ لوگ جزیہ مقررہ ادا کرتے رہیں۔[38]

☆ایک مرتبہ غسان کا نصرانی بادشاہ حضرت عمرؓ سے ملنے آیا تو اتفاقاً ایک اعرابی نے نادانستہ اسے دھکا دے دیا اس پر بادشاہ نے خفا ہو کر اسے طمانچہ مارا۔ اعرابی کی نالش پر حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ سنایا کہ وہ بادشاہ کو مارے اس پر بادشاہ نے کہا: امیر المومنین! کہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بادشاہ کو ہاتھ لگائے؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا: اسلام کا قانون یہی ہے۔ انصاف کے باب میں اسلام کے نزدیک امیر و غریب، بادشاہ اور رعایا سب برابر ہیں[39]۔

☆اسی طرح ایک مرتبہ مصر میں گھوڑوں کی ریس ہو رہی تھی حضرت عمرو بن العاصؓ (جو مصر کے فاتح اور اس کے پہلے اسلامی گورنر تھے) کے صاحبزادے بھی اس ریس میں شریک تھے۔ مقابلہ میں ایک قبطی کا گھوڑا ان کے گھوڑے سے آگے بڑھنے لگا تو انھوں نے اس کے گھوڑے کو ایک کوڑا رسید کیا، وہ احتجاجاً رک گیا تو انھوں نے اس قبطی کو ایک کوڑا لگایا اور کہا کہ: میں ایک شریف زادہ ہوں تم نے مجھ سے آگے بڑھنے کی کوشش کیوں کی؟ قبطی نے اس واقعہ کا مقدمہ خلیفۂ وقت حضرت عمر فاروقؓ کے یہاں پیش کیا، آپ نے گورنر صاحب اور ان کے صاحبزادے دونوں کو طلب کیا اور فرمایا: تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنالیا ہے؟ حالاں کہ سارے انسان اپنی ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے ہیں، پھر آپ نے قبطی کے ہاتھ میں کوڑا دے کر حکم فرمایا کہ: اس شریف زادہ کے سر پر ویسا ہی پھیرو جیسا کہ اس نے تمہارے سر پر پھیرا تھا[40]

------ حواشی--

38 - الفاروق، شبلی ۲/۷/۱۳

39 - اسلام کا نظام امن ص:۴۹ مفتی ظفیر الدین صاحب

40 - خلفاء اربعہ ص ۲ مولانا علی میاں ندویؒ

☆حضرت عمر فاروقؓ ہی کے عہد خلافت کا واقعہ ہے کہ جب ملک شام کے ایک بڑے حصہ پر مسلمان قابض ہوگئے تو ہاں کے لوگوں نے انطاکیہ کے حکمراں ہر قل کو ایک زبردست فوج لے کر حمص کی طرف بڑھنے پر آمادہ کیا جہاں حضرت ابو عبیدہؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خیمہ زن تھے۔ حضرت ابو عبیدہؓ کو غنیم کے لشکر جرار کی خبر ملی تو انھوں نے مجلس مشاورت منعقد کی جس میں یہ رائے طے پائی کہ حمص کو خالی کر کے دمشق کو محاذ بنایا جائے، مگر حمص چھوڑنے سے پہلے حضرت ابو عبیدہؓ نے یہ حکم جاری کیا کہ اب وہ اس کے باشندوں کو دشمنوں سے بچانے کی طاقت نہیں رکھتے، اس لئے ان سے جزیہ یا خراج کے نام پر جو کچھ لیا گیا تھا وہ انہیں واپس کر دیا جائے، کیوں کہ یہ جزیہ حفاظت کی خاطر وصول کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اہل حمص کو ان کی پوری رقم واپس کر دی گئی۔ اس رقم کی واپسی سے اہل حمص بہت متاثر ہوئے اور کہا کہ ہم مسلمانوں کی فوجوں کے کاندھے سے کاندھا ملا کر ہر قل کی فوج سے آخری دم تک لڑیں گے"، یہودیوں نے بھی توارۃ کی قسم کھا کر یہی بات کہی، اہل حمص نے مسلمانوں کو دعائیں دیں کہ خدا تمہیں دوبارہ فتح عطا کرے اور یہاں واپس لائے آج تمہاری جگہ اگر رومی ہوتے تو وہ کچھ بھی واپس نہ کرتے بلکہ ہماری باقی ماندہ چیزیں بھی لوٹ لیتے [41]

☆سنہ ۲۱ھ میں اسکندریہ فتح ہوا تو وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک تصویر تھی، تصویر اسلام میں ناپسندیدہ امر ہے، اس بناء پر کسی مسلم سپاہی نے اپنے تیر سے تصویر عیسیٰ کی ایک آنکھ پھوڑ ڈالی، اس پر عیسائیوں کو تکلیف ہوئی، جس کی وجہ سے عیسائیوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس مقدمہ کیا اور مطالبہ کیا کہ: حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک تصویر بنا کر ان کو دی جائے، تاکہ وہ بھی ان کی ایک آنکھ پھوڑ ڈالیں؟ حضرت عمروؓ نے جواب دیا: تصویر کی کیا ضرورت ہے؟ ہم لوگ موجود ہیں؛ تم جس کی آنکھ چاہو پھوڑ ڈالو! پھر اپنا خنجر ایک عیسائی کے ہاتھ میں دے کر اپنی آنکھیں سامنے کر دیں۔ یہ سن کر عیسائی کے ہاتھ سے خنجر گر پڑا اور وہ اپنے دعوی سے یہ کہہ کر دستبردار ہو گیا کہ جو قوم اس درجہ دلیر، فیاض، انصاف پسند اور فراخدل ہو اس سے انتقام لینا بے رحمی اور ناقدری ہے۔[42]

------ حواشی ------

[41] - فتوح البلدان ج:1، ص:144، الفاروق ج1، ص:128، 127

[42] - خطبات شبلی ص:74، 73

عہد عثمانی

حضرت عثمان غنیؓ کا عہد بھی امن وامان کی بحالی، مختلف قوموں کے ساتھ رواداری، داخلی سلامتی اور ترقی وخوشحالی کے لحاظ سے مثالی تھا۔ متعدد ممالک کی داخلی صورت حال سے باخبر رہنے کیلئے آپ سرکاری وفود بھیجا کرتے تھے۔ جمعہ کے دن منبر پر پہنچ کر اطراف ملک کی خبریں پوچھتے اور عام اعلان کرتے کہ اگر کسی کو کسی سرکاری افسر سے شکایت ہو توحج کے موقع پر آکر بیان کرے، اس موقعہ پر تمام افسروں کو بھی فوری طور پر طلب کرلیتے تھے، تاکہ شکایتوں کی تحقیقات ہوسکے۔ [43]

آپ کے دور میں نجران کے عیسائیوں کو بعض مسلمانوں سے کچھ شکایات پیدا ہوئیں تو آپ نے فوراً ان کی طرف توجہ کی، حاکم نجران ولید بن عتبہ کے نام خصوصی مکتوب تحریر فرمایا اور امن وامان کی صورت حال بگڑنے نہ دی۔ [44]

عہد حضرت علیؓ

حضرت علیؓ کا عہد بظاہر سخت انتشار وخلفشار کا تھا اور سخت ہنگاموں سے حضرت علیؓ کو فرصت نہ مل سکی مگر اس کے باوجود غیر مسلم اقلیتوں، اسی طرح غیر جانبدار طبقات کی سلامتی کے باب میں کسی جزء پر انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔ آپ کے عہد میں ایک گورنر عمرو بن مسلم کی سخت مزاجی کی بعض شکایات آپ کو ملیں تو آپ نے فوراً اس کے ازالہ کی طرف توجہ فرمائی۔ اسی طرح غیر مسلموں کی آب پاشی کی ایک نہر پٹ گئی تھی حضرت علیؓ نے وہاں کے گورنر طرفہ بن کعب کو لکھا کہ "اس نہر کو آباد کرنا مسلمانوں کا فرض ہے ،میری عمر کی قسم! مجھے اس کا آباد رہنا زیادہ پسند ہے [45]۔

یہ تو خیر خلفائے راشدین کا عہد تھا جس سے بہتر اسلامی حکمرانی کا نمونہ ملنا مشکل ہے، لیکن بعد کے

------ حواشی --

43 - مسند احمد بن حنبل ج ا ص ۷۳

44 - کتاب الخراج لابی یوسف، ص:276

45 - تاریخ اسلام، ج:1، ص:368 شاہ معین الدین

ادوار میں بھی مسلم حکمرانوں نے غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور مروت کی اس روایت اور نظام امن کے اس سلسلے کو باقی رکھا اور تاریخ حکمرانی میں اس کی زریں مثالیں قائم کیں۔

محمد بن قاسمؒ

خود ہمارے ہندوستان میں مسلم حکمرانی کا دور ۱۲ھ ء میں شروع ہوا، محمد بن قاسم ۱۲ھ ء میں پہلی بار سندھ آئے، ان کی عمر اس وقت سولہ (۱۶) برس تھی، انھوں نے سندھ آکر اپنی پالیسی کا اعلان اس طرح کیا:

”ہماری حکومت میں ہر شخص مذہب میں آزاد ہوگا، جو شخص چاہے اسلام قبول کرلے جو چاہے اپنے مذہب پر رہے، ہماری طرف سے کوئی تعرض نہ ہوگا۔“

محمد بن قاسم صرف ساڑھے تین سال ہندوستان میں ٹھہرے، اس اثناء بہت سے مندر بنوائے، بہت سوں کی مرمت کرائی، مندروں کو جاگیریں دیں اور برہمنوں اور پجاریوں کے وظائف بحال رکھے، ان کے دور حکومت میں بڑے بڑے عہدے غیر مسلموں کے پاس تھے۔[46]

تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن قاسمؒ کی عدل پروری اور محاسن کا رعایا پر اتنا اثر پڑا کہ جب وہ سندھ سے رخصت ہوئے تو ان کی یاد میں ایک دھرم شالہ تعمیر کیا گیا کچھ ہندوؤں اور بودھوں نے محمد بن قاسمؒ کا اسٹیچو بنا کر ان کی پرستش شروع کردی[47]۔

سلطان محمود غزنویؒ

سلطان محمود غزنویؒ کے عہد کو غیر مسلموں کے خلاف شدت پسندی کے عنوان سے بدنام کیا جاتا ہے، اور خاص طور پر سومنات کے مندر کا حوالہ دے کر محمود کو متعصب ثابت کیا جاتا ہے جبکہ سومنات کا مندر اس وقت محمود کے مخالفین کی سرگرمیوں کا مرکز تھا، سارے شکست خوردہ راجاؤں نے وہاں اپنا مرکز بنالیا تھا، محمود اگر ایسا ہی کٹر پنتھ تھا تو اس دور میں ہزاروں مندر کیوں محفوظ رہے؟ اور جو غیر مسلم تھے ان کو

------ حواشی ------

46 - ہندوستان میں اسلام، جناب عبدالباری ایم، اے

47 - آئینۂ حقیقت ۱/۱۰۱ بحوالہ اسلام امن وآشتی کا علمبردار ص:۴۳

بزور اس نے مسلمان کیوں نہیں بنالیا تھا؟

محمود غزنوی کے یہاں ہندوؤں کی باقاعدہ فوج موجود تھی، جس میں "تلک سندر اور بیج ناتھ" جیسے جنرلوں کے نام کافی نمایاں ہیں، محمود غزنوی کے بیٹے مسعود کو پنجاب میں امن قائم کرنے کے لئے اپنے ہی بھائی سے جنگ کرنا پڑی تو اس نے تلک سندر کی سرکردگی میں اپنی فوج بھیجی[48]

غیاث الدین بلبنؒ

غیاث الدین بلبنؒ کا عہد (۱۲۶۵ء تا ۱۲۸۷ء) ملک کی ترقی وخوشحالی، ہندو مسلم تعلقات اور قیام امن کے باب میں کافی مثالی ہے۔ اس دور کی رعایا پروری، عدل گستری اور رواداری کا اندازہ سنسکرت کے اس کتبہ سے بھی ہوتا ہے جو "پالم" میں پایا گیا اور دہلی کے آثار قدیمہ کے عجائب گھر میں موجود ہے؛ اس میں بلبن کے متعلق لکھا ہے:

> "جب سے اس سلطان ذیشان نے دنیا کا بوجھ اپنے کندھوں پر لیا ہے؛ دنیا کو سہارا رکھنے والے شیش ناگ دھرتی کے بوجھ سے سبکدوش ہو بیٹھے ہیں اور وشنو بھگوان نگہبانی کا خیال چھوڑ کر اطمینان سے دودھ کے سمندر پر محو استراحت ہے۔[49]

علاء الدین خلجیؒ

علاء الدین خلجی کو ایک متعصب حکمراں سمجھا جاتا تھا لیکن اس نے ہندوؤں کے پیشواؤں کی بڑی عزت وتوقیر کی۔ کہا جاتا ہے کہ فرقۂ دیگر کے پیشوا "پورناچندر" اور "سوئمبریوگی" کے "رام چندر سوری" کی پذیرائی سلطان کے یہاں بہت تھی[50]

------ حواشی --

48 - مذہبی رواداری، بحوالہ پالی ٹکس ان پری مغل ٹائمس ص:۴۵، ۴۶) غیاث الدین بلبن غیاث الدین بلبن کا عہد (۱۲۶۵ء تا ۱۲۸۶ء)

49- دیکھئے: ہندوستان کے معاشرتی حالات ازمنۂ وسطی میں از عبداللہ یوسف علی ص:98

50- اسلام امن وآشتی کا علمبردار ص:۴۷ حیدر آباد

مغلیہ عہد

ظہیر الدین بابر نے ہندوستان میں مغلیہ حکومت کی بنیاد رکھی، بابر مذہبی رواداری کی ایک اعلیٰ مثال تھا اس کے بارے میں مؤرخین کی شہادت ہے کہ اس نے ہندو عوام کی دلداری کا ہمیشہ خیال رکھا، اس نے مرض الموت میں اپنے بیٹے ہمایوں کو وصیت کی: اے فرزند! ہندوستان کی سلطنت مختلف مذاہب سے بھری ہوئی ہے خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم کو اس کی بادشاہت عطا کی۔ تم پر لازم ہے کہ اپنے لوح دل سے تمام مذہبی تعصبات کو مٹادو اور ہر مذہب کے طریقہ کے مطابق انصاف کرو۔"[51]

بابر کے بارے میں پروفیسر شری رام شرن شرما لکھتے ہیں:

"ہمیں کوئی ایسی شہادت دستیاب نہیں ہوئی کہ بابر نے کسی مندر کو منہدم کیا ہو اور کسی ہندو کو ہندو ہونے کی وجہ سے ایذاء دی ہو"[52]

پروفیسر رام پرساد کھوسلہ نے لکھاہے کہ:

"بابر نمایاں طور پر مذہبی تعصب اور تنگ نظری سے پاک تھا"[53]

بابر نے رانی چندیری کو اپنی بہن بنایا تھا بعد میں ہمایوں نے بھی اس رشتے کو نبھایا اور رانی چندیری کی مدد کیلئے وہ باقاعدہ لشکر لے کر راجپوتانہ گیا[54]

بابر کے بعد دوسرے حکمرانوں نے بھی اس اعلیٰ روایت کو برقرار رکھا اور کبھی بھی ملک میں نقص امن کی صورت پیدا نہیں ہونے دی۔

------ حواشی --

51-اسلام امن وآشتی کا علمبردار ص: ۴۷ حیدرآباد

52 - مغل امپائر آف انڈیا، ص: ۵۵

53 - مغل کنگ شپ اینڈ نوبلٹی، ص: ۲۰۷

54 - مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمیاں، وضاحتیں۔ یونیورسل پیس فاؤنڈیشن، ص: ۱۶

اورنگ زیب عالمگیرؒ

اورنگ زیب کو بدنام کرنے کے لئے طرح طرح کے افسانے تراشے گئے؛ لیکن آج تک وہ وثیقے محفوظ ہیں جن کے ذریعہ اورنگ زیب نے ہندوؤں کو بڑی بڑی جاگیریں دیں، اورنگ زیب کے سپہ سالار غیر مسلم تھے اورنگ زیب کی اصل طاقت راجہ جے سنگھ تھا۔

"بنگالی مؤرخ سر جادوناتھ سرکار نے "تاریخ اورنگ زیب" میں اعتراف کیا ہے:

"اورنگ زیب کی تاریخ ہندوستان کی ۶۰ سال کی نہایت شاندار تاریخ ہے، اس نے کبھی ہندو کو جبراً مسلمان نہیں بنایا، نہ امن کی حالت میں کسی ہندو کی جان لی"[55]

"تاریخ ہند" کے مصنف رام پرساد کھوسلہ لکھتے ہیں:

"اورنگ زیب نے ملازمت کے لئے اسلام کی شرط کبھی نہیں لگائی۔ بادشاہ کو اسلام کا محافظ ضرور سمجھا جاتا تھا مگر غیر مسلم رعایا پر کوئی جبر اور دباؤ نہیں تھا، بابر سے اورنگ زیب تک مغلوں کی تاریخ تنگ نظری اور فرقہ پرستی سے پاک ہے۔[56]"

سلطان ٹیپو شہیدؒ

مزید آگے بڑھ کر جب ہم ماضی قریب کے مسلم حکمرانوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو سلطان ٹیپو شہید ان میں سرفہرست نظر آتے ہیں، سلطان ٹیپو ایک وطن پرور اور اسلام نواز بادشاہ تھا، مگر اس کے عہد میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے ہندوؤں، برہمنوں اور غیر مسلموں کو بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا اور انہیں اعزازات بخشے۔

ٹیپو سلطان کا وزیر اعظم ایک برہمن تھا جن کا نام "پونیا" (Punnayya) تھا، اور ٹیپو کا فوجی سپہ

------ حواشی --

55 ۔ مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمیاں، وضاحتیں۔ یونیورسل پیس فاؤنڈیشن، ص:۱۶

56 ۔ مسلمانوں کے بارے میں غلط فہمیاں، وضاحتیں۔ یونیورسل پیس فاؤنڈیشن، ص:۱۶

سالار بھی ''کرشناراؤ'' نامی برہمن تھا اور ٹیپو ایک سو چھپن (۱۵۶) مندروں کو سالانہ امداد دیا کرتا تھا[57]۔

دکن کا اسلامی عہد

دکن میں مسلم حکمرانوں کا عہد بھی اس سلسلے میں کافی اہمیت کا حامل ہے، خوشحالی، فارغ البالی اور امن وامان کے لحاظ سے یہ پورا دور مثالی مانا جاتا ہے۔ بلالحاظ مذہب وملت، ہندو، مسلم، پارسی، سکھ، عیسائی سب اس عہد میں مل جل کر رہتے تھے۔

قطب شاہی عہد کے فرمانروا سلطان ابراہیم قطب شاہ کی رواداری کے متعلق ڈاکٹر حمید الدین شرفی لکھتے ہیں:

> ''سلطان ابراہیم بڑے عزم والا تھا، اس نے گولکنڈہ کو استحکام بخشا، اس نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان محبت و بھائی چارگی کو فروغ دیا''[58]

اسی طرح سلطان ابوالحسن تاناشاہؒ نے غیر مسلموں کو بڑے بڑے عہدوں سے سرفراز کیا ''مادنّا'' (جو ایک برہمن تھا اس) کو وزیر اعلیٰ بنایا اور اس کے بھائی ''اِکنّا'' کو فوج کی کمانڈری کا عہدہ سونپا اور یہ دونوں بھائی چند دنوں میں سلطنت کے مختار کل بن گئے[59]۔

رواداری کا یہ ماحول سلطان ابوالحسن تاناشاہ کے دور حکومت میں پورے آب و تاب کے ساتھ پروان چڑھتا نظر آتا ہے، زندگی کا کوئی شعبہ اور حکومت کا کوئی محکمہ ایسا نہ تھا جس میں ہندو مسلمان دوش بدوش کام نہ کرتے ہوں، دونوں اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، دونوں کو برابر کا مرتبہ حاصل تھا[60]

قطب شاہی عہد کے بعد دکن میں آصف جاہی سلطنت کی بنیاد پڑی اس عہد میں امن وامان اور مذہبی رواداری کو جو فروغ ہوا اس کی نظیر نہیں ملتی، یہاں ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل تھی، مسجد، مندر،

------ حواشی ------

57 - مذہبی رواداری، ۳/۳۱۷، اسلام امن وآشتی کا علمبردار، ص:۷۵

58 - تاریخ حیدرآباد، ص:۸

59- تاریخ حیدرآباد، ص:۱۰

60 - آصف سابع میر عثمان علی خان اور ان کا عہد، ص۲۹ از طیبہ بیگم

گرودوارے، کلیسا، اور آتش کدے سبھی کو عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اذان کے ساتھ مندر کے ناقوس کی گونج بھی سنائی دیتی تھی، آتش کدوں میں آگ دہکتی اور گرجاؤں میں گھنٹے بجتے[61]۔

آصف جاہ سابع میر عثمان علی خاںؒ نے اس باب میں ایسی مثال قائم کی جس کا متعصب سے متعصب شخص بھی انکار نہیں کرسکتا۔ فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور خوشحالی زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تھی، مسلمانوں کے ساتھ ہندو قوم کو بھی اعلی عہدے حاصل تھے، ان کے دور حکومت میں مہاراجہ "کشن پرشاد" وزیر اعظم تھے۔ وینکٹ رامار یڈی کوتوال بلدہ، مسٹر تاراپوروالا مشیر مال حضور نظام تھے۔ راجہ نرسنگ راج مہتمم سیونگ بینک نظامت ٹپہ تھے۔۔۔ جہاں آصف سابع نے مسجدوں، عاشور خانوں اور درگاہوں کی امداد کی وہیں مندروں، گرودواروں، کلیساؤں اور آتش کدوں کی مالی سرپرستی بھی کی، پارسیوں کو نوروز کی، عیسائیوں کو کرسمس کی، سکھوں کو گرونانک کے جنم دن کی، اور ہندوؤں کو دیوالی، دسہرہ اور دوسرے تہواروں کی، اور مسلمانوں کو عیدوں اور میلادوں کی تعطیل ملتی تھی۔

دور عثمانی کی رواداری کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس وقت حکومت کے زیر نگرانی ۲۷ مساجد، ۱۰ عاشور خانے، ۱۲ الاوے، ۲۷ درگاہیں، ۱۳ تکیے، ۲۱ مندر، ۱۲ مٹھ، دو گرودوارے اور ۳ آتش کدے تھے[62]

غرض اسلامی حکمرانی کی پوری تاریخ امن وامان اور رواداری کے واقعات سے بھری ہوئی ہے، دنیا کی کوئی تاریخ ایسی شاندار مثالیں پیش نہیں کرسکتی، آج ضرورت ہے کہ دنیا کی حکومتیں ان سے سبق حاصل کریں اور ان خوبصورت نمونوں کو پیش نظر رکھ کر ایک خوبصورت سماج پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اقبال نے سچ کہا تھا:

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

------ حواشی --

61 - آصف سابع میر عثمان علی خان اور ان کا عہد، ص ۱۳۲ از طیبہ بیگم

62 - آصف سابع میر عثمان علی خاں ص: ۱۰۱،۳۳

اسلامی نظام حکومت اور طریقۂ تاسیس[63]

اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے، اس میں زندگی کے ہر شعبہ کے لئے پوری رہنمائی موجود ہے، سیاست وحکمرانی بھی دنیاوی زندگی کا اہم ترین باب ہے، یہ انسانی معاشرہ کی بنیادی ضرورت ہے، اس کے بغیر نہ نظم وضبط قائم ہوسکتا ہے، نہ رشتوں اور مرتبوں کا احترام باقی رہ سکتا ہے، نہ صلاحیتوں کا صحیح استعمال ہوسکتا ہے اور نہ روئے زمین جنت کا نمونہ بن سکتی ہے ...... اسی لئے انسانی تاریخ کے ہر دور میں اس کو ایک اجتماعی ضرورت کے طور پر برتا گیا، ہر عہد کے بہترین دماغوں نے اس کے لئے اپنی صلاحیتیں صرف کیں، ہر علاقہ کی چنیدہ شخصیتوں نے اس میں حصہ لیا، اس کی تشکیل وتاسیس سے لیکر اس کی توسیع وترقی تک کے اصول و ضوابط بنائے گئے، اور تاریخی ارتقا کے ساتھ اس تصور نے بھی ترقی کی، یہ فکر انسانی کی جولانگاہ رہی، یہی چیز انسانی معاشرہ کو دوسری تمام مخلوقات کے مقابلے میں قابل رشک عظمت عطا کرتی ہے، روئے زمین کا تمام تر حسن اسی اجتماعی نظام کی بدولت ہے اور یہی بات انسانوں کو ساری کائنات سے ممتاز کرتی ہے، رب کائنات نے جس وقت تخلیق انسانی کا فیصلہ فرمایا اسی وقت اس کی حیثیت کا تعین ان الفاظ میں فرمایا:

وإذ قال ربک للملٰئکۃ إنی جاعل فی الارض خلیفۃ[64]

ترجمہ: اور جس وقت تیرے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

یہ قدرت کا بیش قیمت عطیہ ہے، وہ لوگ بڑے صاحب نصیب ہیں جو انسانیت کی اس عظیم اجتماعی ضرورت کے لئے منتخب ہوتے ہیں، قرآن کریم کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ضرورت کے لئے تیار ہونے والے افراد بہت ہی غیر معمولی ہوتے ہیں، بشرطیکہ وہ اس کو اسی طرح برتیں جس طرح اس کا حق

------ حواشی --

63 - تحریر بمقام جامعہ ربانی منورواشریف، بتاریخ ۲۰۱۸ء

64 - البقرۃ: ۳۰

ہے:

وعداللہ الذین آمنوامنکم وعملواالصالحٰت لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم[65]

ترجمہ: ایمان والوں اور نیک عمل کرنے والوں سے اللہ پاک کا وعدہ ہے کہ ان کو روئے زمین کی خلافت عطافرمائیں گے، جس طرح کہ ان سے پہلے لوگوں کو عطافرمایا تھا۔

اسلام نے زندگی کے ہر مرحلے کی طرح اس باب میں بھی کافی ہدایات دی ہیں اور اسلامی تاریخ میں اس کے بے شمار عملی نمونے ملتے ہیں، حکومت کی تشکیل وتاسیس اور طریقۂ انتخاب سے لیکر اس کی توسیع واستحکام تک اور آئینی اور اصولی نظریات سے ان کی عملی جزئیات تک ہر مرحلے کے لئے اسلامی تعلیمات میں مکمل ہدایات موجود ہیں، جن کی روشنی میں حقیقی بنیادوں پر پہلے بھی اسلامی حکومتیں قائم ہوئی ہیں اور آئندہ بھی قائم ہوسکتی ہیں۔

اسلامی نظریۂ حکومت

قرآن کریم، احادیث پاک اور سلف صالحین کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام روئے زمین پر ایک ایسی آئینی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے، جہاں حکمران اور رعایادونوں کسی بالاتر قانون کے پابند ہوں، جہاں قانون حکمران طبقے کے لئے بازیچۂ اطفال نہ بنے، جہاں انسانوں کی مرضی سے نہیں بلکہ رب العالمین کے مقرر کردہ اصول وکلیات کی روشنی میں نظام العمل مرتب کیا جائے، جس پر کسی خاص طبقہ یاٹولہ کی جاگیرداری نہ ہو، اور جس کے انتخاب سے لیکر انتظام تک میں ارباب حل وعقد اور اصحاب دانش کی آراء سے استفادہ کیا جائے۔

------ حواشی--

65 ۔النور:۵۵

دو انتہاؤں کے درمیان

جبکہ دنیا میں حکمرانی کی اب تک کی تاریخ دو الگ الگ انتہاؤں کو چھورہی ہے، یاتووہ آمریت کے ذہن سے جنم لیتی ہے یا عوامی آزادی کے بطن سے، دوسرے لفظوں میں حکومت یا تو ایک فرد، خاندان یا طبقہ کی اسیر ہوتی ہے، یہ نسلی یا خاندانی نظام ہے، یا پھر ہر کس وناکس کے خیالات کی پابند، جیسا کہ مروجہ جمہوری نظام حکومت میں ہوتا ہے،...... مگر یہ دونوں صورتیں ایک ناقص وناتمام نظام حکومت ہے، اس لئے کہ تمام تر اختیارات کسی فرد یا خاندان کو دینا جتنا خطرناک ہے، ہر بوالہوس کو صاحب اختیار بنادینا اس سے بھی زیادہ خطرناک حماقت ہے، اسلام ان دو انتہاؤں کے درمیان ایک ایسی آئینی حکومت کا طرفدار ہے جہاں اختیارات افراد کے بجائے قانون کے ہاتھ میں ہو، جہاں انسان کے بجائے رب العالمین کا اختیار چلتا ہو، جس کی تاسیس وتشکیل کو نہ کسی فرد یا خاندان میں محدود کیا جائے اور نہ ریاست کے ہر ہر فرد تک عام کرنے کا لزوم ہو، بلکہ یہ اختیار ہر علاقہ کے ارباب حل وعقد اور اصحاب علم ودانش کو حاصل ہو کہ وہ باہم مشورہ سے امیر کا انتخاب کریں۔۔۔ فقہاء نے اہلیت امیر کا ایک معیار مقرر کیا ہے، جو شخص بھی اس معیار مطلوب پر پورا اترے اس کو یہ ذمہ داری دی جاسکتی ہے، یہ شورائی نظام ہے، یہ جمہوری نظام سے قریب تر ہونے کے باوجود اس سے مختلف ہے، مثلاً:

جمہوریت اور شورائیت میں فرق

☆ جمہوری نظام میں ریاست کے ہر شہری کو اس میں شرکت کا قانونی استحقاق ہوتا ہے، اور اس میں کسی ایک شخص کو بھی اس حق کے استعمال سے قصداً بے دخل نہیں کیا جاسکتا، جبکہ شورائی نظام میں ریاست کے ہر فرد کی شرکت ضروری نہیں ہوتی، صرف ارباب حل وعقد کی ایک قابل لحاظ تعداد کی شرکت کافی ہوتی ہے،

☆اسی طرح جمہوری نظام میں امیر کا انتخاب ایک محدود مدت کے لئے ہوتا ہے، اور مدت کے اختتام پر اس کی امارت خود بخود ختم ہوجاتی ہے اگر چہ کہ اس میں ساری صلاحیتیں بدستور موجود ہوں، اور نظام

حکومت بہتر انداز میں چل رہا ہو، جبکہ شورائی نظام میں امیر کا انتخاب (عہد صحابہ سے آج تک کی عام روایت کے مطابق) محدود مدت کے لئے نہیں بلکہ تاحیات کے لئے ہوتا ہے، بشرطیکہ اس کی صحت اور عقل وفکر سلامت رہے اور اس سے کوئی ایسی بڑی خیانت یا دینی یا قومی گناہ سرزد نہ ہو جس سے اس کو معزول کرنا ضروری ہو جائے۔

☆جمہوری نظام کی بنیاد عددی قوت پر ہوتی ہے، جبکہ شورائی نظام اصولی طور پر معنویت اور معقولیت کو رہنما بناتا ہے، اور کسی بھی رائے کو ترجیح بالعموم اسی اصول پر حاصل ہوتی ہے۔

☆جمہوری نظام میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کی جیت کے امکانات بہت محدود ہوتے ہیں اس لئے کہ دنیا میں اکثریت ہمیشہ غیر معیاری لوگوں کی ہوتی ہے، جبکہ شورائی نظام میں یہ خطرہ نسبتاً کم ہوتا ہے، وغیرہ۔

خلافت ارضی

اسلام ایک نظریاتی حکومت کا علمبردار ہے اس کی تشریح کے لئے یہ وضاحت ضروری ہے کہ حکومت کے بارے میں اسلام کا تصور کیا ہے؟ اور وہ حکمراں کو کس آئینے میں دیکھتا ہے؟

قرآن زمینی حکومت کو خلافت کا نام دیتا ہے، اسلامی تصور کے مطابق روئے زمین بلکہ ساری کائنات اور ماورائے کائنات پر حکومت صرف اللہ کی ہے:

إن الحکم إلا للہ[66] ترجمہ: حکومت صرف اللہ پاک کے لئے ہے۔

ساری کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا ہے اسی کی مرضی اور اشارہ سے ہوتا ہے، اس کی اجازت کے بغیر ایک پتہ نہیں ہل سکتا، ساری پیشانیاں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، دل کی دھڑکنیں اور ذہن ودماغ کی کاوشیں بھی اسی کے قبضے میں ہیں، زمین پر جو بھی نظام حکومت قائم ہوتا ہے وہ دراصل حکومت الٰہی کا عکس ہے، یہ حکومت نہیں نیابت اور خلافت ہے، اور یہ خدائی انتخاب ہے، اللہ پاک نے اس زمین کا نظام انسانوں کے حوالہ کیا ہے، اس لئے ضروری ہے کہ یہاں کے ہر نظام میں اس کی مرضی کا لحاظ رکھا جائے۔

------ حواشی --

[66] -یوسف :67

حضرت داؤدؑ ان اولوالعزم پیغمبروں میں ہیں جن کو نبوت کے ساتھ ساتھ خلافت ارضی سے بھی سرفراز کیا گیا تھا، ان کو مخاطب کرکے رب العالمین نے ارشاد فرمایا:

يٰداؤدإناجعلناک خليفة فی الارض فاحکم بين الناس بالحق ولاتتبع الهوىٰ فيضلک عن سبيل الله[67]

ترجمہ: اے داؤد! ہم نے آپ کو زمین کا خلیفہ بنایا ہے، اس لئے لوگوں کے لئے آپ کے فیصلے کی بنیاد خالص حق پر ہونا چاہئے، لوگوں کی خواہشات اور تقاضوں کے پیچھے نہ چلیں ورنہ وہ راہ حق سے آپ کو دور کر دیں گے۔

ایک جگہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

ثم جعلناکم خلائف فی الارض من بعدہم لننظرکيف تعملون[68]

ترجمہ: پھر ہم نے خلافت ارضی ان کے بعد تم کو عطا کی تاکہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو؟

ایک جگہ بعض ان بنیادی مقاصد کا ذکر کیا گیا ہے جن کے لئے اسلامی حکومت وجود میں لائی جاتی ہے:

ألذين إن مکناہم فی الارض أقاموالصلوٰة وآتوالزکوٰة وأمروا بالمعروف ونهواعن المنکر[69]

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کو اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو نماز قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔

سورۃ الحدید میں ہے:

لقدأرسلنارسلنابالبينات وأنزلنا معهم الکتٰب والميزان ليقوم

------ حواشی ------

67 - ص ۲۶

68 - یونس: ۱۴

69 - الحج: ۱۴

الناس بالقسط وأنزلناالحدید فیہ باس شدید ومنافع للناس[70]

ترجمہ: ہم نے اپنے رسولوں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا اتارا جس میں سخت قوت اور لوگوں کے لئے سامان نفع ہے۔

لوہا سے مراد یہاں سیاسی اور اقتصادی قوت ہے[71]

خلافت کا مفہوم

اسی لئے علماء اسلام نے امامت و خلافت کی جو تعریفات کی ہیں ان میں اس بنیادی تصور کو ملحوظ رکھا گیا ہے، مثلاً:

علامہ ابن خلدونؒ المالکی امامت کی تعریف کرتے ہیں:

خلافۃ عن صاحب الشرع فی حراسۃ الدین وسیاسۃ الدنیا[72]

امامت دراصل دین کی نگرانی اور دنیا کے سیاسی معاملات میں صاحب شرع کی قائم مقامی کا نام ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی الحنفیؒ رقمطراز ہیں:

نیابۃعن الرسول فی إقامۃالدین بحیث یجب علیٰ کافۃالامم الاتباع[73]

ترجمہ: یہ اقامت دین کے معاملے میں رسول اللہ ﷺ کی نیابت ہے جس کی اتباع پوری امت پر واجب ہے۔

------ حواشی ------

70 - الحدید: ۲۵

71 - التفسیر الکبیر للرازی، ج۲۹ ص ۲۴۲-۲۴۳ ط دار الفکر بیروت ۱۹۸۱ء

72 - مقدمہ ابن خلدون ص ۹ ط دار الفکر

73 - شرح العقائد النسفیۃ ص ۱۵ ط دار احیاء الکتب العربیۃ

علامہ ماوردی الشافعیؒ تحریر فرماتے ہیں:

خلافة النبوة فی حراسة الدین وسیاسة الدنیا[74]

ترجمہ: تحفظ دین اور سیاست دنیا کے مسئلے میں نیابت نبوت۔

اس طرح کی مختلف تعریفات میں یہ بات قدر مشترک کے طور پر ملتی ہے کہ اسلام کا تصور حکومت آزادانہ خود مختاری یا مطلق العنانی کا نام نہیں ہے، بلکہ یہ بہت سے حدود و قیود کا پابند ہے۔

اسلام میں حکمراں کی حیثیت

اسلام کے تصور حکومت کو سمجھنے کے لئے حکمراں کی حیثیت عرفی کی بحث بھی قابل ذکر ہے، اس ضمن میں تین نقاط نظر ملتے ہیں:

(۱) بعض حضرات کی رائے ہے کہ حکمراں روئے زمین پر اللہ کا نائب اور خلیفہ ہوتا ہے، اس لئے کہ حکمراں بندگان خدا پر اللہ ہی کے احکام نافذ کرتا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وھوالذی جعلکم خلائف الارض ورفع بعضکم فوق بعض درجات[75]

ترجمہ: اور اللہ پاک ہی نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا، اور بعض کو بعض پر برتری عنایت فرمائی۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

إنی جاعل فی الارض خلیفة[76]

ترجمہ: میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

------ حواشی ------

74 - الاحکام السلطانیۃ ص ۵ ط دار الفکر ۱۴۰۴ھ

75 - الانعام: ۱۶۵

76 - البقرۃ: ۳۰

یہ قول حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب ہے[77]

ان حضرات کے مطابق امام کو خلیفۃ اللہ کہنا جائز ہے۔

لیکن اس رائے کو قبول کرنے میں کئی دشواریاں ہیں:

☆ خلافت و نیابت کا تعلق غائب شخصیت سے ہوتا ہے، اللہ حیّ القیّوم ہے، اس کے لئے خلیفہ و نائب کا کیا تصور؟

☆ امام کو تفویض امامت منجانب اللہ نہیں ہوتی کہ اس کو اللہ کا خلیفہ کہا جائے بلکہ قوم یا ارباب حل و عقد کی طرف سے ہوتی ہے۔

☆ اگر کسی کے لئے خلیفۃ اللہ کہلانا درست ہوتا تو وہ نبی ﷺ کی ذات گرامی تھی، کیونکہ نبوت من جانب اللہ ہوتی ہے، لیکن کبھی آپ ﷺ نے اپنے لئے یہ لقب اختیار نہیں فرمایا۔

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ اقامت دین اور سیاست دنیا کے معاملات میں امام رسول اللہ ﷺ کا نائب و خلیفہ ہوتا ہے[78]

اس رائے کا مأخذ غالباً حضرت ابو بکر صدیقؓ کا ایک قول ہے:

لست خلیفۃ اللہ ولٰکنی خلیفۃ رسول اللہ[79]

ترجمہ: میں اللہ کا نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ ہوں۔

نیز یہ رسول اللہ ﷺ کا منصب ہے، اگر آپ دنیا میں تشریف فرما ہوتے تو آپ ہی امام وقت ہوتے، بعد میں آنے والے خلفاء دراصل حضور ﷺ کے اسی مشن کو آگے بڑھانے والے ہیں، اس لئے ان کے لئے خلیفۂ رسول کا خطاب درست ہے۔

------ حواشی ------

77- دیکھئے جامع البیان للطبریؒ ج ا ص ۱۵۷ ط، الاحکام السلطانیۃ للماوردیؒ ص ۱۴، الاحکام السلطانیۃ لابی یعلیٰ ص ۲۷، مقدمہ ابن خلدون ص ۱۹۱

78- الاحکام السلطانیۃ للماوردیؒ ص ۱۴، الاحکام السلطانیۃ لابی یعلیٰ ص ۲۷ ط دار القلم ۱۴۰۴ھ، مقدمہ ابن خلدون ص ۱۹۱

79 - طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۸۳ ط دار صادر ۱۴۰۵ھ

مگر اس رائے میں دقت یہ ہے کہ کسی کا خلیفہ وہ ہوتا ہے جس کو وہ خود اپنا خلیفہ بنائے، بعد میں آنے والے ائمہ کا انتخاب من جانب رسول نہیں ہوتا، اس لئے ان کو ان کا خلیفہ بھی نہیں کہا جاسکتا، حضرت ابو بکر صدیقؓ کا معاملہ اس سے مختلف ہے، ایک تو وہ خلیفہ بلا فصل تھے، دوسرے خود رسول کریم ﷺ ان کو اپنا جانشین بنانا چاہتے تھے لیکن مصلحتاً آپ نے ان کو نامزد نہیں فرمایا، حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لقد ہممت-اوأردت -أن ارسل إلیٰ أبی بکر وإبنہ،فأعہد أن یقول القائلون أویتمنی تمنون،ثم قلت یأبی اللہ ویدفع المؤمنین او یدفع اللہ ویأبی المؤمنون[80]

ترجمہ: میں نے تو ارادہ کر لیا تھا کہ ابو بکر اور ان کے بیٹے کو بلوا کر عہد نامہ تیار کرا دوں تا کہ کسی بوالہوس کو کچھ کہنے اور سوچنے کی نوبت نہ آئے، لیکن پھر میں نے کہا کہ اللہ پاک اور مسلمان خود اس کو دفع کر دیں گے۔

علامہ ابن تیمیہؒ اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

یغنی عن العہد فلایحتاج إلیہ فترکہٗ لعدم الحاجۃ وظہور فضیلۃ الصدیق وإستحقاقہٖ وھٰذاأبلغ من العہد[81]

ترجمہ: عہد نامہ کی ضرورت نہیں تھی، اس لئے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا فضل واستحقاق بالکل ظاہر تھا، اور یہ عہد نامہ کے مقابلے میں زیادہ معنیٰ خیز بات تھی۔

اس لئے حضرت ابو بکرؓ کو خلیفۂ رسول کہلانے کا حق تھا، بعد کے خلفاء نے اپنے لئے یہ لقب استعمال نہیں کیا، خود حضرت عمرؓ نے اپنے لئے امیر المؤمنین کا لقب اختیار فرمایا، خلیفۂ رسول نہیں۔

(۳) تیسری رائے جس کو متعدد علماء اور مشائخ نے اختیار فرمایا ہے، وہ یہ کہ امام جملہ معاملات و مسائل میں امت کا وکیل اور نائب ہوتا ہے، قوم اسے منتخب کرتی ہے اس لئے وہ قوم کا نمائندہ ہوتا ہے، اس

------ حواشی ------

80- صحیح البخاری مع فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۰۵ ط دار الفکر

81- منہاج السنۃ لابن تیمیہ ج ۱ ص ۱۴۱ ط دار الکتب العلمیہ بیروت

موقف کے حاملین میں درج ذیل علماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

علامہ باقلانیؒ المالکی (م ۴۰۳ھ)[82]، قرطبیؒ المالکی (م ۶۷۱ھ)[83]، ابن تیمیہ الحنبلیؒ[84]، ابن رجب الحنبلی[85]، علامہ کاسانی الحنفیؒ[86]، وغیرہ۔

یہ رائے اس اعتبار سے زیادہ قابل لحاظ ہے کہ امت یا اس کے ارباب حل وعقد اس کو منتخب کرتے ہیں، اس کے کاموں کا محاسبہ کرسکتے ہیں اور ناقابل معافی جرائم کی صورت میں اس کو معزول کرسکتے ہیں، وغیرہ ...... یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جماعت اصل ہے اور امام اس کا نمائندہ ہے، اس لئے اس کے ہر عمل میں جماعت کی نمائندگی ہونی چاہئے۔

اسلامی نظریۂ حکومت کا امتیاز

اسی طرح اسلامی نظریۂ حکومت عام نظریۂ حکمرانی سے مختلف ہے، عام تصور یہ ہے کہ یہ ایک اعزاز ہے، جو خوش نصیب لوگوں کو حاصل ہوتا ہے، اسی لئے قرون قدیمہ میں اس کے لئے کچھ افراد یا خاندان مخصوص ہوتے تھے، اور اس کو آسمانی خصوصیت باور کرایا جاتا تھا، اسی لئے عام خاندانوں کے لوگ کبھی یہ خیال بھی نہیں کرسکتے تھے کہ وہ بھی کبھی مسند اقتدار پر بیٹھ سکتے ہیں، اسلام کے آنے کے بعد جب انسانی رجحانات میں تبدیلی آئی، اور اسلامی فتوحات نے عالمی تصورات میں انقلاب برپا کیا، تو وہ دنیا جو اسلامی تعلیمات کی نورانیت سے محروم ہے وہاں یہ تو نہ ہوا کہ اسلامی نظریۂ حکمرانی کو پذیرائی ملتی، لیکن اتنا ضرور ہوا کہ اس مصنوعی امتیاز کا طلسم پارہ پارہ ہوگیا، اور ہر طبقہ کے لوگ اس کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، ہر ایک نے اس کو اپنے استحقاق کا مسئلہ بنالیا، عورتیں بھی اس معاملے میں پیچھے نہیں رہیں، اس لئے کہ حق کے معاملے

------ حواشی --

82- التمہید بحوالہ نصوص الفکر السیاسی الاسلامی، منشورات دار الطلیعۃ بیروت

83- بحوالہ الامامۃ فی الفقہ الاسلامی لعلی بن ہلال العبری ص ۳۷، سنہ ۱۹۹۱ء

84- السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ للخلاف ص ۱۴ ط دار القلم الکویت سنہ ۱۴۰۸ھ

85 - بحوالہ القواعد فی الفقہ الاسلامی ص ۱۱۶ ط مکتبۃ الکلیات الازہریۃ سنہ ۱۳۹۲ھ

86 - بدائع الصنائع ص ۱۶ ط دار الکتب العربی بیروت سنہ ۱۴۰۲ھ

میں انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنا ضروری ہے، دنیا کی پوری تاریخ حکمرانی انہی حقائق کے گرد گھوم رہی ہے ، غیر اسلامی دنیا میں ایسے حکمراں شاید انگلیوں پر گنے جاسکیں جنہوں نے ان سفلی جذبات سے بلند ہو کر حکمرانی کے حقوق ادا کئے ہوں۔

اس کے بالمقابل اسلامی نظریۂ حکومت ہے کہ یہ کوئی پیدائشی اعزاز یا حق نہیں بلکہ بہت بڑی ذمہ داری ہے، یہ مقام عزت نہیں موقع خدمت ہے، یہ قدرت کا محض عطیہ نہیں بلکہ فریضہ بھی ہے، یہ کامیابی نہیں، آزمائش ہے، اس کی طلب نہیں بلکہ اس سے بچنے کی کوشش کرنی چاہئے، قرآن وحدیث کی متعدد نصوص میں اس تصور کی ترجمانی کی گئی ہے، قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلىٰ أهلها وإذا حكمتم بين الناس أن تحكموا بالعدل إن الله نعمايعظكم به إن الله كان سميعاً بصيراً[87]

ترجمہ: اللہ پاک تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم امانتیں اہل امانت کے حوالے کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلے کی نوبت آئے تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو، اللہ پاک تمہیں اچھی نصیحت کرتے ہیں اور اللہ پاک سننے اور دیکھنے والے ہیں۔

ارشاد نبوی ہے:

ألاكلكم راع وكلكم مسؤل عن رعيته فالامير الذى على الناس راع وهو مسؤل عن رعيته[88]

ترجمہ: سنو! تم میں سے ہر شخص جواب دہ ہے اور ہر ایک سے اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں پوچھ ہوگی پس حکمران اعلی بھی اپنی رعایا کے حق میں جوابدہ ہے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

------ حواشی--

87 - النساء:۵۸

88 - بخاری شریف کتاب الاحکام ج ۲ ص ۱۰۹ حدیث نمبر ۲۴۱۶، مسلم شریف کتاب الامارۃ ج ۱۲ ص ۲۰۹ حدیث نمبر ۴۸۲۸ ط دار الفکر مکتبۃ الریاض الحدیثۃ ۱۴۰۱ھ

من ولی لنا عملاً ولم تکن لہٗ زوجۃ فلیتخذ زوجۃ اوخادماً فلیتخذخادماًاومسکناً فلیتخذ مسکناً اودابۃً فلیتخذ دابۃ فمن اصاب سویٰ ذٰلک فہو غال اوسارق[89]

ترجمہ: جو شخص حکومت کے کسی منصب پر فائز ہو، اوراس کے پاس بیوی نہ ہو تو بیوی حاصل کرلے، خادم نہ ہو تو خادم بنالے، گھر نہ ہو تو گھر بنالے، سواری نہ ہو تو سواری کا نظم کرلے اور بس، اس سے زیادہ کی جو کوشش کرے گا وہ خائن یا چور ہو گا۔

سرکار دوعالم ﷺ نے حضرت ابو ذر غفاریؓ کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا:

یاأبا ذر إنک ضعیف وإنہا أمانۃ وإنہا یوم القیامۃ خزی وندامۃ إلا من أخذ بحقہا وأدی الذی علیہ فیہا[90]

ترجمہ: اے ابوذر تم ایک کمزور شخص ہو اور منصب حکومت ایک امانت ہے اور روز قیامت باعث ذلت وندامت، سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے اس کا حق ادا کیا اور اس کی ذمہ داریاں پوری کیں۔

امیر میں کیسی احساس ذمہ داری ہونی چاہئے اس کی نمائندگی حضرت عمر بن خطابؓ کے اس قول سے ہوتی ہے:

لوہلک حمل من ولدالضان ضیاعاً بشاطیئ الفرات خشیت أن یسألنی اللہ عنہ[91]

ترجمہ: دریائے فرات کے کنارے ایک بکری کا بچہ بھی اگر ہلاک ہوجائے تو مجھے ڈر لگتاہے کہ اللہ پاک مجھ سے بازپرس نہ کریں۔

------ حواشی --

89- مسند احمد ج ۳۹ ص ۱۰۸ حدیث نمبر ۱۸۵۰۲ ط مصر، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۲۰ ص ۳۰۵ ط مکتبۃ العلوم والحکم، الموصل ۱۹۸۳ء

90 - صحیح مسلم ج ۶ ص ۶ حدیث نمبر ۴۸۲۳ ط دار الجیل بیروت

91 - مصنف ابن ابی شیبۃ- تحقیق محمد عوامۃ کتاب الزہد باب کلام عمرؓ ج ۱۳ ص ۲۷۷ حدیث نمبر ۱۶۳۳۳ ط دار السلفیۃ ممبئی ۱۹۸۳ء

اعزاز نہیں، آزمائش

اسی لئے اسلامی تصور کے مطابق کوئی سمجھدار شخص عام حالات میں جان بوجھ کر اپنی گردن اس میں پھنسانا پسند نہیں کر سکتا، بلکہ جو شخص اس کا خواہش مند ہو یا اس کے لئے تگ ودو کرے اس کو ناپسندیدہ شخص قرار دیا جاتا ہے، اوراصولی طور پر اس کو یہ ذمہ داری نہیں دی جاسکتی، ارشاد نبوی ہے:

إنا واللہ لانولی علیٰ ھٰذاالعمل ہٰذا أحداً سألہٗ ولاأحداًحرص علیہ[92]

ترجمہ: بخدا ہم کسی ایسے شخص کو یہ منصب نہیں دے سکتے جو اس کا خواہشمند یا حریص ہو۔

إن أخونکم عندنا من طلبہٗ[93]

ترجمہ: تم میں سب سے بڑا خائن وہ ہے جو منصب کا طلبگار ہو۔

حضرت عبد الرحمن بن سمرہؓ کو مخاطب فرما کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یاعبدالرحمن بن سمرةؓ !لاتسأل الامارة فإنک إذا أوتیتہاعن مسئلۃ وکلت إلیہاوإن أوتیتہا عن غیر مسئلۃ أعنت علیہا[94]

ترجمہ: اے عبد الرحمن بن سمرہؓ! عہدہ مت طلب کرو اس لئے کہ اگر طلب پر تم کو دیا جائے گا تو تم کو اسی کے حوالے کر دیا جائے گا، اور بلا طلب ملے تو نصرت الٰہی شامل حال ہوگی۔

------ حواشی --

92 - صحیح مسلم ج ٦ ص ٦ حدیث نمبر ۴۸۲۱ ط بیروت، بخاری کتاب الاحکام باب مایکرہ من الحرص علی الامارۃ ج ۴ ص ۳۳۰ حدیث نمبر ۷۱۴۸ ط مکتبۃ السلفیۃ القاہرۃ، سنن البیہقی الکبریٰ ج ۱۰ ص ۱۰۰ حدیث نمبر ۲۰۰۳۵ ط مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ سنۃ ۱۹۹۴ء

93 - أبو داؤد کتاب الامارۃ ج ۳ ص ۹۱ حدیث نمبر ۲۹۳۲ ط دار الکتاب العربی بیروت، سنن النسائی ج ۵ ص ۲۲٦ حدیث نمبر ۸۷۴٦ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت

94 - بخاری کتاب الاحکام باب من سأل الإمارۃ وکل إلیہا ج ۴ ص ۳۳۰ حدیث نمبر ۷۱۴۷ ط مکتبۃ السلفیۃ القاہرۃ

امیدواری کا تصور نہیں

یہ ہدایات اسلامی تصور حکومت کو سمجھنے کے لئے بہت کافی ہیں اور اسی تصور امارت کی بناپر اسلامی سوسائٹی میں کسی شخص کا دعویٰ حکومت لیکر اٹھنا بہت مستبعد بات ہے، آج کی طرح امیدواروں کی بڑی تعداد ، ترغیب وتحریص کے نت نئے طریقے اور تشہیری مہموں کی گرم بازاری کا اسلامی نظام انتخاب میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، عہد نبوت کے بعد اسلامی عہد حکومت کے لئے خلفاء اربعہ اور خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا دور آئیڈیل دور ہے، اس پورے عہد میں ایک بھی ایسی مثال نہیں ملتی کہ کسی خلیفہ یا حکمراں کو ان کی امیدواری یا خواہش کی بنیاد پر حکومت سونپی گئی ہو، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے پیش رو خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کا انتقال ہوا تو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں تھا کہ اگلے خلیفہ کے طور ان کا نام منتخب ہوگا، یہ تو ان کو اس وقت معلوم ہوا جب مرحوم خلیفہ کی تحریر تولیت (یا وثیقۂ خلافت) بر سر مجلس پڑھی گئی، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اپنے نام کا انتخاب دیکھ کر حیران رہ گئے، ان پر سکتہ کی کیفیت طاری ہوگئی، لوگ ان کو منبر پر جانے کی فرمائش کر رہے تھے اور ان میں اٹھنے تک کی سکت نہیں تھی، لوگوں نے بہت اصرار کے ساتھ سہارا دے کر ان کو اٹھایا اور منبر پر بٹھایا، بہت دیر تک سکتہ کی کیفیت میں بیٹھے رہے ایک لفظ نہ بول سکے، جیسے کتنی بڑی مصیبت آن پڑی ہو، جب کچھ ہوش وحواس بحال ہوئے تو ارشاد فرمایا:

> أیہا الناس إنی واللہ ماستؤمرت فی ہذاالامروانتم بالخیارثم نزل ...... وفی روایۃ اخریٰ...... إنی قد ابتلیت بہذا الامرمن غیررای کان منی ولاطلبۃ لہٗ ولامشورۃ من المسلمین وإنی قدخلعت ما فی أعناقکم من بیعتی فاختاروا لانفسکم،فصاح الناس صیحۃواحدۃ،قد إخترناک یا امیر المؤمنین ورضینا بک[95]

ترجمہ: لوگو! بخدا اس معاملہ میں مجھ سے کوئی مشورہ نہیں لیا گیا اس لئے آپ تمام لوگوں کو اختیار ہے،...... یہ کہکر اتر گئے ......ایک روایت میں ہے کہ آپ نے

------ حواشی--

95 - سیرۃ عمر بن عبد العزیزؒ للحافظ جمال الدین ابی الفرج عبد الرحمن بن الجوزیؒ ص ۵۱-۵۳ ط مطبعۃ المؤید مصر ۱۳۳۱ھ

کہا...... کہ اس معاملہ میں میری طلب اور پسند اور مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر مجھے آزمائش میں ڈالا گیا ہے، اس لئے میں اپنی بیعت سے آپ سب کو آزاد کرتا ہوں، جس کو چاہیں آپ لوگ خلیفہ منتخب کر لیں...... کہتے ہیں کہ یہ سن کر مسجد میں لوگوں کی چیخیں نکل گئیں، سب نے بیک آواز کہا، ہم آپ کو اختیار کرتے ہیں اور آپ سے راضی ہیں۔

اسلامی حکمراں کی صفات

وہ کیا خصوصیات ہیں جن کی بنیاد پر کسی کو حکمرانی کے لئے اہل یا نااہل قرار دیا جا سکتا ہے، فقہ اسلامی کی کتابوں میں مکمل رہنما خطوط موجود ہیں، ہم اس سلسلے میں کچھ ضروری اشارات پیش کرتے ہیں:

فقہاء نے اہلیت امارت کی بحث کے ضمن میں بعض شرائط کا ذکر کیا ہے جن میں کچھ اتفاقی ہیں اور کچھ اختلافی:

اہلیت امارت کی شرطیں

(۱) مسلمان ہو، اس لئے کہ جواز شہادت کے لئے اسلام شرط ہے، مسلمانوں کے خلاف کافروں کی شہادت درست نہیں، جبکہ ولایت کا درجہ شہادت سے بلند ہے، اس شرط کا مأخذ یہ آیت کریمہ ہے:

ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً[96]

ترجمہ: اللہ پاک کافروں کو اہل ایمان پر ہرگز کوئی راستہ نہیں دے گا۔

ظاہر ہے کہ حکومت سے بڑھکر سبیل کیا ہو سکتی ہے؟

(۲) عاقل و بالغ ہو، کسی بچے یا پاگل کی امامت درست نہیں، اسلئے کہ وہ خود اپنے معاملات میں دوسروں کے محتاج ہیں تو پوری ریاست اور قوم کے معاملات و مسائل کا بوجھ وہ کیا اٹھا سکتے ہیں؟ یہ تو بہت بنیادی بات ہے بلکہ کم از کم اتنا صاحب فہم ہونا چاہئے کہ ریاست کے معاملات و مسائل اور قومی و ملکی امور میں

------ حواشی--

[96] -النساء : 141

دشمن کے مکروفریب کو سمجھ سکے[97]

ایک اثر صحابی سے اس پر روشنی پڑتی ہے:

تعوذوا باللہ من رأس السبعین ......وامارۃ الصبیان[98]

ترجمہ: ستر (۷۰) کے آغاز......اور بچوں کی حکومت سے پناہ چاہو۔

(۳) مرد ہو، اسلام میں عورتوں کو بار خلافت دینے کی اجازت نہیں، اور نہ اس کی ذہنی وجسمانی ساخت اتنی بڑی ذمہ داری اٹھانے کی متحمل ہے[99]

☆ دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

الرجال قوامون علی النساء بمافضل اللہ بعضہم علیٰ بعض وبماانفقوا من اموالہم[100]

ترجمہ: مرد عورتوں پر نگراں ہیں، اس بنیاد پر جو اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

☆ نیز رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لن یفلح قوم ولّوا أمرہم إمرأۃ[101]

ترجمہ: وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جو اپنے معاملات کی ذمہ داری کسی عورت کے حوالے کردے۔

☆ ایک اور حدیث میں ہے:

------ حواشی ------------------------------------

97- فضائح الباطنیۃ للغزالیؒ ص ۸۰، شرح العقائد للتفتازانیؒ ص ۱۴۵ ط دار احیاء الکتب العربیۃ

98 - اخرجہٗ أحمد ۲/ ۳۲۶ ط السلفیۃ واسنادہٗ ضعیف، المیزان للذہبی ۳/ ۴۰۲ ط الحلبی

99 - الاحکام السلطانیۃ للماوردیؒ، الروضۃ للنوویؒ ا/ ۴۲ ط المکتب الاسلامی ۱۴۰۵ھ، المسامرۃ (لابن ابی شریف) شرح المسایرۃ لابن الہمامؒ ص ۳۲۰ ط المکتبۃ التجاریۃ مصر، الجامع لاحکام القرآن للقرطبیؒ ا/ ۲۷۰ ط دار الفکر ۱۳۷۲ھ

100 - النساء: ۳۴

101- رواہ البخاری وأحمد والنسائی والترمذی فتح الباری ۸/ ۱۲۶ ط السلفیۃ

إذاكان أمراء كم خياركم وأغنياء كم سمحاء كم وأمركم شورىٰ بينكم فظہرالارض خيرلكم من بطنہاوإذاكان أمراءكم اشراركم و أغنياء كم بخلاء كم واموركم إلىٰ نسائكم فبطن الارض خيرلكم من ظہرہا[102]

ترجمہ: جب تمہارے امراء تم میں بہتر لوگ ہوں، تمہارے مالدار سخی ہوں اور تمہارے امور باہم مشورہ سے طے ہوں، تو زمین کی پشت تمہارے لئے اس کے بطن سے بہتر ہے، اور جب تمہارے امراء تم میں بدترین لوگ ہوں، تمہارے مالدار بخیل ہو جائیں، اور تمہارے معاملات تمہاری عورتوں کے سپرد ہو جائیں تو تمہارے لئے زمین کا بطن اس کی پشت سے بہتر ہے۔

(۴) آزاد ہو، غلام نہ ہو[103]

(۵) اعضاء وحواس صحیح سالم ہوں، اور امور خلافت کی انجام دہی پر خود قدرت رکھتا ہو[104]

بعض مختلف فیہ شرطیں

(۶) عدالت اور علم واجتہاد، فقہاء مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ کے نزدیک امیر کے لئے عادل ہونا شرط ہے (یعنی ایسا شخص جو امانت و دیانت اور اخلاق فاضلہ کا حامل ہو، صادق القول ہو، گناہوں سے بچتا ہو، اعتماد اور وقار رکھتا ہو، رضا اور غضب ہر حال میں قابل بھروسہ ہو، اس کی دینی اور اخلاقی حالت لوگوں میں معروف اور مسلم ہو) اور صاحب اجتہاد (یعنی اتنا علم وفہم کہ مختلف فیہ مسائل وواقعات میں کسی نتیجے تک پہونچنے کی اس میں صلاحیت ہو)، اسی لئے ان کے نزدیک صاحب عدل واجتہاد شخصیت کے رہتے ہوئے کسی فاسق یا غیر مجتہد کو امیر بنانا درست نہیں ہے، حنفیہ کی رائے میں امیر میں یہ صفات بطور شرط صحت نہیں بلکہ بطور اولویت

------ حواشی--

102- ترمذی ۴/ ۵۲۹ حدیث نمبر ۲۲۶۶ ط داراحیاء التراث العربی بیروت، تہذیب الآثار للطبری ج ا ص ۱۱۳ ط مطبعۃ المدنی القاہرۃ

103- الاحکام السلطانیۃ للماوردی ص ۶، الروضۃ للنووی ۱/ ۴۲، المسامرۃ شرح المسایرۃ لابن الہمام ص ۳۲۰، الجامع للقرطبی ۱/ ۲۷۰

104- المصنف للشیخ احمد بن عبد اللہ الکندی م ۵۵۷ھ ج ۱۰ ص ۵۷ ط مطبعۃ عیسیٰ البابی عمان ۱۴۰۳ھ، الاحکام للماوردی ص ۶، الاحکام لابی یعلیٰ ص ۲۱، ۲۲

وترجیح مطلوب ہیں، یعنی اگر عادل و مجتہد شخصیت کی موجودگی میں کسی ایسے شخص کو ذمہ داری دے دی جائے جو ان صفات سے محروم ہو تو یہ انتخاب کا غیر مناسب طریقہ ہو گا لیکن منتخب شدہ امیر کی امارت باطل نہیں ہو گی[105]

(۷) سماعت وبصارت اور ہاتھ اور پاؤں سلامت ہوں، جمہور فقہاء کے نزدیک اس کے بغیر امامت ہی منعقد نہیں ہوتی، اس لئے ان کے نزدیک اندھے، بہرے، ہاتھ اور کان کٹے کو امام بنانا درست نہیں، اور اگر وہ شروع میں صحیح سالم تھا بعد میں یہ نقائص پیدا ہو گئے، تو اس کی امامت باطل ہو جائے گی[106]

(۸) بہتر نسب کا حامل ہو، جمہور فقہاء کے نزدیک امام کے لئے قرشی النسل ہونا ضروری ہے[107]،

علامہ ماوردیؒ، علامہ نوویؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے عہد صحابہ سے آج تک اس پر اجماع نقل کیا ہے[108]

بعض علماء اس کو ضروری قرار نہیں دیتے،[109]

جمہور کا مأخذ ایک حدیث پاک ہے:

الائمۃ من قریش[110]

------ حواشی--

105 - حاشیۃ ابن عابدین ۱/ ۳۸، ۴/ ۳۰۵ ط دار الفکر ۱۳۹۹ھ، الاحکام السلطانیۃ للماوردی ص ۶، جواہر الاکلیل علیٰ مختصر الامام خلیل للشیخ صالح الآبی الازہری ۲/ ۲۲۱ ط المکتبۃ الثقافیۃ بیروت، مغنی المحتاج للشربینی علی المنہاج للنوویؒ ۴/ ۱۶۸، ۱۶۹ ط دار المعرفۃ بیروت،، شرح الروض ۴/ ۱۰۸، الانصاف ۱۰/ ۱۱۰ بحوالہ الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ بحث الامامۃ الکبریٰ

106 - المصنف للکندیؒ ج ۱۰ ص ۵۷، الاحکام للماوردیؒ ص ۶، الاحکام لابی یعلیٰ ص ۲۱، ۲۲

107 - الاحکام للماوردیؒ ص ۶، الاحکام لابی یعلیٰ ص ۲۰، الام للشافعیؒ ج ۱ ص ۱۶۱ ط دار المعرفۃ بیروت، اصول الدین للبغدادی ۲۷۵ ط مطبعۃ الدولۃ استنبول ۱۹۳۶ء، مآثر الانافۃ فی معالم الخلافۃ لاحمد بن علی القلقشندی م ۸۱۲ھ ج ۱ ص ۳۷ ط الکویت ۱۹۶۴ء، منہاج السنۃ لابن تیمیۃ ج ۱ ص ۱۳۴ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت، الانصاف فیما یجب اعتقادہ ولا یجوز الجہل بہ لابی بکر بن الطیب الباقلانیؒ م ۴۰۳ھ ص ۶۹ ط موسیٰ الخانجی ۱۳۸۲ھ)

108 - الماوردیؒ ص ۶، شرح المسلم للنوویؒ ج ۱۲ ص ۲۰۰ ط دار الفکر ۱۴۰۱ھ، فتح الباری لابن حجرؒ ج ۱۳ ص ۱۱۹

109 - غیاث الامم لامام الحرمین ابو المعالی عبد الملک الجوینیؒ م ۴۷۸ھ ص ۶۳ ط دار الدعوۃ الاسکندریۃ، مقدمہ ابن خلدون ص ۱۹۴

110 - اخرجہ الطیالسی ص ۱۲۵ ط دائرۃ المعارف النظامیۃ، واصلہٗ فی البخاری مع الفتح ۱۳/ ۱۱۴ ط السلفیۃ بلفظ ان ہذا الامر من قریش......

ترجمہ: ائمہ قریش سے ہونگے۔

لیکن میرے خیال میں خاندان کی شرط لزومی یا شرط صحت نہیں ہے، بلکہ یہ شرط ترجیح ہے، اس لئے کہ اسلام ایک ابدی مذہب ہے اور اگر کسی زمانہ یا علاقہ میں قریشی خاندان کے افراد میسر نہ ہوں تو نظام سلطانی کس طرح قائم ہو گا؟......یا یہ کہ اس کو محض علامتی شرط کہا جائے اور اس کا مقصد یہ ہو کہ امام کا انتخاب اچھے اور معزز خاندان سے ہونا چاہئے، تاکہ لوگوں کے لئے اتفاق رائے میں آسانی ہو، ورنہ اسلام میں اصل چیز تقویٰ اور دیانت ہے، اس کی طرف اشارہ اس حدیث پاک میں ملتا ہے:

من استعمل عاملاً من المسلمين وہو يعلم أن فيہم أولىٰ بذلك منہ و أعلم بكتاب الله وسنۃ نبيہ فقدخان الله ورسولہٗ وجميع المسلمين[111]

ترجمہ: جس نے مسلمانوں پر ایسا عامل مقرر کیا جس سے بہتر صاحب علم و تقویٰ لوگ موجود ہوں اور وہ جانتا ہو تو اس نے اللہ اور رسول اور تمام مسلمانوں کے ساتھ خیانت کی۔

حضرت عمر بن الخطابؓ کے اثر سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، انہوں نے ارشاد فرمایا:

إن أدركنى أجلى وأبوعبيدة حى استخلفتہٗ فإن سألنى ربى لم إستخلفتہٗ علىٰ أمۃ محمد؟قلت إنى سمعت رسول الله ﷺيقول"إن لكل نبى أمين وأمينى أبوعبيدة بن الجراح ؓ"وإن أدركنى أجل وقد توفى أبوعبيدة إستخلفت معاذ بن جبل، ....و لو أدركنى أحد الرجلين ثم جعلت هذا الامر إليہ لوثقت بہٖ " سالم مولىٰ أبى حذيفۃ وأبوعبيدة بن الجراح[112]

------ حواشی--

111 - کنزالعمال للمتقی بہامش مسند الامام الاحمدؒ ۲/ ۱۲۴ط مؤسسۃ الرسالۃ ۲۰۰۱ء، سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ص ۱۱۸حدیث نمبر ۲۰۱۵۱ط مکتبہ دار الباز ۱۹۹۴ء، المستدرک للحاکم ج ۴ص ۱۰۴حدیث نمبر ۷۰۲۳ط دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۰ء

112 - مسند الامام احمد ج ۱ص ۲۶۳حدیث نمبر ۱۰۸ط مؤسسۃ الرسالۃ ۲۰۰۱ء

ترجمہ: اگر میری موت کے وقت ابو عبیدۃ بن الجراحؓ زندہ رہے، تو ان کو اپنا خلیفہ بناؤں گا، اگر پروردگار مجھ سے پوچھے گا کہ تونے ان کو امت محمدیہ کا خلیفہ کیوں بنایا؟ تو عرض کروں گا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ ہر نبی کا ایک امین ہوتا ہے اور میرے امین ابو عبیدہ بن الجراح ہیں، اور اگر میری وفات کے وقت ابو عبیدہ زندہ نہ رہے تو معاذ بن جبلؓ کو خلیفہ نامزد کروں گا،......ایک روایت میں ہے کہ اگر مجھے دو شخصوں میں سے کوئی ایک مل جائے اور میں یہ خلافت اس کے حوالے کردوں تو مجھے اطمینان ہو گا وہ دو اشخاص ہیں ابو حذیفہ کے آزاد کردہ غلام سالمؓ اور ابو عبیدہ بن الجراحؓ۔

ظاہر ہے کہ حضرت معاذؓ یا حضرت سالمؓ خاندان قریش سے نہیں تھے، اگر خلافت کے لئے قریشی ہونا ضروری ہوتا تو حضرت عمر فاروقؓ جیسے محرم اسرار شریعت اس سے بے خبر نہ ہوتے، جبکہ خود ان کا تعلق بھی اسی شعبہ سے تھا۔

بعض علماء نے حضرت سالم کو قریش ہی میں شمار کیا ہے اس لئے کہ وہ حضرت ابو حذیفہؓ کے آزاد کردہ غلام تھے اور روایت میں آتا ہے کہ آزاد کردہ غلاموں کا شمار ان کے مالکوں کی قوم میں ہوتا ہے[113]

(۹) بعض علماء نے سیاسی بصیرت اور صاحب رائے ہونے کی بھی قید لگائی ہے، یعنی اسے سیاسی مسائل، ملکی اور قومی مصالح اور اجتماعی ضروریات اور تقاضوں کی خبر ہو، ماوردی کے الفاظ ہیں:

الرایئ المفضی إلیٰ سیاسۃ الرعیۃ وتدبیر المصالح[114]

اسی سے ملتی جلتی بات بعض دوسرے علماء نے بھی لکھی ہے[115]

(۱۰) بعض اصحاب علم نے مضبوط قوت ارادی، عزم وہمت، صلابت وجرأت، چیلنجوں کا مقابلہ

------ حواشی ---

113۔ مقدمہ ابن خلدون ص ۲۱۳

114 ۔ الاحکام السلطانیۃ ص ۴

115 ۔ دیکھئے: اصول الدین للبغدادی ۲۷۷، مقدمہ ابن خلدون ۱۶۱ فصل ۲۶ ط المہدی

کرنے کی صلاحیت، ملک وملت کی حفاظت، مظلوموں کی دادرسی، شرعی قوانین اور نظام عدل ومساوات کے اجراء کی صلاحیت اور جذبہ کی بھی قید لگائی ہے[116]

ارکان شوریٰ کا معیار

یہاں ایک ضمنی بحث یہ آتی ہے، کہ ارباب شوریٰ کس قسم کے لوگ ہوں گے اور ان کی کم از کم تعداد کیا ہونی چاہئے؟

ارکان شوریٰ کے معیار کا تعین علماء نے اس طرح کیا ہے کہ وہ عادل (یعنی دینی واخلاقی لحاظ سے قابل اعتماد،)صاحب علم (کم از کم مسائل امارت اور اہلیت امارت کی تفصیلات جانتے ہوں)، اصحاب رائے اور حکمت وتدبیر کے فن سے واقف ہوں، موقع ومحل کی نزاکت سے آشنا ہوں، ضروری حد تک لوگوں کی نفسیات سمجھتے ہوں[117]

شافعیہ نے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ اگر انتخاب کا اختیار فرد واحد کو ہو تو احکام امامت کے مسئلے میں اس کا مجتہد ہونا بھی شرط ہے، اور اگر کئی لوگ مل کر یہ فریضہ انجام دیں تو ان میں کم از کم کسی ایک کا مجتہد ہونا ضروری ہے[118]

ارکان شوریٰ کی تعداد

جہاں تک تعداد کا مسئلہ ہے تو اس میں علماء کرام کے درمیان اختلاف ہے:

☆ایک رائے یہ ہے کہ ملک کے تمام ارباب حل وعقد کا اتفاق ضروری ہے، اس کے بغیر یہ انتخاب پوری امت کے لئے واجب الاتباع نہ ہوگی، امام احمدؒ سے ایک روایت یہی منقول ہے[119]

------ حواشی--

116- حوالہ جات بالا، وعقائد نسفیہ ۱۴۵ ط دار احیاء الکتب العربیۃ

117- حاشیۃ الدسوقی ۴/ ۲۹۸، الاحکام السلطانیۃ ص ۴، ۳

118 - مغنی المحتاج ۴/ ۱۳۱، اسنی المطالب ۴/ ۱۰۹، بحوالہ الموسوعۃ

119- الاحکام لابی یعلیٰ ص ۲۴

مگر ظاہر ہے کہ یہ بہت مشکل عمل ہے اور اکثر حالات میں تمام اصحاب حل وعقد کا ایک جگہ جمع ہونا اور پھر کسی ایک رائے پر متفق ہونا ناممکن ہے، خود حضرت صدیق اکبرؓ کے انتخاب میں حضرت سعد بن عبادہؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے اختلاف کیا اور زندگی کے آخری لمحے تک بیعت نہیں کی، ان کا انتقال شام میں حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ہوا، انہوں نے حضرت عمرؓ سے بھی بیعت نہیں کی[120]

☆ اس سے قریب ترین رائے مالکیہ اور حنابلہ کی ہے کہ مجلس انتخاب میں اکثر ارباب حل وعقد کی شرکت وتائید ضروری ہے اور جو لوگ شرکت نہ کر سکیں وہ اپنا نمائندہ بھیجدیں، اسی طرح ہر شہر سے نمائندگی ضروری ہے، اس کے بغیر امیر کا انتخاب غیر آئینی ہوگا[121]

لیکن ظاہر ہے کہ عام حالات میں یہ بھی مشکل ہے، اور عملاً اس میں بھی وہی دشواریاں ہیں، جو اجماع کی صورت میں ہیں۔

☆ دوسری رائے جس کو حنفیہ، جمہور شوافع اور اکثر علماء اہل سنت نے اختیار کیا ہے وہ یہ کہ انتخاب کے وقت ہر شہر کے ارباب حل وعقد کی شرکت ونمائندگی ضروری نہیں ہے بلکہ فی الجملہ ایک جماعت ہونی چاہئے، کوئی خاص تعداد بھی مقرر نہیں ہے[122]

☆ البتہ شافعیہ میں بعض دیگر آراء بھی ہیں، دو، تین، چار، اور پانچ ہر طرح کی رائے ہے، اور ہر ایک کا اپنا اجتہاد ہے، دو کا مأخذ نصاب شہادت ہے[123] تین اس لئے کہ جماعت تین سے بنتی ہے[124]، چار اس

------ حواشی --

120 - سیرت ابن ہشام ج ۴ ص ۳۰۸ ط دار الکتاب العربی ۱۴۰۹ھ، تاریخ الامم والملوک للطبری ج ۲ ص ۲۴۲ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۴۰۷ھ، طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۶۱۶ ط دار صادر ۱۴۰۵ھ

121 - حاشیۃ الدسوقی ج ۴ ص ۲۹۸ ط دار احیاء الکتب العربیۃ عیسیٰ البابی الحلبی، المغنی ج ۸ ص ۱۰۷، الاحکام لابی یعلیٰ ص ۷

122 - حاشیۃ ابن عابدینؒ ج ۱۰ ص ۴۳، المآثر للقلقشندیؒ ج ۱ ص ۴۴، المسامرۃ شرح المسایرۃ لابن الہمام ص ۳۲۶، منہاج السنۃ لابن تیمیہؒ ج ۱ ص ۱۴۲) ۱/ ۳۶۹

123 - المصنف للکندی ج ۱۰ ص ۱۰۱، الغیاث للجوینی ص ۵۳

124 - نہایۃ المحتاج للرملی ج ۷ ص ۴۱۰ ط دار الفکر ۱۹۸۴ء

لئے کہ اکثر نصاب شہادت کی حد یہی ہے[125] اور پانچ (۵) کی دلیل حضرت صدیق اکبرؓ کی بیعت کا واقعہ ہے، نیز حضرت فاروق اعظمؓ نے جو چھ (٦) رکنی کمیٹی تشکیل دی تھی، اس میں ایک امیر کو چننے کے لئے پانچ کی تعداد ہی رہ جاتی ہے، بعض شافعیہ چالیس (۴۰) کے قائل ہیں، وہ جمعہ پر قیاس کرتے ہیں، مگر شافعیہ کا راجح مسلک یہ ہے کہ کوئی عدد مقرر نہیں ہے، بلکہ پوری ریاست میں اگر ایک فرد واحد بھی حل وعقد کی صلاحیت رکھتا ہو تو اس کا تنہا انتخاب کر لینا کافی ہو گا اور اس سے امارت قائم ہو جائے گی، اور پوری قوم پر اس کی تائید و اتباع لازم ہو گی[126]

افضل کو چھوڑ کر غیر افضل کا انتخاب

یہاں ایک بحث یہ آتی ہے کہ اگر شوریٰ کسی مصلحت کے تحت افضل ترین لوگوں کی موجودگی میں نسبۃً کمتر درجہ کے شخص کو منصب امارت کے لئے چن لے تو کیا یہ انتخاب درست ہو گا؟ ایک طبقہ کی رائے یہ ہے کہ یہ انتخاب غلط قرار دیا جائے گا،[127] باقلانیؒ، ابو الحسن الاشعریؒ، اور ابو یعلیؒ کا رجحان اسی طرف ہے[128]

لیکن اکثر فقہاء و متکلمین کا مسلک یہ ہے کہ افضل کے رہتے ہوئے غیر افضل کا انتخاب اگرچہ بہتر نہیں ہے لیکن اگر اس میں تمام شرائط اہلیت موجود ہوں تو انتخاب درست قرار پائے گا، جس طرح کہ زیادہ لائق شخص کے رہتے ہوئے نسبۃً کمتر شخص کو منصب قضاء حوالہ کرنا درست ہے، اس لئے کہ بنیادی چیز اہلیت ہے، اور فضیلت محض وجہ ترجیح بنتی ہے، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے سقیفۂ بنی ساعدہ میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہ ابن الجراحؓ کا نام خلافت کے لئے پیش فرمایا جبکہ یہ دونوں تمام صحابہ سے افضل نہیں تھے[129]، اسی طرح انصار حضرت سعد بن عبادہؓ کو تاج خلافت دینا چاہتے تھے جبکہ صحابہ میں ان سے افضل لوگ

------ حواشی --

125۔ المآثر للقلقشندی ج ا ص ۴۳

126 ۔ مغنی المحتاج ۴/ ۱۳۰، ۱۳۱، روضۃ الطالبین ۱۰/ ۴۳، اسنی المطالب ۴/ ۱۰۹ بحوالہ الموسوعۃ

127 ۔ الفصل فی الملل والاہواء والنحل لابن حزمؒ ۴/ ۱۸۳ ط دار الجیل بیروت

128 ۔ التمہید للباقلانیؒ بحوالہ نصوص ص ۵۴، اصول الدین للبغدادیؒ ص ۲۹۳، الاحکام لابی یعلیؒ ص ۲۳

129 ۔ فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۵۶

موجود تھے [130] البتہ ارباب شوریٰ کو چاہئے کہ بلا عذر اس قسم کے غیر متوازن انتخاب سے احتراز کریں، البتہ کوئی مجبوری ہو، مثلاً افضل شخص یہ ذمہ داری قبول کرنے کو آمادہ نہ ہو، یا موجود نہ ہو، یا بیمار رہتا ہو، یا لوگوں میں زیادہ مقبول و محبوب نہ ہو وغیرہ تو ان صورتوں میں افضل کے رہتے ہوئے غیر افضل کو امیر بنانا درست ہو گا [131]

مدت حکومت

یہاں ایک بحث یہ ہے کہ منتخب یا نامزد خلیفہ تاحیات اقتدار پر باقی رہے گا یا اس کی مدت حکومت کی تحدید کی جاسکتی ہے؟ یہ ایک نئی بحث ہے جس سے پچھلی تمام کتابیں خاموش ہیں، گذشتہ ادوار میں دنیا کے کسی نظام حکومت میں بالعموم محدود مدتی حکومت کا کوئی تصور ہی نہیں تھا، اسلام کی آمد کے بعد بھی وہی صورت حال قائم رہی، اسلام نے اس روایت کو ختم نہیں کیا، بلکہ اسلامی ادوار میں بھی جتنے خلفاء بر سر اقتدار آئے وہ تاحیات اپنے منصب پر فائز رہے، خواہ وہ عہد خلافت راشدہ کے حکمراں ہوں یا بعد کے ادوار کے، ہمارے فقہاء نے بھی اپنے مباحث میں اس روایت کی شرعی حیثیت کو چیلنج نہیں کیا، بلکہ عزل امیر کی پوری بحث میں اختتام مدت کی کوئی گفتگو نہیں آئی، اس سے لگتا ہے کہ حکمراں کے لئے اصل مزاج یہی ہے وہ تاحیات خدمت کرے، الا یہ کہ ایسے معقول وجوہات پیدا ہو جائیں جن سے اس کا اقتدار پر باقی رہنا مشکل ہو جائے، اسی لئے پہلے ادوار میں صرف رائے دہی پر اکتفا نہیں کیا جاتا تھا بلکہ باقاعدہ اس کے لئے تاحیات وفاداری کی بیعت لی جاتی تھی اور اس کے خلاف خروج وغداری کو جرم مانا جاتا تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> خيار ائمتكم الذين تحبونهم ويحبونكم وتصلون عليهم ويصلون عليكم وشرار ائمتكم الذين تبغضونهم و يبغضونكم وتلعنونهم ويلعنونكم،قال قلنا يا رسول الله!أفلاننابذهم عند ذلك قال لاماأقاموا فيكم الصلاة،لاماقاموا فيكم الصلاة، الامن ولّى

------ حواشی --

130 - الفصل لابن حزم ج ۵ ص ۵

131 - الاحکام السلطانیۃ ص ۵۰

علیہ وال فرآہ یاتی شیئاًمن المعصیۃ فلیکرہ مایاتی من معصیۃ اللہ ولاینزعن یداً عن طاعۃٍ[132]

ترجمہ: تمہارے بہترین حکمراں وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ تم سے محبت کریں، تم ان کے لئے رحمت کی دعائیں کرو اور وہ تمہارے لئے دعائیں کریں، اور بدترین حکمراں وہ ہیں جن سے تم نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں، تم ان پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں، راوی (حضرت عوف بن مالکؓ) کہتے ہیں، ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! ایسی صورت میں ہم ان سے اپنی گردن نہ چھڑالیں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا نہیں جب تک وہ نماز قائم کئے ہوئے ہوں، نہیں جب تک وہ نماز قائم کئے ہوئے ہوں، سنو! جس پر کوئی حاکم مقرر کیا گیا، اور اس نے اس کو معصیت کا مرتکب دیکھا تو وہ اس کی معصیت کو پسند نہ کرے لیکن اطاعت سے ہاتھ نہ نکالے۔

حدیث کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدرت کے باوجود بھی حکمراں کو اس کے منصب سے ہٹانے کی کوشش نہیں کی جائے گی، اور ملک کے نظم ونسق کو معطل نہیں کیا جائے گا۔

یہ تصور عہد حاضر کی پیداوار ہے، جو دراصل حکمرانوں کے ظلم وستم اور قوت واختیار کے غلط استعمال پر قابو پانے کے لئے وجود میں آیا، اس لئے کہ جب انسان کو غیر محدود مدت کے لئے اقتدار حاصل ہو، جس میں چند استثنائی حالات کو چھوڑ کر اس کی سلطانی کو کوئی خطرہ نہ ہو تو بالعموم آدمی فرعون بننے کی کوشش کرتا ہے، اور حق وانصاف کے راستے اکثر مسدود ہو جاتے ہیں، ان حالات میں کبھی اصلاح واحتجاج کی تحریک بھی کارگر نہیں ہوتی، جیسا کہ پچھلے ادوار میں حکمرانوں کے ظلم وستم کے خلاف بڑے بڑے ائمہ علم وفن نے تحریکات چلائیں، اور پر امن اور پر تشدد دونوں طرح کے مظاہرے ہوئے، لیکن ان کا نتیجہ دار ورسن اور خون شہیداں کے علاوہ کچھ نہیں نکلا...... حکمرانی کی تاریخ کی یہی وہ دشواریاں ہیں جن کے بطن سے اس فکر

------ حواشی --

132 ۔ صحیح مسلم ج ۱۲ ص ۲۴۵

وخیال نے جنم لیا کہ مدت اختیار کو محدود کر دیا جائے، یعنی شاہینوں کے پر کتر دیئے جائیں، سلطانی کو ملازمت میں تبدیل کر دیا جائے، اور ایسا نظام بنایا جائے جس میں کل کا سلطان آج کا فقیر نظر آئے، یہ تصور حکمرانوں کی طرف سے نہیں بلکہ عوام کی طرف سے پیش کیا گیا تھا اس لئے اس میں خاص طور پر اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ سلطانی کو ہر آدمی کے لئے سہل الحصول بنایا جائے، اور ہر شہری کو اس معاملے میں رائے دہی اور امیدواری کا حق دیا جائے۔

لیکن تعجب ہے کہ پچھلے ادوار میں کسی کو یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ اس طرح کے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے محدود مدتی نظام رائج کیا جائے، جبکہ ظلم و ستم کا سلسلہ بہت پرانا ہے۔

بہر حال جہاں تک تحدید مدت کے جواز کا معاملہ ہے تو میرے خیال میں اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں ہونا چاہئے:

☆اس لئے کہ حکمراں کی حیثیت عرفی کے ضمن میں یہ بحث گذر چکی ہے کہ حکمراں یا خلیفہ بنیادی طور پر قوم کا نمائندہ اور وکیل ہوتا ہے، جس کو ارباب حل وعقد منتخب کرتے ہیں، تو عقد وکالت کی روشنی میں مؤکلین کو مدت وکالت کی تحدید کا اختیار ہوتا ہے۔

☆نیز یہ امامت بیعت کے ذریعہ وجود میں آتی ہے، گویا یہ ایک عقد معاہدہ ہے، اور معاہدے کے وقت جس چیز کا التزام کیا جائے اس کی پابندی ضروری ہوتی ہے، تو اگر بوقت بیعت ہی محدود مدت کا معاہدہ کیا جائے تو اس کی گنجائش ہونی چاہئے۔

☆اسی طرح بعض آثار سلف سے پتہ چلتا ہے کہ امامت میں حدود و قیود کی گنجائش ہے بشرطیکہ ابتدا ہی میں اس کی وضاحت کر دی جائے مثلاً حضرت عمر فاروقؓ نے تاسیس خلافت کے لئے جو مجلس قائم فرمائی تھی، اس کی تاسیسی کاروائیوں کے ضمن میں مؤرخین کا بیان ہے کہ مجلس کے نمائندہ حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے خلافت کی شرائط پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ آپ مملکت کے تمام معاملات میں قرآن وحدیث کے ساتھ سیرت شیخینؓ کو بھی پیش نظر رکھیں گے، لیکن حضرت علیؓ نے قرآن وحدیث کے علاوہ کسی چیز کو معیار ماننے سے انکار کر دیا، پھر یہ شرط حضرت عثمانؓ کے

سامنے رکھی گئی، وہ اس کے لئے تیار ہو گئے، تو ان کا انتخاب کر لیا گیا[133]

اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ خلافت کے پیش کرتے وقت کچھ شرطیں رکھی جاسکتی ہیں، اور ان کو قبول وانکار بھی کیا جاسکتا ہے...... تحدید مدت بھی ایک قسم کی قید ہے اگر انتخاب کے وقت ہی اس قید کو پیش نظر رکھا جائے اور خلیفہ و عوام اس کے لئے رضامند ہوں تو جواز کی پوری گنجائش نظر آتی ہے۔

محدود مدتی نظام کی خرابیاں

لیکن اس نظام حکومت میں کئی خرابیاں ہیں جن کی بنا پر وقتی طور پر اسے گوارا تو کیا جاسکتا ہے لیکن دائمی دستور کے طور پر قبول نہیں کیا جاسکتا، مثلاً:

☆ یہ حکمرانی کی اصل روح کے خلاف ہے، کل کا سلطان آج کچھ نہ ہو، اور کل کا فقیر آج سب کچھ ہو، اس سے اطاعت کا حقیقی جذبہ پیدا نہیں ہو سکتا ہے، خاص طور پر ان اشخاص میں جو کل حکمراں تھے اور آج تابع فرمان ہوں۔

☆ نیز اس طریقہ کار سے کوئی آئیڈیل شخصیت وجود میں نہیں آسکتی، اور نہ اس کی عظمت و تقدس کا احساس دلوں میں جاگزیں ہو سکتا ہے۔

☆ جس کی بنا پر احکام خلافت اور ملکی قوانین کا احترام بھی لوگوں کے دلوں میں پیدا نہیں ہو گا اور نہ مخلصانہ جذبات پیدا ہونگے، قانون کا احترام اور جذبۂ عمل ہمیشہ ملک و آئین سے محبت اور شخصیت کی عظمت و عقیدت دونوں سے مل کر پیدا ہوتا ہے، اس کے بغیر قانون کی حکمرانی کی نمائش تو ہو سکتی ہے حقیقت نہیں بن سکتی۔

☆ نہ بہت زیادہ پائیدار نظام حکومت تشکیل پا سکتا ہے، اس لئے کہ ہر نئی حکومت ایک نئی راہ نکالنے کی کوشش کرتی ہے، اور پرانے نقوش کو مٹا دینا یا ان کی اہمیت گھٹا دینا چاہتی ہے۔

☆ ہر تھوڑے وقفے کے بعد انتخابات کا جو اقتصادی بوجھ ملک کے خزانہ پر پڑتا ہے وہ ان کے علاوہ

------ حواشی ------

133 ۔ تاریخ الخلفاء للسیوطی ص ۱۷۰ ط دار الفکر العربی القاہرۃ

ہے ،پھر انتخابات کی ناہمواریاں اور بد عنوانیاں، کہ الامان والحفیظ۔

☆ ہر نیا آنے والا حکمراں پہلے اپنے مفادات کے لئے ملک کی دولت بٹورنے کی کوشش کرتا ہے، اس لئے کہ اسے معلوم ہے کہ ایک محدود مدت کے بعد یہ موقعہ اسے پھر کبھی نہیں ملنے والا ہے، اس طرح غیر محدود حکمرانی میں اگر ملک کی دولت کو ایک شخص یا خاندان لوٹتا ہے تو محدود مدتی حکومت میں بے شمار لوگ اور خاندان وقفہ وقفہ سے ملک کی دولت اور اقتصادی قوت کا استحصال کرتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ملک کی اقتصادی حالت مفلوج ہوتی چلی جاتی ہے، اور توانائی کے تمام تر وسائل استعمال میں لانے کے باوجود خاطر خواہ نتائج بر آمد نہیں ہوتے،......اسی ملک ہندوستان میں جب تک مسلم حکمرانی کا دور تھا، اور ہر حکمراں اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ ملک کے لئے صرف کرتا تھا تو یہ ملک سونے کی چڑیا کہلاتا تھا، اور اپنی خوش حالی میں پوری دنیا میں ضرب المثل تھا، ساری دنیا کے بہترین دماغوں اور اعلیٰ صلاحیت کے لوگوں کا یہ مرکز توجہ تھا، آج اقتصادی پسماندگی، غربت وافلاس اور طلب ورسد کے عدم توازن کی کس پستی میں جا گرا ہے، وہ ہر شخص محسوس کر سکتا ہے۔

اسلامی طریقۂ انتخاب

اس موضوع کا سب سے حساس مسئلہ انتخابی طریقۂ کار کی بحث ہے،......اسلام میں کوئی ایک طریقۂ انتخاب مقرر نہیں ہے، اور نہ منصوص طور پر کسی خاص طریقۂ انتخاب کی نشاندہی کی گئی ہے، بس کچھ اشارات دیئے گئے ہیں، باقی چیزیں امت کے اجتہاد پر چھوڑ دی گئی ہیں، اشارات مثلاً:

(۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات طیبہ میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کو خلیفہ نامزد کرنا چاہتے تھے جس کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا، اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ ہر کس وناکس اس کی آرزو نہ کرنے لگے اور یہ منصب جلیل بازیچۂ اطفال نہ بن جائے، لیکن پھر آپ نے یہ سوچ کر ترک فرمادیا کہ قوم خود ہی ان کو منتخب کرلے گی[134]

------ حواشی--

134 ۔ صحیح البخاری مع فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۰۵ ط دار الفکر

حضور ﷺ کے اس عمل سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ امام اگر مصلحت محسوس کرے تو وہ اپنی زندگی میں اپنا خلیفہ نامزد کر سکتا ہے، اور اگر مفسدہ کا اندیشہ نہ ہو تو عام مسلمانوں پر چھوڑ دے کہ وہ اپنا خلیفہ خود منتخب کرلیں، یعنی اس واقعہ سے استخلاف کا جواز بھی نکلتا ہے، اور عام مشورہ کا ثبوت بھی ملتا ہے، اب اس میں مجتہد کو طے کرنا ہے کہ کن حالات میں کون سا طریقہ اختیار کیا جانا چاہئے؟......اور حضور اکرم ﷺ کی خواہش کو ترجیح ملنی چاہئے یا آپ کے عملی اسوہ کو؟...... اسی طرح دونوں کے حدود و قیود کیا ہونگے؟ حالات وظروف کی روشنی میں یہ بھی امت کے مجتہدین اور علماء طے کریں گے۔

(۲) اشارہ کی دوسری مثال: قرآن کریم میں حکمراں پیغمبروں میں حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کا تفصیلی ذکر آیا ہے، اس میں ایک طرف حضرت سلیمانؑ کی حکومت ہے جو ان کو اپنے والد ماجد حضرت داؤدؑ سے وراثت میں ملی تھی:

وورث سلیمان داؤد[135] ترجمہ: سلیمان داؤد کے وارث ہوئے

قرآن کریم نے بیان واقعہ کے طور پر اس قصہ کو نقل کیا ہے، لیکن اس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ اہلیت ہو تو حکومت میں بیٹا اپنے باپ کا جانشیں ہو سکتا ہے، اور باپ بھی اپنے لائق فرزند کو اپنے جانشین کے طور پر نامزد کر سکتا ہے۔

(۳) اسی سورۃ میں یہ بھی ہے کہ حضرت سلیمانؑ متعدد مسائل میں اپنے درباریوں سے مشورہ کرتے تھے:

قال يٰأيها الملأ أيكم ياتينى بعرشها قبل أن ياتونى مسلمين[136]

ترجمہ: آپؑ نے فرمایا اے ارکان جماعت! قبل اس کے کہ وہ خاتون حکمراں میرے پاس فرمانبردار ہو کر حاضر ہو اس کا عرش میرے پاس کون لا سکتا ہے؟

(۴) اسی سورۃ میں خاتون حکمراں ملکۂ سبا بلقیس کا ذکر ہے، جس نے حضرت سلیمانؑ کی تعلیم و

------ حواشی --

135 ۔النمل:۱۶

136 ۔النمل:۳۸

تلقین اور جاہ وجلال سے متاثر ہو کر اپنی ریاست، مملکت سلیمانی میں ضم کر دی تھی، وہ ملکہ بھی خود مختار ہونے کے باوجود اپنے پاس شورائی نظام رکھتی تھی، اور مختلف مسائل میں ان سے تبادلۂ خیال کرتی تھی:

قالت يٰأيها الملأ إنى ألقى إلى كتاب كريم...قالت يٰأيها الملأ أفتونى فى أمرى ماكنت قاطعة أمراًحتىٰ تشهدون[137]

ترجمہ: ملکہ نے کہا اے ارکان جماعت! میرے پاس ایک بہت اہم خط آیا ہے...... ملکہ نے کہا میرے معاملے میں اپنی رائے دو، میں تمہاری شمولیت کے بغیر اس مسئلہ کو قطعیت نہیں دے سکتی۔

الملأ کی تفسیر مفسرین نے اہل مشورہ سے کی ہے، ایک انتہائی قدیم ترین تفسیر "تفسیر مقاتل" کے الفاظ میں:

ثم قالت المرأة لأہل مشورتہا[138]

ان دونوں حکمرانوں کے طرز عمل سے شوریٰ کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے، اور قرآن کریم کے اس بیان سے شورائی نظام کی برتری کا ثبوت ملتا ہے۔

رہا ایک خاتون کے سربراہ مملکت ہونے کا معاملہ، تو اگر اسلام نے صراحت کے ساتھ اس کی ممانعت نہ کی ہوتی، تو اس کے اشارے سے اس کا جواز بھی ثابت ہوتا، لیکن خود قرآن کریم کے انداز بیان نے بھی اس کی نفی کر دی ہے، ایک عورت کے سربراہ مملکت ہونے کی خبر سنکر حضرت سلیمانؑ حیرت واستعجاب میں پڑ گئے، انہوں نے فرمایا:

سننظر أصدقت أم كنت من الكاذبين[139]

ترجمہ: ہم دیکھیں گے کہ تمہارا بیان سچا ہے یا جھوٹا؟

------ حواشی --

137 ۔ النمل: ۲۹۔۳۲

138 ۔ تفسیر مقاتل لمقاتل بن سلیمان بن بشیرؒ (م ۱۵۰ھ) ج ۲ باب ۱۵ اص ۴۹۷ نسخہ الشاملہ

139 ۔ النمل: ۲۷

اسی طرح جب حضرت سلیمانؑ نے ملکہ کو اطاعت کی دعوت دی تو بالآخر اس نے اطاعت قبول کرلی اور گویا اس کا مستقل وجود فنا ہوگیا، اور اس کا ملک مملکت سلیمانی کا حصہ بن گیا:

قالت رب إنی ظلمت نفسی وأسلمت مع سليمان لله رب العالمين[140]

ترجمہ: ملکہ نے کہا میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔

یہ دونوں چیزیں عورت کے سربراہ حکومت ہونے کی نفی کرتی ہیں۔

غرض قرآن وحدیث میں اس طرح کے بعض اشارات موجود ہیں، جن سے انتخاب امیر کے معاملے میں روشنی حاصل کی جاسکتی ہے، مگر کسی ایک شکل کو قطعیت نہیں دی جاسکتی، خود صاحب شریعت نے کسی ایک صورت کی واضح طور پر تعیین نہیں کی، اور معاملے کو امت کے اجتہاد پر چھوڑ دیا...... اسی لئے علماء اس معاملے میں مختلف الرائے رہے ہیں کہ کون سا طریقۂ انتخاب بہتر ہے؟ نصوص سے کون زیادہ قریب ہے؟ عملی طور پر بھی اس میں اختلاف رہا، اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ہر دور کے حکمرانوں اور ارباب حل عقد نے کسی ایک طریقہ کا التزام کیا ہو، مختلف ادوار میں مختلف تجربے ہوئے، اور کسی پر شرعی اعتبار سے نکیر نہیں کی گئی، اس لئے کہ مسئلہ منصوص نہیں ہے، اور غیر منصوص مسئلے میں اختلاف رائے بھی ممکن ہے اور اختلاف عمل بھی، حضرت عمر بن الخطابؓ کا یہ قول اسی تناظر میں ہے کہ:

إن أستخلف فقد إستخلف من هو خير منی أبوبكر، وإن أترك فقدترک من هو خير منی رسول الله[141]

ترجمہ: اگر میں خلیفہ بنادوں تو مجھ سے بہتر شخصیت حضرت ابو بکرؓ نے خلیفہ بنایا تھا، اور اگر چھوڑ دوں تو مجھ سے بہتر رسول اللہ ﷺ نے نہیں بنایا تھا۔

------ حواشی --

140 ۔ النمل: ۴۴

141 ۔ صحیح البخاری مع فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۰۵

انتخاب امیر کی جائز صورتیں

انتخاب امیر کی دنیا میں بہت سی صورتیں رائج ہیں اور بھی نئی صورتیں وجود میں آسکتی ہیں، لیکن علماء اہل سنت نے ان میں تین (۳) صورتوں کو درست قرار دیا ہے، یعنی ان کی بنیاد پر منتخب ہونے والی حکومت جائز تصور کی جائے گی، اور اس کو وہ تمام شرعی اختیارات حاصل ہونگے جو ایک جائز حکومت کو حاصل ہوتی ہیں۔

پہلا طریقہ

(۱) خلیفہ کے انتخاب کا سب سے بہتر طریقہ جس کو اکثر علماء سلف نے پسند کیا ہے وہ یہ ہے کہ قوم کے ارباب حل وعقد کے مشورے سے یہ عمل میں آئے، اور جس شخصیت کا انتخاب ہو پہلے یہ حضرات اس کے ہاتھ پر بیعت کریں، یہی اصل اسوہ ہے رسول اللہ ﷺ کا، آپ دنیا سے تشریف لے گئے، اور امیر کے مسئلے کو امت کے حوالہ فرمادیا، یہ طریقہ اختلافات علماء، نیز خطرات اور اندیشوں سے بڑی حد تک پاک اور ہر زمانے کے لئے قابل قبول ہے[142]

علامہ کندیؒ نے اس پر اجماع امت نقل کیا ہے:

وقد أجمع رای المسلمين من بعد رسول الله ﷺ أن الإمامة لاتجب لإمام من بعد إمام أو عزلة إلا عن مشورة أهل العلم ورضى منهم على النصح لله ثم يكون حجة على من غاب[143]

ترجمہ: عہد رسالت کے بعد سے مسلمان اس پر متفق الرائے ہیں کہ امام پر اپنے بعد امام مقرر یا معزول کرنا اہل علم کے مشورہ اور ان کی مخلصانہ رضامندی کے بغیر لازم

------ حواشی --

142 - منہاج الطالبین وبلاغ الراغبین للشقصیؒ ج ۸ ص ۴۴، الاحکام السلطانیۃ للماوردیؒ ص ۶، الاحکام السلطانیۃ لابی یعلیؒ ص ۲۳، المسامرۃ بشرح المسایرۃ لابن الہمامؒ وابن ابی شریفؒ ص ۲۸۱، المغنی للقاضی عبد الجبار ج ۱ / ۲۵۱ ط الدار المصریۃ، التاج للصنعانیؒ ج ۴ ص ۴۱۰ ط مکتبۃ الیمن الکبریٰ ۱۳۸۰ھ، الجامع للقرطبیؒ ج ۱ ص ۲۸۱

143 - المصنف ج ۱۰ ص ۹۵

نہیں ہے، اور جب ہی یہ بعد والوں پر لازم ہو گا۔

☆ اس طریقۂ انتخاب کا ثبوت اس آیت کریمہ سے ملتا ہے جس میں مسلمانوں کے جملہ اجتماعی مسائل کو مشورہ پر مبنی کیا گیا ہے:

والذین استجابو الربہم و أقاموا الصلوٰۃ و أمرہم شوریٰ بینہم ومما رزقناہم ینفقون[144]

ترجمہ: جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہا، اور نماز قائم کی، اور ان کے معاملات باہم مشورہ سے انجام پاتے ہیں، اور اللہ کی دی ہوئی دولت سے خرچ کرتے ہیں۔

☆ دوسرا مأخذ اجماع صحابہ ہے، اس لئے کہ چاروں خلفاء راشدین کا انتخاب اصلاً باہم مشورہ سے ہوا، اختلاف یا تردد جو کچھ رہا وہ منتخب ہونے والی شخصیات کے تعلق سے تھا نہ کہ طریقۂ انتخاب کے سلسلے میں[145]

☆ اس ضمن میں خود ان خلفا راشدین کا طرز عمل بھی خاص اہمیت رکھتا ہے مثلاً حضرت ابو بکر صدیقؓ کو خلیفہ منتخب کیا گیا، اس میں حضرت علیؓ کو تھوڑا تامل رہا، حضرت سعد بن عبادہؓ نے بھی بیعت نہیں کی، اس موقعہ پر نو منتخب خلیفہ حضرت ابو بکرؓ نے قوم سے اپنے خطاب میں فرمایا:

ہذا علی بن أبی طالب ولابیعۃ لی فی عنقہٖ وہو بالخیارفی أمرہٖ، ألا وأنتم بالخیارجمیعاً فی بیعتکم إیای فإن رأیتم لہا غیری فأناأول من یبایعہ[146]

ترجمہ: یہ علی بن ابی طالب ہیں ان کی گردن میں میری بیعت نہیں ہے اور یہ اپنے معاملے میں آزاد ہیں، اور آپ سب کو بھی میری بیعت کے معاملے میں اختیار

------ حواشی ------

144 ۔ سورہ الشوریٰ: ۳۸

145 ۔ المصنف للکندیؒ ج ۱۰ ص ۹۵، شرح مسلم للنوویؒ ج ۱۲ ص ۲۰۵، المغنی لابن قدامہؒ ج ۸ ص ۱۰۷ ط عالم الکتب بیروت، الغیاث للجوینیؒ ص ۴۴-۴۵

146 ۔ المسامرۃ شرح المسایرۃ لابن الہمامؒ ص ۲۲۷

ہے، آپ حضرات کی رائے میرے علاوہ کسی اور کے بارے میں ہو تو سب سے پہلے اس سے بیعت کرنے والا میں ہونگا۔

حضرت عمر بن الخطابؓ ارشاد فرماتے ہیں:

من بايع رجلاً من غير مشورة من المسلمين فلايُبَايَع هو ولاالذى بايعهٗ تَغِرَّةَ أن يُقْتَلا[147]

ترجمہ: جس نے مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی سے بیعت کرلی تو اس کی بیعت نہیں کی جائے گی اور نہ اس کی جس نے قتل کے اندیشے سے اس کی بیعت کی ہو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا ارشاد ہے:

إن بيعتى لاتكون خفية ولاتكون إلا عن رضا المسلمين[148]

ترجمہ: میری بیعت خفیہ نہیں ہوسکتی اور نہ مسلمانوں کی مرضی کے بغیر ہوسکتی ہے۔

کبھی اس عمل کو مصالح کی بنیاد پر ارباب حل وعقد کی مخصوص کمیٹی تک بھی محدود کیا جاسکتا ہے، جس طرح کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے اپنے جانشین کے مسئلے میں کیا یہ ایک زیادہ محفوظ راستہ تھا، اس سے امیر کے اس اختیار پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ انتخاب کے مسئلے کو تمام مسلمانوں کے بجائے ایک مخصوص کمیٹی کے وہ حوالے کرسکتا ہے، اس چیز کو تمام صحابہؓ نے من وعن تسلیم کیا، چنانچہ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد جس وقت اس مجلس منتخبہ کی میٹنگ ہورہی تھی حضرت عباسؓ نے اس مجلس میں شرکت کی خواہش کی تو حضرت علیؓ نے جو اس کمیٹی کے اہم رکن تھے سختی کے ساتھ ان کو روک دیا[149]

------ حواشی --

147 - صحیح البخاری مع شرح ابن بطال القرطبیؒ کتاب الرجم ج ۸ ص ۴۵۴ ط مکتبۃ الرشد الریاض ۲۰۰۳ء، ومع عمدۃ القاری للعینیؒ ج ۳۴ ص ۲۴۸

148 - تاریخ الطبری ج ۲ ص ۶۹۶

149 - الموسوعۃ الفقہیۃ بحث الامامۃ الکبریٰ

انتخاب کا دوسرا طریقہ

(۲) انتخاب امیر کا دوسرا طریقہ جس کو فقہاء اہل سنت نے بالاتفاق درست قرار دیا ہے، وہ یہ کہ خلیفۂ وقت خود اپنی زندگی میں اپنے بعد کے لئے امیر نامزد کر دے[150]

☆اس کا سب سے بڑا مأخذ قرآن کریم کی آیت کریمہ "وورث سلیمان داؤد[151] ہے۔

☆دوسرا مأخذ حدیث پاک ہے: حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لقد ہممت -او أردت -أن ارسل إلیٰ أبی بکر وإبنہٖ فأعہد أن یقول القائلون أو یتمنی تمنون،ثم قلت یأبی اللہ ویدفع المؤمنین او یدفع اللہ ویأبی المؤمنون[152]

ترجمہ: میں نے تو ارادہ کر لیا تھا کہ ابو بکر اور ان کے بیٹے کو بلوا کر عہد نامہ تیار کرا دوں تاکہ کسی بو الہوس کو کچھ کہنے اور تمنا کرنے کی نوبت نہ آئے، لیکن پھر میں نے کہا کہ اللہ پاک اور مسلمان خود اس کو دفع کر دیں گے۔

علامہ ابن تیمیہؒ اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

یغنی عن العہد فلایحتاج إلیہ فترکہٗ لعدم الحاجۃوظہور فضیلۃ الصدیق وإستحقاقہٖ وھٰذا أبلغ من العہد[153]

ترجمہ: عہد نامہ کی ضرورت نہیں تھی، اس لئے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی فضیلت واستحقاق بالکل ظاہر بات تھی، اور یہ عہد نامہ کے مقابلے میں زیادہ بہتر بات تھی۔

اس حدیث میں آپ کا چاہنا اور ارادہ فرمانا استخلاف کے جواز کی دلیل ہے، اور چھوڑ دینا مشیت الٰہی

------ حواشی ------

150 ۔الاحکام السلطانیۃ للماوردیؒ ص ۶، الاحکام السلطانیۃ لابی یعلیؒ ص ۲۳، المسامرۃ لابن الہمام ۳۲۶، مقدمہ ابن خلدون ص ۲۱۰

151 ۔النمل: ۱۶

152 ۔ صحیح البخاری مع فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۰۵ ط دار الفکر

153 ۔منہاج السنۃ لابن تیمیہ ج ۱ ص ۱۴۱ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت

جان لینے کی بنا پر تھا، نیز اس لئے بھی کہ ایک زیادہ افضل طریقہ کی عملی رہنمائی کی جائے۔

☆ تیسرا مأخذ حضرت صدیق اکبرؓ کا عمل ہے، جس سے تمام صحابہ نے اتفاق کیا کہ آپ نے اپنی وفات سے پیشتر حضرت عمر فاروقؓ کو اپنا جانشیں نامزد فرمایا، اور اس کا اعلان بھی اپنی زندگی میں فرمادیا، حضرت صدیقؓ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے بالاتفاق حضرت عمرؓ کو اپنا خلیفہ تسلیم کیا، کسی ایک شخص نے بھی حضرت صدیقؓ کے اس انتخاب کی مخالفت نہیں کی[154]

حضرت صدیقؓ کے اس عمل سے اسلامی تاریخ میں عملی طور پر ولی عہدی کا دستور جاری ہوا۔

☆ ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کے آخری عہد خلافت میں بعض صحابہؓ نے ان کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ وہ اپنی زندگی میں اپنا خلیفہ نامزد کردیں تو انہوں نے فرمایا کہ اگر میں خلیفہ نامزد کردوں تو مجھ سے بہتر شخصیت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی تقلید ہوگی، اور اگر نامزد نہ کروں تو رسول اللہ ﷺ نے بھی نامزد نہیں فرمایا تھا[155]

البتہ ایک نکتہ یہاں یہ زیر بحث آیا ہے کہ آیا محض نامزدگی سے امارت قائم ہوجاتی ہے یا امیر کی وفات کے بعد دوبارہ تمام مسلمانوں کا اس سے بیعت کرنا ضروری ہوگا؟ بعض علماء بصرہ کا خیال ہے کہ ولی عہد خواہ کوئی ہو عزیز قریب ہو یا اجنبی ہر حال میں محض نامزدگی کافی نہیں ہے، بلکہ امیر کی وفات کے بعد ولی عہدی کی توثیق دوبارہ مسلمانوں کی بیعت کے ذریعہ ضروری ہوگی، اگر مسلمان اس کے لئے راضی نہیں ہوئے تو اس کی ولی عہدی منسوخ ہوجائے گی، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ ولی عہد اگر امیر کا کوئی انتہائی قریب ترین رشتہ دار نہ ہو تو مسلمانوں کی رضامندی شرط نہیں ہے، اس لئے کہ حضرت عمرؓ کے مسئلے میں صحابہ سے اس طرح کی کوئی رضامندی حاصل نہیں کی گئی تھی، البتہ ولی عہد اپنا بیٹا یا باپ اور کوئی انتہائی عزیز ترین قریب ہو تو اس صورت میں علماء کی آراء مختلف ہیں:

(۱) ایک رائے یہ ہے کہ امیر کے لئے اپنے بیٹے یا باپ وغیرہ کو ارباب حل وعقد اور اصحاب علم

------ حواشی --

154 - الاحکام السلطانیۃ للماوردیؒ ص ۱۰

155- صحیح البخاری مع فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۰۵

وفہم کے مشورے کے بغیر تنہا اپنی مرضی سے ولی عہد بنانے کی اجازت نہیں ہے، اس لئے کہ یہ شہادت کے زمرے میں آتا ہے یا حکم کے، اور دونوں صورتیں تہمت سے خالی نہیں ہیں۔

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ کوئی مضائقہ نہیں، اس لئے کہ وہ امیر ہے اور اس کی دیانت وامانت پر لوگوں نے اعتماد کیا ہے، اس لئے اپنے جانشیں کے مسئلے میں بھی اس پر اعتماد کیا جانا چاہئے، اس صورت میں اس کے نسبی رشتہ سے زیادہ اس کے مقام کا لحاظ رکھنا قابل ترجیح ہو گا۔

(۳) تیسری رائے یہ ہے کہ امام کسی اجنبی شخص (جس سے باپ یا بیٹے کا رشتہ نہ ہو) کے معاملے میں اہل الرائے کے مشورہ کا پابند نہیں ہے، البتہ اپنے بیٹے یا باپ کے معاملے میں اہل شوریٰ سے مشورہ ضروری ہے، اس لئے کہ اپنے والد یا اولاد کے حق میں انسان بالعموم کمزور ثابت ہوتا ہے، طبیعت کا میلان ادھر ہوتا ہے، اس لئے شک وشبہ کا اندیشہ ہے،...... البتہ بھائی یا اور کسی رشتہ دار کے معاملے میں گنجائش ہے ان کا حکم عام اجنبیوں کی طرح ہے، یہ ایک معتدل اور زیادہ قابل قبول رائے ہے [156]

ولی عہدی کی شرائط قبولیت

☆ البتہ جمہور فقہاء کے نزدیک ضروری ہے کہ ولی عہد میں وہ تمام شرائط اہلیت موجود ہوں جو امام کے لئے ضروری ہیں۔

☆ ولی عہد نے امیر کی زندگی میں یہ ذمہ داری قبول کرلی ہو، ورنہ یہ محض خلافت کی وصیت ہو گی، اور احکام وصیت جاری ہونگے [157]

☆ ولی عہد میں ولی عہدی قبول کرنے کے وقت سے خلافت کے سنبھالنے تک شرائط اہلیت مسلسل موجود ہوں، کسی نابالغ، مجنوں یا فاسق کو ولی عہد بنانا درست نہ ہو گا، اور اگر ولی عہد بناتے وقت یہ

------ حواشی ---------------------------------------

156 ۔ تفصیل کے لئے دیکھئے الاحکام السلطانیۃ للماوردی ص ۱۰

157 ۔ مغنی المحتاج ۴/ ۱۳۱

نقائص نہ تھے لیکن بعد میں پیدا ہو گئے تو بھی ولی عہدی باطل ہو جائے گی[158]

حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ نابالغ کو ولی عہد بنایا جاسکتا ہے، بشرطیکہ امام کی وفات کے بعد ملکی معاملات اور ذمہ داریوں کے لئے عارضی طور پر اس کا کوئی نائب مقرر کر دیا جائے، جو ولی عہد کے بالغ ہونے تک امور مملکت انجام دے، ولی عہد کے بلوغ کے بعد نائب خود بخود معزول ہو جائے گا[159]

☆ علماء بصرہ نے یہ شرط لگائی ہے کہ ولی عہد ارباب حل وعقد کے مشورہ سے مقرر کیا گیا ہو، جمہور علماء اہل سنت کو اس سے اتفاق نہیں ہے[160]

تیسرا طریقہ

(۳) امارت کی تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی صاحب قوت واختیار بالجبر حکومت پر قبضہ کرلے، اور اپنی امارت کا اعلان کردے، تو جمہور فقہاء کے نزدیک اس کی امارت نافذ ہو جائے گی، اور اس کی اقتداء میں نماز، جہاد وحج وغیرہ شرعی احکام کی ادائیگی درست ہو گی اور اس کے خلاف بغاوت جائز نہ ہو گی، البتہ شافعیہ نے اس میں یہ شرط لگائی ہے کہ اس شخص میں اہلیت امارت کی جملہ شرائط موجود ہوں، ورنہ اس کی خلافت جائز نہ ہو گی، اور یہ محض غاصبانہ تسلط قرار پائے گا[161]

☆اس کا مأخذ دراصل وہ حدیث پاک ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

إن أمِّر عليكم عبدمجدع اسوديقودكم بكتاب الله فاسمعوا لہٗ وأطيعوا[162]

------ حواشی--

158 - مغنی المحتاج ۴/۱۳۱، اسنی المطالب ۴/۱۰۹، ۱۱۰، الاحکام السلطانیۃ لابی یعلیٰ ص۹، ۱۰ بحوالہ الموسوعۃ

159 - حاشیۃ ابن عابدین ۱/۳۶۹

160 - الاحکام السلطانیۃ ص۹

161- الاحکام السلطانیۃ لابی یعلیٰ ص۸،۷، حجۃ البالغۃ ۲/۱۱۱، حاشیۃ ابن عابدین ۳/۳۱۹، مغنی المحتاج ۴/۱۳۰، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ۴/۲۹۸

162- صحیح مسلم ۳/۹۴۴ ط عیسی الحلبی

ترجمہ: اگر تم پر کوئی کن کٹا غلام بھی امیر ہو جائے جو کتاب اللہ کے مطابق تم پر حکومت کرے تو اس کی سنو اور اطاعت کرو۔

☆ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

من کرہ من أمیرہٖ شیئاً فلیصبر فإنہٗ من خرج من السلطان شبراً مات میتۃ الجاہلیۃ[163]

ترجمہ: جو اپنے امیر کی طرف سے ناپسندیدہ چیز دیکھے وہ صبر کرے، اس لئے کہ جو حکومت کی اطاعت سے نکل گیا اس کی موت جاہلیت پر ہو گی۔

☆ واقعہ حُرہ کے موقعہ پر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے اہل مدینہ کے ساتھ نماز پڑھی اور ارشاد فرمایا کہ:

"نحن مع من غلب" جو غالب آجائے ہم اس کے ساتھ ہیں[164]

☆ علاوہ ازیں اس صورت میں سخت فتنہ اور جان ومال کے ضیاع کا اندیشہ ہے، اس لئے عام مسلمانوں کے لئے عافیت اور سلامتی کا راستہ یہی ہے کہ قوت قاہرہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے اور اس کی اطاعت قبول کر لی جائے، تاکہ مسلمانوں کے جان ومال کا بھی تحفظ ہو اور ملک وملت کے وہ داخلی مسائل معلق نہ رہ جائیں جو امیر کے بغیر انجام نہیں پاسکتے[165]

البتہ یہ امارت کی ایک اضطراری صورت ہے، جو صرف مخصوص حالات میں ہی قابل قبول ہو سکتی ہے، اور اس کی بنیاد محض دفع ضرر پر ہے، اس کو عام ضابطہ کے طور پر نہ پیش کیا جاسکتا ہے، اور نہ علمی بنیادوں پر اس کی حوصلہ افزائی کی جاسکتی ہے، یہ ایک ابتلائی صورت حال ہے، جس کو صبر کے اصول پر قبول کر لینے

------ حواشی--

163- بخاری مع فتح الباری ۱۳/ ۵، مسلم مع النووی ج ۱۲ ص ۲۴۰

164- الاحکام السلطانیۃ لابی یعلیٰ ص ۲۳

165- الاحکام السلطانیۃ لابی یعلیٰ ص ۲۳

اور خاموش رہنے کو کہا گیا ہے۔

عوامی انقلاب

جو حکمراں عوامی انقلاب اور افرادی قوت کے ذریعہ اقتدار میں آتے ہیں وہ بھی ابتدائی طور پر اسی زمرہ میں آتے ہیں، الّا یہ کہ خواص اور اہل علم و فضل کا طبقہ بھی اس کی تائید کرے...... اسلامی تاریخ میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں، جن میں عوامی طاقت کے ذریعہ حکومت کا تختہ پلٹنے کی کوشش کی گئی، اور متعدد کو کامیابیاں بھی ملیں، خود حضرت امام حسینؓ کا سفر کوفہ اسی سلسلے کی ایک کڑی تھی، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے عوامی انقلاب کے ذریعہ مکہ معظمہ میں اپنی حکومت قائم فرمائی وغیرہ، بعد کے ادوار میں بھی ایسی کئی کوششوں کا تذکرہ ملتا ہے جن میں بعض کو ہمارے مشہور ائمہ کی تائید و حمایت بھی حاصل رہی، مثلاً عہد بنی امیہ (صفر ۱۲۲ھ مطابق ۷۴۰ء) میں حضرت زید بن علیؒ نے عوامی تحریض پر حکومت کا تختہ پلٹنے کی کوشش فرمائی، جس کو حضرت امام ابو حنیفہؒ کی تائید حاصل تھی، آپ نے ان کے خروج کو رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے خروج کے مشابہ قرار دیا، البتہ علانیہ حمایت اور ان کے ساتھ عملی شرکت سے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کی کہ:

لو علمت أن الناس لايخذلونہ ويقومون معہٗ قيام صدق لكنت أتبعہٗ، وأجاهد معہٗ، لأنہٗ إمام حق"

ترجمہ: اگر مجھے معلوم ہوتا کہ لوگ ان کو ذلیل و رسوا نہیں کریں گے، اور ان کے ساتھ مخلصانہ برتاؤ کریں گے، تو میں بھی ان کا ساتھ دیتا اور ان کے ساتھ جہاد میں شامل ہوتا، اس لئے کہ یہ امام برحق ہیں۔

البتہ حضرت امامؒ نے ان کو مالی مدد فراہم کی[166]

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی زندگی میں ایسے کئی موقعے آئے، جن میں ظالم حکومت کے خلاف انتہائی نیک ہستیوں نے عوامی انقلاب کی کوششیں کیں اور حضرت امامؒ نے

------ حواشی ------

166 - المناقب لابن البزازیؒ ج ۲ ص ۲۷، الجصاص: ۱/ ۸۱، الخیرات الحسان للمکیؒ: ۱/ ۲۶۰، ابو حنيفة حياتہٗ وعصرہٗ لابي زهرة ط دار الفكر ص ۱۸۰

گو عملاً ان میں حصہ نہیں لیا، لیکن اپنے فتاویٰ اور پیغامات کے ذریعہ ان کی حمایت کی، مثلاً:

☆ حسن بن قحطبہ کا ذکر ملتا ہے، اموی حکومت کے خلاف ان کی بغاوت کی امام صاحبؒ نے تائید فرمائی[167]

☆ عباسی خلیفہ منصور کے دور میں حضرت حسنؓ کے پوتے حضرت ابراہیم بن عبد اللہؒ نے خروج کیا تو امام صاحبؒ نے ان کی تائید فرمائی، اور اس میں شرکت و امداد کو پچاس (۵۰) نفل حج سے بہتر قرار دیا، ایک خاتون اپنے بیٹے کو اس میں شامل ہونے سے روکتی تھی، امام صاحبؒ نے اس عورت کو ایسا کرنے سے منع کیا، اگرچیکہ ان کی کوشش بار آور نہ ہوسکی لیکن کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ کے پاس جب کبھی ان کا یا ان کے بھائی محمد بن عبد اللہؒ کا ذکر آجاتا امام صاحب آبدیدہ ہوجاتے تھے[168]

دراصل حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جبری تسلط کے ذریعہ قائم ہونے والی حکومت کے مقابلے میں عوامی انقلاب والی حکومت زیادہ قابل قبول تھی، اگرچیکہ اسلام کی مطلوبہ آئینی حکومت کی دونوں ہی مصداق نہیں ہیں، لیکن اہون البلیتین کے اصول پر عوامی حکومت میں خاندانی یا آمرانہ نظام حکومت کے بہ نسبت اظہار رائے کی آزادی زیادہ ہوتی ہے، اور ارباب حل وعقد اور اصحاب علم ودانش سے استفادہ کرنا یہاں نسبتاً آسان ہوتا ہے، اسی لئے امام صاحب نے آمرانہ اور جابرانہ نظام کے بالمقابل ہمیشہ عوامی نظام حکومت کی حمایت کی، بشرطیکہ اس کی باگ ڈور صالح اور قابل اعتماد ہاتھوں میں ہو، امام صاحب کے اس نظریہ کا اظہار ایک اور واقعہ میں زیادہ واضح طور پر ہوتا ہے:

ایک بار خلیفہ منصور نے اپنے دربار میں حضرت امام ابو حنیفہؒ، حضرت ابن ابی ذویبؒ اور حضرت امام مالکؒ تینوں بزرگوں کو ایک ساتھ طلب کیا، تاکہ اپنی خلافت کے بارے میں ان کی رائے معلوم کرے، چنانچہ اس نے ان تینوں کے سامنے اپنی بات رکھی، حضرت امام مالکؒ نے تھوڑا نرم انداز اختیار فرمایا، حضرت ابن ابی ذویبؒ نے بہت سخت جواب دیا، اور حضرت امام ابو حنیفہؒ نے ارشاد فرمایا، اپنے دین کے لئے رہنمائی

------ حواشی --

167۔ المناقب للمکیؒ ج ۱۰ ص ۹۲

168 ۔ المناقب للمکیؒ ج ۲ ص ۸۴ بحوالہ ابو حنیفہؒ حیاتہٗ لابی زہرۃ ص ۱۸۳ ط دار الفکر

حاصل کرنے والا غصہ سے دور رہتا ہے، اگر آپ نے اپنے مفاد کے لئے ہم کو بلایا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کے پیش نظر خلوص اور رضائے الٰہی نہیں ہے، آپ کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم آپ کے ڈر سے آپ کے موافق طبع رائے دیں اور عام لوگوں کو یہ تأثر دیا جائے کہ یہ علماء ہماری خلافت اور نظام حکومت سے پوری طرح مطمئن ہیں، حالانکہ جب آپ نے خلافت حاصل کی تو اس وقت اہل افتاء میں سے دو آدمی کو بھی نہیں بلایا گیا، جبکہ خلافت عام مسلمانوں کے مشورہ سے قائم ہوتی ہے[169]

اس سے امام صاحب کے نقطۂ نظر پر روشنی پڑتی ہے کہ وہ صحیح اسلامی خلافت کی تاسیس کے لئے عوامی اجتماع کو جس میں اہل فتویٰ، ماہرین قانون اور اصحاب دانش کی بھی نمائندگی ہو ضروری سمجھتے ہیں، اس کے بغیر حکومت تو قائم ہو سکتی ہے، اور ثمرات کے لحاظ سے اس کو جائز بھی کہا جاسکتا ہے، مگر اس کو خلافت راشدہ نہیں کہا جاسکتا اور نہ اس سے وہ مطلوبہ نتائج حاصل ہو سکتے ہیں جو روئے زمین پر اسلامی نظام کے قیام سے رب العالمین کو مطلوب ہیں۔

عوامی انقلاب ایک قوت قاہرہ ہے، اور اس کے ذریعہ جو حکومت قائم ہوتی ہے وہ شرعاً درست ہوتی ہے اور اس کی قیادت میں وہ تمام امور انجام دیئے جاسکتے ہیں جس کے لئے اسلامی حکومت کی ضرورت ہے، البتہ عوامی انقلاب کے ذریعہ بر سر اقتدار آنے والے حکمراں کو چاہئے کہ وہ ارباب علم و تقویٰ اور اصحاب فضل و فہم پر مشتمل ایک شورائی نظام قائم کرے، عوامی ووٹنگ کی شریعت اسلامی میں کوئی حقیقت نہیں ہے، تاہم اسلام اس کے ذریعہ قائم ہونے والی حکومتوں کو ناجائز نہیں کہتا، اسلام کے پاس اپنا ایک نظام العمل ہے، ایک دستور اور آئین ہے، اور دنیا کو اس کی بہر حال ضرورت ہے، تاکہ اسلامی نظام کے وہ تمام شعبے قائم اور جاری ہوں، جن سے یہ روئے زمین جنت نظیر بن سکتی ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ اسلام اپنے نظام کے علاوہ دنیا کے تمام نظاموں کو غلط قرار دیتا ہو، اور اگر عوام اور خواص کی شرکت سے حکومت عمل میں آتی ہے تو اس سے گو وہ نتائج حاصل نہ ہوں جو اسلامی نظام کا نصب العین ہیں، لیکن اس کے

------ حواشی --

169۔ المناقب للبزازیؒ ج ۲ ص ۱۶، ابو حنیفۃ۔ حیاتہٗ و عصرہٗ لابی زہرۃ ص ۱۸۵

جواز اور اس سے حاصل شدہ ثمرات کی صحت شبہ سے بالاتر ہے...... دراصل اسلامی نظام حکومت میں طریقۂ انتخاب سے زیادہ قائم ہونے والی حکومت کا طور طریق، حکمراں کا دینی واخلاقی معیار اور حق وانصاف اور اقامت دین کے معاملے میں اس کی دلچسپی اور جد وجہد کی زیادہ اہمیت ہے، جیسا کہ پچھلے صفحات میں اشارہ کیا گیا کہ صحیح شرعی اصولوں کے مطابق امیر کا انتخاب ہو لیکن بعد میں اس کا طرز عمل درست بنیادوں پر قائم نہ رہ سکے، تو اسلام کی نگاہ میں وہ غیر شرعی حکومت ہے اور نامناسب طریقے سے منتخب ہونے والا حکمراں حق وانصاف پر مبنی بہترین اسلامی حکومت قائم کرلے تو وہ جائز حکومت کہلانے کی مستحق ہوگی، واللہ اعلم بالصواب وعلمہٗ اتم واحکم۔

انسان کی شہریت کا مسئلہ

شرعی نقطۂ نظر [170]

انسان کی شہریت کا مسئلہ عہد حاضر کے جدید ترین مسائل میں ہے، جس پر مختلف جہتوں سے کئی دہائیوں سے گفتگو ہو رہی ہے...... آج سے دس بارہ سال قبل جب میری کتاب "غیر مسلم ملکوں میں مسلمانوں کے مسائل" شائع ہوئی، تو اس وقت یہ بالکل نیا مسئلہ تھا، اور بہت کم مصنفین نے اس پر تفصیلی بحثیں کی تھیں ، ...... میں نے اس کتاب میں اس موضوع پر تفصیل سے روشنی ڈالی، جو غالباً اردو زبان میں اس موضوع پر پہلی باقاعدہ علمی تحریر تھی، اس میں بڑی حد تک موضوع کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی، کئی ممتاز اہل علم نے اس مسئلہ پر میری حوصلہ افزائی اور تحسین فرمائی......فجزاہم اللہ احسن الجزاء

قومیت کا قدیم تصور

یہ اس دور کا بہت حساس مسئلہ ہے، یہ اس دور میں انسان کی شناخت کا اولین ذریعہ بن گیا ہے، مذہب، اور رنگ ونسل کی بنیادیں آج ثانوی درجہ میں چلی گئی ہیں، ...... گویا یہ عہد کے لحاظ سے معیار کی تبدیلی ہے، پہلے انسان کی پہچان اس کے وطن یا جغرافیہ سے نہیں بلکہ اس کے افکار وخیالات اور مذہبی تصورات سے ہوتی تھی، ان کے علاوہ رنگ ونسل اور زبان وبیان بھی انسانی امتیاز کا معیار بنتے تھے، ......پہلے کے لوگ جغرافیائی بنیادوں پر اتنا یقین نہیں رکھتے تھے، اور نہ ان پابندیوں کے قائل تھے، اسی لئے جب کبھی تصورات ونظریات اور نسلی یا لسانی معاملات میں جغرافیہ حائل ہونے کی کوشش کرتا تو وہ ہمیشہ جغرافیائی زنجیریں توڑ کر

------ حواشی ------

170- تحریر بمقام جامعہ ربانی منوروا شریف، بتاریخ ۱۸ / ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۴ / اکتوبر ۲۰۱۳ء

نکل جاتے، انہوں نے کبھی جغرافیہ کو گلے کا طوق نہیں بنایا، اور نہ تاریخ کے پچھلے معتبر ادوار میں کبھی جغرافیائی اور زمینی حدود کو قومیت (یعنی انسان جس نسبت سے پہچانا جائے) کی بنیاد بنایا گیا، بلکہ زمین کے ہر خطہ کو ہر فکر و نظر اور ہر رنگ و نسل کے لئے آزاد سمجھا جاتا تھا......

فطرت سے قریب تر معیار

قرآن کریم کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قومیت کا وہی پرانا معیار فطرت سے قریب تھا، سورۂ حجرات میں ارشاد ہے:

یٰا ایہا الناس إنّا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجعلناکم شعوباً و قبائل لتعارفوا إنّ أکرمکم عنداللہ اتقاکم[171]

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے، تاکہ تمہاری شناخت قائم ہو، بلاشبہ اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ گو دنیا کے تمام انسان ایک مرکز وحدت سے وابستہ ہیں، لیکن ان کے درمیان نسلی اور خاندانی امتیازات موجود ہیں، رنگ اور زبان کا تفاوت بھی خاندانی فرق سے پیدا ہوتا ہے، اور مختلف رنگوں کی آمیزش سے نئے رنگ، نئی زبانیں اور نئی تہذیبیں وجود میں آتی ہیں، ......خالق کائنات نے خود پردہ اٹھایا ہے کہ یہ امتیازات صرف باہمی شناخت کے لئے ہیں، اور یہ فرق مصنوعی نہیں فطری ہیں، جو خود خلاق فطرت نے قائم کئے ہیں، اگر یہ نہ ہوں تو کسی کو پہچاننا اور ایک دوسرے میں فرق کرنا مشکل ہو جائے، لیکن ان میں سے کوئی بات معیار شرافت نہیں ہے، معیار فضیلت صرف تقویٰ ہے، اور قومیت کی اصل بنیاد نظریۂ ایمان ہے۔

آیت کریمہ واضح طور پر اشارہ کر رہی ہے کہ خاندان، رنگ اور زبانیں بھی قومیت کی فطری

------ حواشی ------

171 - الحجرات:۱۳

بنیادیں ہیں، اور ان کی بنیاد پر جو انسانی اکائیاں بنتی ہیں وہ بالکل غیر فطری نہیں ہیں البتہ خود خالق فطرت کے نزدیک قومیت کی بہترین بنیاد وحدت فکر و نظر ہے، اہل تقوی دنیا میں جہاں بھی ہیں وہ بظاہر خواہ کتنی ہی اکائیوں میں منقسم ہوں لیکن حقیقت میں وہ ایک ہی وحدت سے منسلک ہیں، جس کو کبھی اس طرح بیان کیا گیا کہ:

إنما المؤمنون إخوة[172] ترجمہ: تمام اہل ایمان بھائی ہیں۔

اور کہیں اس طرح فرمایا گیا:

المسلمون کرجل واحدإن اشتکیٰ عینہٗ إشتکیٰ کلہٗ وإن اشتکیٰ راسہٗ إشتکیٰ کلہ[173]

ترجمہ: تمام مسلمان شخص واحد کی طرح ہیں، اس کی آنکھ دکھتی ہے تو پورا جسم دکھتا ہے اور سر میں تکلیف ہوتی ہے تو پورے جسم میں تکلیف ہوتی ہے۔

إنمامثل المؤمنین فی توادہم وتراحمہم کالجسد إذا اشتکیٰ منہ شیئا تداعیٰ لہٗ سائرالجسد الحدیث[174]

ترجمہ: مسلمانوں کی مثال باہمی محبت و تعلق میں ایک جسم کی ہے، کہ جسم کے ایک حصہ میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم اس سے متأثر ہوتا ہے۔

قرآن وحدیث کی بے شمار نصوص اس پر شاہد ہیں کہ کلمہ کا رشتہ تمام رشتوں پر یہاں تک کہ خون کے رشتہ پر بھی مقدم ہے، قرآن میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر آیا ہے، طوفان کے موقعہ پر حضرت نوح ؑکی ہزار خواہش کے باوجود ان کا بیٹا طوفان کی زد سے محفوظ نہ رہ سکا، جبکہ وعدۂ الٰہی تھا کہ حضرت نوحؑ کے اہل خانہ کی حفاظت کی جائے گی، اللہ پاک نے اس کی یہ توجیہ فرمائی کہ:

------ حواشی--

172 ۔سورۂ حجرات:۱۰

173۔ صحیح مسلم باب تراحم المؤمنین وتعاطفھم ج۸ص۲۰ حدیث نمبر ۶۷۵۴ ط دارالجیل بیروت

174 ۔مسند الشہاب القضاعی لمحمد بن سلامۃ بن جعفر القضاعی المصری (المتوفی ۴۵۴ھ) حدیث نمبر ۱۳۶۷، ط موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۶ء

إنہٗ لیس من أہلک[175]

ترجمہ: اے نوح تیرا بیٹا تیرے افراد خاندان میں شامل نہیں تھا۔

ولدیت کا طاقتور ترین رشتہ ہونے کے باوجود خاندان نوحؑ سے کنعان کا نام خارج کردیا گیا، اس طرح کے نصوص واشارات سے اسلام کا نقطۂ نظر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ خاندان، اور اس طرح کی دوسری تمام بنیادیں اگرچیکہ خود صناع قدرت کی بنائی ہوئی ہیں، لیکن قومیت کی اصل بنیاد اللہ کے نزدیک وحدت کلمہ اور وحدت فکر و نظر ہے۔

چنانچہ تاریخ کے پچھلے تمام ترادوار انہی بنیادوں کے گرد گردش کرتے ہیں، خود یورپ کا کلیسائی نظام اسی تصور کا علمبردار تھا، بلکہ یگلونہ اس میں شدت پسندی پائی جاتی تھی ...... مگر یورپ کے مادی عروج کے بعد جب مغربی اقوام پر مذہب بیزاری اور لادینیت کا غلبہ ہوا، تو انہوں نے صدیوں پرانے کلیسائی نظام سے آہستہ آہستہ آزادی حاصل کرلی، اس کے بعد لادینی رجحانات کا فروغ ہوا، اور اس کے اثرات یورپ کے زیر نگیں تمام علاقوں میں پہونچے، خواہ وہ ان کی قدیم آبادیاں ہوں یا نو آبادیات کا علاقہ، کوئی اس وبا سے محفوظ نہ رہ سکا، پھر دین کی جگہ پر وطنیت کا نیا بُت تراشا گیا، اور اس بنیاد پر انسانوں کو انسانوں سے بانٹا گیا، مذہب اور خون کے رشتوں کو کاٹا گیا، ایک وطن میں رہنے والے تمام لوگوں کو خواہ وہ کسی رنگ ونسل کے ہوں اور کسی بھی فکر و نظر اور مذہب وملت کے حامل ہوں ایک قوم قرار دیا گیا، ...... یہ وطنیت کا نیا تصور تھا، اور اسی بنیاد پر مغرب نے عالم اسلام کو بھی پارہ پارہ کردیا، بقول ڈاکٹر اقبالؒ:

چاک کردی ترک ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی اپنوں کی دیکھ، دشمن کی عیاری بھی دیکھ

اور اسی تصور کی بنیاد پر ملکوں کی سرحدی پابندیاں شروع ہوئیں، اور آمد ورفت اور بود وباش کی سہولتیں محدود کی گئیں، اور اس کے لئے نئے قواعد وضوابط وضع کئے گئے، اور یورپ کے عالمی قوت بن

------ حواشی --

[175175] ۔ ہود: ۴۶

جانے کے بعد ان اصولوں کو بھی عالمی حیثیت دی گئی اور تمام ممالک کے لئے ان کی پابندی لازم کر دی گئی۔

وطنیت کی بنیادیں

ملکوں کی سرحدیں پہلے بھی تھیں، ایک ملک سے دوسرے ملک آمد ورفت اور تجارت کا سلسلہ بھی جاری تھا، بین الاقوامی معاہدات بھی ہوتے تھے، تجارتی قواعد بھی تھے، جنگی کا نظام بھی تھا، وطنیت کا تصور بھی موجود تھا، اور اس تعلق سے کچھ قواعد وضوابط بھی تھے، ہماری کتب فقہ میں وطن کی تین قسمیں بیان کی گئی ہیں:

> الاوطان ثلاثۃ:وطن اصلی وھووطن الانسان فی بلدتہ او بلدۃاخریٰ اتخذہا داراًوتوطن بہا مع اہلہ وولدہ ولیس من قصدہ الارتحال عنہابل التعیش بہا،وطن الاقامۃوھوان یقصدالانسان أن یمکث فی موضع صالح للاقامۃ خمسۃ عشریوماًاواکثر،ووطن السکنیٰ:وہو أن یقصد الانسان المقام فی غیر بلدتہ اقل من خمسۃ عشر یوما[176]

ترجمہ:(۱)وطن اصلی:یعنی مقام پیدائش یا ایسا مقام جہاں وہ مستقل طور پر اپنے اہل وعیال کے ساتھ منتقل ہو چکا ہو، اور وہاں سے واپسی کا کوئی ارادہ نہ رکھتا ہو۔(۲)وطن اقامت: ایسا مقام جہاں پندرہ دن یا اس سے زیادہ عارضی قیام کا ارادہ ہو، (۳)وطن سکونت: ایسا مقام جہاں پندرہ دن سے بھی کم قیام کا ارادہ ہو۔

بعض فقہاء نے وطن کی دو ہی قسمیں کی ہیں (۱)وطن قرار: مقام پیدائش یا وہ مقام جہاں مستقل بود وباش کا ارادہ ہو، (۲)وطن مستعار: جہاں مستقل قیام کا ارادہ نہ ہو[177]

------ حواشی --

176 - بدائع االصنائع للکاسانیؒ (م ۵۸۷ھ) ج ا ص ۳۱۶ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان ۱۹۸۶ء، المبسوط للسرخسیؒ ج ا ص ۴۶۴ ط دار الفکر بیروت لبنان ۲۰۰۰ء وغیرہ

177 - بدائع االصنائع للکاسانیؒ (م ۵۸۷ھ) ج ا ص ۳۱۶ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت، لبنان ۱۹۸۶ء، المبسوط للسرخسیؒ ج ا ص ۴۶۴ ط دار الفکر بیروت لبنان ۲۰۰۰ء وغیرہ

اسی طرح ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کے لئے ویزہ کا نظام بھی بہت پہلے سے قائم ہے، البتہ اس کی ضرورت عموماً اس وقت پڑتی تھی جب دو ملک باہم بر سرپیکار ہوں یا جنگ کے حالات پیدا ہو چکے ہوں، امن کے حالات میں عام طور پر اس کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، اسی لئے اس وقت کے حالات کے مطابق ویزہ کے لئے امان کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا، یہ اصطلاح خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی ضرورت صرف جنگی حالات میں تھی...... پھر ویزہ (امان) کی بھی کئی قسمیں تھیں:

☆ شخصی ویزہ(استامن لنفسہ ----)☆ فیملی ویزہ(طلب الامان لاہلہٖ ----)☆ گروپ ویزہ(آمنونی علیٰ عشرۃ----)وغیرہ[178]

شہریت کا تصور

یہ اس دور کی بات ہے جب ساری دنیا پر عالم اسلام کی بالادستی قائم تھی، اور بین الاقوامی معاملات میں اسلامی قانون کو برتری حاصل تھی،...... لیکن جب مسلمانوں پر زوال آیا، وہ عالمی قوت کے طور پر باقی نہ رہے، اور اقوام مغرب کو عالمی بالادستی حاصل ہوئی، تو عالمی سیاست کا معیار بھی تبدیل ہوا، خارجہ پالیسیاں بدلیں، اور لادینی بنیادوں پر نئے قواعد وضوابط وجود میں آئے،...... انہی تبدیلیوں میں ایک بڑی تبدیلی قدیم اصطلاحات کو نئے تصور دینا اور پرانی شراب کو نئی بوتلوں میں پیش کرنا ہے۔

انہی محرف اور مسخ شدہ اصطلاحات میں شہریت کی اصطلاح بھی ہے، عربی میں اب اس کے لئے "جنسیت" کا لفظ استعمال ہوتا ہے، جنسیت دراصل قومیت (nationeltiy) کا مترادف ہے، یعنی اب نئے معیار کے مطابق قوم مذہب یا رنگ ونسل سے نہیں بلکہ وطن سے بنتی ہے، اس لئے انسان کی جنس اسی ملک کی طرف منسوب ہوگی، جہاں کا وہ باشی ہے، عالمی سیاست پر مغرب کی بالادستی سے قبل ان اصطلاحات کا وجود نہیں تھا، پہلے اس کے لئے عربی زبان میں "وطنیت یا توطن" کا لفظ استعمال ہوتا تھا، اردو میں شہریت کی اصطلاح بڑی حد تک وطنیت سے قریب ہے، لیکن مفہوم میں بڑا فرق ہے، اب شہریت "جنسیت" کے معنیٰ

------ حواشی--

178 - دیکھئے البحر الرائق شرح کنز الدقائق لابن نجیم المصریؒ (م ۹۷۰ھ) ج ۵ ص ۸۷ ط دار المعرفۃ بیروت

میں استعمال ہوتا ہے، وطنیت کے لفظ میں بہت توسع ہے، عارضی اقامتگاہوں کے لئے بھی وطن کا لفظ استعمال کیا جاسکتا تھا، البتہ دونوں میں فرق کرنے کے لئے مستقل اقامتگاہوں کو وطن اصلی یا وطن قرار کہا جاتا تھا اور عارضی اقامتگاہوں کو وطن اقامت، وطن سکونت یا وطن مستعار کہا جاتا تھا۔..... اصل میں یہ مسئلہ فقہاء کے یہاں بالعموم کتاب الصلوٰۃ میں مسافرت کی نماز کے ضمن میں آیا ہے، اور بحث نماز کے اتمام اور قصر کی ہے، اس لئے فقہاء نے محدود مدت والی اقامتگاہوں کو بھی از راہ توسع وطن قرار دیا، تا کہ حالت سفر میں اتمام صلوٰۃ کی نوبت نہ آئے،..... ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جس معنیٰ میں آج شہریت کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے، وہ بڑی حد تک صرف ”وطن اصلی“ یا وطن قرار“ میں پایا جاتا ہے، اور اسی روشنی میں شہریت کے حدود اربعہ کو بھی سمجھا جاسکتا ہے۔

شہریت کی اصطلاحی تعریف اور قسمیں

شہریت موجودہ اصطلاح میں فرد اور حکومت کے درمیان اس مخصوص سیاسی اور قانونی رابطہ کا نام ہے جس کی بنیاد پر کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے کے بعض تقاضوں اور واجبات کی تعمیل کرنی پڑتی ہے، یہ وہ قانونی رشتہ ہے جس کی بنیاد پر ایک فرد کا وجود اور تشخص اس ریاست کی طرف منسوب ہو جاتا ہے، جہاں کا وہ شہری ہے، مثلاً ہندستانی، امریکی، برطانوی اور سعودی وغیرہ، اور اسے وہاں رہنے کا مستقل قانونی حق حاصل ہو جاتا ہے۔

پھر شہریت کی بھی دو قسمیں ہیں:

(۱) پیدائشی شہریت: یعنی کسی ملک میں پیدائش کی بنیاد پر بلا اختیار بچہ کو شہریت حاصل ہو جائے۔

(۲) اختیاری شہریت: یعنی جو شہریت سعی وارادہ سے حاصل کی جائے، مثلاً اس ملک کی کسی لڑکی یا لڑکا سے شادی کرلی جائے، یا حکومت سے درخواست کرکے شہریت حاصل کی جائے، وغیرہ۔

پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نئے ملک کی شہریت حاصل ہونے کے بعد سابقہ ملک کی شہریت منسوخ ہو جاتی ہے، مثلاً ہندوستان کا کوئی شخص برطانوی شہریت حاصل کرلے تو برطانوی شہریت حاصل ہوتے ہی ہندوستانی شہریت اس کی ختم ہو جائے گی، یعنی اب وہ ہندوستانی نہیں بلکہ برطانوی کہلائے گا،..... اور کبھی یہ

بھی ممکن ہے کہ نئے ملک کی شہریت حاصل ہونے کے بعد سابقہ ملک کی شہریت برقرار رہے، مثلاً پاکستان کا کوئی شخص برطانوی شہریت حاصل کرے تو اسے دونوں جگہوں کی شہریت برقرار رکھنے کا حق ہو گا، یعنی وہ بیک وقت پاکستانی بھی ہو گا اور برطانوی بھی،......پاکستان میں پاکستانی رہے گا اور برطانیہ میں برطانوی، یہ مختلف ملکوں کے اپنے اپنے معاہدات کی روشنی میں طے پاتا ہے، کہ کس ملک میں شہری کے ساتھ کیا معاملہ روا رکھا جائے؟[179]

پھر جب کوئی شخص کسی ملک کا شہری بن جاتا ہے تو اس کو وہ تمام حقوق و مراعات حاصل ہو جاتے ہیں جو ایک پیدائشی شہری کو حاصل ہیں، اور تمام وہ ضمانتیں جو بحیثیت شہری کے ملنی چاہئے مل جاتی ہیں اسی کے ساتھ اس پر بعض واجبات اور مطالبات بھی عائد ہوتے ہیں جن کی تکمیل بحیثیت فرد اس کو کرنی پڑتی ہے

حقوق شہریت: مثلاً ☆ ہر شہری کو اپنے ملک میں مستقل قیام کا حق حاصل ہے۔

☆ وہ ملک کے تمام وسائل سے بلا امتیاز استفادہ کر سکتا ہے۔

☆ وہ اپنی صلاحیت سے ملک کے کسی بھی باوقار عہدہ تک پہونچ سکتا ہے۔

☆ کسی بھی قسم کی ملازمت حاصل کر سکتا ہے۔

☆ کسی بھی قسم کی تجارت کر سکتا ہے۔

☆ اسے اپنے ملک میں ہر طرح کی آزادی حاصل ہو گی۔

☆ اس کی جان و مال اور عزت و وقار کو تحفظ فراہم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے، وغیرہ۔

واجبات شہریت: مثلاً ☆ ملکی آئین کے ساتھ اس کی وفاداری ضروری ہے۔

☆ ملک کی تعمیر و ترقی میں حصہ لے۔

☆ ملکی مفادات کے تحفظ کے لئے ہر طرح کی خدمت و قربانی کے لئے تیار رہے وغیرہ۔

وطنیت کا یہ تصور بہت قدیم ہے، اور لوگ ہر دور میں ارض وطن کے ساتھ اسی قسم کی جذباتی

------ حواشی--

179- الجنسیۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ لرحیل الرحیل ص ۱۳ بحوالہ راقم کی کتاب "غیر مسلم ملکوں میں مسلمانوں کے مسائل" ص ۳۵

وابستگی رکھتے رہے ہیں، اور ہر ریاست اپنے شہریوں کے لئے اسی قسم کے احساسات کی حامل رہی ہے، خود نبی کریم ﷺ اور مکہ معظمہ کے مہاجر مسلمانوں نے جب مدینہ منورہ کو اپنا نیا وطن قرار دیا، تو نبی کریم ﷺ نے اس کے ساتھ انتہائی خیر خواہانہ جذبات کا اظہار فرمایا اور دلوں میں اس کی محبت جاگزیں ہونے کی دعا فرمائی:

اللہم حبب الینا المدینۃ کحبنا مکۃ او اشد[180]

ترجمہ: اے اللہ مدینہ کی محبت ہمارے دلوں میں اسی طرح ڈال دیجئے جیسے کہ مکہ کی محبت بسی ہوئی ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔

ارض وطن کی نگرانی کرتے ہوئے مرنے والے کو شہید قرار دیا گیا:

من مات مرابطاً مات شہیداً[181]

ترجمہ: جو سرحد کی نگرانی کرتا ہوا مرے وہ شہید ہے۔

ارض وطن میں رہنا ہر شہری کا حق ہے، کوئی اپنے اس حق کے تحفظ کے لئے مارا جائے تو اسے شہید کہا گیا ہے:

إذا جاء ک المسلم یرید أن یقاتلک من أجل أن یخرجک من بلدک أومن بیتک فقاتلہٗ إن قتلتہٗ فھو فی النار وإن قتلک فأنت شہید[182]

ترجمہ: کوئی مسلمان تم سے تمہیں اپنے شہر یا گھر سے نکالنے کے لئے لڑے تو تم اس سے لڑو اگر تم نے اسے قتل کر دیا تو جہنم رسید ہوا اور اگر تم مارے گئے تو تم شہید ہو۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد وہاں کے مقامی لوگوں کے ساتھ جن میں انصار صحابہ کے علاوہ بہت سے غیر مسلم بھی تھے، قیام ریاست کے ضمن میں جو معاہدہ نامہ تیار ہوا اس کی

------ حواشی ------

180 - صحیح البخاری ج ۲ ص ۶۶۷ حدیث نمبر ۱۷۹۰ ط دار ابن کثیر، الیمامۃ بیروت، ۱۹۸۷ء

181 - کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال لعلی المتقیؒ (م ۹۷۵ھ) ج ۴ ص ۴۱۸ ط مؤسسۃ الرسالۃ ۱۹۸۱ء

182 - شرح ریاض الصالحین (للنوویؒ) للعثیمین (م ۱۴۲۱ھ) ج ۱ ص ۱۰

کئی دفعات میں فرد وریاست کے تعلق سے اسی طرح محبت وذمہ داری کا تصور ملتا ہے، مثلاً:

☆وإن المؤمنين المتقين علىٰ من بغىٰ منهم أوابتغىٰ دسيعة ظلم أوإثم أوعدوان أوفساد بين المؤمنين وأن أيديهم عليه جميعاً ولوكان ولد أحدهم

ترجمہ: متقی مسلمان باغیوں اور ظالموں کے ظلم وگناہ اور فساد وطغیان کے خلاف مضبوط دیوار ہونگے، سب کی قوت ایک مانی جائے گی چاہے ان میں سے کسی کا کوئی بچہ ہی کیوں نہ ہو۔

☆وإنہٗ من تبعنا من يهود فإن لہٗ النصر والاسوة غير المظلومين ولامتناصرين عليهم

ترجمہ: جو یہود ہمارے حمایتی ہونگے ان کو یکساں طور پر امداد واستحقاق حاصل ہوگا ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا اور نہ ان کے خلاف کسی کی مدد کی جائے گی۔

☆وإن بينهم - بين المسلمين واليهود- النصر علىٰ من حارب أہل ہذہٖ الصحيفة

ترجمہ: مسلمان اور یہودی باہم تعاون کے پابند ہونگے ان لوگوں کے خلاف جو اس میثاق میں شامل فریقوں سے برسرپیکار ہوں۔

☆وإن بينهم النصح والنصيحة

ترجمہ: ان کے درمیان باہم ہمدردانہ اور خیرخواہانہ جذبات کارفرما رہیں گے۔

☆وإن بينهم النصر على من دہم يثرب

ترجمہ: مدینہ منورہ پر یلغار کرنے والوں کے خلاف یہ باہم ایک دوسرے کے تعاون کے پابند ہونگے [183]

------ حواشی --

183 - سیرت ابن ہشامؒ ۱/۵۰۱، الروض الانف للسہیلیؒ ۲/۳۴۵، عیون الاثر لابن سید الناسؒ ۱/۲۶۰، النہایۃ فی غریب الاثر لابن محمد الجزریؒ ۳/۵۳۴

بعض تنقیحات

ایک خیال یہ ہے کہ مروجہ نظام شہریت ایک غیر اسلامی اور باطل نظام ہے، اوراس کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے، اس کے مطابق کسی اسلامی ملک میں سکونت وشہریت کے لئے صرف مسلمان ہونا کافی ہے، باقی آج شہریت کی جو بنیادیں مانی جاتی ہیں، ولادت، بود وباش، معاشی سرگرمیاں اور شادی بیاہ وغیرہ یہ سب مغربی فکر کی پیداوار ہیں۔۔۔۔ اوراس خیال کے پیچھے کئی دلائل بھی ہیں، مثلاً:

(الف) ساری دنیا کے مسلمانوں کو خلافت واحدہ کے سایہ میں زندگی گذارنی چاہئے، حدیث میں ہے کہ دوسرا خلیفہ ہو تو اسے قتل کر ڈالو، اسی لئے فقہاء دارالحرب میں تعدد کے قائل ہیں دارالاسلام میں نہیں، دنیا کے تمام مسلمان خواہ وہ کہیں رہتے ہوں ایک ہی برادری کے افراد ہیں، ان میں سکونت وشہریت کے باب میں کوئی فرق نہیں ہے، ہمارے اسلامی ذخیرہ میں کوئی ایسی نظیر موجود نہیں ہے جو مسلمانوں کو زمینی اعتبار سے تقسیم کرتی ہو، پورے فقہی ذخیرہ میں کوئی ایسی مثال موجود نہیں ہے کہ دارالاسلام میں رہنے کے لیے مسلمانوں سے اسلام کے علاوہ کسی اور عقد کا مطالبہ کیا گیا ہو، کوئی بھی مسلمان ہجرت کر کے دارالاسلام میں رہائش اختیار کر سکتا تھا، البتہ غیر مسلموں سے عقد ذمہ کرایا جاتا تھا اور اس کے لئے کچھ بنیادیں بھی مقرر کی گئی تھیں۔

(ب) ہجرت مدینہ کے بعد جو "دستور مدینہ" تیار ہوا اس میں مسلم شہری اور غیر مسلم شہری کی تقسیم تو ملتی ہے لیکن مسلمانوں میں کوئی دوسری تقسیم نہیں ملتی، سارے مسلمانوں کے خون کی قیمت ایک رکھی گئی ہے، (المسلمون تتکافأ دمائهم) ان کو "خون واحد" کا درجہ دیا گیا ہے (ان سلم المؤمنين واحدة)۔

(ج) مروجہ نظام شہریت غیر اسلامی نظریات پر مبنی ہے اور اس میں ناجائز وجوہات سے مسلمانوں میں تفریق کی گئی ہے مثلاً ملک کی حفاظت کا فریضہ دنیا کے تمام مسلمانوں پر ہے، اسی طرح مسلم قیدیوں کی رہائی کا فریضہ اور مظلوموں کی طرف سے دفاعی جنگ کی ذمہ داری تمام مسلمانوں پر ہے جبکہ مروجہ نظام شہریت کی ذمہ داریاں صرف اس ملک کے باشندوں پر عائد کرتا ہے۔۔۔۔ اسلام کہتا ہے کہ ساری زمین اللہ

کی ہے(ان ارضی و اسعة) کہیں بھی مسلمان رہ سکتے ہیں لیکن مغربی شہریت اس کی اجازت نہیں دیتی ، اگر کوئی مسلمان نقل مکانی کر کے دوسرے ملک چلا جائے تو مروجہ نظام اس کی شہریت کو ختم کر دیتا ہے وغیرہ۔

لیکن یہ مسئلہ کا صرف جذباتی پہلو ہے اگر سنجیدگی سے غور کیا جائے تو مذکورہ دلائل میں کوئی زیادہ وزن نہیں ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

عہد غلبہ اور عہد مغلوبی کے احکام

(الف) مذکورہ تمام دلائل کا تعلق اسلام کے آفاقی تصورات اور وحدت اسلامی کے نظریات سے ہے جن پر ہمارا پورا یقین ہے مگر وہ اسلام کے حالت غلبہ کے احکام ہیں لیکن جب مسلمان حالت غلبہ میں نہ ہوں اور روئے زمین پر کئی متوازی نظامہائے سیاست رائج ہوں (جن کے اتحاد پر مسلمانوں کے بہت سے عالمی مسائل موقوف ہوں)، ان سے یکسر صرف نظر کر لینا زمینی حقائق وواقعات کا انکار اور یگگونہ خود فریبی کے ہم معنی ہے، ایسی صورت حال میں اسلام کی وہ تعلیمات اور فقہی نظائر پیش نظر رہنی چاہئیں جو عہد مغلوبی میں امت کے لئے رہنما خطوط بن سکیں مثلاً:

☆ عہد نبوت کا وہ حصہ جس میں مسلمانوں کو سیاسی غلبہ حاصل نہیں تھا جیسے مکی دور یا قیام حبشہ کا دور۔

☆ یا پھر مسلمانوں کے سیاسی انتشار کے بعد جب دنیا میں متعدد مسلم مملکتیں وجود میں آگئیں اور خلافت واحدہ کا آفاقی نظریہ خود مسلمانوں کے ہاتھوں عملاً پامال کر دیا گیا اور دوسری غیر مسلم طاقتیں روئے زمین پر ابھرنے لگیں، اس وقت کے علماء اور اصحاب رشد نے کیا طرز اختیار کیا؟، اور کیسی عملی ہدایات دیں؟، آج کے دور میں ان سے روشنی حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔۔۔ عہد عباسی کے بعد بلکہ اسی دور سے مسلمانوں کی سیاسی وحدت ٹوٹنے لگی تھی اور دنیا میں ایک سے زائد مسلم حکومتیں وجود میں آگئی تھیں، ان کو متحد کرنے کی تو کچھ کوششیں ضرور ہوئیں لیکن کسی نے ان کو ناجائز مملکت قرار نہیں دیا۔

(د) نیز اس باب میں اسلام کے بین الاقوامی معاملات کے اس جزئیہ سے بھی روشنی ملتی ہے کہ اسلامی سیاست کے کسی دور میں اگر دوبارہ حدیبیہ جیسے حالات پیدا ہو جائیں اور کفار مسلمانوں سے مغلوبانہ شرطوں

کے لئے اصرار کریں اور مسلمان مجبور ہو کر یا کسی سیاسی مصلحت کی بنا پر اس طرح کا یک طرفہ معاہدہ کرلیں کہ اسلامی مملکت کسی مسلمان کو اپنے حدود میں ان کی مرضی کے بغیر سکونت یا شہریت نہیں دے گی جو دار الکفر سے وہاں جانا چاہتے ہوں، تو کیا اس طرح کے معاہدہ کی گنجائش ہوگی؟ اور کیا یہ قابل عمل ہوگا؟........

...مالکیہ اور حنابلہ مطلقاً اور شافعیہ دین و ایمان اور جان و مال کے تحفظ کی قید کے ساتھ اس معاہدہ کو درست اور قابل عمل قرار دیتے ہیں، گویا ان کے نزدیک صلح حدیبیہ کا معاملہ وقتی نہیں تھا بلکہ وہ سنت قائمہ ہے منسوخ نہیں ہے اور وہ مسلمانوں کی حالت مغلوبی کے ساتھ خاص ہے، اور جب بھی مسلمان ان حالات سے دوچار ہوں گے ان کو حدیبیہ کے فارمولہ پر عمل کرنے کی گنجائش ہوگی[184]

حنفیہ اس معاہدہ کو باطل قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک صلح حدیبیہ کا حکم منسوخ ہو چکا ہے، اب مسلمانوں کو ذلت و مغلوبیت کے ساتھ یک طرفہ معاہدہ کی اجازت نہیں ہے، اللہ نے اسلام کو عزت و سربلندی عطا کی ہے، اس لئے کسی مسلم حکمراں کو یہ اجازت نہ ہوگی کہ وہ ذلت آمیز شرطوں پر معاہدہ کرے (تفصیل آگے آرہی ہے)[185]

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ذلت و مغلوبیت کے بغیر شہریت و سکونت کے تعلق سے کوئی بین الاقوامی قرارداد پاس ہو جس کی پابندی ہر ملک کے لئے مساوی طور پر ضروری ہو تو اس صورت میں حنفیہ کے اصول کا بھی تقاضا ہونا چاہے کہ شہریت کی عالمی قرارداد منظور کی جائے اور کسی بھی ملک سے آنے والے امیدوار کے معاملے میں اس کی رعایت کی جائے، ورنہ ملک کی سالمیت و وقار پر سوالیہ نشان لگ سکتا ہے۔

مطلوبہ شہریت کے لئے تفتیشی کاروائی

(ب) یہ درست ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے ہر مسلمان کو کسی بھی مسلم ملک میں رہنے کا قانونی حق ہے

------ حواشی --

184 - حاشیۃ الدسوقی ج ۲ ص ۲۰۶،۲۰۷، الخرشی ج ۳ ص ۱۵۱، کشاف القناع للبہوتی ج ۳ ص ۱۱۴، المغنی لابن قدامۃ، ج ۱۰ ص ۵۱۷، نہایۃ المحتاج للرملی ج ۸ ص ۱۱۰، مغنی للشربینی، ج ۴، ص ۲۶۴

185 - فتاوی ہندیہ ج ۲ ص ۱۹۷ ط دار الفکر بیروت لبنان، وشرح السیر الکبیر ج ۵ ص ۱۴

لیکن ہر وہ شخص جو اپنے کو مسلمان ظاہر کرے اس کو بلا تحقیق شہریت دے دی جائے تو فساد عظیم برپا ہو گا، اسلام میں ایسی نظیریں موجود ہیں جن سے ظاہر ہو تا ہے کہ ہر مدعی اسلام امیدوار کو مملکت میں سکونت کی فوری اجازت دینا ضروری نہیں ہے، قرآن کریم میں ہے:

يا ايها الذين آمنوا إذا جاء تكم المؤمنات مهاجرات فامتحنوهن الله اعلم بايمانهن فإن علمتموهن مؤمنات فلا ترجعوهن إلى الكفار الآية[186]

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کا جائزہ لو، اللہ ان کے ایمان کو زیادہ جانتا ہے، اگر وہ تمہیں مؤمن معلوم ہوں تو ان کو کافروں کے پاس مت لوٹادو۔

ہر آنے والے کا ایمان علم الٰہی میں ہونے کے باوجود اس کے دعوائے اسلام کی تصدیق کے لئے ظاہری کاروائی کا حکم دیا گیا اور تفتیشی مراحل کی تکمیل تک مملکت میں داخلہ سے روکنے کا اختیار دیا گیا............. جب کہ عورتوں کا معاملہ زیادہ حساس ہے اس کے باجود تحقیقی مراحل عبور کرنے کی اجازت دی گئی، شہریت کے جملہ قواعد اسی تحقیق پر مبنی ہیں کہ امیدوار شخص کس حد تک اس ملک کے قانون سے اپنی وفاداری نباہ سکے گا؟ اور ملک وملت کے لئے اس کی افادیت کتنی ہو گی؟ وغیرہ....

☆ ایک اور آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے:

إن جائكم فاسق بنبأ فتبينوا الآية[187]

ترجمہ: جب کوئی فاسق خبر لائے تو تحقیق کر لو۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی دعویٰ یا درخواست کو بلا تامل اس لئے مان لینا کہ وہ کسی مسلمان کی طرف سے پیش ہوا ہے یہ مؤمنانہ سادگی نہیں، حماقت ہو گی۔

☆ نیز بخاری شریف میں ایک اعرابی کا قصہ مذکور ہے جو مدینہ ہجرت کرنے کا خواہشمند تھا لیکن اس

------ حواشی --

186 - الممتحنۃ:١٠

187 - سورۃ الحجرات:٦

کے حالات معلوم کرنے کے بعد اس کو مدینہ آنے کی اجازت نہیں دی گئی، بلکہ سمندر پار دور دراز خطہ میں اپنے مقام پر ہی رہنے کا حکم دیا گیا"فاعمل من وراء البحار[188]

☆اسی طرح ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ حکومت بعض مصالح کے تحت کسی شخص کی سکونت کو محدود کردے، مثلاً خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنیؓ نے حضرت ابوذر غفاریؓ کو مدینہ سے باہر ایک پہاڑی علاقہ میں بھیج دیا تھا اور ان کے تمام تر تقدس واحترام کے باوجود ان کو مدینہ میں رہنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

ذمہ داریوں کی تقسیم

(ج) یہ تصور بھی اصولی طور پر اپنی جگہ درست ہے کہ دنیا کے تمام ملی مسائل ہر مسلمان کے لئے مرکز توجہ ہیں جیسے قیدیوں کے چھڑانے کا معاملہ، مظلوموں کے دفاع کا مسئلہ، ملک کے تحفظ کا معاملہ وغیرہ... لیکن ظاہر ہے کہ اس طرح کے عالمی مسائل کا براہ راست تعلق عام مسلمانوں سے نہیں ہے، بلکہ اولوالامر اور ارباب اقتدار سے ہے، یہی حضرات بین الاقوامی سیاسی معاملات میں عام مسلمانوں کی نمائندگی کرسکتے ہیں، ہر شخص کو اس کا پابند کرنا اور اس جدوجہد میں شرکت کا حکم دینا تکلیف مالا یطاق ہے۔

☆نیز ایسی بعض مثالیں موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ انتظامی طور پر یہ ذمہ داریاں خطوں کے لحاظ سے تقسیم کی جاسکتی ہیں جس میں دوسرے خطہ کے لوگ شریک نہ ہوں، مثلاً:

☆رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی اسلامی ریاست تشکیل دینے کے بعد وہاں کے قبائل کی مستقل اکائیاں بنادی تھیں، اس وقت ہر قبیلہ کی الگ الگ آبادی ہوا کرتی تھی، ہر قبیلہ اپنی آبادی کا ذمہ دار ہوتا تھا، اور دیت ادا کرنا اور قیدیوں کو چھڑانا وغیرہ ہر محلہ کی مستقل اپنی ذمہ داری ہوتی تھی اور اس ذمہ داری کی ادائیگی میں عموماً دوسرے قبیلہ (محلہ) کے لوگ شریک نہیں ہوتے تھے[189]

☆تعزیرات اسلامی میں اس کی ایک مثال قسامۃ آج بھی موجود ہے، جو صرف ایک مخصوص آبادی پر

------ حواشی --

[188] - بخاری کتاب الادب باب ماجاء فی الرجل ویحک ج ۲ ص ۹۱

[189] - السیرۃ النبویۃ لعبد الملک بن ھشام ۲ ص ۳۶۸ تا ۳۷۰

عائد ہوتی ہے۔

☆اسی طرح یہ خیال بھی کلیتاً درست نہیں کہ مسلمان دارالاسلام میں رہ کر ہی ملک کے دفاع کا کام انجام دے سکتے ہیں، حضرت عباس نے حضور ﷺ کے حکم پر مکہ میں رہ کر اسلام اور مملکت اسلامیہ کی جو بے نظیر خدمت انجام دی، وہ اسلام کی سیاسی تاریخ کا روشن باب ہے۔

تصور شہریت کی جڑیں شریعت میں موجود ہیں

(ح) یہ درست ہے کہ شہریت عصر حاضر کی نئی اصطلاح ہے لیکن یہ خیال درست نہیں کہ اس کی جڑیں ہماری قدیم اصطلاحات میں موجود نہیں ہیں، بڑی حد تک یہ اصطلاح وطنیت سے قریب ہے، جیسا کہ تفصیل کے ساتھ اس کا ذکر پہلے آچکا ہے، شہریت کے ضمن میں جن حقوق وواجبات کا ذکر کیا جاتا ہے اگر آپ جائزہ لیں تو وہ سب آپ کو کسی نہ کسی عنوان سے حدیث وسیر اور فقہ کتابوں میں مل جائیں گے، وطن سے محبت و وفاداری، اس کے لئے جان ومال کی قربانی، وطن کی نسبت پر عزت وافتخار، وطن میں ہر طرح کی آزادی کا تصور وغیرہ سب پہلے سے موجود ہیں، خود میثاق مدینہ نے پہلی بار وطن کی بنیاد پر ایک نئی امت اور نئی قوم کا جو تصور دیا تھا اور حقوق وواجبات کی جو تفصیلات فراہم کی تھیں آج کی شہریت اس کی نقل محسوس ہوتی ہے، فرق صرف نئی عنوان بندی کا ہے۔ نیز پہلے یہ ایک شخص کا انفرادی جذبہ وعمل مانا جاتا تھا، اب اس میں حکومت بھی شریک ہوگئی ہے اور اس کو ایک معاہدہ کی شکل دے دی گئی ہے۔

نئے عرف وحالات میں نئے حقوق وواجبات

اس فرق کی وجہ عرف وعادات کا تغیر ہے، پہلے بہت سے ان عرفی حقوق وواجبات کا تصور نہیں تھا جو آج حکومت کی طرف سے فرد کو حاصل ہوتے ہیں اس لئے کسی کی وطنیت کی اطلاع حکومت کو دینی ضروری نہیں ہوتی تھی لیکن آج بہت سے حقوق اس وقت حاصل ہو سکتے ہیں جب کہ حکومت کے پاس آنے جانے والوں کی تفصیلات موجود ہوں، شہریت کی ضابطہ بندی کا بڑا مقصد یہی ہے، اس کی مثال عہد فاروقی میں مردم شماری کا نظام ہے، عہد نبوت اور عہد صدیقی میں ریاست کے عام شہریوں کے لئے وظائف کا انتظام نہیں تھا

اس لئے نہ مردم شماری کی ضرورت تھی اور نہ دفتری ریکارڈ کی، عہد فاروقی میں بیت المال سے وظائف کا سلسلہ شروع ہوا اس لئے پوری مملکت کا سروے کیا گیا اور تمام شہریوں کی تفصیلات دفتر میں محفوظ کی گئیں، اس کے بغیر حکومت کی جانب سے ملنے والی سہولیات ملک کے شہریوں تک پہونچ نہیں سکتی تھیں، تو نظم وضبط کے نقطۂ نظر سے اس طرح کی قانون سازی کی گنجائش ہے۔

شہریت کی تنسیخ کا تصور

(و) اسی طرح یہ خیال بھی درست نہیں کہ مروجہ نظام شہریت میں جن اسباب سے شہریت ختم کر دی جاتی ہے وہ سراسر ظلم اور غیر اسلامی ہے۔ اسلئے کہ یہ اندرونی انتظام ہے، یعنی حکومت سے حاصل ہونے والے حقوق کے موانع کیا ہیں؟ اس ضمن میں ان کی تفصیلات درج ہوتی ہیں اور موانع حقوق کا نظام شریعت میں پہلے سے موجود ہے مثلا میراث میں فلاں فلاں چیزیں مانع ارث ہیں، کسی کا شوہر لاپتہ ہو جائے تو اس کو نکاح کی اجازت کب ہو گی؟ وغیرہ۔

علاوہ ازیں وطنیت کے خاتمہ کا تصور بھی بہت قدیم ہے، ہماری تمام کتابوں میں یہ بحث آئی ہے کہ وطن اصلی کس صورت میں باطل ہوتا ہے؟ اور وطن اقامت کس صورت میں؟

غرض مروجہ شہریت کے عدم جواز والی بات درست نہیں ہے۔

شہریت کے حدود اربعہ اور بنیادیں

(ا) رہا یہ مسئلہ کہ اسلام میں شہریت یا وطنیت کے حدود کیا ہیں؟ اور گو یہ مسئلہ جدید ہے اور پچھلے ادوار میں عام مسلمانوں کی شہریت کے لئے اس طرح کا کوئی باقاعدہ نظام موجود تھا لیکن اگر اس کے لئے کوئی نظام بنایا جائے تو اس کی بنیادیں کیا ہوں گی؟ ---- تو قرآن وسنت میں اس ضمن میں کوئی تصریح نہیں ملتی، اور نہ فقہاء کے یہاں اس سلسلے میں کوئی صراحت موجود ہے، البتہ وطن کی تفصیلات کے ضمن میں بعض چیزیں تذکرۃً آئی ہیں جن سے اس مسئلہ پر کسی قدر روشنی پڑتی ہے...... اس ضمن کے مباحث فقہ شافعی اور فقہ حنبلی میں موجود نہیں ہیں، فقہاء مالکیہ کے یہاں بھی اجمال کے ساتھ آئی ہے، البتہ فقہاء حنفیہ کے یہاں نسبتاً

زیادہ تفصیل ملتی ہے، اور اکثر علماء حنفیہ نے اس موضوع سے تعرض کیا ہے، زیر بحث مسئلے میں ان تفصیلات سے فی الجملہ تین بنیادیں ابھر کر آتی ہیں، جن کو شہریت کے مسئلے میں مدار بنایا جاسکتا ہے:

(۱) ولادت: یعنی وہاں اس کی پیدائش ہوئی ہو۔

(۲) نکاح: یعنی وہاں کے کسی شخص سے زوجیت کا رشتہ قائم ہوا ہو۔

(۳) مستقل بود وباش کا ارادہ، خواہ ملازمت اور ذریعۂ معاش کی وجہ سے ہو یا کسی اور وجہ سے۔

علامہ محمود ابن مازہ بخاری شہیدؒ (م ۶۱۶ھ) لکھتے ہیں:

وطن اصلی وہو مولدالرجل والبلد الذی تاہل بہٖ[190]

ترجمہ: وطن اصلی جو مقام پیدائش ہو یا اس نے وہاں شادی کی ہو۔

علامہ کاسانیؒ رقمطراز ہیں:

اوبلدۃ اخریٰ اتخذہا داراًوتوطن بہا مع اہلہٖ وولدہٖ ولیس من قصدہٖ الارتحال عنہا بل التعیش بہا[191]

ترجمہ: کسی مقام پر اس نے اپنا گھر بنالیا اور اہل وعیال کے ساتھ وہاں مستقل بود وباش کا ارادہ کرلیا، اور وہاں سے واپسی کا کوئی ارادہ نہ ہو۔

فقہاء حنفیہ کے یہاں عام طور پر ان تینوں بنیادوں کا تذکرہ ملتا ہے، بعض فقہاء مالکیہ نے بھی ان میں سے کچھ چیزوں کا ذکر کیا ہے، محمد بن عبد اللہ الخرشیؒ مختصر خلیل کی شرح میں لکھتے ہیں:

الاول الوطن وہو مااتخذ فیہ الاقامۃ بنیۃ التابید[192]

ترجمہ: وطن وہ ہے جہاں اس نے ہمیشہ کی نیت سے قیام کا ارادہ کرلیا ہو۔

والوطن فی الثانیۃ ہو المسافر بقریۃ فیہا اہلہٗ وولدہٗ فاقام عندہم ولوصلاۃ واحدۃ أتم ۔۔ومن کتاب ابن المواز وإذا لم تکن مسکنۃ

------ حواشی------------------------------

190 ۔المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی ج ۲ ص ۳۵، ۳۶ ط دار الکتب العلمیہ بیروت ۲۰۰۴ء

191 ۔بدائع الصنائع للکاسانی (م ۵۸۷ھ) ج ۱ ص ۳۱۶

192 ۔شرح مختصر خلیل للخرشیؒ (م ۱۱۰۱ھ) ج ۵ ص ۸۸ الشاملۃ

ولکنہٗ نکح بہافلایتم حتی یبنی باہلہٖ ویلزمہٗ السکنیٰ 193

ترجمہ: وطن سے مراد ایسی بستی کا سفر ہے جہاں اس کے اہل وعیال رہتے ہوں، وہاں ایک نماز کے برابر بھی قیام کرے گا تو اس پر اتمام ضروری ہو گا......اور اگر اس کا وہ مسکن نہ ہو لیکن اس نے نکاح کیاہو تو پوری نماز اس وقت پڑھے گا جبکہ اپنی بیوی کے ساتھ وہیں زفاف گذارے، اور سکونت لازم ہے۔

☆فقہاء کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وطنیت کے حصول کے لئے یہ تینوں بنیادیں مستقل حیثیت رکھتی ہیں، یعنی ان میں سے کوئی ایک بنیاد بھی موجود ہو تو شہریت حاصل ہو جائے گی، اسی لئے اگر کسی کو دو جداگانہ مقامات پر ان میں سے کوئی ایک چیز حاصل ہو تو اسے دوہری شہریت حاصل ہو گی اور دونوں جگہیں اس کے لئے وطن کا درجہ رکھیں گی: المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی للبخاری میں ہے:

وان کان لہٗ اہل ببلدۃٍ فاستحدث ببلدۃٍ اخریٰ اہلاً فکل واحدٍ منہماوطن اصلی،وروی انہٗ کان کان لعثما ن ؓاہل بمکۃ واہل بمدینۃ وکان یتم الصلوٰۃ بہماجمیعاً194

ترجمہ: اگر کسی کے اہل وعیال ایک شہر میں ہوں پھر دوسرے شہر میں اس نے شادی کرلی تو دونوں شہروں کی شہریت اسے حاصل ہو گی، روایت میں آتا ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ کی ایک بیوی مکہ معظمہ میں رہتی تھیں اور دوسری اہلیہ مدینہ منورہ میں اور دونوں جگہ وہ نماز پوری پڑھتے تھے۔

☆اسی طرح فقہاء نے مستامن کی بحث میں یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ وقتی قیام کی غرض سے کوئی غیر مسلم دارالاسلام میں داخل ہو، وہ اگر مستقل قیام کا ارادہ کرلے، یا (علیٰ اختلاف الاقوال) طویل مدت تک قیام کرے، یا وہاں کے کسی متوطن سے رشتۂ ازدواج قائم کرلے، یا وہاں کی کوئی خراجی زمین خرید لے تو دارالاسلام کی شہریت اسے حاصل ہو جائے گی، اور پھر وہ مستامن باقی نہیں رہے گا، نیز اگر وہ اہل وعیال کے

------ حواشی--

193 ۔مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل ؒللحطاب الرعینیؒ (م ۹۵۴ھ) باب صلاۃ السفرج ۲ص ۵۰۰ط دار عالم الکتب

194 ۔المحیط البرہانی فی الفقہ النعمانی للبخاری ج ۲ص ۳۶

ساتھ ہے تو اس کے ساتھ وہ بھی اہل ذمہ (یعنی اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری) قرار پائیں گے۔[195]

یہ بات اگرچیکہ غیر مسلموں کے تعلق سے کہی گئی ہے مگر فی الجملہ اس کو شہریت کے حصول کے معاملے میں بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔

شہریت کے نئے قواعد بنائے جاسکتے ہیں

میرے خیال میں فقہاء نے مذکورہ جن چیزوں کا ذکر کیا ہے، وہ حصر کے لئے نہیں ہے بلکہ یہ اس دور کی چند معروف صورتوں کا تذکرہ ہے، کیونکہ یہ چیزیں منصوص نہیں ہیں بلکہ اجتہادی ہیں، جن میں عرف وعادت اور مشاہدہ وتجربہ کا دخل ہوتا ہے، اس لئے اگر کسی ملک کی انتظامیہ شہریت کے لئے کچھ نئی بنیادیں وضع کرے ، یا مذکورہ چیزوں میں ترمیم کرے یا کچھ شرطوں کا اضافہ کرے تو اس کی گنجائش محسوس ہوتی ہے، بشرطیکہ اس کا مقصد ملک وملت کی سلامتی اور مسلمانوں کا تحفظ ہو، اس لئے کہ عرف وعادت میں تغیر ممکن ہے، ملکی قانون میں تبدیلی تغیر عرف کی علامت قرار دی جائے گی۔

مسلم ملک میں کسی بیرونی مسلمان کو شہریت دینے کا مسئلہ

(۲)اس ضمن میں یہاں ایک اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ کیا کسی مسلم ملک کے لئے ہر ایسی درخواست شہریت کی تعمیل ضروری ہے جو کسی دوسرے ملک کے مسلم امیدوار کی جانب سے پیش کی جائے ؟

اس معاملہ میں اسلام کا اصل مزاج جو قرآن وحدیث کی نصوص سے سمجھ میں آتا ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام کی بنیاد پر قائم ہونے والی حکومت کا مزاج ایسے تمام مسلم امیدواروں کے لئے توسع کا ہونا چاہئے، کئی نصوص سے اس پر روشنی پڑتی ہے، مثلاً:

☆إن الذين توفاہم الملائكة ظالمی أنفسہم قالوا فيم كنتم قالوا كنا مستضعفين فی الارض قالوا ألم تكن ارض الله واسعة

------ حواشی--

195 - البدائع للکاسانی ج ۷ ص ۱۱۰، الاحکام السلطانیۃ للماوردیؒ ص ۱۴۶، المبسوط للسرخسیؒ ج ۱۰ ص ۸۴، السیر الکبیر ج ۵ ص ۱۸۶۵، ابن عابدین ج ۳ ص ۳۴۶، المہذب للشیرازیؒ ج ۲ ص ۲۵۱ وغیرہ

فتہاجروا فیہا فاولٰئک مأواہم جہنم وساء ت مصیراً[196]

ترجمہ: بے شک ان لوگوں کی جان جنھوں نے اپنے اوپر ظلم کرر کھا ہے (جب) فرشتہ قبض کرتے ہیں تو ان سے کہیں گے کہ تم کس کام میں تھے وہ بولیں گے، ہم اس ملک میں بے بس تھے، فرشتے کہیں گے کہ اللہ کی سرزمین وسیع نہ تھی، کہ تم وہاں ہجرت کر جاتے؟ ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں جہاں ایسی سرزمین میں اقامت کو جرم قرار دیا گیا ہے جہاں نظام طاغوت کی حکمرانی ہو، وہیں اسلامی حکومتوں کو یہ اشارہ بھی دیا گیا ہے کہ اللہ کی زمین اللہ کے نام پر آنے والوں کے لئے تنگ نہیں کی جانی چاہئے، بلکہ مہاجرین کے لئے وہاں ہمیشہ گنجائش رہنی چاہئے، اس لئے کہ ہجرت کے حکم سے قبل مقام ہجرت کا وجود شرط ہے، اس کے بغیر حکم ہجرت کی کوئی معنویت باقی نہیں رہتی......مہاجرین کے لئے حالات کے تحت حکم میں فرق ہو سکتا ہے، مگر ایک خالص اسلامی ریاست کو اس حکم کی تعمیل میں ہر وقت لچک باقی رکھنی ہوگی۔

☆ مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست قائم ہونے کے بعد مدینہ میں مہاجرین کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور حضور ﷺ نے ایسے تمام لوگوں سے جو غیر اسلامی ماحول میں قیام پذیر تھے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا:

انابریء من کل مسلم یقیم بین أظہر المشرکین قالوا یا رسول اللہ ولم؟ قال لاتراء ی ناراہما[197]

ترجمہ: میں ہر ایسے مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو، لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیوں؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا، دونوں اتنی دور رہیں کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھ سکے۔

------ حواشی --

196 ۔ سورۂ نساء: ۹۷

197 ۔ ترمذی کتاب السیر باب ماجاء فی کراہیۃ المقام بین اظہر المشرکین حدیث نمبر ۱۶۰۴ ج ۴ ص ۱۵۵ ط داراحیاء التراث العربی بیروت، سنن ابی داؤد کتاب الجہاد، باب النہی عن القتل من اعتصم بالسجود حدیث نمبر ۲۶۴۷ ج ۲ ص ۳۴۹ ط دار الکتاب العربی بیروت

ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

لاتساکنوا المشرکین ولاتجامعوہم فمن ساکنہم اوجامعہم فہو مثلہم[198]

ترجمہ: مشرکانہ ماحول میں سکونت اور اٹھنے بیٹھنے سے پرہیز کرو، جو ان کے ساتھ رہے گا یا اکٹھا ہوگا وہ انہی کی طرح سمجھا جائے گا۔

ایک روایت کے الفاظ ہیں:

من جامع المشرک وسکن معہٗ فإنہٗ مثلہٗ[199]

نبوت کی طرف سے یہ احکامات اسلامی حکومت کے فرائض کی نشاندہی کرتے ہیں اور کلمہ گو مہاجرین کے لئے اس پر عائد ذمہ داریوں کے لئے دلیل راہ ہیں، اس طرح کے احکامات آپ ﷺ نے مکی عہد نبوت میں نہیں دیئے، اس لئے کہ اس وقت ان کی کوئی معنویت سمجھ میں نہیں آتی،...... مدینہ کی اسلامی ریاست کے وجود میں آنے کے بعد یہ اعلانات بحیثیت پیغمبر بھی ممکن ہوئے اور بحیثیت صدر مملکت بھی۔

☆ اسی لئے دار الہجرت کے قیام کے بعد جنگی دستوں کے ذریعہ مختلف علاقوں میں مشرف باسلام ہونے والے لوگوں کو دار الہجرت منتقل ہونے کی باقاعدہ منادی کرائی گئی، حضرت بریدہؓ کی روایت کے الفاظ جو مختلف کتب احادیث میں آئے ہیں:

إذالقیت عدواللہ من المشرکین فادعہم إلیٰ ثلاثۃ خصال أوخلال فأیتہن أجابوک فأقبل منہم وکف عنہم ثم ادعہم إلی الاسلام فإن أجابوک فأقبل منہم وکف عنہم ثم ادعہم إلی التحول من دارہم إلیٰ دارالمہاجرین وأخبرہم أنہم إن فعلوا ذلک فلہم ماللمہاجرین وعلیہم ماعلی المہاجرین[200]

------ حواشی--

198 - السنن الکبریٰ للبیہقیؒ، کتاب السیر باب الرخصۃ فی الاقامۃ بدار الشرک لمن لایخاف الفتنۃ ج ۹ ص ۱۸

199 - ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الاقامۃ بارض الشرک ج ۲ ص ۴۸ حدیث نمبر ۲۷۸۹

200 - صحیح مسلم ج ۵ ص ۱۳۹ حدیث نمبر ۴۶۱۹ ط دار الجیل بیروت لبنان، سنن ترمذی ج ۴ ص ۱۶۲ حدیث نمبر ۱۶۱۷ ط دار احیاء التراث العربی بیروت

ترجمہ: غیر مسلموں سے سامنا ہو تو ان کو تین باتوں کی دعوت دو، اگر ان میں سے کوئی ایک بات بھی قبول کرلیں تو جنگ سے گریز کرو، ان کو اسلام کی دعوت دو اگر وہ قبول کرلیں تو جنگ سے گریز کرو، پھر ان کو اپنے ملکوں سے دارالہجرت منتقل ہو جانے کی دعوت دو، اور ان کو بتاؤ کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو ان کو وہی ملے گا جو مہاجرین کو ملتا ہے، اور ان پر وہی ذمہ داریاں عائد ہونگی جو مہاجرین پر عائد ہوتی ہیں۔

☆اسی طرح قرآن کریم میں ہجرت کرکے مدینہ آنے والی خواتین کے بارے میں فرمایا گیا:

یٰایہا الذین آمنوا إذاجائتکم المؤمنات مہاجرات فامتحنوہن اللہ اعلم بایمانہن فإن علمتموہن مؤمنات فلاترجعوہن إلی الکفار الآیۃ[201]

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہارے پاس مؤمن عورتیں ہجرت کرکے آئیں تو ان کا جائزہ لو، اللہ ان کے ایمان کو زیادہ جانتا ہے، اگر وہ تمہیں مؤمن معلوم ہوں تو ان کو کافروں کے پاس مت لوٹاؤ۔

دراصل یہ حکم ایک خاص پس منظر میں دیا گیا تھا صلح حدیبیہ کے موقعہ پر اہل مکہ کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اس کی رو سے مکہ سے ہجرت کرکے مدینہ آنے والے مسلمانوں کو مدینہ کی سکونت نہیں دی جاسکتی تھی، بلکہ ان کو مکہ واپس کرنا ضروری تھا، اس کے برعکس اگر کوئی شخص مدینہ سے مکہ چلا جاتا، تو اہل مکہ پر ان کو لوٹانا ضروری نہیں تھا،......یہ معاہدہ اگرچیکہ مردوں اور عورتوں سب کے لئے بظاہر یکساں تھا، لیکن عملاً عورتوں پر اس کا اطلاق نہیں ہوا، چنانچہ حضرت ابو جندلؓ کو مقام حدیبیہ ہی سے واپس کردیا گیا اور اس کے بعد بھی پوری مدت معاہدہ میں کسی کو مدینہ آنے کی اجازت نہیں دی گئی، لیکن ہجرت کرکے آنے والی خواتین کو حضور ﷺ نے واپس نہیں فرمایا، بشرطیکہ انہوں نے اسلام کے لئے ہجرت کی ہو، حضرت ام

------ حواشی --

201 ۔الممتحنۃ:۱۰

کلثوم بنت عقبہؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ہجرت کرکے مکہ سے نکلیں تو مسلمانوں کو بڑی تشویش ہوئی کہ ان کو کیا جائے، اس پر مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ مقام حدیبیہ میں صلح نامہ کی کتابت کے بعد ہی ایک مسلم خاتون سبیعہ بنت حارث اسلمیہؓ مکہ سے بھاگ کر وہاں پہونچیں، تو ان کے غیر مسلم شوہر مسافر المخزومی (ایک روایت کے مطابق صیفی ابن الراہب) نے اپنی بیوی کی واپسی کا مطالبہ کیا اور کہا کہ ابھی تو معاہدہ نامہ کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی ہے، ابھی آپ کے امتحان کا وقت آگیا، اس پر اللہ پاک نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی، یعنی عورتیں اس معاہدہ میں شامل نہیں ہیں[202]

بعض حضرات کا خیال ہے کہ عورتیں اس معاہدہ میں داخل ہی نہیں تھیں، اس کی تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں صلحنامہ کے یہ الفاظ منقول ہیں:

(لا یاتیہ رجل) یعنی اس معاہدہ میں صرف مرد داخل تھے[203]

بعض علماء کی رائے ہے کہ یہ معاہدہ تو عام تھا (جیسا کہ معاہدہ نامہ کے الفاظ اکثر روایات میں یہ نقل ہوئے ہیں: لا یاتیہ أحد[204] لیکن عورتوں کے حق میں اس کو منسوخ کردیا گیا تھا[205]

بہر حال معاہدہ کی بنا پر تھوڑی دشواری پیدا ہوگئی تھی لیکن اسلام کا اصل حکم عام حالات کے لئے یہی ہے کہ آنے والے مہاجرین کو اسلامی حکومت قبول کرے، واپس نہ کرے۔

مسلم ملک کا غیر مسلم ملکوں سے مہاجرین کے مسئلہ پر معاہدہ کرنا

☆ البتہ اگر اسلامی ریاست غیر مسلم ملکوں سے مہاجرین کے معاملہ میں کوئی معاہدہ کرلے، یا اس قسم کے کسی بین الاقوامی منشور کو منظوری دے دے جس کی رو سے دوسرے ملکوں کے مہاجرین کو اسلامی

------ حواشی --

202- شرح الوقایۃ ج ۳ ص ۲۸۹

203- الروض الانف للسہیلیؒ (م ۵۸۱ھ) ج ۴ ص ۴۸

204- الروض الانف للسہیلیؒ (م ۵۸۱ھ) ج ۴ ص ۴۸

205 - دیکھئے احکام القرآن لاحمد ابی بکر جصاص الرازی الحنفیؒ (م ۳۷۰ھ) ج ۳ ص ۵۸۴ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۴ء

حکومتیں اپنے یہاں مستقل سکونت نہ دے سکتی ہوں، تو اس صورت میں حکم شرعی کیا ہو گا؟

اس مسئلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے:

مالکیہ اور حنابلہ کی رائے

مالکیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ ایسی صورت میں معاہدہ پر عمل کرتے ہوئے مہاجرین سے شہریت کے معاملے میں معذرت کا جواز ہے، البتہ اسلامی حمیت کے نقطۂ نظر سے خارجی طور پر ان کی مدد کی جائے گی[206]

ان کی اس بات کا ماخذ یہ ہے کہ:

(۱) اسلام میں معاہدات کی پابندی کی بڑی اہمیت ہے، خواہ وہ مسلمانوں سے کئے جائیں یا غیر مسلموں سے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وأوفوا بعهدالله إذا عاهدتم ولاتنقضوا الايمان بعد توكيدها وقد جعلتم الله عليكم كفيلاً إن الله يعلم ماتفعلون[207]

ترجمہ: جب معاہدہ کرو تو اللہ کے عہد کو پورا کرو، اور قسمیں موکد کرنے کے بعد نہ توڑو، جب کہ تم نے اللہ کو اپنے اوپر کفیل بنالیا ہے، جو تم کرتے ہو اللہ پاک اسے جانتے ہیں۔

ایک روایت سے بھی اس مضمون کی عملی تائید ہوتی ہے،:

حضرت ابو طفیلؓ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے بیان کیا کہ غزوۂ بدر میں میری شرکت اس لئے نہیں ہو سکی کہ میں اور میرے والد حسیل مکہ سے نکلے تو کفار قریش نے ہمیں پکڑ لیا کہ تم لوگ محمد ﷺ کے پاس جانے کا ارادہ رکھتے ہو، ہم نے کہا نہیں ہم صرف مدینہ جانا چاہتے ہیں، تو ان لوگوں نے ہم سے اللہ کے نام پر ہم سے عہد و پیمان لیا کہ ہم سیدھے مدینہ جائیں، اور محمد ﷺ کے ساتھ

------ حواشی ------

206 - حاشیۃ الدسوقی ج ۲ ص ۲۰۶، ۲۰۷، الخرشی ج ۳ ص ۱۵۱، کشاف القناع للبہوتیؒ ج ۳ ص ۱۱۴، المغنی لابن قدامہؒ ج ۱۰ ص ۵۱۷

207 - النحل: ۹۱

جنگ میں شرکت نہ کریں، چنانچہ ہم سیدھے رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے، (آپ بدر میں تھے) اور سارا ماجرا سنایا تو آپ نے فرمایا کہ:

انصرفا نفی لہم بعہدہم ونستعین اللہ علیہم[208]

ترجمہ: تم دونوں مدینہ واپس جاؤ، ہم ان کے عہد کو پورا کریں گے اور اللہ سے ان کے خلاف مدد چاہیں گے۔

(۲) نیز رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد جو طرز عمل اختیار فرمایا اس سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، حضرت ابو جندلؓ کو حدیبیہ ہی سے واپس کر دیا گیا۔

بعد میں حضرت ابو بصیرؓ کے واقعہ کا ذکر تاریخ وسیر کی تقریباً تمام ہی کتابوں میں ہے، کہ وہ کسی طرح بھاگ کر مدینہ پہونچے، مکہ والے ان کو لینے کے لئے مدینہ آگئے، اور حضور ﷺ نے ان کو حسب معاہدہ واپس کر دیا،...... لیکن حضرت ابو بصیرؓ کسی طرح مکہ نہ جاکر ساحل سمندر کے علاقے میں جاکر پناہ گزیں ہوگئے، یہ خبر مکہ کے دوسرے مجبور مسلمانوں کو ملی جو معاہدہ کی بنا پر مدینہ نہ آسکتے تھے چنانچہ حضرت ابو جندلؓ سمیت ساٹھ ستر اور بعض روایات کے مطابق تین سو (۳۰۰) مسلمانوں کی ایک تعداد وہاں جمع ہوگئی جہاں سے قریش کے تجارتی قافلے گذرتے تھے، اور حضور ﷺ نے ان کو اس وقت تک مدینہ آنے کی اجازت نہیں دی جب تک کہ خود مکہ والوں نے ہی ان کو مدینہ واپس بلانے کی رضامندی نہ دے دی[209]

یعنی ان فقہاء (مالکیہ وحنابلہ) کے نزدیک حدیبیہ کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ نے جو طریقہ کار اختیار فرمایا، اور اس وقت کے حالات کے مطابق یک طرفہ طور پر کفار کی شرطوں کو قبول فرمایا جن میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ ان کے شہر کا کوئی مسلمان ان کی مرضی کے بغیر دار الکفر (مکہ) سے نکل کر دار الاسلام

------ حواشی ------

208 ۔ صحیح مسلم ج ۵ ص ۱۷۵ حدیث نمبر ۴۷۴۰ ط دار الجیل بیروت، مسند احمد بن حنبلؒ ج ۵ ص ۳۹۵ حدیث نمبر ۲۳۴۰۲ ط مؤسسۃ قرطبہ القاہرۃ، سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۱۴۵ حدیث نمبر: ۱۸۲۱۰ ط مکتبہ دار الباز مکہ المکرمہ ۱۹۹۴ء

209 -اسد الغابہ لابن الاثیرؒ (م ۶۳۰ھ) ج ۳ ص ۱۴۵، الاستیعاب للقرطبیؒ (م ۴۶۳ھ) ج ۲ ص ۱۳، الطبقات الکبریٰ لابن سعدؒ (م ۲۳۰ھ) ج ۷ ص ۴۰۵ ط دار صادر بیروت ۱۹۶۸ء وغیرہ

(مدینہ) نہیں جاسکتا، یہ آج بھی سنت قائمہ ہے اور آج بھی ویسے حالات پیدا ہو جائیں تو اس کو قانون کے طور پر اختیار کیا جاسکتا ہے۔

شافعیہ کا موقف

☆شافعیہ اس طرف گئے ہیں کہ اس طرح کی شرطوں کو قبول کرنا درست نہیں اور نہ آنے والے مسلمانوں کو واپس کرنا جائز ہے، البتہ اگر ان کے اہل خاندان اپنے ملک میں مضبوط اور صاحب اثر ورسوخ ہوں، اور انہیں خاندانی حمایت حاصل ہو جس سے ان کے دینی ابتلا کا اندیشہ کم ہو تو واپس کرنے کی گنجائش ہے، بعض شوافع کا خیال ہے کہ جس مسلمان پر ہجرت فرض نہ ہو اس کو واپس کیا جاسکتا ہے،......ان کے یہاں ایک قول یہ بھی ملتا ہے کہ آزاد شخص کو واپس کرنے کی مطلق اجازت ہے، یعنی وہ واپس جانے کے بجائے کہیں اور اپنی پناہ گاہ تلاش کرسکتا ہے جس طرح کہ حضرت ابو بصیرؓ نے کیا تھا[210]

حنفیہ کا مسلک

☆جبکہ حنفیہ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ شرط باطل ہے اور اس طرح کے کسی معاہدہ کو پورا کرنا ضروری نہیں ہے[211]

اس کی کئی وجوہات ہیں:

(الف)حنفیہ کے نزدیک صلح حدیبیہ کا واقعہ دائمی نہیں وقتی تھا اور بعد میں اس کو منسوخ کر دیا گیا، قرآن کریم کی یہ آیت اس پر شاہد ہے:

فإن علمتموہن مؤمنات فلاترجعوہن إلی الکفار[212]

یعنی ان کے ایمان کا علم ہو جانے کے بعد ان کو کافروں کے پاس واپس بھیجنا درست نہیں ہے۔

------ حواشی--

210 -نہایۃ المحتاج للرملیؒ ج۸ ص۱۱۰، مغنی المحتاج للشربینیؒ ج۴ ص ۲۶۴

211- فتاویٰ ہندیۃ ج۲ ص۱۹۷ ط دار الفکر بیروت لبنان، وشرح السیر الکبیر ج۵ ص۴۱، شرح الوقایۃ ج۶ ص۸۰

212 -الممتحنۃ:۱۰

یہ اس تاویل پر مبنی ہے کہ معاہدہ کو مردوں اور عورتوں کے لئے عام قرار دیا جائے، جیسا کہ مشہور یہی ہے[213]

(ب) نیز یہ حکم نبی کریم ﷺ کے ساتھ خاص تھا، اس لئے کہ آپ صاحب وحی تھے، آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہو سکتا تھا کہ اس کے نتائج کیا ہونے والے ہیں؟ جیسا کہ حدیبیہ کے بظاہر مغلوبانہ معاہدہ کو قرآن کریم نے فتح مبین قرار دیا، یہ ظاہری صورت کے اعتبار سے نہیں بلکہ نتائج کے اعتبار سے تھا، عہد نبوت کے بعد اب کوئی گنجائش باقی نہیں رہی کہ واقعات کے نتائج کا پہلے سے علم ہو، اس لئے اب اس کی اجازت نہیں ہو سکتی کہ مسلمان کفر کے مقابلے میں مغلوبانہ پوزیشن اختیار کریں، اور حقارت آمیز شرطوں پر معاہدے کریں[214]

غور طلب یہ ہے کہ حنفیہ نے اس طرح کی شرطوں کا انکار دو وجہ سے کیا ہے، ایک ذلت و حقارت اور دوسرے دینی فتنہ کی بناپر، لیکن اگر معاہدہ دوطرفہ مساوات پر مبنی ہو اور دارالکفر میں بھی دینی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو جیسا کہ آج کے دور میں ہے تو حنفیہ اپنے اس حکم پر اصرار نہیں کریں گے۔

لیکن بعض کتابوں کی عبارتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ واپسی کے معاہدہ پر برابری کی صورت میں بھی وہ راضی نہیں ہیں، اور اس شق کو وہ صریح طور پر معاہدہ نامہ سے خارج کئے جانے کے قائل ہیں، یعنی معاہد ملکوں کو صراحت کے ساتھ بتا دیا جائے کہ ہم اپنے ملکوں میں ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کو واپس نہیں کریں گے، شرح السیر الکبیر میں ہے:

> و ہذا شرط لاینبغی أن یترک ذکرهٗ فی الکتاب لانہٗ اخرج إلینامنہم مسلم أوذمی لایجوزلناأن نردهٗ علیہم فالظاہرأنہم یطالبوننابالمناصفۃ و یقولون کمالاتردون أنتم فنحن لانردوبعد ذکر ہذاالشرط تنقطع ہذہٖ المحاجۃ[215]

------ حواشی --

213 ۔فتح القدیر لابن الہمامؒ ج ۵ ص ۴۶۰ ط دار الفکر بیروت لبنان ۱۹۷۷ء، وشرح السیر الکبیر ج ا ص ۲۰۶، ج ۴ ص ۱۳۰۲ الشاملۃ

214 ۔شرح السیر الکبیر ج ۴ ص ۳۰۲

215۔شرح السیر الکبیر ج ۵ ص ۴۱

ترجمہ: معاہدہ نامہ میں اس شرط کا ذکر نہ کرنا مناسب نہیں ہے، اس لئے کہ اگر کوئی مسلمان یا ذمی ان کے پاس سے نکل کر ہمارے پاس چلا آئے تو ہمارے لئے ان کو واپس کرنا جائز نہیں ہو گا، مگر وہ برابری کا مطالبہ کریں گے اور کہیں گے کہ جیسے تم ہمارے آدمی کو نہیں لوٹاتے ہو ہم بھی نہیں لوٹائیں گے، لیکن صراحتاً اس شرط کے تحریر میں آجانے کے بعد حجت باقی نہیں رہے گی۔

بحالات موجودہ......

میرے خیال میں عالمی حالات کافی بدل چکے ہیں، سیاسی طور پر مسلمانوں کی وہ پہلی سی شان باقی نہ رہی اور مسئلہ اختلافی ہے، اور رسول اللہ ﷺ سے اس طرح شرط کا قبول کرنا قطعی طور پر ثابت ہے، البتہ اس کے نسخ کی نوعیت میں اختلاف ہے، نیز حنفیہ کے ذہن میں اسلام کی ذلت وتحقیر اور مہاجرین کے دینی فتنہ کا جو اندیشہ ہے، اس کے پیش نظر مسئلہ کو منسوخ ماننے کے بجائے اختلاف احوال پر محمول کیا سکتا ہے، یعنی عہد غلبہ اور عہد مغلوبیت کے احکام میں فرق کرنا ہو گا، حدیبیہ کا قصہ اس دور کا ہے جب عرب کی سطح پر مسلمان عہد غلبہ میں داخل نہیں ہوئے تھے، مسلمانوں کا عہد غلبہ صحیح معنیٰ میں فتح مکہ کے بعد شروع ہوا، عہد نبوت کے مختلف ادوار کو مسلمانوں کے مختلف حالات سے جوڑا جانا چاہئے، اور حسب ضرورت ان سے روشنی حاصل کی جانی چاہئے، کسی شق کے نسخ سے زیادہ تطبیق پر توجہ دی جائے تو زیادہ بہتر عمل ہو گا، ہمارے فقہاء نے عہد غلبہ کے احکام لکھے ہیں، اگر وہ عہد مغلوبیت میں ہوتے تو وہ بھی حدیبیہ کے پس منظر کو قانونی حیثیت دینے پر رضامند ہو جاتے، اس طرح اس اختلاف کو اختلاف برہان پر نہیں بلکہ اختلاف احوال وزمان پر محمول کیا جاسکتا ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

مسلم ملک میں مسلمان پناہ گزینوں کا مسئلہ

(۳) بعض دفعہ کسی ملک کے مسلمان مجبور ہو کر کسی مسلم ملک سے سیاسی پناہ کی درخواست کرتے ہیں، اور مسلم ملک اس کو سیاسی پناہ دینے پر آمادہ ہوتے ہیں، لیکن ان کو پناہ گزیں کی حیثیت سے رکھا جاتا ہے،

انہیں شہری تسلیم نہیں کیا جاتا، کیا اس کی شرعاً گنجائش ہوگی؟......اس کی دو صورتیں ممکن ہیں:

(الف) میرے خیال میں سیاسی پناہ کے لئے کسی ملک میں اقامت اختیار کرنا عموماً ایک وقتی عمل ہوتا ہے یعنی اگر اس کے اپنے ملک کے حالات درست ہوگئے تو واپس ہو جائے گا......، ظاہر ہے کہ شہریت کے حصول کے لئے مستقل قیام کا ارادہ ضروری ہے، اس لئے اگر اس بنیاد پر ملک کے عام شہری اور سیاسی پناہ گزینوں میں فرق کیا جاتا ہے تو شرعاً کوئی مضائقہ نظر نہیں آتا، اس لئے کہ عارضی قیام کرنے والوں کو اس ملک کے اصل باشندوں کا درجہ نہ دیا جائے تو یہ ایک انتظامی عمل ہے، اور اس پر کوئی نکیر شریعت میں موجود نہیں ہے، اس طرح کے فرق کا ثبوت خود عہد نبوت میں بھی ملتا ہے، مثلاً:

☆ بہت سے وفود وقتی تعلیم وتربیت کے لئے مدینہ منورہ آتے تھے، اور کچھ دنوں قیام کر کے واپس چلے جاتے تھے، ظاہر ہے کہ حقوق وواجبات کے معاملے میں ان کو اہل مدینہ کا مقام تو حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

☆اسی طرح بہت سے وہ لوگ جو مدینہ سے باہر قیام پذیر تھے، ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

فإن أبوأأن يتحولوامنها فأخبرهم أنهم يكونون كأعراب المسلمين يجرى عليهم حكم الله الذى يجرى على المؤمنين ولا يكون لهم فى الغنيمة والفىء شىء إلاأن يجاهدوا مع المسلمين[216]

ترجمہ: اگر یہ لوگ دار الہجرت میں واپس ہونے پر رضامند نہ ہوں تو ان کو خبردار کردو کہ وہ اعرابی مسلمانوں کے درجے میں ہونگے، اور وہ حکم الہی کے اسی طرح پابند ہونگے جس طرح دیگر مسلمان پابند ہیں، مگر ان کو مال غنیمت اور فیء میں کوئی حصہ نہیں ملے گا جبتک کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں شرکت نہ کریں۔

------ حواشی --

216 - صحیح مسلم ج ۵ ص ۱۳۹ حدیث نمبر ۴۶۱۹ ط دار الجبل بیروت لبنان، سنن ترمذی ج ۴ ص ۱۶۲ حدیث نمبر ۱۶۱۷ ط دار احیاء التراث العربی بیروت

☆ نیز اسلام کا یہ متفقہ اصول ہے کہ:

المغنم بالمغرم فی الاسلام[217]

ترجمہ: نفع نقصان کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔

جو ملک کے مستقل شہری ہیں ان پر ملک کی بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں مثلاً ان کو خزانۂ مال کے استحکام کے لئے ٹیکس ادا کرنا پڑتا ہے، ملک کے تحفظ کے لئے جان ومال کی قربانی کرنی پڑتی ہے وغیرہ، اس لئے بہت سے اضافی حقوق بھی انہی کو مل سکتے ہیں جو محض سیاسی پناہ کے لئے مقیم حضرات کو نہیں مل سکتے۔

(ب) البتہ اگر سیاسی پناہ کا قیام وقتی نہ ہو بلکہ مستقل طور پر اس ملک میں آباد ہو جانے کا ارادہ ہو، اور سیاسی پناہ محض اس ملک میں داخلہ کا عنوان ہو، تو پھر ایسے لوگوں کو مستقل شہریوں کا درجہ حاصل ہونا چاہئے، ان کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھنا درست نہ ہو گا، قرآن کریم کا یہ ارشاد اس سلسلے میں بہت واضح ہے:

إن الذین آمنوا وھاجروا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل الله والذین آووا ونصروا اولٰئک بعضھم أولیاء بعض الآیۃ[218]

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی، اللہ کے لئے اپنی جانی اور مالی صلاحیتیں خرچ کیں اور وہ لوگ جنہوں نے ان کو پناہ دی اور مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست اور ولی ہیں۔

والمؤمنون والمؤمنات بعضھم اولیاء بعض[219]

ترجمہ: تمام مؤمن مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔

اسی لئے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دار الاسلام منتقل ہو جانے والے مسلمانوں کو وہاں کے مقیم مسلمانوں کے مساوی قرار دیا، اور ان کو باہم بھائی بھائی بنا دیا، اسلام میں جغرافیہ اور رنگ ونسل کوئی چیز نہیں ہے، یہ

------ حواشی ------

217 - درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ج ۱ ص ۹۰ مادۃ ۸۷

218 - الانفال: ۷۲

219 - سورہ توبہ: ۷۱

صرف باہم تعارف کے ذرائع ہیں، لیکن اصل پہچان رشتۂ ایمان ہے، اگر کوئی چیز اس کی راہ میں حائل ہوتی ہے تو اس کو فنا کر کے صرف کلمہ کو پہچان کی بنیاد بنائی جائے گی، اور کلمہ شریک تمام لوگ بھائی بھائی قرار دیئے جائیں گے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من صلیٰ صلاتنا واستقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا فھو المسلم لہٗ ماللمسلم و علیہ ما علی المسلم[220]

ترجمہ: جو ہماری طرح نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کا استقبال کرے، اور ہمارا ذبیحہ کھائے، وہ مسلمان ہے اور اس کو وہ تمام حقوق حاصل ہونگے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں اور اس پر وہ تمام واجبات عائد ہونگی جو مسلمانوں پر عائد ہوتی ہیں۔

ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

کونوا عباداللہ إخوانا المسلم اخو المسلم لایظلمہٗ و لایکذبہٗ و لایحقرہ[221]

ترجمہ: اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ کوئی اس پر ظلم کرے، نہ جھٹلائے اور نہ کمتر جانے۔

☆اس کی تائید اس مسئلۂ شرعی سے بھی ہوتی ہے کہ اگر کوئی مستأمن (وقتی امان لیکر آنے والا غیر مسلم) یا ذمی (اسلامی حکومت کا غیر مسلم شہری) اسلام قبول کر لے تو باتفاق فقہاء اس کا عقد ذمہ ختم ہو جاتا ہے، اور وہ تمام امتیازات بھی کالعدم ہو جاتے ہیں جو غیر مسلم ہونے کی وجہ سے بہت سی چیزوں میں پیدا ہوتے ہیں، اور جملہ حقوق وواجبات میں وہ وہاں کے قدیم شہریوں کے مساوی قرار پاتا ہے، اس سے وحدت ایمانی کی معنویت سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور زیر بحث مسئلہ پر بھی روشنی پڑتی ہے[222]

------ حواشی --

220 - صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۳ حدیث نمبر ۳۸۵ ط دار ابن کثیر بیروت ۱۹۸۷ء

221 - صحیح المسلم ج ۸ ص ۱۰ حدیث نمبر ۶۷۰۶ باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ ط دار الجبل بیروت

222 - ہدایۃ مع فتح القدیر ج ۵ ص ۳۰۳، جواہر الاکلیل ج ۱ ص ۲۶۷، مغنی المحتاج ج ۴ ص ۲۵۸، الاحکام السلطانیۃ لابی یعلیٰ ص ۱۴۳، ۱۴۴

البتہ شہریت کی تکمیل کے لئے انتظامی طور پر کچھ قواعد وضوابط وضع کئے جاسکتے ہیں، اور اس کے لئے کوئی مدت یا مراحل مقرر کئے جاسکتے ہیں......

اس باب میں ہم مستامن کے مسئلے سے بھی استیناس کرسکتے ہیں جس کا ذکر پہلے آچکا ہے، کہ اگر وقتی قیام کے ارادہ سے دارالاسلام میں آنے والا شخص ایک مخصوص مدت (حنفیہ کے نزدیک اس کی مدت ایک سال ہے، علیٰ اختلاف الاقوال) تک قیام کرلے، یا وہاں کے متوطن سے شادی کرلے، یا کوئی خراجی زمین خریدلے وغیرہ تو اس کو ذمی یعنی دارالاسلام کا باقاعدہ شہری قرار دیا جائے گا[223]

اس فقہی جزئیہ کو انتظامی مراحل کے لئے بطور رہنما اصول ہم استعمال کرسکتے ہیں۔

شہریت سے وابستہ حقوق وواجبات

(۴) رہا یہ مسئلہ کہ شہریت کی بنیاد پر کیا کیا حقوق وواجبات عائد ہوتے ہیں؟ یعنی وہ کیا چیزیں ہیں جو بطور حق شہریوں کو ملتی ہیں اور بطور ذمہ داری ان پر عائد ہوتی ہے؟...... تو میرے علم ومطالعہ کی حد تک اسلام میں اس کی کوئی تفصیل مقرر نہیں ہے، کچھ حقوق بنیادی ہیں اور کچھ احوال وظروف اور زمان ومکان کے تغیرات سے پیدا ہوتے ہیں، اس لئے ان کی تفصیلات کا تعین ممکن نہیں، بس معروف کی بنیاد پر جو حقوق و واجبات وہاں کے عرف میں شہریت سے متعلق سمجھے جاتے ہیں، شریعت ان کی نفی نہیں کرتی، گذشتہ صفحات میں ایک روایت کا حوالہ دیا گیا ہے، اس میں عمومیت کے ساتھ یہ الفاظ آئے ہیں:

لہٗ ماللمسلم وعلیہ ماعلی المسلم[224]

یعنی وہ تمام حقوق جو مسلمانوں کو ملتے ہیں وہ اس کو ملیں گے اور وہ تمام واجبات جو مسلمانوں پر عائد ہوتے ہیں اس پر عائد ہونگے۔

------ حواشی --

223 - البدائع للکاسانیؒ ج ۷ ص ۱۱۰، الاحکام السلطانیۃ للماوردیؒ ص ۱۴۶، المبسوط للسرخسیؒ ج ۱۰ ص ۸۴، السیر الکبیر ج ۵ ص ۱۸۶۵، ابن عابدینؒ ج ۳ ص ۳۴۶، المہذب للشیرازیؒ ج ۲ ص ۲۵۱

224 - صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۵۳

اس مضمون کی اور بھی جو روایات آئی ہیں ان میں بھی یہی عمومی انداز بیان اختیار کیا گیا ہے۔

اسی طرح ہجرت کے بعد نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے جو میثاق مدینہ تیار فرمایا اس میں بلا امتیاز مذہب وملت داخلی اور خارجی سطح پر جن حقوق وواجبات کی نشاندہی کی گئی ہے، ان سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ حقوق کے باب میں کوئی خاص شکل مقرر نہیں ہے، بلکہ ان کا تعلق مختلف ملکوں کے اپنے حالات، تقاضے، اور عرف سے ہے، اور اس معاملے میں ہر ملک کی انتظامیہ پوری طرح آزاد ہے کہ کس چیز کو وہ حق قرار دیتی ہے اور کس چیز کو واجبات میں شامل کرتی ہے، بس شرط یہ ہے کہ اس تعین کی بنیاد معروف پر ہو، انسانیت کی فلاح پیش نظر ہو، اسلام کی روح اور مقاصد سے ہم آہنگ ہو اور شریعت کی کسی نص سے متصادم نہ ہو۔

(۵) پناہ گزینوں اور شہریوں کے حقوق اور فرق مراتب کی بحث شق نمبر (۳) کے ضمن میں آچکی ہے۔

مسلم ملکوں میں غیر مسلموں کو شہریت دینا

(۶) یہاں ایک سوال یہ ہے کہ کیا مسلم ملکوں میں غیر مسلموں کو مستقل شہری کی حیثیت سے آباد کرنا درست ہوگا؟

یہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے، فقہاء نے اس مسئلہ کو بہت پہلے صاف کر دیا ہے، ہماری تمام فقہی کتابوں میں ”اہل ذمہ“ کا باقاعدہ باب قائم کیا گیا ہے، اور ان سے متعلق احکام کی پوری تفصیل موجود ہے۔

ذمی ہر ایسے غیر مسلم کو کہتے ہیں جس کو حکومت (اور حنفیہ کے نزدیک کسی بھی مسلمان) کی طرف سے جزیہ اور دنیوی آئین اسلام کی اطاعت کی شرط پر ملک میں دائمی طور پر رہنے کی اجازت دی گئی ہو اور حکومت نے اس کے لئے تمام تحفظات ومراعات اور حقوق وواجبات (بعض استثناءات کو چھوڑ کر) کی ضمانت دی ہو۔

فرد اور حکومت کے اسی قانونی رابطہ کا نام شہریت ہے، حنفیہ کے علاوہ تمام فقہاء اس طرح کے قانونی معاہدہ کا اختیار صرف حکومت یا امیر المؤمنین کو دیتے ہیں، حنفیہ اس اختیار کو عامۃ المسلمین تک وسیع

کرتے ہیں [225]

بعض فقہاء نے ان شرائط کی تفصیل بھی لکھی ہے جن کی پابندی غیر مسلم شہریوں پر ضروری ہوتی ہے، علامہ ماوردیؒ نے ایسی چھ (۶) چیزوں کا تذکرہ کیا ہے:

☆کتاب الٰہی کا احترام کریں اور ان کے بارے میں کسی طعن و تحریف کا تذکرہ نہ کریں۔

☆ناموس رسالت مآب ﷺ میں کوئی بے ادبی نہ ہو۔

☆دین اسلام کی تحقیر نہ کریں۔

☆کسی مسلمان خاتون سے زنا یا نکاح کا تعلق قائم نہ کریں۔

☆کسی مسلمان کو دینی یا مالی فتنہ میں مبتلا نہ کریں۔

☆اہل حرب کی مدد یا ان کے لئے جاسوسی نہ کریں۔

ان شرائط میں سے کسی بھی شرط کی خلاف ورزی پر ان کی شہریت منسوخ کی جاسکتی ہے [226]

بعض فقہاء نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ وہ اپنی عمارتیں مسلمانوں سے اونچی نہیں بناسکتے، اسی طرح اگر ان کی تعداد زیادہ ہو تو ان کی آبادی مسلمانوں سے الگ ہونی چاہئے [227]

دراصل عقد ذمہ کو غیر مسلموں کے حق میں اسلام کے قائم مقام قرار دیا گیا ہے، اور اس کا مقصد غیر مسلموں سے حصول مال نہیں بلکہ ان کو اسلامی معاشرہ میں رکھ کر اسلام کی عملی دعوت دینا مقصود ہے [228]

اسی لئے اللہ کے نبی ﷺ نے غیر مسلم شہریوں کے ساتھ پوری مراعات کرنے کا حکم دیا ہے اور ان کے ساتھ ظلم وزیادتی کو سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا:

------ حواشی ------

225 - البدائع للکاسانیؒ ج ۷ ص ۱۱۱، ابن عابدینؒ ج ۳ ص ۲۷۵، الاموال لابی عبیدؒ ص ۸۷، الاحکام السلطانیۃ للماوردیؒ ص ۱۴۵

226 - الاحکام السلطانیۃ للماوردیؒ ص ۱۴۵

227 - ابن عابدین ج ۳ ص ۲۷۵، الاحکام السلطانیۃ للماوردیؒ ص ۱۴۵، الاحکام السلطانیۃ لابی یعلیؒ ص ۱۴۳

228 - فتح القدیر والعنایۃ علی الہدایۃ ج ۵ ص ۲۱۳، ۲۱۴

ألامن ظلم معاہداً أو انتقص حقہ أوكلفہٗ فوق طاقتہٖ أو أخذ منہ شیئاً بغیرطیب نفس منہ فأناحجیجہٗ یوم القیٰمۃ[229]

ترجمہ: خبر دار! جو کسی معاہد پر ظلم کرے گا، اس کی حق تلفی کرے گا، یا اس کی طاقت سے زیادہ زیر بار کرے گا، یا بغیر اس کی رضامندی کے اس کی کوئی چیز لے لے گا تو بروز قیامت اس کے خلاف میں خود مستغیث بنوں گا۔

عقد ذمہ کی یہ حقیقت اس بات کی دلیل ہے کہ مسلم ملکوں کے دروازے ہر وقت غیر مسلموں کے لئے کھلے رہنے چاہئیں، اور بلا کسی معقول وجہ کے اس کو بند نہیں کرنا چاہئے، یہ دعوتی اعتبار سے بھی فائدہ مند ہے،......مالی طور بھی سود مند ہے،......دوسرے ملکوں سے معاہدات میں مفید ہے ......اور اس سے خود مسلمانوں کے لئے بھی غیر مسلم ملکوں میں اقامت وشہریت کی راہ ہموار ہوتی ہے،......

جزیرۃ العرب میں کسی غیر مسلم کو شہریت نہیں دی جاسکتی

البتہ اس میں باتفاق فقہاء جزیرۃ العرب کا استثناء کیا گیا ہے[230]

اور اس کی وجہ وہ حدیث پاک ہے جو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے:

لاخرجن الیہودوالنصارٰی من جزیرۃالعرب حتی لاادع إلامسلماً[231]

ترجمہ: میں یہود ونصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے ضرور نکالوں گا اور یہاں کسی مسلمان کے علاوہ کسی کو رہنے کی اجازت نہ دوں گا۔

ایک حدیث کے الفاظ ہیں:

------ حواشی --

229 - ابوداؤد ج ۳ ص ۱۳۶ ط دار الکتاب العربی بیروت

230 - ابن عابدین ؒ ج ۳ ص ۲۷۵، الماوردی ص ۱۶۷، احکام اہل الذمۃ لابن القیم ؒ ج ا ص ۱۷۶-۱۸۶

231 - صحیح مسلم باب اخراج الیہود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب ج ۵ ص ۱۶۰ حدیث نمبر ۴۶۹۳ ط دار الجبل بیروت، ترمذی ج ۴ ص ۱۵۶ حدیث نمبر ۱۶۰۶ ط دار احیاء التراث العربی بیروت

لایجتمع فی ارض العرب دینان[232]

ترجمہ: عرب کی سرزمین پر دو دین جمع نہیں ہوسکتے۔

جزیرۃ العرب اہل جغرافیہ کے مطابق عرب کے اس جزیرہ نما علاقہ کا نام ہے جس کے غرب میں بحر قلزم (بحر احمر)، جنوب میں بحر عرب، اور شرق میں خلیج بصرۃ (خلیج عربی) ہے، جانب شمال کی حد کیا ہے اس میں اختلاف ہے، صاحب معجم البلدان کے مطابق اس کی حد عذیب سے حضرموت تک ہے، ابن الاعرابی نے بھی اس کی تحسین کی ہے، جبکہ اصمعی کا بیان یہ ہے کہ جزیرۃ العرب طول میں عدن سے ریف عراق تک اور عرض میں ابلہ سے جدۃ تک ہے[233]

اسی لئے فقہاء کرام میں حنفیہ اور مالکیہ نے جزیرۃ العرب کو صرف مکہ اور مدینہ تک محدود نہیں رکھا ہے بلکہ پورا خطۂ عرب (جس کو اہل بلدیات جزیرۃ العرب مانتے ہیں) اس میں شامل ہے، اس لئے کہ الفاظ حدیث میں عموم ہے[234]

البتہ مالکیہ میں علامہ قرطبیؒ کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد مکہ، مدینہ، یمامۃ اور یمن کے اطراف ہیں[235]

شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں اس سے مراد سرزمین حجاز ہے[236]

حجاز کی تشریح امام غزالیؒ وغیرہ نے یہ کی ہے کہ اس میں مکہ، مدینہ، یمامہ، نجد اور اطراف آتے ہیں، الوج، طائف اور خیبر مدینہ کے اطراف میں شامل ہیں، یمن اس میں داخل ہے کہ نہیں، اس میں

------ حواشی--

232 - مسند احمدؒ ج ۶ ص ۲۷۵ ط المیمنیۃ، مجمع الزوائد للہیثمیؒ ج ۵ ص ۳۲۵ ط القدسی، الاموال لابی عبیدؒ ص ۱۲۸ ط دار الفکر ۱۳۹۵ھ

233 - معجم البلدان لیاقوت الحمویؒ (م ۶۲۶ھ) جزیرۃ العرب ج ا ص ۴۹۵

234 - فتح القدیر لابن ہمامؒ ج ۴ ص ۳۷۹، حاشیۃ ابن عابدینؒ ج ۳ ص ۲۷۵

235 - الحطاب ج ۳ ص ۳۸۱ بحوالہ الموسوعۃ ارض العرب

236 - احکام اہل الذمۃ لابن القیمؒ ج ا ص ۱۷۶

اختلاف ہے، اس لئے کہ بعض لوگ جزیرۃ العرب کو شام و عراق تک توسیع کرتے ہیں[237]

واللہ اعلم بالصواب وعلمہٗ اتم واحکم

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

☆عہد جدید میں مغرب کے اثرات سے موجودہ نظام شہریت نے جو حد بندیاں قائم کی ہیں، اور جغرافیائی بنیادوں پر انسانوں میں تقسیمات کی گئی ہیں، نیز ہر ملک کے شہری کو ایک الگ قوم تصور کیا جاتا ہے، افسوس کہ اس کے اثرات امت مسلمہ پر بھی پڑے ہیں، مختلف ملکوں میں رہنے والے مسلمانوں کو قوم واحد کی بجائے مختلف قوموں میں تقسیم کر دیا گیا ہے، اوران کی آزادانہ نقل و حرکت اور قیام و سکونت میں مشکلات پیدا ہو گئی ہیں، گو یہ نظام اسلام کے آفاقی نظریۂ وحدت سے ہم آہنگ نہیں ہے، لیکن موجودہ بین الاقوامی احوال اور علاقائی مصالح واسباب کے تحت ملکوں میں شہریت کا جو نظام رائج ہے موجودہ حالات میں اس کو قبول کرنے کی گنجائش ہے۔

☆مسلم یا غیر مسلم ملک کا مسلمان کسی مسلم ملک میں شہریت کا خواہشمند ہو اوراس کے اپنے ملک میں دین وایمان، جان ومال اور عزت وآبرو کو سخت خطرہ درپیش ہو تو اس مسلم ملک پر اس کی درخواست کو قبول کرنا لازم ہو گا۔

☆کسی ملک کے مسلمان مجبور ہو کر دوسرے مسلم ملک میں پناہ گزین ہو جائیں تو ایسے ملک کا فریضہ ہے وہ ان پناہ گزینوں کو تمام شہری حقوق عطا کرے[238]۔

------ حواشی

237 - الوجیز للغزالیؒ ج ۲ ص ۱۹۹ بحوالہ الموسوعۃ الفقہیہ ج ۳ ص ۱۲۹

238 - جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، حصہ اول ص ۳۰۸، ۳۰۹

اسلامی حدود کی معنویت[239]

بعض لوگوں کو اسلامی حدود کا نام سن کر بڑی وحشت ہوتی ہے کہ اسلام نے بعض جرائم کی بڑی سخت سزائیں تجویز کی ہیں، مثلاً حد زنا، حد سرقہ وغیرہ، مگر وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ اسلام نے ان جرائم کے لیے کتنی کڑی شرطیں رکھی ہیں، اوران شرطوں کی رعایت کے ساتھ مشکل ہی سے چند کیس ایسے ہوتے ہیں جن میں ان حدود کا نفاذ ہو سکے۔

حدود کے بارے میں اسلامی ضابطہ یہ ہے کہ "حدود شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں۔"

دوسری بات یہ ہے کہ اسلام، قانونِ تعزیرات کے نفاذ کے لیے ایک مکمل نظام رکھتا ہے، جس سے الگ ہو کر نہ قانون کی معنویت باقی رہتی ہے، اور نہ قانون کا نفاذ ممکن ہے، اسلام کے نزدیک قانون کی حیثیت "کل" کی نہیں "جز" کی ہے، اسلام ایک مخصوص نظام زندگی پیش کرتا ہے، ایک فیاض، پاکیزہ اور محفوظ معاشرے کا نقشہ اس کے پاس ہے، جب تک وہ مخصوص نظام اور مطلوبہ معاشرہ پیدا نہیں ہوتا، قانون کے نفاذ کے کوئی معنی نہیں ہیں، نظام زندگی سے الگ ہو کر محض کتابوں سے قانون تعزیرات کو نکال کر عدالتوں میں نافذ کر دینا حقیقی اسلام نہیں ہے، اسلام کسی بھی دفعہ کے نفاذ کے لیے اس کے محرکات واسباب سے بحث کرتا ہے، اور پہلے ان محرکات واسباب کے ذریعہ قانون کے لیے ایک ماحول تیار کرتا ہے، اور جب وہ ماحول تشکیل پا جاتا ہے تو قانون کو نافذ کرتا ہے، اسلامی قانون زنا پر سو (۱۰۰) کوڑے مارنے اور شادی شدہ زنا کار کو سنگ سار کرنے کا حکم دیتا ہے، لیکن یہ حکم اس معاشرے کے لیے ہے جس کے پورے نظام تمدن کو شہوت انگیز اسباب سے خالی کیا گیا ہو، جہاں عورت ومرد کا اختلاط نہ ہو، عورتیں سر عام نہ گھومتی ہوں، عریاں تصاویر اور فحش لٹریچر کی گرم بازاری نہ ہو، جس میں نکاح کو آسان کر دیا گیا ہو، جس میں نیکی اور تقویٰ اور پاکیزگیٔ اخلاق کا عام چرچا ہو، جس کے ماحول میں خدا کی یاد ہر وقت تازہ ہوتی رہتی ہو، اور جہاں حکومت

------ حواشی --

239-ماخوذ از قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی

کے تمام تر وسائل تقویٰ کی تعلیم اور معصیت سے اجتناب کی تلقین میں مصروف ہوں، یہ حکم اس گندی سوسائٹی کے لیے نہیں ہے جس میں ہر طرف جنسی جذبات کو بھڑکانے کے اسباب پھیلے ہوئے ہوں، گلی گلی اور گھر گھر فحش مناظر دیکھے جارہے ہوں، رقص وسرود کا بازار گرم ہو، گندے لٹریچر اور عریاں تصاویر پوری آزادی کے ساتھ فروخت ہوتے ہوں، زندگی کے ہر شعبے میں جنسی اختلاط کے مواقع بڑھ رہے ہوں، اور نظام معاشرت نے اپنے بیہودہ رواجوں سے نکاح کو نہایت مشکل بنادیا ہو۔

اسی طرح اسلام چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا تجویز کرتا ہے، مگر یہ حکم ہر سوسائٹی کے لیے نہیں دیا گیا ہے، بلکہ اسے ایسی اسلامی سوسائٹی میں جاری کرنا مقصود ہے، جہاں مالداروں سے زکوٰۃ لی جارہی ہو، جس کا بیت المال ہر حاجتمند کی امداد کے لیے کھلا ہو، جس کی ہر بستی میں مسافروں کی تین دن کی ضیافت کا اہتمام کیا جاتا ہو، جس کے نظام شریعت میں تمام لوگوں کو یکساں حقوق اور برابر کے مواقع ہوں، جس کے نظام معیشت میں طبقاتی اجارہ داری کی گنجائش نہ ہو، اور کسب معاش کا دروازہ ہر ایک لیے کھلا ہو، جس کے اخلاقی ماحول میں سخاوت وفیاضی، حاجتمندوں کی امداد، اور گرتے ہوئے کو اٹھانے کا جذبہ عام ہو، ظاہر ہے کہ ایسے پاک اور شریفانہ ماحول میں چوری کا ارتکاب کوئی ایسا ہی شخص کرسکتا ہے جس کی طبیعت مسخ ہوچکی ہو، یا جو معاشرہ میں عدم تحفظ کی فضا بنانا چاہتا ہو، ایسے شخص کا ہاتھ کاٹنا دراصل اس فتنہ کا سدباب ہے جو طبیعت کے فساد یا معاشرتی عدم تحفظ کی صورت میں رونما ہوسکتا ہے۔

یہ حکم اصلاً اس معاشرے کے لیے نہیں ہے جہاں خود غرضی، مفاد پرستی، اور ظلم واستحصال عام ہو، جس کے پاس کوئی نظام اخلاق نہ ہو، جس کا نظام تعلیم دینی لحاظ سے حددرجہ ناقص ہو، جس کے نظام معیشت میں طبقاتی تقسیم پائی جاتی ہو اور چند چالاک اور خوش نصیب حضرات پورے ملک یا سوسائٹی کی دولت اپنے پاس سمیٹ لینے کا حق رکھتے ہوں، اور جس کے نظام سیاست میں ایسے مٹھی بھر سرمایہ داروں کے مفادات کا تحفظ کیا جاتا ہو، جہاں غریبوں اور بے روزگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہ ہو، جہاں امدادی اداروں کی جگہ بینکوں اور کمپنیوں کی کثرت ہو۔

اسلامی تمام حدود کا حال یہی ہے، وہ ایک مخصوص پس منظر اور مخصوص نظام کے لیے نازل کئے

گئے ہیں، لیکن جب ان کو ہم اس سے مختلف پس منظر اور نظام میں دیکھتے ہیں، یا ان کو نافذ کرنا چاہتے تو ہم کو عجیب لگتا ہے، دراصل یہ ہماری تطبیق کا قصور ہے، اسلامی حدود کا نہیں، اور علم و عرفان کی کمی کا نتیجہ ہے کہ بعض لوگ اسلامی قانون کو وحشیانہ قانون کہنے کی جسارت کرتے ہیں، وہ بھی اس دور میں جس میں تہذیب کے نام پر بڑی سے بڑی وحشیانہ حرکت کو سند جواز دے دیا گیا ہو، اور جہاں صرف ہاتھ نہیں کاٹے جاتے اور درے اور پتھر نہیں برسائے جاتے ہیں، بلکہ بم اور ایٹم برسائے جاتے ہیں، جہاں ہاتھوں کے نہیں جسموں کے پرخچے اڑائے جاتے ہیں، جہاں افراد کو نہیں، پوری نسلوں کو مفلوج اور ناکارہ بنایا جاتا ہے[240]۔

------ حواشی--

240-ماخوذ از قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی

اسلامی قانون جنگ-بنیادی اصول واحکام

بین الاقوامی قوانین میں ہالینڈ کانفرنس منعقدہ ۱۸۹۹ء سے پہلے منصفانہ اور غیر منصفانہ جنگ میں کوئی فرق نہ تھا، جنگ صرف جنگ تھی، خواہ وہ کسی بنیاد پر ہو، اس کانفرنس میں تقریباً پچاس (۵۰) ممالک کے مندوبین شریک ہوئے، ۱۹۰۷ء میں دوبارہ اس کا اجلاس ہوا، اس میں تیسری کارروائی جو باتفاق رائے پاس ہوئی اس میں صراحت کی گئی کہ منصفانہ جنگ وہ ہو گی جو دو مقاصد میں سے کسی مقصد کے لیے ہو:

(۱) بالفعل حملہ آور کے دفاع کے لیے ہو۔

(۲) کسی ملک کے جائز حقوق کی بازیابی کے لیے جسے کوئی دوسرا ملک اس کے اختیارات سلب نہ کر سکے۔

ان مقاصد کے علاوہ توسیع سلطنت، اثر ورسوخ بڑھانے، ملکوں پر قبضہ وغیرہ کے لیے جنگ کرنا غیر منصفانہ قرار پائے گی.............

اس تقسیم پر غور وخوض کے لیے سب سے پہلے "پادری سوارس" نے چودھویں صدی عیسوی میں آواز اٹھائی مگر بیسویں صدی سے قبل یورپ میں اس کو قبولیت حاصل نہ ہو سکی۔

اسلامی قانون میں یہ تقسیم روزاول سے ہی پائی جاتی ہے، اسلام صرف اس جنگ کو منصفانہ قرار دیتا ہے جو ظلم وجبر کے خاتمہ کے لیے اوراستحصال کے خلاف لڑی جائے، یانیک مقاصد میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے کی جائے، قرآن میں جگہ بجگہ جنگ کو ان قیود کے ساتھ مربوط کیا گیا ہے:

اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا وان اللہ علی نصرہم لقدیر، الذین اخرجوا من دیارہم بغیرحق الاان یقولوا ربنا اللہ، الآیۃ[241]

ترجمہ: ایسے لوگوں کو جہاد وقتال کی اجازت دی گئی جن سے کافر لڑتے ہیں، یہ اجازت

------ حواشی--

241 ۔حج:۳۹-۴۰

اس لیے دی گئی، کیونکہ یہ لوگ مظلوم ہیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر قادر ہے، اور جن کی فتح ونصرت کا وعدہ کیا جارہا ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے بلاوجہ نکالے گئے، محض اس وجہ سے کہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

وقاتلوافی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولاتعتدواان اللہ لایحب المعتدین[242]

ترجمہ: اور تم لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں کے ساتھ جو تمہارے ساتھ لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرو، اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

فمن اعتدیٰ علیکم فاعتدوا علیہ بمثل مااعتدیٰ علیکم[243]

ترجمہ: جو تم پر زیادتی کرے تم بھی ان پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔

وقاتلوہم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ[244]

ترجمہ: مشرکین سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور سارا دین اللہ کے لیے ہو جائے۔

ان کے علاوہ نقض امن، توسیع سلطنت کا شوق، اورزمین میں فساد برپا کرنے کے لیے جنگ جائز نہیں، یہ غیر منصفانہ جنگ قرار پائے گی، اور عالمی برادری پر ضروری ہو گا کہ وہ اس جنگ کو روکنے کے لیے کوشش کرے، قرآن میں غیر منصفانہ جنگ کی بعض مثالیں آئی ہیں:

------ حواشی --

242 ۔بقرۃ:۱۹۰

243 ۔بقرۃ:۱۹۴

244 ۔انفال:۳۹

تلک الدار الآخرة نجعلہاللذین لایریدون علوافی الارض ولافساداً[245]

ترجمہ: یہ آخرت کا گھر ہم خاص ان کو ہی دیتے ہیں جو نہ زمین میں علو اور برتری حاصل کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں اور نہ فساد برپا کرنے کا۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

واذاتولی سعیٰ فی الارض لیفسدفیہا ویہلک الحرث والنسل واللہ لایحب الفساد[246]

ترجمہ: اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں فساد کرے، اور مویشی اور کھیتی تلف کرے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا۔

دوران جنگ کی ہدایات

جنگ کے دوران اسلام نے جو ہدایات دی ہیں وہ بھی بین الاقوامی قوانین میں بڑی اہمیت کی حامل ہیں، اسلام سے قبل بین الاقوامی قوانین میں یہ دفعات موجود نہیں تھیں، یہ اسلام کا عطیہ ہے جو اس نے ان قیمتی ہدایات کی صورت میں عالمی برادری کو دیا، رسول اکرم ﷺ نے لشکر اسلام کو ہدایات دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لاتقتلواشیخاً فانیاً ولاطفلاًولاصغیراًولاامرأةً ولاتغلواو احسنوا ان اللہ یحب المحسنین[247]

ترجمہ: بہت ہی بوڑھے شخص کو، کم عمر لڑکے کو، نابالغ بچے کو، اور کسی عورت کو قتل نہ کرو، اور غدر وخیانت نہ کرو، حسن سلوک کا معاملہ کرو، بیشک اللہ حسن سلوک کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

------ حواشی --

245 ۔القصص:۸۳

246 ۔بقرة:۲۰۵

247۔ابوداؤد:ج۱/ص۳۵۹

اسی طرح حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ولاتغدروا ولاتمثلوا ولاتقتلوا ولیداً[248]

ترجمہ: بدعہدی نہ کرو، مثلہ نہ کرو، (یعنی کسی لاش کی شکل نہ بگاڑو) اور کسی بچے کو قتل نہ کرو۔

☆ایک حدیث میں سرورِ دوعالم ﷺ نے دشمن قبیلہ کے ایسے افراد کو جو جنگ میں شریک نہ ہوئے ہوں قتل کرنے سے منع فرمایا[249]

☆جنگ بدر میں جب قریش مکہ کو شکست ہوئی تو آپ نے ان کے مردوں کو احتراماً دفن کردیئے جانے کا حکم فرمایا، کیونکہ انسان خواہ مردہ ہو یا زندہ کافر ہو یا مشرک وہ بحیثیت انسان محترم ومکرم ہے۔

☆ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیقؓ نے شام کی طرف لشکر روانہ کرتے ہوئے وصیت فرمائی کہ غدروخیانت مت کرنا، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا، کھجور کے درختوں کو مت کاٹنا اور نہ کسی پھل دار درخت کو نقصان پہونچانا، کھانے کے علاوہ بکریاں، گائیں، اور اونٹوں کو ذبح مت کرنا، وغیرہ غرض اس وصیت میں ہر اس چیز کو تباہ وبرباد کرنے سے جو انسان کے لیے مفید اور نفع بخش ہو منع فرمایا گیاہے[250]

☆ خلیفہ ثانی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے ایک عامل کے نام فرمان جاری فرمایا:

"جہاد وقتال کرو، غدروخیانت سے دور رہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتاہے، دشمنوں سے مڈبھیڑ ہونے پر بزدلی مت دکھاؤ، غلبہ پانے پہ دشمن کے مقتولوں کا مثلہ مت کرو اور نہ حد سے تجاوز کرو، بچے، عورتوں اور بہت بوڑھے شخص کو قتل نہ کرو، حملہ آور ہوتے وقت دنیاوی آلائشوں سے جہاد کو پاک وصاف رکھو وغیرہ[251]

------ حواشی--

248 ۔رواہ احمد ومسلم وابن ماجہ والترمذی وصححہ، نیل الاوطار: ج ۷/ ص ۱۳۳

249 ۔کنز العمال: ج ۲/ ص ۲۷۰/ ، اعلاء السنن: ج ۱۲/ ص ۳۰۰۲۹

250 ۔موطا امام مالک: ۱۶۷

251 ۔موطا امام مالک مع تنویر الحوالک للسیوطی: مطبوعہ الندوۃ الجدیدۃ بیروت: ج ۲/ ص ۷

نقض عہد کی صورت

البتہ اگر کسی قوم سے عہد شکنی کا اندیشہ ہو تو اس سے چوکنا رہنا ضروری ہے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

واما تخافن من قوم خيانة فانبذ اليهم على سواء[252]

ترجمہ: اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت (یعنی عہد شکنی) کا اندیشہ ہو تو آپ وہ عہد ان کو اس طرح واپس کر دیں کہ آپ اور وہ اس اطلاع میں برابر ہو جائیں۔

حضرت امیر معاویہؓ اور رومیوں کے مابین ایک مقررہ وقت تک کا معاہدہ تھا، جب معاہدہ ختم ہونے کا وقت قریب آیا تو حضرت امیر معاویہؓ اپنی فوج لے کر روم کی سرحد کی طرف روانہ ہوئے، تاکہ وقت نکلتے ہی ان سے جنگ شروع کر دیں، حضرت عمرو بن عبسہؓ کو جب یہ معلوم ہوا تو حضرت امیر معاویہؓ سے کہا، میں نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگر کسی کا کسی قوم سے معاہدہ ہے تو اس کے لیے اس وقت تک لشکر کشی جائز نہیں جب تک کہ معاہدے کا وقت نہ نکل جائے اور عہد توڑنے کا اعلان نہ کر دیا جائے، حضرت معاویہؓ یہ سنتے ہی اپنی فوج لے کر واپس ہو گئے۔[253]

سیر کبیر میں حضرت محمد بن حسنؒ نے اس واقعہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ جس طرح مسلمانوں کو غدر و خیانت سے احتیاط و اجتناب ضروری ہے، مشابہ غدر سے بھی[254]

جنگ سے قبل اعلان ضروری ہے

موجودہ بین الاقوامی قانون میں جنگ سے قبل اعلان جنگ کو ضروری قرار دیا گیا ہے، اور اچانک حملے کو ناجائز ٹھہرایا گیا ہے، علاوہ ازیں جنگ سے قبل چند حقوق و واجبات مقرر کئے گئے ہیں، جن میں سے

------ حواشی ------

252- الانفال: ۵۸

253 - ترمذی شریف: ج ۱ / ص ۲۸۷ / ، باب ماجاء فی الغدر

254 - شرح السیر: ج ۱ / ص ۱۸۷ / ، اعلاء السنن: ج ۱۲ / ص ۳۵

بعض کا تعلق برسرپیکار ممالک سے ہے، اور بعض کا غیر جانبدار ممالک سے۔

تھائی لینڈ کا نفرنس منعقدہ ۱۹۰۷ء میں یہ مسئلہ بھی زیر بحث رہا کہ جنگ کا اعلان کس طرح کیا جائے، چنانچہ اس کانفرنس میں سب سے پہلی جو تجویز پاس ہوئی وہ یہ تھی کہ جنگی کارروائی واضح الفاظ میں مقابل ملک کو نوٹس جاری کرنے کے بعد کی جائے، یہ نوٹس خواہ محرکات جنگ کے اعلان کی صورت میں ہو یا آخری نوٹس کے ذریعہ حملہ آور ملک اپنی مانگ کا تذکرہ کرے، اگر وہ مانگ پوری نہ ہو تو فوری جواب طلب کرے، بصورت تاخیر جنگ شروع کر دی جائے گی۔

دوسری اہم تجویز یہ پاس ہوئی کہ حملہ آور ملک پر لازم ہو گا کہ وہ بلا تاخیر جنگ شروع ہونے سے قبل غیر جانبدار ممالک کو جنگی حالات سے باخبر کرائے، جنگ شروع ہونے کے بعد یہ اطلاع لاحاصل مانی جائے گی، نیز غیر جانبدار ملکوں کے لیے یہ ثابت ہو جانے پر کہ اسے جنگ چھڑنے کا علم ہو گیا تھا یہ بات قابل اعتبار نہ ہو گی کہ اسے جنگ کی اطلاع نہیں ہوئی،...... حکومت ہالینڈ نے اس موضوع پر بحث کے وقت یہ تجویز رکھی تھی کہ اعلان جنگ اور حملہ کی کارروائی کے دوران کم از کم چوبیس گھنٹے کا وقفہ ہونا چاہئے، مگر یہ تجویز مسترد ہو گئی، اور مد مقابل پر اعلان جنگ کے بعد فوری حملے کو قانونی جواز دیا گیا، چنانچہ جرمنی نے دوسری جنگ عظیم میں یہی طریقہ اختیار کیا۔

واضح رہے کہ جو قانون یورپ کے بین الاقوامی قانون میں بہت تاخیر سے آیا وہ اسلام کے بین الاقوامی قانون میں بہت پہلے سے موجود ہے، اس کا اعتراف مغربی مصنفین کو بھی ہے۔

میتشل دی توپ لکھتا ہے کہ ہم لوگ موجودہ زمانے میں جنگی اعلان کی تاریخ جانتے ہیں کہ یہ بین الاقوامی قانون تھائی لینڈ کانفرنس میں پاس ہوا، یورپ کے عہد وسطیٰ میں اس قانون کا کوئی تصور نہیں تھا، جب کہ حقیقت یہ ہے اس قانون کا سرا اسلام سے وابستہ ہے، اور وہی اس قانون کی بنیاد ہے............

مزید لکھتا ہے کہ:

یہ قانون ابوالحسن بصری، بغدادی ثم ماوردی کی کتاب میں موجود ہے......... کچھ اور آگے چل کر لکھتا ہے:

دسویں صدی عیسوی میں انسانیت مایوس ہو چکی تھی، ہر چہار سو اندھیرا ہی اندھیرا تھا، یورپ کے تمام شہروں میں فرقہ وارانہ فسادات کا زور تھا، بالخصوص رومانیہ، جرمانیہ، اور بیزنطینیہ وغیرہ، اس وقت عالم اسلام نے لوگوں کو انسانیت کی راہ دکھانے اور صحیح خطوط پر لانے کے لیے جو مشعل دنیا کے سامنے پیش کی ہے، وہ لائق تحسین اوراحسان وممنونیت کی نگاہ سے دیکھے جانے کے لائق ہے، نیز یورپ نے عالم اسلام سے جس قدر شعاعیں حاصل کی ہیں ان کو انگلیوں پر شمار نہیں کیا جاسکتا[255]

اسلام نے اس سلسلے میں بہت واضح ہدایات دی ہیں، اسلامی اصول کے مطابق امیر لشکر پر لازم ہے کہ جب وہ کسی شہر یا قلعہ کا محاصرہ کرے، تو جنگی کاروائیوں سے قبل دشمن کو تین چیزوں میں سے کسی ایک چیز کے قبول کرنے کا اختیار دے، جس کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو امیر لشکر مقرر فرماتے تو یہ وصیت فرماتے کہ دشمنوں سے مقابلہ ہو تو جنگ سے قبل پہلے ان کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو ان سے کوئی تعرض نہ کرو، خدا کی قسم اگر تیرے ذریعہ ایک شخص ہدایت پا جائے تو یہ دنیا کی تمام دولتوں سے بڑھ کر ہے، اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو جزیہ کا مطالبہ کرو، اور وہ اس پر راضی ہو جائیں تو ان کو اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ دے دو اور اگر وہ اس سے بھی انکار کر دیں تو اللہ کا نام لے کر ان سے جہاد کرو[256]

فقہاء اسلام نے لکھا ہے کہ اگر کوئی امیر لشکر مذکورہ مراحل کی رعایت کیئے بغیر جنگ کا آغاز کر دے، تو جتنے لوگ مارے جائیں گے ان سب کا گناہ امیر لشکر پر ہو گا، اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں ان میں سے ہر ایک کی دیت ایک مسلمان کے برابر ہو گی[257]

چنانچہ اسلام کی جنگی تاریخ میں ان اصولوں کی بڑی سختی کے ساتھ رعایت کی گئی، حضرت خالد بن الولیدؓ نے بے شمار ممالک اور علاقے فتح کیئے، مگر کبھی ان اصولوں سے انحراف نہیں کیا۔

------ حواشی ------

255 -شریعۃ اللہ وشریعۃ الانسان:۴۵

256 -ترمذی شریف:ج۱/ص۲۹۱/، باب ماجاء فی وصیۃ النبی ﷺ فی القتال

257 -ہدایۃ:ج۲/ص۵۴۰/کتاب السیر

ایک بار مشرکین فارس کی زیادتیوں کو روکنے کے لیے حضرت سلمان فارسیؓ لشکر اسلام کے ساتھ نکلے تو مدائن سے باہر فوج کو روک کر کہا کہ پہلے میں ان لوگوں تک رسول اکرم ﷺ کا پیغام پہونچادوں، اس کے بعد حضرت سلمانؓ خود مشرکین فارس کے پاس گئے، اوران سے مخاطب ہو کر فرمایا.........میں تم لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی تین باتوں میں سے ایک بات قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کرو، یا جزیہ دینا منظور کرو یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ، ان لوگوں نے اسلام اور جزیہ سے انکار کیا اور جنگ پر اپنی آمادگی کا اظہار کیا، اور حضرت سلمانؓ کے بار بار اعلان کے باوجود وہ لوگ ارادۂ جنگ پر مصر رہے، تو حضرت سلمانؓ نے جنگ کا آغاز فرمایا[258]

امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ نے جب مصر فتح کرنے کا فیصلہ کیا تو حضرت عمرو بن العاصؓ کی قیادت میں لشکر اسلام نے مصر کی طرف پیش قدمی کی، قاہرہ میں رومیوں کے لشکر سے مڈ بھیڑ ہوئی، جاثلیق ابو مریم کے ساتھ مقوقس کا بھیجا ہوا ایک پادری بھی اس میں موجود تھا، جنگ شروع ہونے سے قبل حضرت عمرو بن العاصؓ نے لشکر روم کے سپہ سالار سے کہا کہ جب تک میں تم لوگوں سے اپنا عذر بیان نہ کردوں اور پادری اور جاثلیق مجھ سے ملاقات نہ کرلیں جنگ میں جلد بازی مت کرو، چنانچہ جاثلیق اور پادری دونوں حضرت عمروؓ کے پاس آئے، آپ نے ان کو اسلام قبول کرنے یا جزیہ ادا کرنے کی دعوت دی، اور اہل مصر کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی وصیت کو بیان کیا............یہ وصیت صحیح مسلم میں موجود ہے کہ۔

نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں سے ارشاد فرمایا عنقریب تم لوگ مصر فتح کروگے، جب مصر فتح ہو جائے تو اہل مصر کے ساتھ حسن سلوک کرنا کیونکہ ان کا ذمہ اور قرابت ہے[259]

دونوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ سے کہا جب تک ہم لوگ واپس نہ آجائیں اتنی دیر تک کی مہلت دو، آپ نے فرمایا تم لوگ مجھے دھوکہ نہیں دے سکتے، تاہم میں تم لوگوں کو غور وفکر کے لیے تین دنوں کی مہلت دے رہا ہوں ان دونوں نے کچھ اور مہلت دینے کا مطالبہ کیا، آپ نے ایک دن کا اور اضافہ

------ حواشی --

258 ۔ترمذی شریف:ج۱/ص ۲۸۲/، ابواب السیر باب ماجاء فی الدعوۃ قبل القتال

259 ۔رواہ مسلم: مشکوٰۃ باب فی المعجزات:۵۳۹

فرمایا، دونوں نے قبطیوں کے سردار مقوقس اور حاکم روم ارطبون کو صورت حال سے آگاہ کیا، مقوقس عربوں کے ساتھ جنگ کرنے سے کترا رہا تھا، وہ عربوں میں اپنے خلاف نفرت بڑھانا نہیں چاہتا تھا، اس وقت روم اور مصر کے مابین تعلقات کچھ زیادہ خوشگوار بھی نہ تھے، لیکن حاکم روم ارطبون نے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا، اور جنگ کے لے یتار ہوگیا، بلکہ عملاً حملہ میں پیش قدمی کر بیٹھا، لیکن مسلمانوں کے جوابی حملے کی تاب نہ لاکر اسکندریہ کی طرف بھاگ کھڑا ہوا، مسلمانوں نے مختلف اطراف میں اس کا تعاقب کیا اور تعاقب کامیاب رہا، رومیوں کا محاصرہ کیا گیا، بالآخر وہ لوگ صلح کے خواستگار ہوئے اور جزیہ دینا منظور کیا امیر المومنین حضرت عمر بن الخطابؓ کے حکم سے ان کی صلح منظور کی گئی[260]

بلاذری نے اپنی کتاب "فتوح البلدان" میں نقل کیا ہے کہ جب حضرت عمر بن عبد العزیزؒ خلیفہ ہوئے، تو سمر قند کے کچھ افراد نے آپؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر قتیبہ بن مسلم باہلی کی شکایت کی کہ وہ انہیں دھوکہ دے کر ان کے شہر میں داخل ہوگئے ہیں، اور مسلمانوں کو بسا دیا ہے، خلیفہ نے اس علاقہ کے گورنر کو خط لکھا کہ وہ ان لوگوں کے مقدمہ کو قاضی کے یہاں بھیجدے، اگر قاضی ان کے حق میں فیصلہ دیں تو مسلمانوں کو سمر قند سے نکال دیا جائے، چنانچہ جب یہ مقدمہ قاضی جمیع ابن خاطر الباجی کے یہاں پیش ہوا تو پوری تحقیق کے بعد مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیئے جانے کا فیصلہ سنایا، سمر قند کے باشندے اس انصاف سے بے حد متأثر ہوئے اور حلقہ بگوش اسلام ہوگئے[261]

اس طرح کے بے شمار واقعات تاریخ اسلامی میں موجود ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان جنگ سے قبل اعلان اور مہلت غور و فکر پر کس سختی کے ساتھ کاربند تھے، اسلام کا یہ زریں اصول بعد میں بین الاقوامی قوانین کا حصہ بنا جس کی تفصیل آچکی ہے[262]۔۔

------ حواشی---

260 -البدایۃ والنہایۃ لابن کثیر: ج۷/ص۹۷-۹۸/، مطبوعہ مکتبہ المعارف بیروت

261 -فتوح البلدان للبلاذری: ص۴۲۸

262-ماخوذ از قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی

اسلامی حکومت میں غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق

(اسلامی ہدایات اور تاریخی روایات کے تناظر میں)[263]

اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور مسلمان زندگی سے بھرپور آفاقی ضمانت رکھنے والی قوم ہے، انہوں نے تاریخ کے ایک طویل عرصہ پر حکمرانی کی اور دنیا کے مختلف اقوام وملل نے ان کی سیاسی سرپرستی قبول کی، مگر صدیوں پر محیط اس پورے دور میں کبھی کسی اقلیت کے بنیادی مسائل اور ان کے قومی معاملات میں کسی تنگ نظری، حق تلفی یا جانبداری کا احساس نہیں کیا گیا، تاریخ میں کوئی ایک واقعہ بھی ایسا نہیں دکھایا جاسکتا جس میں کسی مسلم حکمراں نے کسی غیر مسلم اقلیت کے ساتھ اس کے شخصی، مذہبی یا قومی کسی مسئلہ میں غیر عادلانہ برتاؤ کو روا رکھا ہو۔۔۔۔ حربی پس منظر میں بعض فوجی جرنیلوں یا نیچے درجہ کے افسروں سے کچھ غلطیاں ضرور ہوئی ہیں لیکن اقتدار اعلیٰ تک جب اس کی اطلاع پہونچی تو پہلی فرصت میں اس کی اصلاح کی طرف توجہ دی گئی، اسلامی تاریخ میں ایسی کئی مثالیں موجود ہیں۔

ناممکن ہے کہ اسلام جیسا ہمہ گیر اور بے نظیر نظام حیات کسی قوم کے پاس ہو اور وہ دنیا میں اپنے ہی جیسے انسانوں کے ساتھ بدسلوکی کرے، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ مظلومی کے واقعات سے بھری پڑی ہے اور سینکڑوں ایسی مثالیں ہیں جن میں مسلمانوں کو جبر وتشدد کا نشانہ بنایا گیا ان کا سیاسی استحصال کیا گیا، لیکن ایسی کوئی صحیح مثال موجود نہیں جس میں مسلمانوں نے اپنی غیر مسلم رعایا کے ساتھ جبر وتشدد کا معاملہ کیا ہو، ہمیں فخر ہے کہ اس سلسلے میں ہماری تاریخ ہماری تعلیمات کی طرح روشن اور بے داغ ہے۔

یہ بحث بہت حساس اور تفصیل طلب ہے ہمارے علماء اور مصنفین نے اس موضوع پر بڑا کام کیا ہے مستقل کتابیں اور مقالات اس موضوع پر موجود ہیں، خود حقیر راقم الحروف نے بھی اپنی بعض کتابوں (مثلاً "حقوق انسانی کا اسلامی منشور" اور "قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز") وغیرہ میں اس موضوع پر

------ حواشی ------

263- تحریر بمقام جامعہ ربانی منوروا شریف، بتاریخ ۱۱/ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ

خامہ فرسائی کی ہے، اس مضمون میں اس سلسلے کی چند اسلامی ہدایات اور ان سے متعلق عہد اسلامی کے بعض تاریخی روایات وواقعات کا ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں:

☆اس سلسلے کی اہم ترین ہدایت وہ ہے جو حضور ﷺ نے اپنے عمال کو فرمائی تھی:

الامن ظلم معاہداً او انتقصہ او کلفہ فوق طاقتہ اواخذمنہ شیئاًبغیرطیب نفس فاناحجیجہ یوم القیٰمۃ[264]

ترجمہ: خبر دار! جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا یا اس سے کوئی چیز اس کی مرضی کے خلاف وصول کرے گا اس کے خلاف قیامت کے دن میں خود مستغیث ہوں گا"

☆نبی کریم ﷺ نے ۸ھ میں نجران کے عیسائیوں سے معاہدہ فرمایا اور ان پر جزیہ عائد کیا ان کے بعد ایلہ، اذرح، اذرعات وغیرہ قبائل سے معاہدے ہوئے حضور ﷺ نے تحریری ہدایت کے ذریعہ ان کے لئے درج ذیل حقوق کا تعین فرمایا جو سیر و تاریخ کی مختلف کتابوں میں محفوظ ہیں:

(۱) کوئی دشمن ان پر حملہ کرے تو ان کی طرف سے مدافعت کی جائے گی "یحفظو او یمنعوا" یعنی ان کی حفاظت کی جائے گی اور دشمنوں کے شر سے ان کو بچایا جائے گا[265]

(۲) ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ نہیں کیا جائے گا۔

(۳) جزیہ کی ادائیگی کے لئے ان کو محصل کے پاس جانا نہیں پڑے گا۔

(۴) ان کی جان محفوظ رہے گی۔

(۵) ان کو مذہبی وملی تحفظ فراہم کیا جائے گا۔

(۶) ان کا مال محفوظ رہے گا۔

(۷) ان کے قافلے اور تجارتی کارواں محفوظ رہیں گے۔

------ حواشی --

264 ۔رواہ ابوداؤد کتاب الجہاد، مشکوۃ علی المرقاۃ کتاب الصلح ۹۸/۸

265 ۔فتوح البلدان:۵۹

(۸)ان کی زمین محفوظ رہے گی۔

(۹)وہ تمام چیزیں جو ان کے قبضے میں تھیں بحال رہیں گی۔

(۱۰)پادری، راہب اور گرجوں کے عہدیداران اپنے عہدوں سے برطرف نہیں کئے جائیں گے۔

(۱۱)صلیبوں اور مورتیوں کو نقصان نہیں پہونچایا جائے گا۔

(۱۲)ان سے عشر نہیں لیا جائے گا۔

(۱۳)ان کے ملک میں فوج نہیں بھیجی جائے گی۔

(۱۴)فکر و عقیدہ کی آزادی ان کو حاصل رہے گی۔

(۱۵)ان کو جو حق پہلے حاصل تھا ختم نہیں کیا جائے گا۔

(۱۶)جو لوگ اس وقت موجود نہیں ہیں ان قوانین کا اطلاق ان پر بھی ہو گا۔

معاہدہ کے الفاظ کتابوں میں اس طرح نقل کئے گئے ہیں:

"ولنجران وحاشيتهاجوارالله وذمة محمدالنبي رسول الله على أنفسهم، و ملتهم ، وأرضهم، وأموالهم، وغائبهم، وشاهدهم، وغيرهم، وبعثهم، و أمثلتهم ، لايغير ما كانوا عليه ولا يغير حق من حقوقهم وأمثلتهم، لا يفتن أسقف من أسقفيته،ولاراهب من رهبانيته، ولا واقه من وقاهيته، على ما تحت أيديهم من قليل أو كثير ، و ليس عليهم رهق ولادم جاهلية، ولا يحشرون ولا يعشرون، ولا يطأ أرضهم جيش، من سأل منهم حقا فبينهم النصف غير ظالمين و لا مظلومين بنجران، ومن أكل منهم ربامن ذى قبل فذمتي منه بريئة،ولايؤخذ منهم رجل بظلم آخر، ولهم على ما في هذه الصحيفة جوارالله وذمةمحمدالنبي أبداحتى يأتي أمر الله، ما نصحوا وأصلحوا فيما عليهم ، غير مكلفين شيئا بظلم ".شهد أبو سفيان ابن حرب وغيلان بن عمروو مالك بن (ص 65) عوف من بنى نصر و الاقرع ابن حابس الحنظلي و المغيرة وكتب.وقال يحيى بن آدم: وقد رأيت

كتابا في أيدى النجرانيين كانت نسخته شبيهة بهذه النسخة وفى أسفله "
وكتب على بن أبو طالب "ولاأدرى ما أقول فيه[266]

اس طرح کی اور بھی بیش قیمت ہدایات حدیث اور سیر کی کتابوں میں موجود ہیں جن کی روشنی میں اسلامی حکومت میں رہنے والی غیر مسلم اقلیتوں کے جو حقوق سامنے آتے ہیں وہ کسی معزز سے معزز شہری کے لئے کافی ہیں، ان ہدایات میں غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ کسی بھی قسم کے ظلم وحق تلفی، تحقیر آمیز سلوک یا مذہبی یا فکری دباؤ سے روکا گیا ہے، اور باعزت طور پر اسلامی حکومت میں انہیں رہنے کا حق دیا گیا ہے ، اور یہ صرف کتابی نظریہ اور قانونی دفعات کی حد تک نہیں ہے بلکہ عہد اسلامی کے حکمرانوں نے ان کو عملی طور پر ثابت کیا ہے، اس کی چند عملی مثالیں ذیل میں پیش کی جارہی ہیں:

تحفظ جان کا حق

کسی بھی شہری کے لئے سب سے اہم ترین مسئلہ اس کے تحفظ جان کا ہوتا ہے، عہد اسلامی میں اقلیتوں کو یہ حق پوری طرح حاصل تھا، مثلاً:

☆قبیلہ بکر بن وائل کے ایک مسلمان نے حیرہ کے ایک عیسائی کو جان سے مار ڈالا، حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو تحریری فرمان بھیجا کہ قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالہ کر دیا جائے، چنانچہ قاتل (جس کا نام حنین تھا) مقتول کے ورثہ کے حوالہ کر دیا گیا[267]

☆حضرت علیؓ نے اپنے عہد حکومت میں اعلان فرمایا:

من كان له ذمتنا فدمه كدمنا وديته كديتنا[268]

ترجمہ: یعنی جو لوگ ذمی ہیں ان کا خون اور خون بہا ہمارے خون اور خون بہا کے برابر ہے۔

------ حواشی ------

[266] -فتوح البلدان ج ۱ ص ۷۸ ،المؤلف : أحمد بن يحيى بن جابر البلاذري (المتوفى : **279**هـ)

[267] -نصب الرایہ للزیلعی ۳۳۵/۴ مطبوعہ دہلی

[268] --نصب الرایۃ ۳۳۷/۴

☆حضرت علیؓ کے عہد خلافت میں کسی مسلمان نے ایک غیر مسلم کا قتل کیا تو انہوں نے حکم دیا کہ قاتل کو مقتول کے حوالہ کر دیا جائے، مقتول کے ورثہ نے اسلامی مساوات اور حضرت علیؓ کے انصاف سے متاثر ہو کر قاتل کو معاف کر دیا اور حضرت علیؓ کے پاس حاضر ہو کر اس کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا کہ تم پر کچھ دباؤ تو نہیں ڈالا گیا؟[269]

☆حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت فیروز نامی شخص کے ہاتھوں ہوئی جو نسلاً مجوسی اور مذہباً عیسائی تھا قاتل بھاگ گیا تو حضرت عمرؓ کے بڑے صاحبزادے "حضرت عبید اللہ" بعض لوگوں کی چشم دید شہادت کی بنیاد پر تلوار ہاتھ میں لیکر نکلے اور فیروز کو نہ پاکر دیگر مشتبہ قاتلوں "فیروز کے بیٹے حفینہ اور ہرمزان وغیرہ کو قتل کر دیا، ہرمزان تو مسلمان ہو گیا تھا مگر باقی عیسائی تھے، حضرت عبید اللہ کو اسی وقت گرفتار کر لیا گیا، حضرت عثمانؓ کے خلیفہ بننے کے بعد پہلا مسئلہ یہی پیش کیا گیا، معاملہ کسی عام شخص کے قتل کا نہیں تھا بلکہ امیر المؤمنین کی سازش قتل کے مشتبہ ملزموں کا تھا، حضرت عثمانؓ نے صحابہ کو بلاکر مشورہ کیا، زیادہ تر صحابہ نے مشورہ دیا کہ محض شبہ کی بنیاد کسی کا قتل جائز نہیں اس لئے عبید اللہ پر حکم قصاص جاری ہونا چاہئے، چنانچہ حضرت عثمانؓ نے قصاص کا حکم جاری فرمادیا، مگر بعض وجوہات کی بناپر مقتولین کے ورثہ خون بہا لینے پر راضی ہوگئے اور حضرت عثمان نے بیت المال سے ان تینوں (یعنی ایک مسلمان اور دو عیسائی) کا خون بہا برابر برابر ادا فرمادیا[270]

☆حضرت عمر فاروق ہی کے عہد خلافت کا واقعہ ہے جب ملک شام کے ایک بڑے حصہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو وہاں کے لوگوں نے انطاکیہ کے حکمراں ہرقل کو ایک زبردست فوج لیکر حمص کی طرف بڑھنے پر آمادہ کیا، جہاں حضرت ابو عبیدہؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ خیمہ زن تھے، حضرت ابو عبیدہؓ کو غنیم کے لشکر جرار کی خبر ملی تو مجلس مشاورت منعقد کی، اس کے بعد یہ رائے پاس ہوئی کہ حمص کو خالی کر کے دمشق کو محاذ بنایا جائے، مگر حمص چھوڑنے سے پہلے حضرت ابو عبیدہؓ نے یہ حکم جاری کیا کہ اب ہم اس کے

------ حواشی ------

269 - نصب الرایۃ ۴/۳۳۷

270 - قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز ۲۹۳/ ۱ بحوالہ کتاب الاوائل للمسعودی

باشندوں کو دشمنوں سے بچانے کی طاقت نہیں رکھتے، اس لئے ان سے جزیہ یا خراج کے نام پر جو کچھ لیا گیا تھا وہ انہیں واپس کر دیا جائے، کیونکہ یہ جزیہ حفاظت کی خاطر وصول کیا جاتا ہے، چنانچہ اہل حمص کو ان کی پوری رقم واپس کر دی گئی، اس رقم کی واپسی سے اہل حمص بہت متاثر ہوئے، اور کہا کہ ہمیں تم مسلمانوں کی حکومت بہت عزیز ہے، ہم تمہارے آنے سے قبل ظلم وجور میں مبتلا تھے، ہم تمہارا ساتھ دیں گے اور تمہاری فوجوں کے کاندھے سے کاندھا ملا کر ہرقل کی فوج سے آخری دم تک لڑیں گے، یہودیوں نے بھی توراۃ کی قسم کھا کر یہی بات کہی، اہل حمص نے مسلمانوں کو دعائیں دیں، کہ خدا تمہیں دوبارہ فتح عطا کرے اور یہاں واپس لائے، آج تمہاری جگہ اگر رومی ہوتے تو وہ کچھ بھی واپس نہ کرتے، بلکہ ہماری باقی ماندہ چیزیں بھی لوٹ لیتے، [271]

تحفظ مال کا حق

انگریزی میں مال اور جائداد کے حقوق کو "رائٹ آف پراپرٹی" اور "رائٹ آف لینڈ" کہتے ہیں، اسلامی عہد حکومت میں اس باب میں مکمل مساوات کو ملحوظ رکھا گیا، مثلاً:

☆حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ایک شخص نے دجلہ کے کنارے گھوڑوں کے پالنے کے لئے ایک رمنہ بنانا چاہا، آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو جو اس وقت بصرہ کے گورنر تھے تحریر فرمایا، کہ اگر وہ زمین کسی غیر مسلم اقلیت کی نہ ہو اور نہ اس میں ان کی نہروں اور کنووں کا پانی آتا ہو تو سائل کو زمین دے دی جائے [272]

☆حضرت امام ابویوسفؒ نے کتاب الخراج میں وضاحت کے ساتھ یہ مسئلہ لکھا ہے:

ولیس لہ ان یأخذہا بعد ذٰلک منہم و ھی یتوارثونہا و یتبایعون [273]

ترجمہ: یعنی امام وقت کو یہ اختیار نہیں کہ اس کے بعد کسی اقلیت سے زمین چھین لے،

------ حواشی

271 - فتوح البلدان ج ا ص ۱۲۷ بحوالہ الفاروق ج ا ص ۱۲۷، ۱۲۸

272 - فتوح البلدان: ۳۵۱

273 - فتوح البلدان: ۳۲۸

وہ ان کی ملک ہے ان میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی رہے گی اور وہ اس کو خرید و فروخت کر سکتے ہیں"

مذہبی آزادی

مذہبی معاملہ میں اسلامی آئین ریاست کے ہر فرد کو پوری آزادی دیتا ہے، اسلام ایک سچا مذہب ہے اس کا آئین ایک مکمل آئین ہے اس کی تبلیغ کی جائے گی اس کی صداقت پر دلیل و برہان پیش کیا جائے گا اور اس کی توسیع و اشاعت کی پوری حوصلہ افزائی کی جائے گی لیکن کسی کو اس کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اس کے لئے نہ کوئی جنگی اسلحہ استعمال کیا جائے گا اور نہ کوئی سماجی دباؤ ڈالا جائے گا، قرآن کا فیصلہ ہے:

لَا اِکْرَاہَ فِیْ الدِّیْنِ قَدْتَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ الآیۃ [274]

ترجمہ: دین کے معاملے میں کوئی جبر نہیں، حق باطل سے ممتاز ہو چکا ہے۔

ایک جگہ خود رسول پاک ﷺ کو مخاطب کر کے کہا گیا:

اِنَّمَااَنْتَ مُذَکِّرٌلَسْتَ عَلَیْھِمْ بِمُصَیْطِرٍ الآیۃ [275]

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ صرف نصیحت کرنے والے ہیں ان پر جبر کرنے والے نہیں"

اس مضمون کی آیات قرآن کریم میں بھری پڑی ہیں، مسلمانوں نے اس آئین سے کتنی وفاداری برتی اس کے نظائر بھی تاریخ اسلامی میں بکثرت موجود ہیں:

☆حضرت عمر فاروقؓ کے غلام وسق رومی کا بیان ہے کہ میں حضرت عمرؓ بن خطاب کا غلام تھا وہ مجھ سے کہا کرتے تھے کہ مسلمان ہو جا اگر تو اسلام قبول کرلے گا تو میں تجھے مسلمانوں کی امانت کا کوئی عہدہ حوالہ کروں گا مگر میں نے اسلام قبول نہیں کیا اس پر وہ کہتے تھے "لااکراہ فی الدین" پھر جب ان کی وفات کا

------ حواشی --

[274] ۔ البقرۃ:۲۵۶

[275] ۔ الغاشیۃ:۲۰،۲۱

وقت آیاتو انہوں نے مجھے آزاد کر دیا اور کہا تمہارا جہاں جی چاہے چلے جاؤ"[276]

☆خود ہمارے ہندوستان میں مسلم حکمرانی کا دور ۱۲ ھ میں شروع ہوا، محمد بن قاسم ۱۲ ھ میں پہلی بار سندھ آئے، ان کی عمر اس وقت سولہ (۱۶) برس کی تھی، انہوں نے سندھ آکر اپنی پالیسی کا اعلان اس طرح کیا:

"ہماری حکومت میں ہر شخص مذہب میں آزاد ہو گا، جو شخص چاہے اسلام قبول کرلے اور جو چاہے اپنے مذہب پر رہے، ہماری طرف سے کوئی تعرض نہ ہو گا"

محمد بن قاسمؒ صرف ساڑھے تین سال ہندوستان میں ٹھہرے، بہت سے مندر بنوائے، بہت سوں کی مرمت کرائی، مندروں کو جاگیریں دیں، اور برہمنوں اور پجاریوں کے وظائف بحال رکھے، ان کے دور حکومت میں بڑے بڑے عہدے غیر مسلموں کے پاس تھے[277]

محمد بن قاسمؒ کی عدل پروری اور محاسن کا رعایا پر اتنا اثر پڑا کہ جب وہ سندھ سے رخصت ہوئے، تو ان کی یاد میں ایک دھرم شالہ تعمیر کیا گیا، کچھ ہندوؤں اور بودھوں نے محمد بن قاسمؒ کا اسٹیچو بنا کر ان کی پرستش شروع کر دی،[278]

مذہبی جذبات کا احترام

اسلامی ریاست میں مذہبی دعوت و تبلیغ کی اجازت ہے مگر ایک دوسرے کے مذہبی جذبات کا احترام ضروری ہے، تبلیغ میں جارحانہ انداز اختیار کرنے سے روکا گیا ہے:

ولاتسبوا الذین یدعون من دون اللہ الآیۃ[279]

ترجمہ: جن معبودوں کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہو"

------ حواشی --

276 - کتاب الاموال: ۱۵۴/۱)

277 - ہندوستان میں اسلام ص جناب عبد الباری ایم اے

278 - آئینۂ حقیقت ج ۱ ص ۱۰۱ اسلام امن و آشتی کا علمبردار ص ۴۷

279 الانعام: ۱۰۸

ولا تجادلوا اہل الکتاب الا بالتی ہی احسن[280]

ترجمہ: اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر احسن طریقہ سے"

سنہ ۲۱ھ میں اسکندریہ فتح ہوا تو وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک تصویر تھی، تصویر اسلام میں ناپسندیدہ چیز ہے، اس بنا پر کسی مسلم سپاہی نے اپنے تیر سے تصویر عیسیٰ کی ایک آنکھ پھوڑ ڈالی، اس پر عیسائیوں کو تکلیف ہوئی، اور انہوں نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے پاس مقدمہ کیا اور مطالبہ کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تصویر بنا کر ان کو دی جائے تا کہ وہ بھی ان کی آنکھ پھوڑ ڈالیں، حضرت عمروؓ نے جواب دیا تصویر کی کیا ضرورت ہے، ہم لوگ موجود ہیں تم جس کی آنکھ چاہو پھوڑ ڈالو، پھر اپنا خنجر ایک عیسائی کے ہاتھ میں دے کر اپنی آنکھیں سامنے کر دیں، یہ سن کر عیسائی کے ہاتھ سے خنجر گر گیا اور وہ اپنے دعویٰ سے کر دستبردار ہوئے کہ جو قوم اس درجہ دلیر، فیاض، انصاف پسند اور فراخ دل ہو اس سے انتقام لینا بے رحمی اور ناقدری ہے[281]

مذہبی حقوق کا تحفظ

اسلامی قانون میں اقلیتوں کے مذہبی حقوق کو بھی پورا تحفظ دیا گیا ہے جیسا کہ معاہدۂ نبوی کی روشنی میں پہلے ذکر کیا جا چکا ہے، حکومت وقت کے لئے یہ درست نہیں کہ وہ کسی قوم یا فرقہ کے مذہبی مقامات پر تسلط جمائے یا ان کے مذہبی نظام میں مداخلت کرے، بعض واقعات بطور نمونہ پیش ہیں:

☆حضرت خالد بن الولیدؓ نے حضرت ابو بکرؓ کے زمانۂ خلافت میں جب حیرہ پر فتح حاصل کی تو یہ معاہدہ لکھ کر دیا:

لایہدم لہم بیعۃ ولاکنیسۃ ولایمنعون من ضرب النواقیس و لامن اخراج الصلبان فی یوم عیدہم [282]

------ حواشی --

280 ۔ العنکبوت:۴۶

281 ۔خطبات شبلی ص ۷۴، ۷۳

282 ۔کتاب الخراج لابی یوسفؒ: ص ۸۴

ترجمہ: یعنی ان کے گرجے اور عبادت خانے برباد نہیں کئے جائیں گے نہ ان کو سنکھ بجانے سے منع کیا جائے گا نہ عید کے دن صلیب نکالنے سے ان کو روکا جائے گا"

حضرت خالد بن الولیدؓ کے ایک اور معاہدہ کے الفاظ ہیں:

لایہدم لہم بیعۃ ولا کنیسۃ وعلیٰ ان یضربوا نواقیسہم فی ایۃساعۃ شاؤا من لیل او نہار الا فی اوقات الصلوٰۃ وعلیٰ ان یخرجوا الصلبان فی ایام عیدہم [283]

ترجمہ: ان کے گرجے اور عبادت خانے برباد نہ کئے جائیں گے، وہ نماز کے وقتوں کے سوا رات دن میں جس وقت چاہیں ناقوس بجائیں، اور اپنے تیوہاروں میں صلیب نکالیں۔

امام ابویوسفؒ نے کتاب الخراج میں اس قسم کے اور بھی کئی معاہدات کا ذکر کیا ہے، مثلاً:

انما کان الصلح جری بین المسلمین واہل الذمۃ فی اداء الجزیۃ وفتحت المدن علیٰ ان لا تہدم بیعہم ولا کنائسہم داخل المدینۃ ولا خارجہا علیٰ ان تلو ا من ناداہم عن عدوہم وعلیٰ ان یخرجواالصلبان فی اعیادہم ففتحت الشام کلہا والحیرۃ الا اقلہا علیٰ ھذا فلذلک ترکت البیع والکنائس ولم تہدم[284]

ترجمہ: یعنی مسلمانوں اور ذمیوں میں جزیہ کی بناپر جو صلح ہوئی تھی، اس شرط پر ہوئی تھی کہ ان کی خانقاہیں اور گرجے شہر کے اندر ہوں یا باہر برباد نہ کئے جائیں گے اور یہ کہ ان کا کوئی دشمن ان پر چڑھ آئے تو ان کی طرف سے مقابلہ کیا جائے گا، اور یہ کہ وہ تیوہاروں میں صلیب نکالنے کے مجاز ہونگے، چنانچہ پوراشام اور حیرہ (باستثناء

------ حواشی--

283 - کتاب الخراج ص ۸۶

284 - کتاب الخراج ص ۸۶

بعض مواضع کے) ان ہی شرائط پر فتح ہوئے، اور یہی وجہ ہے کہ خانقاہیں اور گرجے اسی طرح چھوڑ دیئے گئے اور برباد نہیں کئے گئے۔

☆حضرت عمر فاروق کے عہد میں بیت المقدس فتح ہوا تو خود آپ کی موجودگی میں وہاں کے لوگوں سے یہ معاہدہ ہوا کہ یہ وہ فرمان ہے جو خدا کے بندہ امیر المؤمنین نے ایلیا کے لوگوں کو دیا، کہ ان کا مال، گرجا ،صلیب، تندرست بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہیں اس طرح کہ ان کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی، اور نہ وہ ڈھائے جائیں گے ،نہ ان کو اور ان کے احاطہ کو نقصان پہونچایا جائے گا، نہ ان کے صلیبوں اور مالوں میں کچھ کمی کی جائے گی، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا،[285]

☆حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کے کلیسا کے ایک گوشے میں نماز پڑھی پھر خیال آیا کہ مسلمان میری نماز کو حجت قرار دے کر کہیں عیسائیوں کو نکال نہ دیں، اس لئے ایک خاص وثیقہ لکھ کر بطریق کو دیا جس کی رو سے کلیسا کو عیسائیوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا، اور یہ پابندی لگادی گئی کہ ایک وقت میں صرف ایک ہی مسلمان کلیسا میں داخل ہو سکتا ہے اس سے زیادہ نہیں۔

☆ خلیفہ ہادی کے زمانہ میں ۱۶۹ھ میں جب علی بن سلیمان مصر کا گورنر مقرر ہوا تو حضرت مریمؑ کے گرجا اور چند گرجوں کو منہدم کرا دیا، ہادی نے ایک سال کی خلافت کے بعد وفات پائی اور ہارون رشید تخت نشیں ہوا، اس نے علی کو معزول کر کے ۱۷۱ھ میں موسیٰ بن عیسیٰ کو مصر کا گورنر مقرر کیا موسیٰ نے گرجوں کے معاملہ میں علماء سے استفتاء کیا اس وقت مصر میں حضرت لیث بن سعدؒ سب سے بزرگ عالم دین تھے انہوں نے فتویٰ دیا کہ منہدم شدہ گرجے دوبارہ تعمیر کئے جائیں اس لئے کہ یہ تمام گرجے خود صحابہ اور تابعین نے تعمیر کرائے تھے، چنانچہ سرکاری خزانے سے تمام گرجوں کی تعمیر کرائی گئی[286]

☆اور سب سے دلچسپ واقعہ تو دمشق کی جامع مسجد کا ہے، جامع مسجد کے متصل ایک گرجا گھر تھا جس کا نام "یوحنا کا گرجا" تھا، حضرت امیر معاویہؓ اور عبد الملک بن مروان دونوں نے اپنے اپنے عہد حکومت

------ حواشی --

285 - الفاروق ج ۲ ص ۱۳۷

286 - تاریخ مصر للمقریزیؒ: ۱۱۵/۱، النجوم الزاہرۃ واقعات: ۱۷۱ھ بحوالہ قوانین عالم...... ۲۹۶/۱

میں چاہا کہ عیسائی کسی بھی قیمت پر جامع مسجد کے لئے اس زمین سے دستبردار ہو جائیں اس لئے کہ جامع مسجد تنگ پڑ رہی تھی، لیکن عیسائی راضی نہ ہوئے، ولید کا زمانۂ حکومت آیا تو اس نے اولاً بڑی رقم کی پیش کش کی لیکن عیسائیوں نے صاف انکار کر دیا، ولید نے غصہ میں آکر کہا کہ تم بخوشی نہ دوگے تو میں جبراً لے لوں گا، عیسائیوں نے خواہ مخواہ ولید کو اشتعال دلایا کہ جو شخص کسی گرجے کو نقصان پہونچاتا ہے وہ پاگل یا کوڑھی ہو جاتا ہے ولید نے اشتعال میں آکر خود کدال ہاتھ میں لی اور گرجا کی دیوار ڈھانی شروع کی اور بالآخر گرجا مسجد میں شامل کر لیا گیا، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا زمانہ آیا تو عیسائیوں کو انصاف کی امید بندھی اور گرجا کا مقدمہ ان کی خدمت میں پیش کیا، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے دمشق کے گورنر کو تحریری فرمان روانہ کیا کہ گرجا کا جو حصہ مسجد میں شامل کیا گیا ہے وہ عیسائیوں کو واپس کر دیا جائے، اس پر مسلمانوں کو بیحد رنج ہوا کہ ہم جس مسجد میں نمازیں پڑھ چکے اور اذانیں دے چکے اس کو کس طرح ڈھا کر شہید کر دیں ؟ آخر عیسائیوں کے پاس جاکر خوشامدیں کیں کہ کسی طرح خدا کے واسطے مسجد کو بچالو، عیسائی کہنے سننے پر راضی ہو گئے اور دربار خلافت کو اس کی اطلاع دی گئی، چنانچہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جامع مسجد کے مقبوضہ حصہ کی انہدامی کاروائی موقوف کرادی۔[287]

دنیا کا کوئی بھی نظام قانون اپنے عہد حکومت میں توسع وانصاف کی ایسی شاندار مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اقلیتوں کے لئے نئے عبادت خانوں کی تعمیر

اسلامی قانون کے مطابق اقلیتوں کو حسب معاہدہ اپنے نئے عبادت خانے تعمیر کرنے کی اجازت ہے۔

وَالْحَاصِلُ أَنَّهُمْ يُمْنَعُونَ من الْإِحْدَاثِ مُطْلَقًاإلَّاإذَا وَقَعَ الصُّلْحُ على الْإِحْدَاثِ أوعلى أَنَّ الْأَرْضَ لهم على هذا الْقَوْلِ وَلَا اسْتِثْنَاءَ في ظَاهِرِ

------ حواشی--

287 ۔ فتوح البلدان:۱۲۵

الرِّوَايَةِ[288]

چنانچہ مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں نہ صرف یہ کہ اقلیتوں کی عبادتگاہوں کو مکمل تحفظ فراہم کیا بلکہ بے شمار نئے بت خانوں اور گرجاگھروں کی تعمیر کی بھی اجازت دی بلکہ بہت سے حکمرانوں نے ان کی مالی سرپرستی بھی فرمائی، اور بہت سی جائیدادیں ان کے لئے خاص کیں اس کی مثالیں اسلامی تاریخ میں بے شمار ہیں:

☆مصر کے بیشتر گرجاگھر اور عبادت خانے خود صحابہ اور تابعین نے تعمیر کرائے تھے،[289]

☆بغداد خاص مسلمانوں کا آباد کیا ہوا شہر ہے، وہاں کے گرجوں کے نام معجم البلدان میں بکثرت ملتے ہیں۔

☆یوٹیکس نے جو ۳۲۳ھ میں اسکندریہ کا لارڈ بشا اپنی کتاب میں جو عربی زبان میں ہے اور جس کو پروفیسر پوکاک نے لاتینی زبان میں ترجمہ کرکے شائع کیا اس قسم کے بہت سے گرجوں کے اور حالات لکھے ہیں۔

☆ہشام بن عبد الملک کے عہد حکومت میں عراقین کے گورنر خالد بن عبد اللہ قسری نے اپنی عیسائی ماں کے لئے گرجا تعمیر کرایا۔

☆عضد الدولۃ جو بڑا نامور شہنشاہ گذرا ہے اور نہایت صاحب فضل وکمال تھا اپنے وزیر نصر بن ہارون کو چرچ اور گرجاؤں کے بنانے کی عام اجازت دی تھی، چنانچہ اس نے ۳۶۹ھ میں پوری سلطنت میں کثرت سے چرچ اور گرجے تعمیر کرائے[290]

☆سلطان ٹیپوؒ اور سلطان عالمگیر اورنگزیبؒ جیسے حکمراں جو اپنی مذہبیت کے معاملے میں شہرۂ

------ حواشی --

[288] - البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ٥ ص ١٢٢ زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة **926**هـ/ سنة الوفاة **970**هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

[289] - تاریخ مصر للمقریزیؒ ج ۲ ص ۵۱۱

[290] - ابن اثیرؒ واقعات ۳۶۹ھ

آفاق حیثیت رکھتے ہیں اور جن کی مذہبی عصبیت کو لیکر بعض آزاد مزاج مؤرخین نالاں نظر آتے ہیں ان شدت پسند حکمرانوں نے بھی اپنے اپنے عہد حکومت میں بت خانوں اور مندروں کو نہ صرف تحفظ فراہم کیا بلکہ ان کو بڑی جاگیریں بھی عطا کیں، ان پر اقلیتوں کے خلاف جو الزامات لگائے جاتے ہیں وہ سراسر بے بنیاد اور غلط ہیں[291]

☆اسی طرح سلطان محمود غزنویؒ کے عہد کو غیر مسلموں کے خلاف شدت پسندی کے عنوان سے بدنام کیا جاتا ہے، سومناتھ مندر کا حوالہ دے کر محمود کو متعصب ثابت کیا جاتا ہے، جبکہ سومناتھ کا مندر اس وقت محمود کے مخالفین کی سیاسی اور فوجی سرگرمیوں کا مرکز تھا، سارے شکست خوردہ راجاؤں نے وہاں اپنا مرکز بنالیا تھا۔

محمود اگر ایسا ہی کٹر تھا تو اس دور میں ہزاروں مندر کیوں محفوظ رہے، اور جو غیر مسلم تھے ان کو بزور اس نے مسلمان کیوں نہیں بنالیا تھا؟۔۔۔ محمود غزنویؒ کے یہاں ہندوؤں کی باقاعدہ فوج موجود تھی ، جن میں تلک سندر اور بیج ناتھ جیسے جنرلوں کے نام کافی نمایاں ہیں، محمود غزنوی کے بیٹے مسعود کو پنجاب میں امن قائم کرنے کے لئے اپنے ہی بھائی سے جنگ کرنی پڑی تو اس نے تلک سندر کی سرکردگی میں اپنی فوج بھیجی[292]۔

☆ ظہیر الدین بابرؒ نے ہندوستان میں مغلیہ حکومت کی بنیاد رکھی، اس نے مرض الموت میں اپنے بیٹے ہمایوں کو وصیت کی:

> "اے فرزند! ہندوستان کی سلطنت مختلف مذاہب سے بھری ہوئی ہے، خدا کا شکر ہے کہ اس نے تم کو اس کی بادشاہت عطا کی، تم پر لازم ہے کہ اپنے لوح دل سے تمام مذہبی تعصبات کو مٹادو اور ہر مذہب کے طریقہ کے مطابق انصاف کرو[293]

------ حواشی --

291 ۔تفصیل کے لئے دیکھئے احقر کی کتاب "قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز ۲۹۷ تا ۳۲۸/۱

292 ۔مذہبی رواداری، بحوالہ پالی ٹکس ان پری مغل ٹائمس ص ۴۶،۴۵

293 ۔اسلام امن و آشتی کا علمبردار ص ۴۷

☆اسلامی قانون کے مطابق اگر کوئی عیسائی گرجا بنانے کی وصیت کر جائے تو اسلامی عدالت اس وصیت کو جائز تسلیم کرتی ہے، لیکن اگر وہ مسجد بنانے کی وصیت کرے تو ناجائز قرار پائے گی[294]

مذہبی عہدے اور اوقاف

مسلمانوں نے عبادت خانوں کے عہدوں اور ان کے اوقاف سے بھی کوئی تعرض نہیں کیا اور ان کو علیٰ حالہ چھوڑ دیا، اسلئے کہ قانون اسلامی کی ہدایت یہی ہے، چند مثالیں:

☆حضرت عمرو بن العاص نے مصر فتح کیا تو گرجاؤں کی موقوفہ اراضی بحال رہنے دیں، چنانچہ اس قسم کی اراضی ۵۵بہ ھ تک موجود تھیں، ان کی مقدار پچیس ہزار قدان تھی[295]

☆ محمد بن قاسمؒ نے سندھ فتح کیا تو برہمنوں کو بلا کر جو اعلان کیا اس کا تذکرہ مورخ علی بن حامد نے اپنی تاریخ سندھ میں کیا ہے:

"تم لوگ اپنے معبودوں کی عبادت کرو، اپنے غریبوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، اپنے مذہبی تہوار مناؤ، اور اپنی تمام رسموں کو بجالاؤ، جو تمہارے آباء واجداد کرتے تھے اور برہمنوں کے لئے جو تمہارے یہاں نظام مال ہے اس کو بدستور باقی رکھو[296]

☆بنیامن مصر میں عیسائیوں کے بڑے مذہبی عہدہ "پیٹریارک" پر فائز تھا، مگر مصر پر ایرانیوں کے تسلط کے زمانے میں بھاگ گیا تھا اس کو عہد اسلامی میں خود حضرت عمرو بن العاصؓ نے ۲۰ھ میں تحریری فرمان بھیج کر بلوایا، اور پیٹریارک کے عہدے پر مامور کیا[297]

------ حواشی ------

294 - ہدایہ باب وصیۃ الذمی ج۴ ص۶۷۳

295 - تاریخ مصر للمقریزیؒ ج۲ ص۴۹۹

296 - اسلامی قانون کا امتیاز ج۱ ص۲۹۸

297 - تاریخ مصر للمقریزیؒ ج۲ ص۴۹۹

باکمال غیر مسلموں کی قدر شناشی

عموماً حکمراں قوم مفتوح قوموں کو جانوروں سے زیادہ درجہ نہیں دیتی، ہندو آرین ہندوستان میں آئے تو یہاں کے اصلی باشندوں کو اس طرح خاک میں ملادیا کہ خود ان کو بھی شودر کے لقب سے عار نہ رہا، رومن نے تمام مفتوحہ قوموں کو گویا غلام بنارکھا تھا مگر اسلامی حکومتوں نے مسلمانوں اور ذمیوں کو مساوی حیثیت دی،۔۔۔اگر کوئی غیر مسلم بھی صاحب کمال ہوتا تو اسلامی عہد حکومت میں اس کا اعتراف کیا جاتا تھا، اس کی قدر افزائی ہوتی تھی اور محض مذہبی اختلاف اس کی تحسین وتعریف میں مانع نہ بنتا، یہاں تک کہ اسلامی تاریخوں میں بھی جہاں ان کے بعض اہل کمال کا نام آیا ہے تو اتنے احترام کے ساتھ لیا گیا ہے کہ ناواقف آدمی جوان کے مذہب سے واقف نہ ہو بادیٔ النظر میں ان کو مسلمان فاضل تصور کرلے مثلاً بختیشوع، جبریل، سلمویہ، حنین بن اسحاق، یوحنا بن ماسویہ، ابو اسحٰق صابی کا تذکرہ اسلامی تاریخ کی کتابوں میں بڑی عظمت سے لیا گیا ہے، نمونہ کے طور پر صرف ایک مثال پیش ہے:

التلمیذ بغداد کا ایک معزز عیسائی طبیب تھا، مملکت میں اس کی شان کس قدر بلند تھی اس کا اندازہ ابن العیری کے اس بیان سے ہوتا ہے:

أماالتلميذالطبيب النصراني البغدادي ففاضل زمانه وعالم أوانه خدم الخلفاءمن بني العباس وتقدم في خدمتهم وارتفعت مكانته لديهم و كان موفقاً في المباشرة والمعالجة عالماً بقوانين هذه الصناعة عمر طويلاًوعاش نبيلاً جليلاًو كان شيخاً بهي المنظر حسن الرواء عذب المجتنى و المجتبى لطيف الروح ظريف الشخص بعيد الهم عالي الهمة ذكي الخاطر مصيب الفكرحازم الرأي و له في نظم الشعركلماتٌ راقية رائفة شافية شائقة تعرب عن لطافة طبعه۔

ومن شعره: كانت بلهنية الشبيبة سكرةً

فصحوت واستأنفت سيرةمجملِ

و قعدت أرتقب الفناء كراكبٍ

عرف المحل فبات دون المنزلِ [298]

عماد کاتب نے جو سلطان صلاح الدین کا میر منشی تھا اس کو سلطان الحکماء کے لقب سے مخاطب کر کے یہ الفاظ لکھے ہیں:

"ورأ یتہ وھو شیخ بھی المظر ،حسن الرواء ،لطیف الروح ،بعیدالھم،عالی الھمۃمصیب الفکر،حازم الرائے،وکنت اعجب فی امرہ کیف حرم الاسلام مع کمال فہمہ وغزارۃ علمہ:

ترجمہ: میں نے اسے دیکھا وہ ایک پیر خوش شکل، شاندار شخصیت کا مالک، لطیف روح ،دور رس نگاہ والا ، عالی ہمت ،صائب الفکر اور محتاط رائے رکھنے والا، مجھے حیرت ہوتی تھی کہ اس قدر وسعت علم اور کمال فہم کے باوجود وہ اسلام جیسی نعمت عظمیٰ سے محروم کیسے رہا؟[299]

اقلیتوں کو سرکاری عہدے اور مناصب

سرکاری اعزازات اور عہدوں میں بھی کبھی ذمیوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا نہیں رکھا گیا بلکہ بعض اسلامی حکومتوں نے مروت ومراعات کا ریکارڈ قائم کر دیا مثلاً:

☆ خلافت عباسیہ کے دربار کا خاص آئین یہ تھا کہ کسی شخص کا نام دربار میں لقب یا کنیت کے ساتھ نہیں لیا جا سکتا تھا اور اس قاعدہ سے کوئی بہت زیادہ ہی بڑی عزت ومرتبہ کا آدمی مستثنیٰ ہو سکتا تھا، اکثر بڑے بڑے علماء بھی اس آئین سے مستثنیٰ نہیں تھے اس کے باوجود مامون الرشید جبریل بن بختیشوع کا نام دربار میں کنیت کے ساتھ لیتا تھا، اس کو دربار میں خاص الخاص مقام حاصل تھا مامون نے کہہ رکھا تھا کہ مجھ تک کوئی عرضی جبریل کے توسط ہی سے پہونچ سکتی ہے"

------ حواشی --

298-تاریخ مختصر الدول ج١ص ١٢٦،المؤلف:غريغوريوس بن اهرون الملطي،المعروف بابن العبري (المتوفى : 685هـ

299-اسلام اور مستشرقین:١٧٤/٤علامہ شبلی نعمانیؒ)

☆المعتضد باللہ کے دربار میں جہاں تمام وزراء وامراء دست بستہ کھڑے رہتے تھے صرف وزیر اعظم اور ایک صابی ثابت بن قرۃ کو بیٹھنے کی اجازت تھی ایک دن معتضد باللہ ثابت بن قرۃ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر ٹہل رہا تھا دفعۃً معتضد نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا، ثابت خوف سے کانپ اٹھا، معتضد نے کہا ڈرو نہیں میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ کے اوپر تھا لیکن چونکہ تم علم وفضل میں مجھ سے بڑھ کر ہو اس لئے تمہارا ہاتھ اوپر ہونا چاہئے۔

☆حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں "ابن آثال" ایک عیسائی حمص کا فینانشیل کمشنر اور وہاں کا حاکم مقرر ہوا (تاریخ یعقوبی ذکر حضرت معاویہؓ)

☆عبد الملک بن مروان خلیفۂ اموی کا چیف سکریٹری (کاتب) ابن سرجون ایک عیسائی تھا۔

☆ دولت عباسیہ میں ابو اسحاق صابی ایک ممتاز عہدیدار تھا ابن خلکان وغیرہ نے اس کے فضل وکمال کی بڑی تعریف کی ہے۔

☆سلطنت ویلم کا سرتاج عضد الدولۃ جو شہنشاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا، اس کا وزیر اعظم ایک عیسائی جس کا نام نصر بن ہارون تھا۔

☆خود ہندوستان میں عہد مغلیہ میں ہندوؤں کو بڑے اونچے فوجی عہدوں سے نوازا گیا اور اس میں صرف "اکبر" کی ہی خصوصیت نہ تھی بلکہ جہاں گیر، شاہ جہاں اور عالمگیر سب نے ہندوؤں کو بڑے بڑے عہدے دیئے، شاہ جہاں کے دربار میں سب سے بڑا منصب نہ (۹) ہزاری تھا یعنی وہ ارکان سلطنت جن کو نو ہزار سواروں کے رکھنے کی تھی، اس سے نیچے ہفت ہزاری تھا، اس عہدہ پر مہابت خان خانخانان ممتاز تھا، اس کے نیچے پنج ہزاری وچار ہزاری وغیرہ تھے اس درجہ کے مناصب پر مسلمانوں اور ہندوؤں کی تعداد قریب برابر تھی، شاہ جہاں نامہ میں جن ہندو عہدیداروں کا ذکر آیا ہے ان میں بعض حسب ذیل ہیں:

پنج ہزاری منصب پر درج ذیل ہندو فائز تھے:

راجا جگت سنگھ، گج سنگھ، راؤرتن ہاؤڈا، جھجار سنگھ، مالوجی رام وغیرہ۔

چار ہزاری کے منصب پر یہ لوگ تھے: راجہ پتھل داس، بھارت بندیلہ، راؤ سور، جگدیورائے،

ہمیر رائے وغیرہ۔

گیارہ ہندو افسر دو ہزاری، بارہ ڈیڑھ ہزاری، سولہ ایک ہزاری، آٹھ نہ صدی، گیارہ ہشت صدی اور آٹھ ہفت صدی تھے اور ان سے نیچے عہدیدار تو بے شمار تھے۔

☆ آخری نظام حیدر آباد کے عہد حکومت میں مہاراجہ کشن پر شاد کو وزیر اعظم کا بلند ترین مقام حاصل تھا، اور بھی دیگر اسلامی حکومتوں کا یہی حال تھا، مسلم حکمرانوں کے یہاں کبھی تنگ نظری نہیں رہی، غیر مسلموں کے حق میں یہ ہمیشہ فراخ دل رہے حتیٰ کہ جن لوگوں نے ان کو اذیتیں دیں، بے آبرو کیا، ان کو گھروں سے نکالا، ان کا قتل عام کیا ان کے ساتھ بھی ان کا رویہ منصفانہ رہا، اس کا اعتراف خود یورپی مصنفین نے بھی کیا ہے:

مشہور مستشرق منٹگمری واٹ لکھتا ہے:

> ”غیر مسلم اقلیتوں سے سلوک کے معاملے میں اسلامی ریاستیں بحیثیت مجموعی بہترین ریکارڈ رکھتی ہیں، ان کے ساتھ حسن سلوک مسلمانوں کے لئے ایک اعزاز کی بات تھی، خلفاء راشدین کے زمانے میں ذمیوں کے تحفظ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی، ہر غیر مسلم اقلیت بیت المال کو مال یا نقدی کی صورت میں معاہدہ کے مطابق سالانہ جزیہ ادا کرتی، اسے تقریباً اتنا ہی فی کس محصول بھی ادا کرنا پڑتا، اس کے بدلے اسے بیرونی دشمنوں سے تحفظ ملتا اور وہ ان داخلی جرائم سے بھی تحفظ کی مستحق بن جاتی جو خود مسلمانوں کو حاصل ہوتا...... ہر اقلیت اپنے داخلی معاملات میں خود مختار تھی...... رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانے میں جتنے معاہدات ہوئے ان سب میں واضح طور پر اس امر کی ضمانت دی گئی کہ ہر ذمی اقلیت کو اپنے مذہبی معاملات میں مکمل آزادی حاصل ہوگی اور یہ آزادی بعد کے زمانوں میں بھی برقرار رہی“[300]

------ حواشی ------

300 - دی مجسٹی ویٹ واز اسلام شدوک اینڈ جیکسن، لندن ۱۹۷۴ء بحوالہ بنیادی حقوق: ص:۱۷۹

آج بعض واقعات کا سہارا لیکر مسلم امت، مسلم ممالک اور درپردہ اسلام کو بدنام کرنے کی سازشیں کی جارہی ہیں اور مختلف غیر اسلامی تنظیمیں اپنے اپنے انداز میں حقوق انسانی کی دہائی دے رہی ہیں، حالانکہ اسلام حقوق انسانی کا اولین علمبردار ہے، دنیا نے حقوق انسانی کا درس اسلام اور پیغمبر اسلام سے لیا ہے، ساری دنیا اس باب میں بالواسطہ یا بلاواسطہ اسلام ہی کی خوشہ چیں ہے، مسلمانوں کے یہاں حقوق انسانی کا مکمل آئین اور نظام اس وقت سے موجود ہے جب دنیا اس کے تصور سے بھی نابلد تھی اور جانتی بھی نہیں تھی کہ انسانی حقوق کا مفہوم اور اس کا دائرۂ عمل کیا ہے؟ عام دنیا میں یہ چیز مغرب کے وسیلہ سے آئی، اور خود مغرب میں اس کی تاریخ ۳۰ ذی الحجہ ۱۲۱۵ھ...

جبکہ اسلامی تاریخ میں اس کا آغاز خود پیغمبر اسلام کی تعلیمات سے ہوتا ہے، اور نبی اکرم ﷺ کا خطبۂ حجۃ الوداع اس باب میں انسانی تصور کی معراج ہے، اور آج دنیا اس قدر ترقی کر لینے کے باوجود اس سے بہتر منشور پیش نہیں کر سکی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر انسانی حقوق کے لئے کی جانے والی کوششوں کے نتیجے میں ۱۰/ دسمبر ۱۹۴۸ء کو اقوام متحدہ نے حقوق انسانی کا جو منشور جاری کیا وہ اسلامی منشور کے سامنے طفلانہ نظر آتا ہے جبکہ اس نے بڑی حد تک اسلامی منشور سے بھی ضرور استفادہ کیا ہے، اسی لئے اس منشور کے حق میں روس سمیت آٹھ (۸) ممالک نے رائے شماری میں حصہ نہیں لیا، اور متعدد یورپی مبصرین نے اس کو ایک تشنہ و نامکمل منشور قرار دیا، نمونہ کے لئے صرف ایک مفکر کا حوالہ پیش ہے: ہینز کیلسن تبصرہ کرتا ہے:

> "خالص قانونی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو منشور کی دفعات کسی بھی ملک پر انہیں تسلیم کرنے اور منشور کے مسودہ یا اس کے ابتدائیہ میں صراحت کردہ انسانی حقوق اور آزادیوں کو تحفظ کی پابندی عائد نہیں کرتیں، منشور کی زبان میں کسی ایسی تعبیر کی گنجائش نہیں ہے جس سے یہ مفہوم نکلتا ہو کہ رکن ممالک اپنے شہریوں کو انسانی حقوق اور آزادیاں دینے کے قانونی طور پر پابند ہیں۔[302]

------ حواشی ------

301 ۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حقیر مرتب کی کتاب "حقوق انسانی کا اسلامی منشور ص ۵ تا ۹

302 ۔ دی لاء آف یونائیٹڈ نیشن لندن ص ۱۵، ۱۹۵۰ء

آزادیٔ رائے کا مطلب

آج آزادیٔ رائے کے حق کا جس طرح غلط استعمال ہو رہا ہے اور اس کے مفہوم کو جس طور پر مسخ کیا جا رہا ہے اس کی کوئی مثال پچھلے ادوار میں نہیں ملتی، حالانکہ اظہار خیال کی آزادی اسلامی آئین بھی دیتا ہے، اور اس سلسلے میں جتنا توسع اسلامی نظام میں ہے وہ کہیں اور نہیں ملتا، قرآن نے حکم دیا ہے:

تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر[303]

ترجمہ: تم بھلائی کا حکم دیتے رہو اور برائی سے روکتے رہو"

لیکن اسلام اس حق کے منفی استعمال کی اجازت نہیں دیتا، اسلام معاشرہ کو یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ اس آزادی کو خیر کے خلاف یا شر کی اشاعت کے لئے استعمال کرے، قرآن نے اس کو منافقین کی صفت قرار دیا ہے:

یامرون بالمنکر وینہون عن المعروف [304]

ترجمہ: یہ برائی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں"

یہ حق آزادی کا غلط استعمال ہے کہ کسی مذہب یا اس کی کسی محترم شخصیت کے خلاف توہین آمیز انداز اختیار کیا جائے، قرآن نے اہل اسلام کو بھی اس سے روکا ہے:

و لاتسبوا الذین یدعون من دون اللہ[305]

ترجمہ: جن معبودوں کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں انہیں برا نہ کہو"

انہی تعلیمات کا نتیجہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کی پوری تاریخ میں کوئی ایک مثال ایسی پیش نہیں کی جاسکتی جس میں کسی مذہب کی محترم شخصیات کے خلاف توہین یا بے احترامی کا سلوک کیا گیا ہو، مسلم امت کا سواد اعظم اس سفلی جذبہ سے پاک ہے جو ظاہر ہے کہ اسلامی تعلیمات کی جامعیت کا صدقہ ہے، اسلام ایک

------ حواشی --

[303] - آل عمران:۱۱۰

[304] - التوبۃ:۶۷

[305] - الانعام:۱۰۸

حق دیتا ہے تو اس کے ساتھ اس کے منفی پہلو پر بھی نگاہ رکھتا ہے اور اس سے بچنے کی تلقین کرتا ہے...

اقوام متحدہ نے جو عالمی منشور تیار کیا اس میں آزادیٔ اظہار کا تو حق دیا گیا مگر اس کے دوسرے منفی پہلو سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا یہ اس منشور کے نامکمل ہونے کی علامت ہے۔

دراصل یہ پروپیگنڈہ کا دور ہے اور اس میں سب سے بڑا کردار میڈیا کا ہے اور آج میڈیا اسلام مخالف قوتوں کے ہاتھ میں بازیچۂ اطفال بنا ہوا ہے، اور اس کو جنگی اسلحہ کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے، جو کام پہلے صلیبی دور میں جنگی ہتھیاروں سے لیا جاتا تھا وہ آج میڈیا سے لیا جارہا ہے، آج اسلام اور مسلمانوں کی منفی تصویریں پیش کی جارہی ہیں...، اسلامی تاریخ کو مسخ کیا جارہا ہے، یوں پروپیگنڈوں کا یہ سلسلہ بہت قدیم ہے، صرف انداز اور ہتھیار تبدیل ہوئے ہیں، شکلیں نئی ہیں جذبہ نیا نہیں ہے، یہ وہی تسلسل ہے جو اسلام کے خلاف قبل سے چلا آرہا ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی

اس لئے آج بھی ہمیں وہی طریقۂ عمل اختیار کرنا ہوگا جو ایسے موقعہ پر ہمارے سلف نے کیا تھا، ہمیں منفی اور جذباتی کے بجائے مثبت اور سنجیدہ طرز عمل اختیار کرنا ہوگا، اسلامی تعلیمات کی معنویت اپنے ذرائع ابلاغ سے دنیا کے ایک ایک انسان تک پہونچانی ہوگی، ہمیں جدید ذرائع ابلاغ اور وسائل جنگ تک خود رسائی حاصل کرنی ہوگی، عام انسانی برادری کے حق میں ہمیں اپنا رویہ ہمدردانہ، داعیانہ اور فراخدلانہ رکھنا ہوگا اور باہمی رواداری اور محبت کی ہماری جو زریں تاریخ رہی ہے اس سے ہمیں روشنی حاصل کرنی ہوگی، حضرت ابو بکر صدیقؓ کا یہ جملہ جو انہوں نے اپنی زندگی کے آخری خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا آج کے دور میں بہت معنیٰ خیز ہے:

وإن هذا الأمر الذي هو أملك بنا لا يصلح آخره إلا بما صلح به أوله[306]

------ حواشی--

306 - تاريخ دمشق ج 44 ص 256 المؤلف : أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر (المتوفى : 571هـ)

ترجمہ: یہ چیز جو ہمیں عنایت کی گئی ہے اس کے آخر کی اصلاح بھی اسی طرح ہو گی جس طرح کہ اس کے اول کی ہوئی۔

حضرت علیؓ کی طرف بھی اسی طرح کا قول منسوب ہے[307]۔

حضرت امام مالکؒ کا یہ جملہ بھی بہت مشہور ہے جو حضرت صدیق اکبرؓ کے اسی ارشاد کا عکس ہے:

لا یصلح آخر ہٰذہٖ الامۃ الابما صلح اولہا[308]

ترجمہ: اس امت کے آخری دور میں بھی وہی طریقۂ اصلاح کار گر ہو گا جو اس امت کے اولین دور میں اختیار کیا گیا"

خراب جان کر جس کو بجھا دیا تو نے
وہی چراغ جلاؤ تو روشنی ہو گی

------ حواشی ------

[307] - الكامل في التاريخ ج 2 ص 34 المؤلف : أبو الحسن علي بن أبي الكرم محمد بن محمد بن عبد الكريم بن عبد الواحد ، المعروف بابن الاثير (المتوفى : 630هـ)

[308]- شرح سنن أبي داود ج 1 ص 2 المؤلف : عبدالمحسن العباد مصدر الكتاب : الشبكة الإسلاميةأعده للشاملة: أحمد عبدالله

اہل کتاب سے متعلق بعض احکام[309]

نکاح دنیامیں انسانوں کے درمیان ہونے والا سب سے اہم معاملہ ہے جس سے انسانیت کی بقاوابستہ ہے، اسی لئے شریعت نے اس کے لئے بہت سی ہدایات دی ہیں جن کی روشنی میں خوشگوار ازدواجی زندگی گذاری جاسکتی ہے، اور ایک بہتر نسل کی تعمیر ہوسکتی ہے۔

اہل کتاب خواتین سے نکاح کی اجازت

اسلام نے مسلمان مردوں کے لئے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے، جب کہ اہل کتاب اسلامی عقیدہ کے مطابق غیر مسلم ہیں، وہ نہ قرآن کو مانتے ہیں اور نہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کو، بلکہ بہت سے مشرکانہ عقائد بھی رکھتے ہیں، عہد نبوی کے اہل کتاب بھی اسی قسم کے تھے، البتہ نفس مذہب، خدا ،رسالت و نبوت ، آخرت جنت و جہنم وغیرہ پر وہ یقین رکھتے ہیں، اور ایک ثابت شدہ آسمانی کتاب مذہبی دستور العمل کے طور پر ان کے پاس موجود ہے ۔۔۔۔ اہل کتاب سے نکاح کا معاملہ گو کہ دستور اسلامی کا حصہ ہے لیکن محدود سماجی تعلقات یا آمد ورفت کے محدود وسائل کی بناپر اس طرح کے بین مذاہب نکاح پہلے کم ہوتے تھے، لیکن جب سے دنیا سمٹ کر ایک مستویٰ پر آگئی ہے، اور بین الاقوامی تعلقات میں وسعت پیدا ہوئی ہے، اس کے نتیجہ میں ایسے ملکوں اور علاقوں میں جہاں کثیر مذہبی معاشرہ کا غلبہ ہے اہل کتاب سے نکاح کا رجحان بڑھا ہے، بلکہ کچھ لوگوں کی یہ بھی خواہش ہے کہ دیگر مذاہب واقوام کو بھی کسی نہ کسی عنوان سے اہل کتاب کے دائرے میں لاکر نکاح کا دائرہ ان تک بھی وسیع کردیا جائے، اس لئے ضرورت ہے کہ بنیادی قانونی اور تفسیری مآخذ سے اہل کتاب کے مفہوم ومعیار کا تعین کیا جائے:

------ حواشی --

309 - تحریر بمقام جامعہ ربانی منوروا شریف، بتاریخ صفر المظفر ۱۴۳۷ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۵ء

اہل کتاب سے مراد

(۱) اہل کتاب سے مراد فقہاء کے نزدیک وہ غیر مسلم ہیں جو کسی دین سماوی پر اعتقاد رکھتے ہوں اور ان کے پاس کوئی نازل شدہ آسمانی کتاب بھی موجود ہو، مثلاً تورات، انجیل، زبور، صحف ابراہیم اور صحف موسیٰ وغیرہ، خواہ ان کا عقیدہ وعمل بگڑ چکا ہو، اس تعریف کے مطابق جو قومیں اپنے مذہب کے آسمانی ہونے کی مدعی ہیں لیکن ان کے پاس کوئی منزل آسمانی کتاب موجود نہیں ہے، وہ اہل کتاب کی مصداق نہیں ہیں ،اسی طرح کسی کتاب کے آسمانی ہونے کے لئے اس کا ثابت شدہ ہونا ضروری ہے، محض دعوی کافی نہیں، اور نہ قرائن پر کلی اعتماد کیا جاسکتا ہے، ابن عابدینؒ لکھتے ہیں:

في النهرعن الزيلعي واعلم أن من اعتقد دينا سماويا وله كتاب منزل كصحف إبراهيم و شيث و زبور داود فهو من أهل الكتاب فتجوز مناكحتهم وأكل ذبائحهم قوله (على المذهب) أي خلافا لما في المستصفى من تقييد الحل بأن لايعتقدوا ذلك ويوافقه ما في مبسوط شيخ الإسلام يجب أن لا يأكلواذبائح أهل الكتاب إذا اعتقدوا أن المسيح إله وأن عزيرا إله ولا يتزوجوانساءهم قيل و عليه الفتوى ولكن بالنظر إلى الدليل ينبغي أنه يجوز الأكل والتزوج اه قال في البحر وحاصله أن المذهب الإطلاق لما ذكر شمس الأئمةفي المبسوط من أن ذبيحة النصراني حلال مطلقا سواء قال بثالث ثلاثة أولإطلاق الكتاب هناوالدليل ورجحه في فتح القديربأن القائل بذلك طائفتان من اليهود والنصارى انقرضوا لأكلهم مع أن مطلق لفظ الشرك إذا ذكرفي لسان الشرع لاينصرف إلى أهل الكتاب وإن صح لغة في طائفة أو طوائف لما عهد من إرادته به من عبد مع الله تعالى غيره ممن لا يدعي اتباع نبي وكتاب إلى آخر ما ذكره اه قوله (وفي النهر الخ)مأخوذ من الفتح حيث قال وأما المعتزلة فمقتضى الوجه حل مناكحتهم لأن الحق عدم

تکفیرأهل القبلة و إن وقع إلزامافي المباحث بخلاف من خالف القواطع المعلومة بالضرورة من الدين مثل القائم بقدم العالم ونفي العلم بالجزئيات على ماصرح به المحققون[310]

(۲) قرآن کریم میں مختلف اقوام وملل کے ضمن میں صائبین کا بھی ذکر آیا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئِينَ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ [311]

ترجمہ: مسلمان، یہود، صائبین، نصاریٰ اور مجوس اور مشرکین کے درمیان اللہ پاک قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا، بے شک اللہ ہر چیز کے گواہ ہیں۔

صابئین کا مصداق

صابئین کی تفسیر میں بہت سے اقوال منقول ہیں، بعض لوگوں نے ان کو اہل کتاب ہی کا ایک فرقہ تسلیم کیا ہے۔۔۔۔کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے یہودیت اور نصرانیت سے مرکب ایک دین تیار کیا تھا ،۔۔۔کچھ لوگ حضرت نوحؑ اور کچھ حضرت داؤدؑ پر ایمان رکھنے والی جماعت کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں،۔۔۔کچھ بے دین لوگوں کو صابئین کہتے ہیں ،۔۔۔بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ قوم حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں پائی جاتی تھی،۔۔۔۔کچھ کا خیال ہے کہ ملوک فارس میں طہمورث کے زمانے میں اس کا ظہور ہوا تھا،۔۔۔۔امام رازیؒ وغیرہ نے زیادہ صحیح قول یہ قرار دیا ہے کہ یہ کواکب پرست جماعت ہے

------ حواشی--

[310] حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ابن عابدين.ج ٣ ص ۴٦ الناشر دارالفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت. عدد الأجزاء 8)

[311] - الحج :17)

،جو ستاروں کی بے پناہ تاثیر کی قائل ہے،وغیرہ[312]زیادہ تر اہل تاریخ کی رائے بھی یہی ہے[313]

یہ فرقہ آج موجود ہے یا نہیں؟مختلف اقوال ہیں،بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس کا ایک فرقہ بطائحہ اب بھی ایران و عراق کے سواحل پر پایا جاتا ہے[314]واللہ اعلم بالصواب۔

لیکن میرے خیال میں یہ بحث بے موقعہ ہے،کیونکہ اگر ان کا وجود آج متحقق بھی ہو جائے تو ان کا اہل کتاب ہونا متحقق نہیں ہے،اس لئے کہ قرآن کریم میں اہل کتاب کی حیثیت سے ان کا ذکر نہیں آیا ہے ،بلکہ مسلمانوں سے مختلف چند ادیان واقوام (یہود و نصاریٰ اور مجوس وغیرہ) کے ضمن میں ان کا ذکر آیا ہے، اس لئے ان کا اہل کتاب ہونا ثبوت طلب ہے،جب تک یقین سے ان کا اہل کتاب ہونا ثابت نہ ہو جائے ان پر اہل کتاب کے احکام عائد نہیں ہو سکتے،اور نہ ان کی موجودگی فقہی طور پر زیر بحث آسکتی ہے۔

موجودہ دور کے یہود و نصاریٰ کا حکم

(۳) موجودہ دور کے عیسائیوں اور یہودیوں کو ان کی لامذہبیت،دین بیزاری اور دہریت کی بنا پر ہمارے بہت سے اہل علم نے اہل کتاب کا مصداق قرار نہیں دیا ہے،گوکہ عیسائی گھرانوں میں وہ پیدا ہوئے ہوں،اس لئے آج کے عہد تشکیک میں جب تک کسی یہودی یا عیسائی کے تعلق سے یہ ثابت نہ ہو جائے

------ حواشی--

312 - روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج ١٣ ص ٢٥ المؤلف : شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (المتوفى : 1270هـ) تفسير الفخر الرازي ، المشتهر بالتفسير الكبير و مفاتيح الغيب ج ١١ ص ١٠٤المؤلف : أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري (المتوفى : 606هـ) تفسير القرآن العظيم ج ٥ ص ٤٠٢المؤلف : أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى : 774هـ) المحقق : سامي بن محمد سلامة الناشر : دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة : الثانية 1420هـ - 1999 م عدد الأجزاء : 8 ، الدر المنثور في التأويل بالمأثور المؤلف : عبد الرحمن بن أبو بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى : 911هـ)

313 - المختصر في أخبار البشر ج ١ ص ٥٩ المؤلف : أبو الفداء عماد الدين إسماعيل بن علي (المتوفى : 732هـ)

314 -الموسوعة الميسرة فى الاديان المذاهب العاصرة ج ١ ص ٣١٧ تا ٣٢٥ مطبوعہ الرياض١٤٠٩ سنہ ھ۔

کہ وہ مذہب اور اپنی آسمانی کتاب پر یقین رکھتا ہے، گو کہ عمل میں کوتاہ ہو اور دوسری شرکیات میں بھی مبتلا ہو اس سے نکاح کی اجازت نہ ہوگی اور نہ اس کا ذبیحہ حلال ہوگا، بزرگان دیوبند میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ[315]، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ[316]، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ[317] وغیرہ کی یہی رائے ہے، اور میرے خیال میں آج کے دور میں یہ رائے بہت احتیاط پر مبنی ہے۔

اسلام کے بعد پیدا ہونے والے بعض باطل ادیان ومذاہب کا حکم

(۴) وہ باطل ادیان ومذاہب جو شریعت محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایجاد کئے گئے مثلاً قادیانی، بہائی، سکھ وغیرہ جو قرآن کو خدائی کتاب اور رسول اللہ ﷺ کو نبی برحق تسلیم کرنے کے باوجود دیگر کتابوں یا نبوتوں پر عقیدہ رکھتے ہیں، (ایسی کتابیں اور شخصیات جن کا آسمانی کتاب یا نبی ہونا ثابت نہیں) یہ اہل کتاب کے دائرہ میں نہیں آتے، یہ کافر یا مرتد ہیں، ان کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں اور نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ کے بعد نہ کوئی نبوت ہے اور نہ کوئی آسمانی کتاب:

وکل دعوة للنبوة بعده فکذب وضلال وغيٌّ وهوی[318]۔

ترجمہ: حضور ﷺ کے بعد دعوی نبوت کفر وضلالت کے سوا کچھ نہیں۔

قادیانی سے نکاح کا حکم

(۵) قادیانی باتفاق علماء مرتد ہیں، ان پر مرتد کے احکام جاری ہونگے، اور مرتد کی اولاد کو بھی فقہاء نے والدین کے تابع قرار دیا ہے، البتہ ان کی اولاد کی اولاد کو مرتد کے حکم سے خارج کیا ہے اور ان کو عام پیدائشی کافروں (کافر اصلی) میں شمار کیا ہے، لیکن یہ اہل کتاب کسی حال میں نہیں ہیں، علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

------ حواشی ------

315 -امداد الفتاویٰ ج ۲ ص۲۱۴ ط ادارہ تالیفات اولیا ء ۔

316 - معارف القرآن ج ۳ ص ۶۱۔

317 - فوائد عثمانی تفسیر سورہ مائدۃ ص ۱۴۲۔

318 -عقیدۃ الطحاوی (م ۳۲۱ ھ)ص ۵۲ ط دیوبند)

وَأَمَّا حُكْمُ وَلَدِ الْمُرْتَدِّ فَوَلَدُ الْمُرْتَدِّ لَا يَخْلُو مِنْ أَنْ يَكُونَ مَوْلُودًا فِي الْإِسْلَامِ ،أَوْ فِي الرِّدَّةِ ، فَإِنْ كَانَ مَوْلُودًا فِي الْإِسْلَامِ ، بِأَنْ وُلِدَ لِلزَّوْجَيْنِ وَلَدٌ وَهُمَا مُسْلِمَانِ،ثُمَّ ارْتَدَّالَا يُحْكَمُ بِرِدَّتِهِ مَا دَامَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ ؛ لِأَنَّهُ لَمَّا وُلِدَ وَأَبَوَاهُ مُسْلِمَانِ فَقَدْ حُكِمَ بِإِسْلَامِهِ تَبَعًا لِأَبَوَيْهِ ، فَلَا يَزُولُ بِرِدَّتِهِمَا لِتَحَوُّلِ التَّبَعِيَّةِ إلَى الدَّارِ ، إذْ الدَّارُ وَإِنْ كَانَتْ لَاتَصْلُحُ لِإِثْبَاتِ التَّبَعِيَّةِ ابْتِدَاءً عِنْدَ اسْتِتْبَاعِ الْأَبَوَيْنِ ، تَصْلُحُ لِلْإِبْقَاءِ ؛لِأَنَّهُ أَسْهَلُ مِنْ الِابْتِدَاءِ، فَمَا دَامَ فِي دَارِ الْإِسْلَامِ يَبْقَى عَلَى حُكْمِ الْإِسْلَامِ ، تَبَعًا لِلدَّارِ ، وَلَوْ لَحِقَ الْمُرْتَدَّانِ بِهَذَا الْوَلَدِ بِدَارِالْحَرْبِ فَكَبِرَ الْوَلَدُ ، وَوُلِدَ لَهُ وَلَدٌ وَكَبِرَ ، ثُمَّ ظُهِرَ عَلَيْهِمْ أَمَّا حُكْمُ الْمُرْتَدِّ وَالْمُرْتَدَّةِ فَمَعْلُومٌ ، وَقَدْ ذَكَرْنَا أَنَّ الْمُرْتَدَّ لَا يُسْتَرَقُّ وَيُقْتَلُ،وَالْمُرْتَدَّةُ تُسْتَرَقُّ وَلَا تُقْتَلُ وَتُجْبَرُ عَلَى الْإِسْلَامِ بِالْحَبْسِ وَ أَمَّا حُكْمُ الْأَوْلَادِ فَوَلَدُ الْأَبِ يُجْبَرُعَلَى الْإِسْلَامِ،وَلَا يُقْتَلُ ؛ لِأَنَّهُ كَانَ مُسْلِمًا بِإِسْلَامِ أَبَوَيْهِ تَبَعًا لَهُمَا ، فَلَمَّابَلَغَ كَافِرًا فَقَدْ ارْتَدَّ عَنْهُ ، وَ الْمُرْتَدُّ يُجْبَرُ عَلَى الْإِسْلَامِ ، إلَّا أَنَّهُ لَا يُقْتَلُ لِأَنَّ هَذِهِ رِدَّةٌ حُكْمِيَّةٌ لَا حَقِيقِيَّةٌ لِوُجُودِ الْإِيمَانِ حُكْمًا بِطَرِيقِ التَّبَعِيَّةِ لَاحَقِيقَةً ، فَيُجْبَرُ عَلَى الْإِسْلَامِ لَكِنْ بِالْحَبْسِ لَا بِالسَّيْفِ إثْبَاتًا لِلْحُكْمِ عَلَى قَدْرِ الْعِلَّةِ ، وَلَا يُجْبَرُ وَلَدُ وَلَدِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ ؛ لِأَنَّ وَلَدَ الْوَلَدِ لَا يَتْبَعُ الْجَدَّفِي الْإِسْلَامِ،إذْ لَوْ كَانَ كَذَلِكَ لَكَانَ الْكُفَّارُ كُلُّهُمْ مُرْتَدِّينَ لِكَوْنِهِمْ مِنْ أَوْلَادِآدَمَ وَ نُوحٍ –عَلَيْهِمَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ – فَيَنْبَغِي أَنْ تَجْرِيَ عَلَيْهِمْ أَحْكَامُ أَهْلِ الرِّدَّةِ ، وَ لَيْسَ كَذَلِكَ بِالْإِجْمَاعِ ، وَإِنْ كَانَ مَوْلُودًا فِي الرِّدَّةِ بِأَنْ ارْتَدَّالزَّوْجَانِ وَلَاوَلَدَ لَهُمَا، ثُمَّ حَمَلَتْ الْمَرْأَةُ مِنْ زَوْجِهَا بَعْدَ رِدَّتِهَا ، وَهُمَا مُرْتَدَّانِ عَلَى حَالِهِمَا، فَهَذَاالْوَلَدُبِمَنْزِلَةِ أَبَوَيْهِ لَهُ حُكْمُ الرِّدَّةِ،حَتَّى لَوْ مَاتَ لَا يُصَلَّى عَلَيْهِ ؛ لِأَنَّ الْمُرْتَدَّ لَا يَرِثُ أَحَدًا ، وَلَوْ لَحِقَا بِهَذَا الْوَلَدِ بِدَارِ الْحَرْبِ فَبَلَغَ ،وَوُلِدَ لَهُ أَوْلَادٌ فَبَلَغُوا ، ثُمَّ ظُهِرَ عَلَى الدَّارِ وَسُبُوا جَمِيعًا ، يُجْبَرُ وَلَدُ الْأَبِ وَوَلَدُ وَلَدِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ ، وَلَا

يُقْتَلُونَ كَذَا ذَكَرَ مُحَمَّدٌ فِي كِتَابِ السِّيَرِ وَذَكَرَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ أَنَّهُ لَا يُجْبَرُ وَلَدُ وَلَدِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ .(وَجْهُ)مَاذُكِرَ فِي السِّيَرِأَنَّ وَلَدَ الْأَبِ تَبَعٌ لِأَبَوَيْهِ ، فَكَانَ مَحْكُومًا بِرِدَّتِهِ تَبَعًالِأَبَوَيْهِ،وَوَلَدُالْوَلَدِ تَبَعٌ لَهُ فَكَانَ مَحْكُومًا بِرِدَّتِهِ تَبَعًا لَهُ ، وَالْمُرْتَدُّ يُجْبَرُ عَلَى الْإِسْلَامِ ، إلَّا أَنَّهُ لَا يُقْتَلُ ؛ لِأَنَّ هَذِهِ رِدَّةٌ حُكْمِيَّةٌ فَيُجْبَرُعَلَى الْإِسْلَامِ بِالْحَبْسِ لَا بِالْقَتْلِ وَجْهُ) الْمَذْكُورِ فِي الْجَامِعِ أَنَّ هَذَا الْوَلَدَ إنَّمَا صَارَمَحْكُومًا بِرِدَّتِهِ تَبَعًا لِأَبِيهِ ، وَالتَّبَعُ لَا يَسْتَتْبِعُ غَيْرَهُ .وَأَمَّا حُكْمُ الِاسْتِرْقَاقِ فَذُكِرَ فِي السِّيَرِ أَنَّهُ يُسْتَرَقُّ الْإِنَاثُ وَالذُّكُورُ الصِّغَارُمِنْ أَوْلَادِهِ؛لِأَنَّ أُمَّهُمْ مُرْتَدَّةٌ وَهِيَ تَحْتَمِلُ الِاسْتِرْقَاقَ ،وَالْوَلَدُ كَمَا تَبِعَ الْأُمَّ فِي الرِّقِّ يَتْبَعُهَا فِي احْتِمَالِ الِاسْتِرْقَاقِ .وَأَمَّاالْكِبَارُفَلَايُسْتَرَقُّونَ لِانْقِطَاعِ التَّبَعِيَّةِ بِالْبُلُوغِ، وَ يُجْبَرُونَ عَلَى الْإِسْلَامِ وَذُكِرَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ:الْوِلْدَانُ فَيْءٌ أَمَّا الْأَوَّلُ فَلِأَنَّ أُمَّهُ مُرْتَدَّةٌ وَأَمَّا الْآخَرُ فَلِأَنَّهُ كَافِرٌ أَصْلِيٌّ ؛ لِأَنَّ تَبَعِيَّةَ الْأَبَوَيْنِ فِي الرِّدَّةِ قَدْ انْقَطَعَتْ بِالْبُلُوغِ ،وَهُوَ كَافِرٌ،فَكَانَ كَافِرًا أَصْلِيًّا ، فَاحْتَمَلَ الِاسْتِرْقَاقَ وَلَوْ ارْتَدَّتْ[319]

مجمع الانہر میں ہے:

زَوْجَانِ ارْتَدَّا فَلَحِقَا)بِدَارِهِمْ الْأَوْلَى بِالْوَاوِ(فَوَلَدَتْ الْمَرْأَةُ ثُمَّ وُلِدَ لِلْوَلَدِ فَظَهَرَعَلَيْهِمْ فَالْوَلَدَانِ)أَيْ وَلَدُهُمَا وَوَلَدُ وَلَدِهِمَا (فَيْءٌ) لِأَنَّ الْمُرْتَدَّةَتُسْتَرَقُّ فَكَذَاوَلَدُهَا لِأَنَّهُ يَتْبَعُ الْأُمَّ (وَيُجْبَرُ الْوَلَدُ) أَيْ وَلَدُهُمَا (عَلَى الْإِسْلَامِ) تَبَعًالِأَبَوَيْهِ (لَا وَلَدُهُ) أَيْ لَا يُجْبَرُ وَلَدُ الْوَلَدِ عَلَى الْإِسْلَامِ بِالْإِجْمَاعِ إلَّا فِي رِوَايَةِ الْحَسَنِ فَإِنَّهُ يُجْبَرُ أَيْضًا وَهَذَا بِنَاءً عَلَى أَنَّ وَلَدَ الْوَلَدِلَايَتْبَعُ الْجَدَّفِي

------ حواشی --

[319] -بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ١٥ ص٢٠٧تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587 هـ . دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406هـ

الْإِسْلَامِ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ وَيَتْبَعُهُ فِي رِوَايَةٍ[320]

زیلعیؒ لکھتے ہیں:

فَيَكُونُ حُجَّةً لِأَبِي حَنِيفَةَ وَ مُحَمَّدٍ فِي تَوَقُّفِهِمَا فِي أَطْفَالِ الْمُشْرِكِينَ فَإِذَا تَبِعَهُمَا يُجْبَرُعَلَى الْإِسْلَامِ كَمَا يُجْبَرَانِ عَلَيْهِ وَلَا يُقْتَلُ تَبَعًا لِأَبِيهِ لِأَنَّهُ كَافِرٌ أَصْلِيٌّ وَلَيْسَ بِمُرْتَدٍّ حَقِيقَةً فَيَكُونُ حُكْمُهُ فِي الْقَتْلِ حُكْمَ الْكَافِرِ الْأَصْلِيِّ وَوَلَدُ الْوَلَدِ يُسْتَرَقُّ وَلَا يُقْتَلُ لِمَا ذَكَرْنَا وَهَلْ يُجْبَرُعَلَى الْإِسْلَامِ فَفِيهِ رِوَايَتَانِ فِي رِوَايَةٍ يُجْبَرُ رَوَاهَا الْحَسَنُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ تَبَعًا لِجَدِّهِ وَفِي رِوَايَةٍ لَا يُجْبَرُ لِأَنَّهُ لَوْ أُجْبِرَ إِمَّا أَنْ يُجْبَرَ تَبَعًا لِأَبِيهِ وَلَا وَجْهَ لَهُ لِأَنَّ أَبَاهُ كَانَ تَبَعًا لِأَبَوَيْهِ وَالتَّبَعُ لَا يَكُونُ لَهُ تَبَعٌ أَوْ تَبَعًا لِجَدِّهِ وَلَا وَجْهَ لَهُ لِأَنَّ تَبَعِيَّةَ الْآبَاءِ فِي الدِّينِ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ وَ لَايُلْحَقُ بِهِ الْجَدُّ وَلَوْ أُلْحِقَ لَكَانَ النَّاسُ كُلُّهُمْ مُسْلِمِينَ تَبَعًا لِآدَمَ وَحَوَّاءَ عَلَيْهِمَاالسَّلَامُ وَلَمْ يُوجَدْ فِي ذُرِّيَّتِهِمَا كَافِرٌ غَيْرُ الْمُرْتَدِّ وَأَصْلُ هَاتَيْنِ الرِّوَايَتَيْنِ مَبْنِيٌّ عَلَى أَنَّ وَلَدَ الْوَلَدِ يَكُونُ مُسْلِمًا بِإِسْلَامِ جَدِّهِ أَمْ لَافَفِي رِوَايَةِ الْحَسَنِ يَكُونُ مُسْلِمًافَإِذَاتَبِعَهُ فِي الْإِسْلَامِ تَبِعَهُ فِي الْإِجْبَارِ عَلَيْهِ أَيْضًا وَفِي رِوَايَةٍ لَا يَتْبَعُهُ فِي الْإِسْلَامِ فَكَذَافِي الْإِجْبَارِ[321]

اہل کتاب سے نکاح میں دارالاسلام اوردارالحرب کافرق

(۶) اہل کتاب سے نکاح کے تعلق سے فقہاء نے دارالاسلام اور دارالحرب کاجو فرق کیاہے وہ منصوص نہیں ہے، بلکہ حالات کی بناپر دارالاسلام میں اجازت دی گئی اور دارالحرب میں مکروہ قراردیا گیا ہے، آج اگر حالات واقعی طور پر بدل جائیں یعنی دارالاسلام میں اہل کتاب سے نکاح زیادہ باعث مضرت و

------ حواشی--

[320] - مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر ج ۲ ص ۴۹۹ عبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكليبولي المدعو بشيخي زاده سنة الولادة / سنة الوفاة 1078هـ تحقيق خرج آياته وأحاديثه خليل عمران المنصور الناشر دار الكتب العلمية سنة النشر 1419هـ – 1998م مكان النشر لبنان/ بيروت عدد الأجزاء 4)

[321] -(تبين الحقائق شرح كنز الدقائق ج ۳ ص ۲۹۲ فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي الحنفي. الناشر دار الكتب الإسلامي. سنة النشر 1313هـ. مكان النشر القاهرة. عدد الأجزاء 6*3

فساد ثابت ہو اور اس کے برعکس غیر مسلم ملکوں میں ان سے نکاح دعوتی مقاصد کو پورا کرنے کا سبب بنے، یا مسلمانوں کے لئے باعث تقویت ہو تو اصول کے مطابق حکم تبدیل ہو جائے گا، اس لئے کہ یہ حکم معلل بالفتنہ ہے، یعنی مؤمن کی اپنی ذات کے لئے فتنہ یا نسل کے بگڑنے کا اندیشہ وغیرہ، ورنہ اس باب میں بذات خود دارالاسلام اور دارالحرب کا فرق اصل نہیں ہیں، زیلعیؒ لکھتے ہیں:

وَتُكْرَهُ الْكِتَابِيَّةُالْحَرْبِيَّةُإجْمَاعًالِافْتِتَاحِ بَابِ الْفِتْنَةِمِنْ إمْكَانِ التَّعَلُّقِ الْمُسْتَدْعِي لِلْمُقَامِ مَعَهَافِي دَارِالْحَرْبِ،أَوْتَعْرِيضِ الْوَلَدِ عَلَى التَّخَلُّقِ بِأَخْلَاقِ أَهْلِ الْكُفْرِ[322]

ہندوستان کے ہندو اہل کتاب نہیں ہیں

(۷) قرآن کریم میں کہا گیا ہے کہ اللہ پاک نے ہر قوم میں پیغمبر وہادی بھیجے ہیں، لیکن جب تک یقینی دلائل سے کسی مذہب وکتاب کا من جانب اللہ ہونا ثابت نہ ہو جائے، محض قرائن وآثار کی بنیاد پر حتمی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا، اس لحاظ سے ہندوستان کے ہندو مشرک ہیں، اہل کتاب نہیں، گو کہ ان کے یہاں بعض مماثلتیں اسلامی تعلیمات سے موجود ہیں، مگر یہ صرف قرائن ہیں، ان کے آسمانی مذہب ہونے کا ثبوت قرآن وحدیث یا معتبر تاریخی ذرائع سے نہیں ملتا، ہمارے بعض بزرگوں مثلاً حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ وغیرہ نے بعض آثار وقرائن کی بنیاد پر ہنود کو اہل کتاب میں شمار کئے جانے کا رجحان دیا ہے، اس موضوع پر ان کا ایک تفصیلی مکتوب شائع شدہ ہے، جو حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ کی تحقیق اور حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددی دہلویؒ کی تعلیق کے ساتھ دہلی سے شائع ہوا ہے، مگر یقینی ثبوت نہ ہونے کی بنا پر کم از کم نکاح اور ذبیحہ کے مسائل میں اس مکتوب کو سند بنانا مشکل ہے، مفتی شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ اس باب

------ حواشی ------

322 - تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِّ ج ۲ ص ۱۰۹ المؤلف : عثمان بن علي بن محجن البارعي ، فخر الدين الزيلعي الحنفي (المتوفى : 743 هـ)الحاشية : شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِّلْبِيُّ (المتوفى : 1021 هـ) الناشر : المطبعة الكبرى الأميرية–بولاق،القاهرة الطبعة : الأولى ، 1313 هـ

میں احتمالات کا اعتبار نہیں ہے[323]۔

عیسائی یا یہودی اسکولوں اور اسپتالوں میں داخلہ و ملازمت

(۸) الف:-عیسائی یا یہودی مشنریز کے جن اسکولوں اور اسپتالوں سے ان کے عقائد کی تشہیر کی جاتی ہو اور ان میں داخلے یا ملازمت سے اسلامی عقیدہ وفکر کے بگڑنے کا اندیشہ ہو ایسے اداروں سے حتی الامکان اجتناب کرنا ضروری ہے، مسلمانوں کو ایسے اداروں کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہئے،اس لئے کہ قانون اسلامی کا مسلمہ ضابطہ ہے کہ مفاسد کا ازالہ مصالح کے حصول سے زیادہ ضروری ہے:

رِعَايَةَ دَرْءِ الْمَفَاسِدِ أَوْلَى مِنْ رِعَايَةِ حُصُولِ الْمَصَالِحِ[324]

حقوق زوجیت میں مسلم اور کتابی بیوی میں کوئی تفریق نہیں

(ب) اہل کتاب خواتین سے عام حالات میں نکاح کرنا بہتر نہیں ہے، جیسا کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کی ان ہدایات سے سمجھ میں آتا ہے جو انہوں نے اپنے حدود مملکت کے عمال کے لئے جاری فرمائے تھے لیکن نکاح کر لینے کے بعد ان کو وہ تمام حقوق زوجیت حاصل ہونگے جو مسلم بیویوں کو حاصل ہوتے ہیں ،ان سے فرار کی گنجائش نہیں ہے، کتب فقہ میں یہ مسئلہ صراحت کے ساتھ آیا ہے:

فتجب(النفقة--- هي الطعام والكسوة والسكنى)للزوجة وهذا ظاهر الرواية----- ولو) كانت (مسلمة أو كافرة أو كبيرة أو صغيرة تطيق الوطئ)[325]

محض غیر مسلم ہونے کی بناپر طلاق نہیں دی جاسکتی،اس لئے کہ پھر شریعت ان سے نکاح کی

------ حواشی--

[323] -معارف القرآن ج ٣ ص ٦١

[324] - أنوار البروق في أنواع الفروق ج ٨ ص ٢٨١ المؤلف : أبو العباس شهاب الدين أحمد بن إدريس المالكي الشهير بالقرافي (المتوفى : 684هـ)

[325] - رد المحتار على "الدر المختار : شرح تنوير الابصار"ج ١٣ ص ٧٩ المؤلف : ابن عابدين ، محمد أمين بن عمر (المتوفى : 1252هـ)كذا فى التتارخانية ج ٥ ص ٣٥٨۔

اجازت ہی نہ دیتی۔

کتابی بیوی کو اپنے مذہبی اعمال میں پوری آزادی حاصل ہوگی

(ج) یہیں سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ مسلمان شوہر اپنی کتابیہ بیوی کو اسلامی اعمال کے لئے مجبور نہیں کرسکتا اور نہ اس کے مذہبی اعمال و مراسم کی ادائیگی پر پابندی عائد کرسکتا ہے، اس لئے کہ اسلام اپنے غیر مسلم شہریوں کو مذہبی آزادی دیتا ہے، قرآن نے اعلان کیا ہے:

لااکراہ فی الدین[326]

ترجمہ: دین میں کوئی زور زبردستی نہیں۔۔۔

لکم دینکم ولی دین[327]

تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کو مسجد نبوی میں ان کے اپنے طریق پر عبادت کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی[328] وغیرہ، مذہبی رواداری کی ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔۔۔ پھر گھر کی ممبر غیر مسلم خواتین کو جبر و اکراہ کا نشانہ بنانا کیونکر روا ہوسکتا ہے؟ ۔۔۔ البتہ یہ آزادی اسی حد تک ہوگی کہ اس کے اثرات بد خود شوہر یا اس کے بچوں پر نہ پڑیں ،واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم۔

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

☆ اہل کتاب قرآن وحدیث کی ایک اصطلاح ہے اور عہد نبوت سے ہی اہل کتاب کا لقب یہود و نصاریٰ دونوں گروہوں کے ساتھ خاص ہے، جمہور فقہاء بشمول متاخرین احناف نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

☆ یہود و نصاریٰ جب تک تورات وانجیل اور اپنے پیغمبر کے ماننے کے مدعی ہیں وہ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں اہل کتاب کہلائیں گے، جو عیسائی یا یہودی منکر خدا اور مذہب بیزار اور وحی وپیغمبر کے سرے

------ حواشی ------

326 -سورہ البقرۃ : ۲۵۶

327 -سورہ الکافرون :۶

328 -احکام اہل الذمۃ لابن القیم ج ۱ ص ۳۱۶

سے منکر ہیں، وہ اہل کتاب کے ہر گز مصداق نہیں، نکاح وذبیحہ کے باب میں ان کا حکم اہل کتاب کا نہ ہوگا۔

☆ بابی، بہائی، سکھ اور قادیانی خواہ نسلی ہو یا بذات خود ان مذاہب کو اختیار کیا ہو، وہ اہل کتاب میں داخل وشامل نہیں۔

☆ الف- کتابیہ سے نکاح فی نفسہ جائز ہونے کے باوجود موجودہ دور میں کسی بھی ملک میں کتابیہ سے نکاح عموماً مفاسد ومضرات سے خالی نہیں، لہذا مسلمانوں کو اس سے گریز کرنا چاہئے۔

ب- نان ونفقہ، حقوق زوجیت اور حسن معاشرت کے تعلق سے جو حقوق مسلمان بیویوں کے ہیں، وہی حقوق کتابیہ بیویوں کے بھی ہیں، محض کتابیہ ہونے کی بناپر ان کے حقوق سے راہ فرار اختیار کرنا اور چھوڑ کر بھاگ آنا درست نہیں، ہاں اگر کتابیہ بیویوں کی رفاقت سے دین متاثر ہو رہا ہو تو پھر اس سے علاحدگی اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔

ج- اگر زوجہ کتابیہ اپنے مذہب کے مطابق مذہبی رسوم انجام دینا چاہے، تو شوہر اس حد تک اس سے چشم پوشی سے کام لے گا کہ جس کا ضرر خود پر یا اپنے بچوں پر نہ پڑے۔

☆ کسی کتاب کا آسمانی ہونا اور کسی انسان کا نبی ورسول ہونا یہ دونوں مسئلے اعتقادات سے متعلق ہیں، اور اعتقادات کے لئے دلائل قطعیہ کا ہونا ضروری ہے، اور دیگر اقوام کی مذہبی کتابوں اور ان کے مقتداؤں کے نبی ورسول ہونے پر کوئی یقینی دلیل نہیں، لہذا دیگر اقوام کی مذہبی کتابوں کا قرآن مجید کی بہت سی اعتقادی اور اخلاقی تعلیمات میں محض موافقت کی وجہ سے ان کتابوں کے آسمانی کتاب ہونے کا یقین نہیں کیا جاسکتا، اسی طرح ایسی شخصیتوں کے پیغمبر ہونے کا بھی یقین نہیں کیا جاسکتا ہے جن کے بارے میں کتاب وسنت خاموش ہیں۔

☆ ہمدردان قوم وملت علماء وعوام پر لازم ہے کہ ایسے عصری معیاری تعلیمی اداروں کے قیام پر توجہ دیں، جن میں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی واخلاقی تعلیم وتربیت کا بھی نظم ہو، جب تک ایسے اداروں کا نظم نہ ہو تو بدرجۂ مجبوری ان اداروں میں جہاں اخلاقی ودینی عقائد کے متأثر ہونے کا اندیشہ ہو احتیاطی تدابیر کے نظم کے ساتھ تعلیم دلانے کی گنجائش ہے۔

☆ غیر مسلم رفاہی اداروں میں خدمت کرنے اوران سے استفادہ کرنے میں مسلمانوں کو احتیاط برتنا چاہئے ، اگر ان اداروں میں کسی ملازم کے ذمہ کوئی ایسا کام سپرد کیا جائے یا قرض وغیرہ سے استفادہ کے نتیجے میں کوئی ایسا کام کرنا پڑے جس میں عیسائیت کے مشن کی اعانت یا ترویج ہو یا باطل عقائد و نظریات سے متاثر ہونے کا اندیشہ ہو تو ایسی خدمت سے انکار واجب ہے، اور استفادہ جائز نہیں[329]۔

------ حواشی --

329 - جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، حصہ اول ص ۳۳۱ تا ۳۳۳

غیر مسلم اقلیت کے تعلق سے عہد فاروقی کے بعض قوانین[330]

بعض ناقدین عہد فاروقی کے بعض انتظامی احکام کو جن کا تعلق قومی خصوصیات سے تھا ذمیوں کے لیے امتیازی سلوک کی مثال میں پیش کرتے ہیں مثلاً، حضرت فاروق اعظمؓ نے ذمیوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ وضع قطع اور لباس میں مسلمانوں کی نقل نہ کریں، کمر میں زنار باندھیں، لمبی ٹوپیاں پہنیں، گھوڑوں پر کاٹھی کسیں، نئی عبادت گاہیں نہ بنائیں، شراب اور خنزیر نہ بیچیں، ناقور نہ بجائیں، صلیب نہ نکالیں، بنو تغلب کو یہ حکم تھا کہ اپنی اولاد کو اصطباغ نہ دیں، یعنی وہ طریقہ جس سے ایک آدمی ہمیشہ کے لیے عیسائی بن جاتا ہے، اور تبدیل مذہب کا اختیار باقی نہیں رہتا، اسلام میں ایسی کوئی چیز تو نہیں ہے، البتہ علامتی طور پر ختنہ کی مثال دی جاسکتی ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت عمرؓ نے عرب کی وسیع آبادی میں ایک یہودی یا عیسائی کو رہنے نہیں دیا اور بڑے بڑے قدیم خاندان جو سینکڑوں برس سے عرب میں آباد تھے جلاوطن کر دیئے وغیرہ۔

لیکن دراصل یہ غلط فہمیاں یا بد گمانیاں ان احکام کی حقیقت نہ جاننے کی بنا پر پیدا ہوئی ہیں، یا ان کو ان کے پس منظر سے الگ کر کے دیکھنے کی بنا پر۔

جہاں تک وضع قطع اور لباس کا معاملہ ہے تو دراصل یہ ایک انتظامی نوعیت کا حکم تھا، اور اس کا مقصد ہر قوم کی اپنی قومی خصوصیات کا تحفظ تھا، ایسا نہیں تھا کہ حضرت عمرؓ نے کوئی نیا تحقیر آمیز لباس یا یونیفارم ان کے لیے تیار کرایا ہو، اور ان کو اس کے پہننے پر مجبور کیا ہو، حضرت عمرؓ نے ذمیوں کو جس لباس کا حکم دیا تھا وہ ان کا اپنا قومی قدیم لباس ہی تھا، چنانچہ کنز العمال میں اسی قسم کے ایک معاہدے میں یہ الفاظ آئے ہیں۔

وان نلزم زینا حیث ماکنا[331]

یعنی ہم وہی لباس پہنیں گے جو پہلے سے پہنتے آئے ہیں۔

------ حواشی --

330- ماخوذ از قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی

331 - کنز العمال: ج ۲ / ۲۰۲

اور مقصد یہی تھا کہ ہر قوم اپنی قومی خصوصیات پر قائم رہے، اپنی تہذیبی روایات پر باقی رہے، مختلف تہذیبوں کے اختلاط سے کوئی نئی مرکب تہذیب جنم نہ لے، جس میں دوسری قوموں کی قومی خصوصیات فنا ہو جائیں، اوران کی اپنی شناخت باقی نہ رہے، اسی لیے حضرت عمر فاروقؓ نے جہاں غیر مسلموں کو عربوں کا لباس پہننے سے روکا تھا وہیں مسلمانوں کو بھی عجمی لباس اور عجمی طرز زندگی اختیار کرنے سے ممانعت فرمائی، چنانچہ عتبہ بن فرقد کو جو فرمان لکھا اس میں یہ الفاظ تھے۔

علیکم بلباس ابیکم اسمٰعیل وایاکم والتنعم وزی العجم والقوا الخفاف والقوا السراویل۔

یعنی تم کو اپنے باپ اسماعیل کا لباس پہننا چاہئے، خبر دار عیش طلبی اور عجمی طرز زندگی، ہرگز اختیار نہ کرنا، نیز موزہ اور پاجامہ پہننا چھوڑ دو[332]

اور یہ محض انتظامی اور سیاسی مصالح کے تحت تھا، کوئی حکم شرعی واجب التعمیل نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمرؓ بیت المقدس کے معاہدہ کے لیے شام تشریف لے گئے، تو تمام مسلم افسران فوجی رومیوں کے لباس میں تھے، اس پر آپ نے ناراضی کا اظہار فرمایا، لیکن جب ان لوگوں نے اس کا سبب بتایا تو خاموش ہو گئے۔

اسی طرح فتح مصر کے موقعہ پر اہل فوج کی خوراک ولباس کا انتظام اس طرح کیا گیا کہ عیسائی ہر سال غلہ اور کپڑوں کی ایک تعداد مقررہ جزیہ کے ساتھ ادا کرتے رہیں، ان کپڑوں میں عمامہ اور جبہ کے ساتھ موزے اور پاجامے بھی شامل تھے[333]

حالانکہ موزے اور پاجامہ کے استعمال کو حضرت عمرؓ اپنے سابق فرمانوں میں منع کر چکے تھے، ان دونوں مختلف کاروائیوں میں تطبیق یہی ہو سکتی ہے کہ سابق حکم کو انتظام اور سیاست پر محمول کیا جائے، وہ کوئی شرعی حکم نہیں تھا اور نہ اسلام کے نظام قانون کے ایک حصے کے طور پر جاری کیا گیا تھا، ورنہ مسلمان کبھی اس

------ حواشی ------

332 - اسلام اور مستشرقین: ج۴/ ۱۷۱

333 - فتوح البلدان: ۳۱۵

حکم سے سر تابی نہیں کرسکتے تھے، جبکہ تاریخی طور پر معلوم ہے کہ یہ حکم بعد کے ادوار میں قائم نہیں رہ سکا، خود خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز (جو نظم وانتظام اور تشکیل وتعمیر میں حضرت فاروق اعظم کے پیروکار تھے) نے ایک عامل کو جو فرمان لکھا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ قومی خصوصیات کا لحاظ ذمیوں نے عملاً ترک کر دیا تھا فرمان کے الفاظ ہیں:

وقد ذكر لی ان كثيراً من قبلك من النصارىٰ قدراجعوا لبس العمائم وتركوا المناطق[334]

"یعنی مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ اکثر عیسائی عمامہ باندھنے لگے ہیں، اور پٹیاں لگانی چھوڑ دی ہیں"

اسی طرح مسلم حکمرانوں نے بھی بعد کے ادوار میں عجمی لباسوں کو اختیار کر لیا تھا، اگر یہ حکم شرعی ہوتا، یا عجمی لباس حقارت وذلت کی علامت کے طور پر مانا گیا ہوتا تو مسلم خلفا وامراء ہرگز اپنے لئے پسند نہ کرتے، (قطع نظر اس سے کہ شرعی طور پر یہ عمل محمود تھا یا نہیں؟)

☆ عباسی خلیفہ منصور نے دربار کے لیے جو ٹوپی اختیار کی وہ مجوسیوں کی ٹوپی تھی، اور خاص ان کی قومی علامت تھی۔

☆ معتصم باللہ نے تو اپنے کو عجمی طرز زندگی ہی میں ڈھال لیا تھا، مؤرخ مسعودیؒ نے لکھا ہے:

وغلب عليه التشبه بملوك الاعاجم فی الآلة ولبس القلانس والشاشيات فلبسها الناس اقتداء بفعله و ايتماما به فسميت المعتصميات[335]

"یعنی وہ ٹوپی اوڑھنے، پگڑی باندھنے اور ساز وسامان رکھنے میں رئیسان عجم کی تقلید کا بہت شوقین تھا، اس کی دیکھا دیکھی دوسروں نے بھی یہ وضع اختیار کر لی، اور اس وضع کا نام معتصمی پڑ گیا۔"

------ حواشی ------

334- کتاب الخراج لابی یوسف: ۷۳

335 - مروج الذہب مسعودی ذکر خلافت قاہر باللہ

☆ سندھ میں جب مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی تو مسلمانوں اور کفار کے لباسوں میں کوئی فرق نہیں تھا، چنانچہ ابن حوقل بغدادی جس نے چوتھی صدی کے آغاز میں ان ممالک کا سفر کیا تھا کھنبات کے متعلق اپنے جغرافیہ میں لکھتا ہے:

وزی المسلمین والکفار بہاواحد فی اللباس وارسال الشعر۔

”یعنی یہاں مسلمانوں اور کافروں کی ایک وضع ہے، دونوں ایک سالباس پہنتے ہیں، اور بال بڑے بڑے رکھتے ہیں۔

وہی مؤرخ سندھ اور منصورہ کی نسبت لکھتا ہے:

وزیہم زی اہل العراق ان زی ملوکہم یقارب زی ملوک الہند

”یعنی یہاں کے مسلمانوں کا لباس عراق کا سا ہے، لیکن یہاں کے بادشاہوں کی وضع ہندو راجاؤں کے قریب قریب ہے۔“

اگرچیکہ یہ اختلاط ملی نقطۂ نگاہ سے پسندیدہ نہیں ہے، جس کا احساس حضرت فاروق اعظمؓ کو تھا، لیکن شرعی قانون کے لحاظ سے چونکہ ناجائز نہیں ہے، اس لیے اس پر قانونی امتناع عائد نہیں کیا جاسکتا۔

زنار کا معاملہ

جہاں تک زنار باندھنے کا معاملہ ہے تو زنار سے مراد صحیح تحقیق کے مطابق پیٹی ہے، پیٹی کو عربی میں منطقہ بھی کہتے ہیں، اور اس لحاظ سے یہ دونوں الفاظ مترادف ہیں، بعض روایات میں ان کو مترادف طور پر استعمال کیا گیا ہے، کنز العمال میں بیہقی وغیرہ سے روایت منقول ہے، حضرت عمرؓ نے فوجی سربراہوں کو یہ تحریری حکم بھیجا۔

وتلزموہم المناطق یعنی الزنانیر[336]

”یعنی ذمیوں کے لیے پٹیاں یعنی زنار کو لازم کردو۔“

------ حواشی --

336 ۔ کنز العمال: ج ۲/ ۳۲۰

اسی زنار کو "کستیج" بھی کہتے ہیں، چنانچہ جامع صغیر وغیرہ میں بجائے "زنار" کے کستیج ہی لکھا ہے، اور غالب یہ ہے کہ یہ لفظ عجمی ہے، بہر حال اہل عجم قدیم سے پیٹی لگاتے تھے، اس کا تذکرہ علامہ مسعودیؒ نے "کتاب التنبیہ والاشراف" میں کیا ہے (ص:۱۰۱)

یہ ذمیوں کے قدیم لباس کا ایک حصہ تھا، اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنے درباری لباس کو جب عجمی طرز پر مرتب کیا تو اس میں پیٹی بھی داخل تھی، منصور کے اس مجوزہ لباس کے بارے میں تمام مؤرخین عرب نے تصریح کی ہے کہ یہ عجم کی تقلید تھی۔

اس وضاحت سے ثابت ہوتا ہے کہ زنار باندھنے کا حکم بھی لباس ہی کی طرح قومی خصوصیت کے نقطۂ نظر سے تھا نہ کہ تحقیر یا امتیازی سلوک کے طور پر۔

صلیب اور ناقوس

جہاں تک صلیب اور ناقوس کا معاملہ ہے، تو صحیح تحقیق کے مطابق یہ صلیب نکالنے یا ناقوس بجانے پر پابندی علی الاطلاق نہیں تھی، بلکہ بعض قیدوں کے ساتھ تھی، مثلاً صلیب کے بارے میں معاہدہ میں یہ قید تھی۔

ولا یرفعوا فی نادی اہل الاسلام صلیباً[337]

"یعنی مسلمانوں کی مجلس میں صلیب نہ نکالیں، (کہ اس میں انتشار وفساد کا اندیشہ ہے)

ناقوس کے بارے میں یہ تصریح تھی:

یضربوا نواقیسم فی ایۃ ساعۃ شاؤا من لیل او نہار الافی اوقات الصلوٰۃ[338]

"یعنی ذمی رات دن میں جس وقت چاہیں ناقوس بجاسکتے ہیں، البتہ نماز کے اوقات کا

------ حواشی

337 ۔کتاب الخراج:۸۰

338 ۔کتاب الخراج:۶۸

استثناء ہو گا" (کہ نماز میں خلل اور فرقہ وارانہ انتشار و فساد کا اندیشہ ہے)

اور ظاہر ہے کہ ان قیدوں کے ساتھ صلیب اور ناقوس پر امتناع کو خلاف انصاف یا خلاف مساوات قرار نہیں دیا جاسکتا۔

خنزیر کا معاملہ

خنزیر کے بارے میں بھی کوئی عام پابندی نہیں تھی کہ ذمی خنزیر نہیں رکھ سکتا، یا باہر لے کر نہیں نکل سکتا، بلکہ صرف بعض صورتوں میں پابندی تھی جس کی معاہدہ میں صراحت کی گئی تھی:

ولایخرجوا خنزیراً من منازلہم الی افنیۃ من المسلمین[339]

"یعنی ذمی خنزیر کو مسلمانوں کے احاطہ میں نہ لیجائیں۔"

اصطباغ کا معاملہ

اصطباغ کا مسئلہ بھی عمومی نوعیت کا نہیں تھا، بلکہ بنو تغلب میں ایک خاص صورت حال پیدا ہو گئی تھی اس پر امتناع عائد کیا گیا، وہ صورت یہ تھی عیسائی خاندان میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے اور نابالغ اولاد چھوڑ کر مرے تو اس کی اولاد کس مذہب کے موافق پرورش پائے گی، یعنی وہ مسلمان سمجھی جائے گی، یا ان کے خاندان والوں کو جو عیسائی مذہب رکھتے تھے یہ حق حاصل ہو گا کہ اس کو اصطباغ دے کر عیسائی بنالیں، حضرت عمرؓ نے اس صورت خاص کے لیے یہ حکم دیا کہ خاندان والے اس کو اصطباغ نہ دیں، اور عیسائی نہ بنائیں، اور یہ حکم بالکل قرین انصاف ہے کیوں کہ اس کا باپ مسلمان ہو گیا تھا تو اس کی نابالغ اولاد بھی بظاہر مسلمان قرار پائے گی، علامہ طبریؒ نے بنو تغلب کے واقعہ کے تحت شرائط صلح کے ذیل میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں:

------ حواشی --

339 - کتاب الخراج:۶۸

علیٰ ان لاینصروا ولیداًممن اسلم آباء ہم[340]

"یعنی بنو تغلب کو یہ اختیار نہ ہو گا کہ جن بچوں کے باپ مسلمان ہو چکے ہوں ان کو عیسائی بنا سکیں۔"

ایک اور موقعہ پر الفاظ یہ ہیں:

ان لاینصروا اولادہم اذااسلم آباء ہم[341]

"یعنی ان نابالغ بچوں کو نصرانی بنایا نہیں جاسکے گا جن کے باپ مسلمان ہو چکے ہوں۔"

اور یہ صورت محض فرضی نہیں تھی، بلکہ بنو تغلب میں بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے، اوران کے یہاں یہ صورت بکثرت پیدا ہو رہی تھی، بلکہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے کہ تغلب میں سے جو لوگ اسلام لا چکے تھے خود انہی لوگوں نے معاہدہ کے لئے یہ شرائط پیش کی تھیں[342]

غرض ان احکام میں سے کسی حکم کو مذہبی یا قومی تعصب پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔

عیسائیوں اور یہودیوں کی جلاوطنی کا مسئلہ

اب بات رہ جاتی ہے کہ خیبر کے یہودیوں اور نجران کے عیسائیوں کی جلاوطنی کی، تو صحیح صورت حال معلوم ہو تو کوئی شخص اس کو بھی ظلم وناانصافی قرار نہیں دے سکتا، خیبر کے یہودی بڑے شاطر اور مکار تھے، انہوں نے مسلمانوں کی حکومت اگرچیکہ تسلیم کرلی تھی مگر ان کے دل پوری طرح صاف نہ تھے، اور موقعہ بموقعہ مسلمانوں کے خلاف شرارتیں کرتے رہتے تھے۔

ایک دفعہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو بالاخانے سے ڈھکیل دیا جس سے ان کے ہاتھ میں زخم آیا، مجبوراً حضرت عمرؓ نے مجمع عام میں کھڑے ہو کر ان کی شرارتیں بیان کیں، اور پھر ان کی جلاوطنی کا حکم صادر

------ حواشی ------

340 ۔طبری:۲۴۸۲

341 ۔طبری:۲۵۱۰

342 ۔طبری:۲۵۰۹

کیا۔

علاوہ ازیں فتح خیبر کے وقت ہی ان سے کہدیا گیا تھا کہ یہاں تم لوگوں کا قیام عارضی ہے، کسی موقعہ پر یہ علاقہ تم لوگوں کو خالی کرنا ہو گا[343]

تو گویا یہودی کو خیبر سے حسب معاہدہ نکالا گیا، اور جب ان کی شرارتیں زیادہ بڑھ گئیں اور اسلامی حکومت نے محسوس کیا کہ اس طبقہ کی بنا پر مسلم اکثریت کو نقصان پہونچ رہاہے، تو دونوں کے امن وعافیت کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں کی بستیاں دور دور کر دی جائیں۔

نجران کے عیسائیوں کا معاملہ بھی قریب قریب یہی تھا وہ یمن اور اس کے اطراف میں آباد تھے، ان سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا تھا، لیکن انہوں نے چپکے چپکے جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور بہت سے گھوڑے اور ہتھیار مہیا کئے، حضرت عمرؓ نے اس مجبوری میں ان کی شرپسندیوں سے محفوظ رہنے کے لیے ان کو حکم دیا کہ یمن کو چھوڑ کر عراق چلے جائیں[344]

اس کو بھی خلاف انصاف قرار نہیں دیا جاسکتا................علاوہ ازیں ان کو ملک بدر نہیں کیا گیا تھا، بلکہ انتظامی نقطۂ نظر سے محض نقل مکانی تھی، اور اسلامی حکومت نے جس مقام پر ان کو آباد کیا وہ بھی اسلامی مملکت ہی کا حصہ تھا، اوران کو ان کی زمینوں اور باغات کی قیمتیں بیت المال سے ادا کر دی گئی تھیں، اسی طرح حجاز کے یہودیوں کو بھی ان کی اراضی کی قیمتیں ادا کر دی گئی تھیں[345]

نجران کے عیسائیوں کو جب عرب کی آبادی سے نکال کر شام وعراق میں آباد کیا گیا تو ان کے ساتھ بڑا فیاضانہ برتاؤ کیا گیا، اوران کو خصوصی مراعات دی گئیں، ان کو امن کا جو پروانہ دیا گیا اس میں یہ شرطیں لکھی گئیں:

”عراق یا شام جہاں یہ لوگ جائیں وہاں کے افسران کی آبادی اور زراعت کے لیے ان کو زمین

------ حواشی--

343 ۔فتوح البلدان بلاذری:۲۵

344 ۔کتاب الخراج:۲۹

345 ۔فتوح البلدان:۴۲

دیں، جس مسلمان کے پاس یہ کوئی فریاد لے جائیں وہ ان کی مدد کرے، چوبیس (۲۴) مہینے تک ان سے مطلقاً جزیہ نہ لیا جائے"

اس معاہدہ پر احتیاط اور پختگی کے لیے بڑے بڑے صحابہ نے دستخط کئے[346]

ایک ایسی قوم جس کے متعلق بغاوت اور سازش کے ثبوت موجود ہوں اس کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور کیا رعایت کی جاسکتی تھی[347]۔

ذمیوں کے لیے قانون جزیہ[348]

بعض ناواقف لوگ اسلام کے قانون "جزیہ" پر کافی چیں بجبیں نظر آتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک جبری ٹیکس ہے، جو ذلت کے ساتھ صرف غیر مسلم اقلیتوں پر عائد کیا جاتا ہے، اور اس جبری ذلت سے بچنے کے لیے اسلام کا قبول کرلینا زیادہ آسان ہے، اس طرح یہ جبراً مسلمان بنانے کا ایک سیاسی ذریعہ ہے" صغیرہ۔

لیکن یہ غلط فہمی بھی اس قانون کی حقیقت نہ جاننے کے سبب پیدا ہوئی ہے، جزیہ کی حقیقت اس کی تاریخ اور اس کے مقاصد کا علم ہو تو جزیہ ایک معمول کا ٹیکس معلوم ہو گا۔

جزیہ کی تحقیق

جزیہ دراصل فارسی لفظ "گزیت" کا معرب ہے، عربی زبان میں سب سے زیادہ جس غیر عربی زبان کے الفاظ معرب ہو کر داخل ہوئے وہ فارسی ہے، اور اس کی بڑی سیاسی وجہ یہ ہے کہ فارسی حکمرانوں

------ حواشی ------

346 - کتاب الخراج:۴۱

347 - ماخوذ از - مقالات شبلی جلد اول مذہبی: الفاروق حصہ دوم، اسلام اور مستشرقین حصہ چہارم

348 - ماخوذ از قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی

کے حدود حکومت یمن اور اس کے مضافات تک پھیلے ہوئے تھے، ظاہر ہے کہ حکمراں قوم کی زبان محکوموں کے لیے بہت زیادہ قابل قبول ہوتی ہے، چنانچہ عربوں نے بہت سے فارسی الفاظ کو معرب کر کے اپنی زبان میں شامل کرلیا.........انہی الفاظ میں ایک اصطلاحی لفظ "گزیت" بھی ہے۔

غیر عربی زبانوں کے الفاظ و مصطلحات کے متعلق نہایت صحیح اور مستند کتاب عربی زبان میں "مفاتیح العلوم" ہے جو کشف الظنون" کا مأخذ ہے اس کتاب میں جزیہ کی تحقیق ان الفاظ میں کی گئی ہے:

جزاء رؤس اہل الذمۃ جمع جزیۃ و ھو معرب گزیت و ہو الخراج بالفارسیۃ[349]

یعنی ذمیوں سے جزیہ لیا جاتا ہے، یہ معرب لفظ ہے جس کی اصل گزیت ہے، اور اس کے معنی فارسی میں خراج کے ہیں۔

برہان قاطع میں ہے:

گزیت بفتح الاول وکسر ثانی زرے باشد کہ حکام ہر سالہ از رعایا گیرند وآں را خراج ہم گویند وزرے را نیز گویند کہ از کفار ذمی ستانند[350]

ترجمہ: یعنی گزیت وہ سالانہ رقم ہے جو حکام رعایا سے وصول کرتے ہیں، اس کو خراج بھی کہتے ہیں نیز ذمی کافروں سے وصول کی جانے والی رقم کو بھی گزیت کہا جاتا ہے۔

جزیہ کا آغاز

یہ جزیہ دراصل نوشیر وان کے عہد حکومت میں رائج ہوا اور اس کے قواعد اسی کے عہد میں مرتب ہوئے، امام ابو جعفر طبریؒ جو بڑے محدث اور مورّخ ہیں، نوشیر واں کے ملکی انتظامات کے ذیل میں لکھتے ہیں:

والزم الناس الجزیۃ ماخلا اہل البیوتات والعظماء والمقاتلۃ اوالعرابذۃ و الکتاب و من کان فی خدمۃ الملک وصیروہا علیٰ طبقات اثنی عشر درہماً و ثمانیۃ وستۃ واربعۃ ولم یلزموا

------ حواشی ------

349 ۔مفاتیح العلوم:۵۹، ۷، مطبوعہ یورپ بحوالہ اسلام اور مستشرقین: ج ۴ / ۱۳۹

350 ۔اسلام اور مستشرقین علامہ شبلی: ج ۴ ص ۱۳۹

الجزیۃمن کان لہ من السن دون العشرین او فوق الخمسین[351]

یعنی لوگوں پر جزیہ مقرر کیا گیا، جس کی شرح بارہ درہم اور آٹھ وچھ وچار تھی، لیکن خاندانی شرفاء اور امراء اور اہل فوج اور پیشوایانِ مذہب اور اہل قلم اور عہدہ داران دربار جزیہ سے مستثنٰی تھے اور وہ لوگ بھی جن کی عمر پچاس (۵۰) سے زیادہ یا بیس (۲۰) سے کم ہوتی تھی۔

اس کے بعد امام طبریؒ لکھتے ہیں:

وھی الوضائع التی اقتدی بہاعمربن الخطاب حین افتتح بلادالفرس[352]

یعنی جب حضرت عمر بن الخطابؓ نے فارس فتح کیا تو ان قواعد کی تقلید کی۔

علامہ ابو حنیف دینوری نے بھی "کتاب الاخبار الطوال" میں اس پوری تفصیل کو بعینہ نقل کیا ہے

353

جزیہ کا مقصد

نوشیرواں نے یہ جزیہ کس مقصد سے جاری کیا، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے امام طبریؒ نے لکھا ہے کہ:

اہل فوج ملک کے محافظ ہیں، اور ملک کے لیے اپنی جانیں خطرے میں ڈالتے ہیں، اس لیے لوگوں کی آمدنی سے ان کے لیے ایک رقم خاص مقرر کی گئی کہ ان کی محنتوں کا معاوضہ ہو[354]

تو گویا جزیہ معاوضۂ حفاظت تھا عہد اسلامی میں جب جزیہ کو لیا گیا تو اس کی اصل حیثیت جوں کی توں باقی رکھی گئی، مثلاً فوجیوں کو اس سے مستثنٰی رکھا گیا، اور پچاس (۵۰) سال سے زیادہ اور بیس (۲۰) سال

------ حواشی ------

351 - تاریخ کبیر طبری: ج ۲/ ۹۶۲

352 - تاریخ کبیر طبری: ج ۲/ ۹۶۲

353 - کتاب الاخبار الطوال ص: ۷۳، بحوالہ اسلام اور مستشرقین: ج ۴/ ۱۴۱

354 - تاریخ کبیر طبری: ج ۲/ ۹۶۲

سے کم عمر لوگوں کو بھی اس سے الگ رکھا گیا، البتہ تھوڑی بہت ترمیم بھی کی گئی، اسلامی حکومت میں فوجی خدمات کی لازمی ذمہ داری مسلمانوں کے سر ہے، غیر مسلموں کو جبری طور پر اس کا پابند نہیں کیا گیا، اس لیے کہ ان کی جان ومال کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہے، غیر مسلموں کے ذمہ ملک کے شہریوں کی جان ومال کی حفاظت نہیں ہے، اس لیے مسلمان جزیہ سے مستثنیٰ رکھے گئے۔اور غیر مسلموں پر حفاظت جان ومال کے بدلے جزیہ عائد کیا گیا، متعدد روایات وآثار سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی قانون کے مطابق بھی یہ جزیہ محض معاوضۂ حفاظت ہے، اس میں کوئی تحقیر کا پہلو نہیں ہے، اور یہ تو ہر حکومت کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنے شہریوں سے ان کی حفاظت کا معاوضہ وصول کرے۔

☆رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والی ایلہ کو جو فرمانِ جزیہ تحریر فرمایا اس میں یہ الفاظ تھے:

"یحفظوا ویمنعوا"یعنی ان لوگوں کی حفاظت کی جائے اور دشمنوں سے ان کو بچایا جائے[355]

☆اسی طرح عہد صحابہ میں جو بعض معاہدات ذمیوں کے لیے ہوئے ہیں، ان میں صراحت کی گئی ہے کہ یہ جزیہ معاوضۂ حفاظت کے طور پر ان سے لیا جائے گا، مثلاً حضرت خالد بن الولیدؓ نے صلوبابن نسطونا سے جو معاہدہ فرمایا اس میں لکھا گیا:

> ہذاکتاب من خالدبن الولید لصلوبابن نسطونا وقومہ انی عاہدتکم علی الجزیۃ والمنعۃ فلک الذمۃ والمنعۃ فان منعناکم فلنا الجزیۃوالافلا، کتب سنۃ اثنی عشرۃ فی صفر[356]
>
> ترجمہ: یہ خالد بن الولید کی تحریر ہے، صلوبابن نسطونا اور اسکی قوم کے لیے، میں نے تم سے معاہدہ کیا جزیہ اور محافظت پر، پس تمہاری ذمہ داری اور محافظت ہم پر ہے، جب تک ہم تمہاری محافظت کریں ہم کو جزیہ کا حق ہے ورنہ نہیں، صفر ۱۲ھ کو لکھا گیا۔

☆ اہل عراق سے جب حضرت خالد بن الولیدؓ نے معاہدہ کیا تو ایک تحریر حضرت خالدؓ نے دی

------ حواشی--

355 ۔فتوح البلدان بلاذری:۵۹/بحوالہ اسلام اور مستشرقین:ج۴/۱۴۰

356 ۔تاریخ کبیر ابو جعفر طبری مطبوعہ یورپ:ج۴/۲۰۵۰

جس میں وہی وضاحت تھی کہ جزیہ ان کی حفاظت جان ومال کے بدلہ لیا جائے گا، اور دوسری تحریر اہل عراق کی جانب سے لکھی گئی اس میں بھی اس کی وضاحت کی گئی۔

انا قد ادیناالجزیۃ التی عاہدنا علیہا خالداً ان یمنعونا وامیرہم البغی من السلمین وغیرہم[357]

ترجمہ: ہم نے وہ جزیہ ادا کر دیا، جس پر خالد سے معاہدہ کیا تھا، اس شرط پر کہ مسلمان یا کوئی قوم اگر ہم کو کوئی نقصان پہونچانا چاہے تو اسلام کی جماعت اوران کے سربراہ ہماری حفاظت کریں گے۔

☆حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے شام میں جب مسلسل فتوحات حاصل کیں تو ہرقل ایک بڑی فوج لے کر مقابلے کے لیے آیا، مسلمانوں کی پوری توجہ فوجی تربیت اور ضروریات میں لگ گئی، اس وقت حضرت ابو عبیدہؓ نے اپنے تمام عمال کو جو شام کے مفتوحہ علاقوں میں تعینات تھے، تحریری ہدایت بھیجی کہ جن لوگوں سے جزیہ وصول کر لیا گیا ہے، ان کو واپس کر دیا جائے اور ان سے کہدیا جائے کہ ہم نے تم سے حفاظت کے بدلے یہ جزیہ لیا تھا، لیکن اب جنگ کا خطرہ درپیش ہونے کی بناپر ہم اس عہد کو پورا نہیں کر سکتے اس لیے تم سے جزیہ لینے کا بھی حق نہیں رکھتے۔

عیسائیوں نے مسلمانوں کو دل سے دعادی کہ خدا تم کو پھر سے ہمارے شہروں کی حکومت دے، رومی ہوتے تو اس موقع پر واپس دینا تو درکنار جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ بھی لے لیتے، چنانچہ تعمیل حکم میں وصول شدہ جزیہ کی پوری رقم ان کے مالکان کو واپس کر دی گئی[358]

اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ بس معاوضۂ حفاظت ہے جو قومی خدمات سے مستثنیٰ رکھنے کی بناپر ان پر عائد کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم اپنے کو فوجی خدمات کے لیے پیش کرے تو عام مسلمانوں کی طرح اس کو بھی جزیہ سے مستثنیٰ کر دیا جائے گا۔

------ حواشی---

357 ۔طبری: ج۴/ ۲۰۵۵

358۔ کتاب الخراج قاضی ابو یوسف: ۸۱/ فتوح البلدان: ۱۳۷/ فتوح الشام ازدی: ۱۳۷

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب حبیب بن مسلمہؓ نے قوم جراجمہ (ایک عیسائی قوم) پر فتح پائی تو ان لوگوں نے فوجی خدمات کے لیے اپنے کو پیش کیا، اوراس وجہ سے اس پوری قوم کا جزیہ معاف کر دیا گیا[359]

حضرت عمرؓ کے زمانے کے بعض معاہدات میں بھی یہ تصریح ملتی ہے، عتبہ بن فرقد نے جب آذربائیجان فتح کیاتو معاہدے میں یہ الفاظ لکھے:

علیٰ ان یؤ دوا الجزیۃ علیٰ قدر طاقتہم ومن حشرمنہم فی سنۃ وضع عنہ جزاء تلک السنۃ

ترجمہ: یعنی صلح اس شرط پر ہوئی کہ جزیہ ادا کریں اور جو شخص کسی سال لڑائی میں بلایا جائے گاتو اس سال کا جزیہ معاف کر دیا جائے گا[360]

عہد فاروقی اور عہد صحابہ میں اس قسم کی متعدد نظیریں موجود ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جزیہ مسلمانوں کی فوجی خدمات کا صلہ ہے۔

جزیہ کی مقدار اور مصارف

جزیہ کے مصارف یہ ہیں: لشکر کی آراستگی، سرحد کی حفاظت، قلعوں کی تعمیر، سڑکوں اور پلوں کی تیاری، سررشتۂ تعلیم وغیرہ بے شبہ اس طرح اس خاص رقم سے مسلمانوں کو بھی فائدہ پہونچتاہے، جس طرح کہ دوسرے شہریوں کو۔

جزیہ کی مقدار زیادہ سے زیادہ بیس (۲۰) روپے سالانہ تھی، کسی کے پاس لاکھوں روپے بھی ہوں تواس سے زیادہ نہیں لیاجائے گا، عام شرح چھ (٦) روپے اور تین (۳) روپئے سالانہ ہے، ظاہر ہے کہ یہ بہت ہی معمولی ٹیکس ہے، مسلمانوں پر زکوٰۃ، عشر اور صدقات کے نام پر جو مالی وظائف مقرر کئے گئے ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں، پھر اسلامی حکومت اس معمولی جزیہ کے عوض جو حقوق دیتی ہے اس سے زیادہ دنیا کی کوئی

------ حواشی--

359 ۔اسلام اور مستشرقین:ج۴/۱۴۵

360 ۔تاریخ کبیر طبری بحوالہ اسلام اور مستشرقین علامہ شبلی:۴/۱۴۶

حکومت نہیں دے سکتی[361]

------ حواشی--

361 - اسلام اور مستشرقین علامہ شبلی نعمانی: ج ۴/ ۱۳۸ تا ۱۴۷

قید کی سزا اور قیدیوں کے حقوق اور مسائل [362]

آج دنیا میں انسانوں کے درمیان جو طبقاتی تقسیم اور ان کے درمیان حقوق کی ناہمواری پائی جاتی ہے اس کی ایک بدترین مثال انسانوں کا وہ طبقہ ہے جو اپنے بعض حالات کی بناء پر قید خانہ کی سلاخوں کے پیچھے زندگی گذارنے پر مجبور ہے، اس کے بالمقابل اسلام کے عادلانہ نظام میں انسانی تمام طبقات کے لئے مثالی توازن وہم آہنگی اور ان کے حقوق وجذبات کی ہر ممکن رعایت پائی جاتی ہے۔

اسلام نے اپنی تمام تعلیمات میں قیدیوں کے ساتھ عام انسانی احترام میں کوئی کمی نہیں کی، اسلامی نقطۂ نظر سے ہر انسان ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے اس لئے اس کو اپنے حقوق کے معاملے میں پوری آزادی ملنی چاہئے۔ البتہ انسان کبھی ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہو جاتا ہے، جو عام انسانی اجتماع کے لئے ضرر رساں ثابت ہوتی ہیں ایسے موقعہ پر عام انسانی مفادات کے تحفظ کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ اس شخص کی سرگرمیوں کو محدود کیا جائے، یا اس پر مکمل بندش عائد کردی جائے، اسی کے لئے قید کی ضرورت پڑتی ہے، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں کوئی باقاعدہ قید خانہ یا جیل کا نظام نہیں تھا، اور نہ کبھی باضابطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے لئے قید کی سزا تجویز فرمائی [363]

صرف تحقیق حال کے لئے بعض ملزمین کو وقتی طور پر قید کا حکم فرمایا، مثلاً:

ایک مرتبہ قبیلہ بنو غفار کے دو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کیے گئے، ان پر دو اونٹوں کی چوری کا الزام تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کو روک لیا اور دوسرے کو اونٹ تلاش کرنے کا حکم دیا، بالآخر وہ دوسرا شخص دونوں اونٹ لے کر دربار نبوت میں واپس ہوا اور پھر دونوں کی رہائی عمل میں آئی [364]۔

------ حواشی --

362 ۔ تحریر بمقام جامعہ ربانی منورواشریف، بتاریخ ۶/ محرم الحرام ۱۴۳۰ھ

363 ۔ اقضیۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابن فرح/ 11، تبصرۃ الحکام لابن فرحون، الموسوعۃ 16/ 284

364 ۔ مصنف عبد الرزاق 10/ 216-217

قید کا نظام

عہد فاروقی سے اس کا آغاز ہوا اور ضرورت کے تحت قید خانہ کا نظام رائج کیا گیا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے حکم پر مکہ کے گورنر نافع بن عبد الحارث نے اس غرض سے چار ہزار (۴۰۰۰) درہم میں صفوان بن امیہ کا مکان خریدا، اسی طرح حضرت علیؓ نے کوفہ میں باقاعدہ قید خانہ قائم کیا[365]۔

نیز حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالی عنہ نے کوفہ میں اور حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالی عنہ نے مکہ مکرمہ میں اپنے اپنے عہد حکومت میں قید خانہ قائم فرمایا[366]۔

پھر بعد کے ادوار میں تمام ہی مسلم حکمرانوں نے اس نظام کو باقی رکھا، اور اسلامی قاضیوں نے مختلف جرائم میں قید کی سزا تجویز فرمائی۔ لیکن یہ سب محض وقتی اور ناگزیر ضرورت کے تحت گوارا کیا گیا، اسی لئے قید کے کسی مرحلے پر بھی انسانی احترام کو نظر انداز نہیں کیا گیا، اسلام نے قیدیوں کے ساتھ مراعات اور حسن سلوک کی تعلیم دی، اور ہر حال میں اس پہلو پر دھیان مرکوز رکھا کہ وہ بھی تمہاری طرح انسان ہیں، ان کے پاس بھی ضروریات اور تقاضے ہیں اور وہ بھی جذبہ واحساس رکھتے ہیں، اور کل وہ بھی تمہاری طرح آزاد تھے، حالات زمانہ نے ان کو اس حال تک پہنچادیا ہے، اس لئے ان کے ساتھ ہمدردانہ سلوک کرو۔

قیدیوں کے لئے اسلامی ہدایات

☆غزوۂ بدر میں فتح کے بعد جنگی قیدی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے گئے تو زبان نبوت سے جو جملہ صادر ہوا وہ قیدیوں اور کمزور طبقہ کے لیے نبوت کا سب سے بڑا عطیہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یا ایہا الناس ان اللہ قد امکنکم وانما ہم اخوانکم بالامس[367]

------ حواشی --

365 - المبسوط 20/89، الطرق الحکمیہ 103، الموسوعۃ 16/316

366 - تفسیر خازن 2/71، زاد لمعاد 2/74، الموسوعۃ 16/286

367 - مجمع الزوائد 1/87

ترجمہ: اے لوگو! اللہ نے آج تم کو ان پر قدرت دی ہے اور کل یہ تمہارے بھائی تھے۔

قرآن کریم میں قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا ابرار اور مقربین کی صفت قرار دیا گیا:

ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما و اسیرا[368]

ترجمہ: اور یہ لوگ پوری محبت وخلوص کے ساتھ مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

☆حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی:

استوصوا بالاساری خیرا[369]

ترجمہ: قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت قبول کرو۔

☆غلام جیسے کمزور طبقہ کے بارے میں فرمایا:

فاطعمہ مما تاکلون واکسوہ مما تکسون[370]

ترجمہ: جو خود کھاتے ہو ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو ان کو پہناؤ۔

☆ان کی عزت نفس کا بھی پورا لحاظ فرمایا، اور ارشاد فرمایا:

لاتقل عبدی ولا امتی ولکن قل فتائی وفتاتی[371]

ترجمہ: غلام اور باندی کہہ کر ان کو مت پکارو بلکہ میرے بیٹے! اور میری بیٹی! کہہ کر آواز دو۔

انہی تعلیمات کا اثر تھا کہ عہد اوّل میں جن مسلمانوں کے پاس قیدی تھے وہ اوّل کھانا قیدیوں کو کھلاتے اور بعد میں خود کھاتے اور اگر کھانا نہ بچتا تو خود کھجور پر اکتفاء کر لیتے۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ کے حقیقی بھائی ابو عزیز بن عمرؓ بھی ایک بار قید ہو کر آئے وہ بیان کرتے

------ حواشی --

368 ۔ سورہ دہر: 8

369 ۔ طبرانی کبیر بحوالہ سیرۃ المصطفیٰ 1/579، مولانا ادریس کاندھلوی

370 ۔ احمد وابوداؤد، مشکوٰۃ 292

371 ۔ مجمع الزوائد 6/87

ہیں کہ میں انصار کے جس گھر میں تھا ان کا یہ حال تھا کہ صبح و شام جو تھوڑی بہت روٹی بنتی وہ مجھ کو کھلا دیتے اور خود کھجور کھاتے، میں شرماتا اور ہر چند اصرار کرتا کہ روٹی آپ لوگ کھائیں لیکن نہ مانتے اور یہ کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم فرمایا ہے[372]۔

(دعویٰ) الزام عائد کرنے کا ضابطہ

غرض اسلام ہر انسان کی شخصی آزادی اور احترام کو بہت اہمیت دیتا ہے، اور کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا ہے کہ کسی کی آزادی وعزت نفس کو نقصان پہنچائے، اسی لیے شریعت اسلامیہ اس کی اجازت نہیں دیتی کہ خواہ مخواہ کسی پر الزام لگا کر اس کی حیثیت کو مجروح کیا جائے، اور نہ اسلامی عدالت اس کی مجاز ہے کہ محض الزام کی بنا پر کسی کو مجرم قرار دے، الزام لگانے کے لیے ضابطہ مقرر کیا گیا کہ:

البينة على المدّعى واليمين على من انكر[373]

ترجمہ: "دعوی پیش کرنے والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ ثبوت فراہم کرے بصورتِ دیگر منکر سے قسم لے کر اس کو بری قرار دیا جائے گا۔

بلکہ بعض صورتوں میں تو ثبوت فراہم نہ کرنے کی صورت میں خود مدعی کو مجرم قرار دیا جاتا ہے، اور اس کو بے بنیاد الزام لگانے کے جرم میں سزا دی جاتی ہے، مثلاً کوئی شخص کسی پر "زنا" کا الزام لگائے اور اس کو اصول کے مطابق ثابت نہ کر سکے، تو خود الزام لگانے والے پر حد قذف عائد کی جاتی ہے، اس سے تعزیرات کے باب میں اسلام کے تصورِ جرم کا پتہ چلتا ہے کہ "جرم" صرف وہ ہے جس کو ثابت کر دیا جائے۔ اور جو ثابت نہ ہو سکے وہ صرف "الزام" ہے۔

ملزم کو قید کرنے کا مسئلہ

محض الزام کی بناء پر کسی پر سزا نافذ نہیں کی جاسکتی، البتہ کبھی ایسی صورت پیش آسکتی ہے جس میں

------ حواشی --

372 - مجمع الزوائد 6/86

373 - متفق علیہ: نصب الرایہ 4/95

الزام کی تنقیح اور ثبوت کی فراہمی میں تھوڑا وقت لگ سکتا ہے، اس درمیانی مدت میں ملزم کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ جبکہ وہ ابھی مجرم نہیں ہے، لیکن تنقیح دعویٰ تک کیا اس کو "قید" میں رکھا جاسکتا ہے؟ اس باب میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں:

(۱) قاضی شریحؒ، امام ابویوسفؒ اور امام الحرمینؒ کی رائے میں مکمل ثبوت کے بغیر محض الزام کی بنا پر کسی کو قید نہیں کیا جاسکتا، قاضی شریحؒ نے ایک مالی معاملہ میں ماخوذ ملزم کو ثبوت نہ ملنے کی صورت میں محض قسم لے کر بری کر دیا تھا[374]۔

امام ابویوسفؒ اس طرح کی صورت میں زیادہ سے زیادہ کسی معتبر ضمانت دار کا مطالبہ کرتے ہیں، ضمانت مل جانے کی صورت میں ملزم کو اپنے گھر جانے کی اجازت ہے[375]۔

اس سلسلے میں ایک واقعہ حضرت عمر بن الخطابؓ کا نقل کیا جاتا ہے کہ ان کے پاس ایک ملزم گرفتار کر کے لایا گیا، اور ثبوت فراہم نہ ہو سکا تو آپ نے اس کو چھوڑ دیا[376]۔

(۲) بعض فقہاء حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ جن مقدمات میں ثبوت جرم کے بعد قید ہی کی سزا مقرر ہے، مثلاً مالی معاملات، ان میں مکمل ثبوت کی فراہمی کے بغیر ملزم کو قید میں رکھنا درست نہیں ہے۔ سحنون وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ جن مقدمات کی سزا قید نہیں ہے مثلاً حدود و قصاص کے معاملات، ان میں عدالتی کارروائی مکمل ہونے تک ملزم کو قید میں رکھا جاسکتا ہے[377]

(۳) جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اگر ملزم کوئی معروف اور نیک شخص ہو، اور اس کی ذاتی زندگی غیر مشتبہ اور صاف ستھری سمجھی جاتی ہو، تو ایسے شخص کو بلا ثبوت قید کرنا یا سزا دینا درست نہیں، البتہ مستور الحال شخص کو تحقیق حال تک قید کرنا درست ہے، یا ملزم کوئی مشتبہ شخص ہو اور اس طرح کے الزامات اس پر

------ حواشی --

374 - تبصرۃ الحکام 1/407

375 - کتاب الخراج 190، 191

376 - المحلی لابن حزم 11/131، مصنف عبد الرزاق 10/217

377 - حاشیۃ القلیوبی 4/306، در مختار مع رد المحتار 4/40، 5/299، العنایۃ للبابرتی 5/401، المغنی لابن قدامہ 9/328

لگتے رہے ہوں تو اس کو بھی قید کرنا درست بلکہ نسبتاً بہتر ہے[378]

قید کا ثبوت

جمہور کی بنیاد درج ذیل آیات واحادیث ہیں:

☆ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وتحبسونہما من بعد الصلوۃ فیقسمان باللہ[379]

ترجمہ: ان کو قید کرو نماز کے بعد، پھر وہ اللہ کی قسم کھائیں۔

اس میں ادائے حق تک قید کرنے کا جواز ملتا ہے۔

☆ اسی طرح ایک حدیث جس کا ذکر اس سے قبل آچکا ہے کہ "دربار نبوت میں قبیلہ بنو غفار کے دو شخص دو اونٹوں کی چوری کے الزام میں پکڑ کر لائے گئے، آپ نے دونوں میں سے ایک کو اپنے پاس روک لیا، اور دوسرے کو اونٹ حاضر کرنے کا حکم دیا، بالآخر وہ شخص گیا اور دونوں اونٹ لے کر حاضر ہوا[380]۔

☆ نیز روایت ہے کہ واقعۂ خیبر کے بعد ابن ابی الحقیق کو دربار نبوت میں پیش کیا گیا، اس پر ایک خزانہ کو چھپانے کا الزام تھا، جبکہ اس کا دعویٰ تھا کہ خزانہ خرچ ہو چکا ہے، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شبہ کی بنا پر اس کا دعویٰ رد کر دیا کہ ابھی جنگ کو بہت دن نہیں ہوئے، اور مال بہت زیادہ تھا۔ (العہد قریب والمال اکثر) اور آپ نے تحقیق حال تک اس کو قید رکھنے کا حکم دیا، اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالی عنہ کو ملزم کے احتساب اور پوچھ گچھ پر مامور فرمایا، حضرت زبیر رضی اللہ تعالی عنہ کی تھوڑی سی تادیبی کارروائی کے بعد ہی اس نے خزانہ کی نشاندہی کر دی۔ (ثم امر الزبیر ان یمسہ بعذاب

------ حواشی ------

[378] - حاشیہ ابن عابدین 4/88، حاشیہ الدسوقی 3/279، الاحکام السلطانیہ للماوردی 219، المغنی لابن قدامہ 9/328 بحوالہ الموسوعۃ 16/292

[379] - مائدۃ:106

[380] - مصنف عبدالرزاق 10/217،216، مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل

حتی ظہر الکنز)[381]

☆ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے دو ملزموں کو اقرار تک قید کرنے کا حکم دیا۔[382]

ان احادیث و آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ جمہور فقہاء کا موقف اس سلسلے میں زیادہ مضبوط ہے۔ نیز یہ بات قرین قیاس بھی ہے، اس لیے کہ ملزم بعض حالات میں اپنے برے انجام سے بچنے کے لیے راہ فرار اختیار کر سکتا ہے، اور اس طرح عدالتی کاروائی تعطل کا شکار ہو سکتی ہے، نیز یہ بھی ممکن ہے کہ ملزم کے باہر رہنے کی صورت میں مدعی کی طرف سے اسے کسی زیادتی کا سامنا کرنا پڑے، اس لیے ملزم اور مدعی دونوں کے لیے محفوظ صورت یہ ہے کہ ملزم کو حراست میں رکھا جائے، اور عدالتی کاروائی مکمل ہونے تک اس کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔ البتہ ملزم اگر معروف اور غیر مشتبہ شخص ہو، اس کے فرار ہونے کا اندیشہ نہ ہو اور نہ اس کی ذاتی حفاظت کا کوئی خطرہ ہو، تو عدالت اس پر اعتماد کر سکتی ہے، اسی طرح اس کا لحاظ بھی ضروری ہے کہ مشتبہ ملزم جس کو عدالت کاروائی مکمل ہونے تک قید کرنے کا حکم دے گی وہ قید خانہ میں عام شہری کی طرح زندگی گذارے گا اور اس کو کسی قسم کی ذہنی یا جسمانی اذیت نہیں دی جائے گی۔

قید کی مدت

اکثر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ مشتبہ ملزم کے لیے قید کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے، یہ حاکم کی صوابدید اور متعلقہ حالات پر موقوف ہے، جتنے دنوں میں صورت حال منقح ہو جائے، اتنے دنوں تک قید میں رکھنے کی گنجائش ہے، علامہ ابن تیمیہؒ نے اس قول کو امام مالکؒ، امام احمدؒ اور محققین حنفیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔[383]

------ حواشی --

381 - ابوداؤد 3/408، تحقیق عزت عبید دعاس، فتح الباری 5/328 مطبوعہ السلفیہ تبصرۃ الحکام 2/114

382 - تبصرۃ الحکام 2/140

383 - فتاویٰ ابن تیمیہ 35/397، حاشیہ ابن عابدین 4/88

جبکہ مالکیہ کی یہ تصریح بھی ملتی ہے کہ مستور الحال کو لمبے عرصہ تک قید میں نہیں رکھا جاسکتا، لمبے عرصہ کا اطلاق ان کے نزدیک ایک سال سے زائد پر ہوتا ہے۔[384]

بعض فقہاء کا خیال ہے کہ مستور الحال ملزم کو ایک دن سے زیادہ قید نہیں کیا جاسکتا، کچھ لوگوں نے دو تین دن مقرر کیا ہے اور بعض نے اس کو وسعت دے کر ایک ماہ تک کی اجازت دی ہے[385]

مگر حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کا ظاہر مذہب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا کہ مدت کی کوئی تحدید نہیں کی جاسکتی، متعلقہ حالات اور حاکم کی رائے پر منحصر ہے، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی بھی یہی رائے نقل کی جاتی ہے[386]

ایسے لوگ جن پر کسی قسم کا الزام تو نہ ہو، مگر ان سے مفاد عامہ کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، ایسے لوگوں کو بھی نظر بند یا قید کرنے کی فقہاء نے اجازت دی ہے، فقہاء نے اس کی مثال میں ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کی نظر لگتی ہو۔[387]

☆ اسی طرح ایسے مجرمین جن کا جرم ثابت ہو چکا ہو، اور عدالت نے ان کو قابل سزا قرار دیا ہو، مگر بیماری یا کسی اور سبب سے متعلقہ سزا ان پر جاری نہ کی جاسکتی ہو تو سبب کے خاتمہ تک ان کو قید میں رکھنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ مجرم ایسا ہو جس کے فرار کا اندیشہ ہو، بصورت دیگر اس کو آزاد رکھ کر سبب کے خاتمہ کا انتظار کیا جائے گا[388]

------ حواشی ---

384 - تبصرۃ الحکام 1/266، بحوالہ الموسوعۃ 16/294

385 - حاشیہ ابن عابدین 4/88، تبصرۃ الحکام 2/148، المغنی لابن قدامہ 9/328

386 - الاحکام السلطانیہ للماوردی 220

387 - حاشیۃ ابن عابدین 6/364، حاشیۃ القلیوبی 4/162، فتح الباری 10/205

388 - در مختار مع رد المحتار 4/16، المدونۃ 5/206

(۲)

قیدیوں کے حقوق

جن ملزمین پر جرم ثابت ہو جائے اور عدالت ان کے لیے سزائے قید کا فیصلہ سنادے، ان کو سزا کے طور پر قید خانہ میں رکھا جائے گا، مگر عام حالات میں ان کو عام انسانی حقوق سے محروم نہیں کیا جائے گا، اور ان کی بنیادی ضروریات کا پورا لحاظ رکھا جائے گا، فقہاء اسلام نے پوری تفصیل کے ساتھ ان امور پر روشنی ڈالی ہے، مثلاً:

مذہبی امور

(الف) قیدیوں کو ان کے مذہبی امور میں مکمل آزادی حاصل ہوگی، وہ اپنے مذہب کے مطابق عبادت وغیرہ انجام دے سکیں گے، ان کے مذہب کے مطابق ان کو غذا فراہم کی جائے گی، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ مسلم قیدیوں کو وضو اور نماز وغیرہ سے روکنا درست نہیں ہے [389]، اگر جمعہ اور عیدین کا انتظام قید خانہ میں ہو، اور شرائط جمعہ بھی موجود ہوں تو قیدیوں کو قید خانہ ہی میں جمعہ وعیدین کی اجازت ہوگی ، حنفیہ کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ قیدیوں کے لیے جمعہ کی اجازت ہے، اور اگر جمعہ کا انتظام نہ ہو، تو قیدی تنہا تنہا ظہر ادا کریں گے [390]، بعض حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ قید خانہ میں جمعہ وعیدین کا انتظام نہ ہونے کی صورت میں قیدیوں کو باہر نکلنے کی اجازت ہوگی، شافعیہ میں بغویؒ اور بویطیؒ، اور حنفیہ میں سرخسیؒ کی بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے [391]، مگر مذاہب اربعہ کے جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جمعہ وعیدین کے لیے قیدیوں کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے، البتہ اگر بعض قیدیوں کے لیے حاکم اس میں مضائقہ نہ سمجھے تو حرج نہیں [392]۔

------ حواشی ------

389 - در مختار مع رد المحتار 5/ 378، 379، حاشیۃ القلیوبی 4/ 205

390 - ہدایہ 1/ 63، المبسوط 2/ 36

391 - الموسوعۃ الفقہیۃ 16/ 321 بحوالہ غایۃ المنتہی للکرخی 1/ 206، روضۃ الطالبین 4/ 140

392 - الموسوعۃ الفقہیۃ 16/ 321 بحوالہ حاشیۃ ابن عابدین 5/ 377، المبسوط 20/ 90، المغنی 2/ 339 وغیرہا

ظاہر ہے کہ اس عموم میں ان کی مذہبی کتابوں کا احترام بھی شامل ہے، اس لیے کہ قید کا مقصد تادیب واصلاح ہے، توہین آمیز یا اشتعال انگیز سلوک کی ہرگز اجازت نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس سے رد عمل کی نفسیات جنم لیتی ہیں، اور اصلاح کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔

رہا دوسرے قیدیوں کے درمیان دعوت دین کا کام، تو یہ حاکم کی صوابدید پر موقوف ہونا چاہئے اس لیے کہ دعوت اس کی بنیادی یا مذہبی ضروریات میں شامل نہیں ہے، نیز دعوتی کام کبھی قیدیوں میں گروپ بندی بھی پیدا کر سکتی ہے، اور داعی قیدی اس طرح قوت بھی حاصل کر سکتا ہے، اس لیے اس کی اجازت حاکم کی رائے پر منحصر ہوگی، داعی قیدی کے شخصی حالات اگر مثبت محسوس ہوں تو حاکم اس کو دعوتی کام کی اجازت دے سکتا ہے ورنہ نہیں۔

جسمانی ضروریات

(ب) قیدیوں کی جسمانی ضروریات اور بنیادی راحت و آرام کا لحاظ رکھنا بھی لازم ہے، مثلاً: مناسب غذا اور پینے کا صاف ستھرا پانی فراہم کیا جائے گا، حفظان صحت کے لیے اگر ورزش و تفریح کی ضرورت ہو تو اس کی اجازت ہوگی، ایسی تنگ جگہوں میں قیدیوں کو رکھنا درست نہیں ہے، جہاں ہوا اور روشنی کا گذر نہ ہو، یا جہاں کھڑا ہونا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا ممکن نہ ہو، جہاں گھٹن کا احساس ہو، یا ایسی جگہ پر رکھنا جہاں دھواں بھرا ہوا ہو، یا سخت گرم یا سخت ٹھنڈے مکان میں جہاں زندگی دشوار ہو، یا کھلے آسمان کے نیچے جہاں گرمی یا سردی سے جسم بیمار پڑ جائے، ایسی جگہوں پر قیدیوں کو رکھنے کی اجازت نہیں ہے، فقہاء نے صراحت کی ہے کہ اگر کسی قیدی کو ایسے تنگ مقامات پر رکھا گیا، یا غذا اور پانی کا معقول انتظام نہیں کیا گیا، اور وہ مر گیا، تو اس کی دیت اس شخص کے ذمہ لازم ہے جس کی لاپرواہی سے قیدی کا یہ انجام ہوا ہے، بلکہ بعض فقہاء نے تو قصاص کو واجب کیا ہے [393]

------ حواشی --

[393] - الاحکام السلطانیۃ للماوردی 239، حاشیۃ ابن عابدین 2/ 421، فتاویٰ ہندیہ 3/ 414، الموسوعۃ 16/ 327

طبی سہولیات

طبی سہولیات بھی قیدیوں کو فراہم کی جائیں گی، اور اگر جیل میں یہ سہولتیں میسر نہ ہوں تو شافعیہ اور مالکیہ ان کو جیل سے باہر لے جانے کی اجازت دیتے ہیں، البتہ مفتی بہ قول میں حنفیہ یہ قید لگاتے ہیں کہ بیمار قیدیوں کو باہر لے جانے کے لیے معتبر ضمانت شرط ہے، مسلم خلفاء اور حکمرانوں کا تعامل اس باب میں شروع سے یہی رہا کہ قیدیوں کی جسمانی صحت اور طبی سہولیات کی طرف پوری توجہ دی گئی، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے باقاعدہ ایک فرمان کے ذریعہ مملکت کے تمام افسروں کو اس کی طرف خصوصی طور پر توجہ دلائی تھی، خلیفہ مقتدر کے زمانہ میں ڈاکٹروں کی خصوصی خدمات بیمار قیدیوں کے لیے حاصل کی گئی تھیں اور دوا علاج کا پورا انتظام بنایا گیا تھا، یہ ڈاکٹر ہر روز قید خانہ پہنچ کر قیدیوں کا معائنہ کرتے اور علاج تجویز کرتے تھے[394]

بیوی سے تعلق کے سلسلے میں فقہاء کی آرا مختلف ہیں:

(۱) ایک رائے جس کو اکثر حنفیہ نے اختیار کیا ہے اور حنابلہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ قیدی کو بیوی سے ملنے کی اجازت دی جائے گی بشرطیکہ تنہائی کی ایسی جگہ وہاں میسر ہو، اس لیے کہ پیٹ کی طرح شرمگاہ کی بھوک بھی ایک ضرورت ہے، اس لیے اس ضرورت سے اس کو روکا نہیں جائیگا[395]

(۲) دوسری رائے جس کو مالکیہ کا مذہب کہا گیا ہے، بیوی سے تنہائی میں ملنے کی اجازت نہیں ہو گی اس لیے کہ جنسی تعلق کھانے کی طرح حوائج اصلیہ میں شامل نہیں ہے، نیز اس طرح کی لذتوں سے روکنے سے قیدی کی دل شکنی ہو گی، اور وہ اپنے اصلاح حال کی طرف زیادہ تیزی کے ساتھ توجہ دے گا[396]

(۳) اور بعض شوافع کی رائے ہے کہ یہ بھی حاکم کی صوابدید پر موقوف ہے، اگر وہ مصلحت سمجھے تو

------ حواشی ------

394 - حاشیۃ ابن عابدین 5/378، فتاویٰ ہندیہ 4/418، شرح ادب القاضی للخصاف 2/375، حاشیۃ القلیوبی 2/292، طبقات ابن سعد 5/356، الموسوعۃ 16/321

395 - المغنی 7/35، 34، ہدایہ 3/231، فتح القدیر 5/471، فتاویٰ ہندیہ 3/218

396 - الشرح الکبیر للدردیر 3/281، تبصرۃ الحکام 2/205، الموسوعۃ الفقہیہ 16/324

اجازت دیدے ورنہ نہیں[397]

سماجی حقوق

(ج) قیدیوں کو عام حالات میں تعلیم وہنر سیکھنے، اخبارات پڑھنے، موبائل رکھنے، احباب واقارب سے رابطہ رکھنے اور دوسرے قیدیوں سے ملنے کی اجازت ہوگی، البتہ اگر کسی وجہ سے حاکم وقت بعض قیدیوں کے لیے اس کو خلاف مصلحت سمجھے تو اس پر پابندی عائد کرسکتا ہے، بعض شوافع سے اس کی صراحت نقل کی گئی ہے[398]، جس طرح کہ حاکم کو اس کی اجازت ہے کہ کسی خاص مجرم کو اس کے جرم کے پس منظر میں قید تنہائی کی سزا دے، جہاں کسی سے ملنے کی اس کو اجازت نہ ہو، فقہاء نے اس کی بھی صراحت کی ہے[399]۔

ریڈیو اور ٹی وی عموماً تفریحی چیزیں ہیں، اس لئے ان کی اجازت دینا ضروری نہیں۔

اخلاقی امور

(د) فقہاء نے جرائم کے لحاظ سے الگ الگ قید خانہ یا قید خانہ میں الگ الگ حصے بنانے کی تجویز دی ہے، امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "الخراج" میں، باقاعدہ ایک باب اس عنوان پر قائم کیا ہے، اور مجرمین کو بنیادی طور پر تین حصوں میں منقسم کیا ہے:

۱-**اہل فجور:** یعنی جن گناہوں کا تعلق اخلاقی مفاسد سے ہو۔

۲-**اہل تلصص:** یعنی چوری وغیرہ کے قبیل کی چیزیں۔

۳-**اہل جنایات:** یعنی ظلم وزیادتی کے ذیل کی چیزیں۔

اس طرح کی کچھ اور تقسیمات بعض دیگر فقہاء کے یہاں بھی ملتی ہیں، ان تقسیمات کا مقصد یہ ہے کہ قیدیوں میں جرائم پھیلنے سے روکا جائے، اس لیے کہ جرائم کا رجحان بڑی تیزی کے ساتھ پھیلتا ہے، اور ایک

------ حواشی ------

397 - حاشیۃ القلیوبی 2/392، الموسوعۃ 16/324

398 - دیکھئے حاشیۃ القلیوبی 2/392، اسنی المطالب مع حاشیہ الرملی 2/188، الموسوعۃ الفقہیۃ 16/324

399 - المبسوط 20/90، فتاویٰ ابن تیمیہ 15/310، المغنی 8/124، الموسوعۃ 16/319

طرح کا مجرم دوسری طرح کے مجرم سے بہت جلد متاثر ہونے لگتا ہے، لیکن اگر ہر قسم کے مجرمین الگ الگ ہوں، تو دوسرے جرائم سے ان کے محفوظ رہنے کا زیادہ امکان ہے[400]

☆ اسی طرح اخلاقی مفاسد سے بچنے کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ مردوں اور عورتوں کو الگ الگ رکھا جائے، تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے، بلکہ عورتوں کے حصے کا نگراں افسر بھی کسی عورت ہی کو رہنا چاہئے، اگر اس قسم کی عورت میسر نہ ہو تو صلاح و تقویٰ میں معروف شخص کا انتخاب ہونا چاہئے[401]

نابالغ مجرمین کا حکم

☆ کبھی بالغوں کے ساتھ نابالغ لڑکے بھی بعض جرائم میں شریک ہو جاتے ہیں، ایسے نابالغ لڑکوں کو قید میں ڈالا جا سکتا ہے یا نہیں؟

مالکیہ اور شافعیہ کا مسلک یہ ہے کہ صرف تادیبی کاروائی کی جائے گی، قید میں نہیں ڈالا جائے گا خواہ مالی معاملہ ہو یا غیر مالی، لیکن فقہاء حنفیہ کی رائے یہ ہے کہ مالی اور غیر مالی دونوں قسم کے جرائم میں نابالغ لڑکوں کو محض تادیب و تنبیہ کے لیے (نہ کہ سزا کے طور پر) قید میں ڈالنے کی اجازت ہے، تاکہ عام لوگ ان کے ضرر سے محفوظ رہیں، اور ان بچوں کی تنبیہ بھی ہو، البتہ ایسی صورت میں فقہاء نے لازم قرار دیا ہے کہ ان کو بالغوں سے الگ ایسی جگہ پر رکھا جائے، جہاں ان کا کوئی مناسب رہنما اور مربی بھی موجود ہو، تاکہ وہ بالغوں کے شر سے ممکن طور پر محفوظ رہ سکیں[402]۔

طریقۂ احتساب

(۳) یہ ایک حقیقت ہے کہ ثبوت جرم کے لیے اگر شواہد موجود نہ ہوں، تو مجرم آسانی کے ساتھ اپنے جرم کا اقرار نہیں کرتا، اس کے لیے تھوڑی سختی کی ضرورت ہوتی ہے، اس کی ایک مثال عہد نبوت میں

------ حواشی ------

400 - کتاب الخراج 161، ابن عابدین 5/370، الموسوعۃ 16/319

401 - مبسوط 20/90، فتاویٰ ہندیہ 3/414، جواہر الاکلیل للآبی 2/93، الموسوعۃ 16/317

402 - درمختار 4/253، فتاویٰ ابن تیمیہ 34/179، حاشیہ الدسوقی 3/280، معین الحکام 187، الموسوعۃ 16/318، 317

ابن ابی الحقیق کا واقعہ ہے، جس نے ایک خزانہ غائب کر دیا تھا، اور اس کا اقرار نہیں کر رہا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حضرت زبیر ابن العوامؓ نے جب اس کے ساتھ سختی کی تو اس نے اس کا اقرار کیا[403]۔

اسی روایت کی بنا پر فقہاء نے مجرموں کے ساتھ فی الجملہ سختی کی اجازت دی ہے، اور اگرچیکہ جبر واکراہ کی حالت میں اقرار معتبر نہیں ہے، مگر متاخرین حنفیہ نے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر اس کی افادیت تسلیم کی ہے، اور اس حالت کے اقرار کو کسی نہ کسی درجہ میں درست قرار دیا ہے، چوری کی بحث کے ذیل میں علامہ حصکفیؒ لکھتے ہیں:

فيقطع اذااقربها مرة طائعاً واقراره بهامكرها باطل ومن المتأخرين من أفتى بصحته و يحل بضربه ليقر[404]

علامہ شامیؒ نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدود کے لیے اگرچیکہ یہ اقرار معتبر نہیں ہے مگر دیت وتعزیر کے لیے اس کا اعتبار کیا جائے گا[405]، مگر یہ سختی اسی وقت تک جائز ہے جب کہ وحشیانہ حد تک نہ پہنچے، اسی لیے فقہاء نے مجرموں کے ساتھ تادیبی معاملہ کو محدود کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

انما هو السوط والسجن[406]

مجرم کے لیے کوڑا ہے یا قید، اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

اس لیے ایسی کسی بھی کاروائی کی اجازت نہیں دی جاسکتی جو انسانی حدوں کو پار کر جائے اور جس سے مجرم کو شدید جسمانی نقصان پہنچے، فقہاء نے تو قید خانہ میں سزا کے طور پر بھی وحشیانہ حرکتوں سے منع کیا ہے، چہ جائے کہ احتساب کے مرحلے میں۔ جبکہ ابھی سزا کا فیصلہ آنا باقی ہو۔ لہٰذا سزا کے طور پر ہو یا اعتراف جرم کے لیے درج ذیل کاروائیوں کی اجازت نہیں ہے:

------ حواشی --

403 - رواہ البخاری، فتح الباری 5/328

404 - در مختار 6/106

405 - دیکھئے رد المحتار 6/109،108

406 - کتاب الخراج لابی یوسف 135

☆قیدیوں کو دھوپ میں کھڑا کرنا

☆ان کے سر پر تیل ڈالنا

☆داڑھی مونڈھنا

☆کتے، بچھو یا اور کوئی درندہ جانور چھوڑنا[407] اس لیے کہ یہ خلاف شرع بھی ہے اور جسمانی نقصان کا باعث بھی۔

☆قیدیوں کو بے لباس کرنا، اس لیے کہ ستر عورت ضروری ہے[408]

☆بھوکا پیاسا رکھنا۔

☆جسم کے کسی حصہ کو آگ سے جلانا یا الکٹرک شاک لگانا۔

☆پانی میں غوطے دینا[409]۔

☆سخت ٹھنڈک میں برف کی سلوں پر ڈال دینا۔

☆ مسلسل جاگتے رہنے پر مجبور کرنا اور اس کے لیے اس کی جائے رہائش میں تیز روشنی یا تیز آواز کا انتظام کرنا۔

☆چہرے پر مارنا۔

☆گردن میں نا قابل برداشت بوجھ ڈال دینا۔

☆زمین پر لٹا کر مارنا وغیرہ[410]۔

☆قیدی کے خاندان کو گالی دینا یا سب وشتم کرنا[411]۔

------ حواشی--

407 - کتاب الخراج 135، المغنی 7/641، تبصرۃ الحکام 2/147، الموسوعۃ 16/328

408 - حاشیہ ابن عابدین 4/13، الاحکام السلطانیہ للماوردی 239

409 - السیاسۃ الشرعیۃ لابن تیمیہ 152، فتح الباری 6/150

410 - فتاویٰ ہندیہ 3/414، الاحکام السلطانیہ للماوردی 239

411 - بدائع الصنائع 7/64

☆ناک، کان یا جسم کا کوئی حصہ کاٹنا یا توڑنا، یہ مثلہ ہے اور سخت ممنوع ہے وغیرہ[412]

☆اور ہر وہ کام جو خلاف شرع ہو یا جس سے جسم کو کلی یا جزوی نقصان پہنچے۔

قیدی کو بیڑی ڈالنا

۴- قیدیوں کو فرار سے بچنے کے لیے زنجیروں میں جکڑا جاسکتا ہے، ان کو ہتھکڑی بھی پہنائی جاسکتی ہے۔ بیڑی بھی ڈالی جاسکتی ہے، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے سامنے ایک ملزم کو ہتھکڑی لگا کر لایا گیا[413]۔

نیز حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ایک ملزم کے بارے میں فرمایا (جس پر چوری کا الزام تھا اور وہ کہتا تھا کہ میں نے اسے خریدا ہے):

فاشددہ فی السجن وثاقا ولا تحلہ حتی یاتیہ امر اللہ[414]

اس کو قید خانہ میں مضبوط باندھ دو اور معاملہ کی تحقیق تک نہ کھولو۔

لیکن ایسا وقتی طور پر کرنے کی اجازت ہوگی، ان چیزوں کو تسلسل کے ساتھ باقی رکھنا درست نہیں، اس لیے کہ ان حالتوں میں بنیادی ضروریات بھی پوری کرنی دشوار ہو جاتی ہے۔ فقہاء نے قیدیوں کو قضائے حاجت سے روکنے کی اجازت نہیں دی ہے، اسی طرح ایسی تنگ جگہ میں رکھنے کی اجازت بھی نہیں دی ہے جہاں ایک دوسرے سے بے پردگی ہو، یا وضو اور نماز جیسی ضروریات پوری نہ کی جاسکتی ہوں[415]۔

قید تنہائی

۵- حاکم کی اگر رائے ہو تو کسی مجرم کو اس کے خصوصی جرم کے پس منظر میں قید تنہائی دی جاسکتی ہے، الموسوعۃ میں مبسوط سرخسی، ابن عابدین، فتاویٰ ہندیہ، حاشیہ دسوقی، حاشیہ قلیوبی اور دیگر بہت سی

------ حواشی--

[412] -بدائع الصنائع 7/20

[413] -مصنف عبد الرزاق 10/217

[414] -المحلی لابن حزم 11/131

[415] -الشرح الکبیر للدردیر 3/282، در مختار مع الحاشیہ 5/379،378

کتابوں کے حوالے سے لکھا ہے:

ویجوز للحاکم عزل السجین وحبسہ منفردا فی غرفۃ یقفل علیہ بابہا، ان کان فی دلک مصلحۃ[416]

قیدیوں سے جبری کام لینا

۶-(الف) فقہاء شافعیہ وحنابلہ نے قیدیوں کو اجرت پر کام کرنے کی اجازت دی ہے، تا کہ وہ اپنے گھریلو اخراجات یا قرض وغیرہ کی ادائیگی کا انتظام کر سکیں[417]

(ب) لیکن حنفیہ کا مسلک معتمد اور دیگر فقہاء کی رائے یہ ہے کہ قیدیوں کو با اجرت کام کرنے کی اجازت نہیں دی جائیگی، ورنہ قید خانہ کی ساری معنویت ہی ختم ہو جائے گی، قید خانہ اس کے لیے دوکان یا کارخانہ کی طرح بن جائے گا، اور قید کا مقصد فوت ہو جائے گا[418]۔

(ج) تیسری رائے جس کو کویت کے لجنۃ الفقہاء نے اختیار کیا ہے کہ یہ حاکم کی صوابدید پر موقوف ہے[419]۔

دوسری اور تیسری رائے کا مقتضایہ معلوم ہوتا ہے کہ حاکم کی اگر رائے ہو تو سزا یافتہ قیدیوں سے بلا اجرت جبری کام لیا جاسکتا ہے، بشر طیکہ کام ان کی طاقت سے باہر نہ ہو، اور ان کی صلاحیت اور ذوق سے ہم آہنگ ہو، البتہ جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے، ان کا معاملہ اس سے مستثنیٰ رکھنا چاہئے۔

ملزم اور مجرم کا فرق

۷- جن قیدیوں کا مقدمہ ابھی زیر سماعت ہے، اور جن کے بارے میں سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہے، قید خانوں میں سلوک کے اعتبار سے ان میں فرق کرنا ضروری ہے، یہی عدل کا تقاضا ہے، ورنہ سزا یافتہ

------ حواشی --

416 - الموسوعۃ الفقہیہ 16/319

417 - الموسوعۃ الفقہیۃ 16/321 بحوالہ اسنی المطالب مع حاشیہ الرملی 2/188، المغنی 4/495، ہندیہ 3/418

418 - ابن عابدین 5/278، فتاویٰ ہندیہ 3/418

419 - الموسوعۃ الفقہیۃ 16/322

اور غیر سزا یافتہ کا فرق باقی نہ رہے گا۔ اسی لیے بہت سے فقہاء نے دونوں قسم کے قیدیوں کے لیے الگ الگ قید خانہ یا قید خانہ میں الگ الگ حصہ مقرر کرنے کی ہدایت کی ہے۔ قرافیؒ، ماوردیؒ، زبیریؒ اور حنابلہ کے ایک طبقہ کی رائے یہ ہے کہ زیر سماعت ملزمین کو قید کرنے کا اختیار صرف حاکم کو ہے، عدالت کو نہیں، عدالت صرف انہی ملزمین کو قید کر سکتی ہے، جن کے لیے سزائے قید کا فیصلہ ہو چکا ہو، پہلی قسم کے قید خانہ کو "سجن الوالی" اور دوسری قسم کے قید خانہ کو "سجن القاضی" کہا جاتا تھا، اگرچہ بعد میں دونوں قسم کے اختیارات عدالت ہی کو دے دیئے گئے، اور عدالت دونوں قسم کے ملزمین کو قید کرنے کی مجاز ہو گئی، لیکن فقہاء کی رائے کے مطابق کم از کم دونوں کے لیے قیام اور سلوک میں امتیاز کرنا ضروری ہے، تاکہ ظلم و زیادتی کا اندیشہ باقی نہ رہے[420]۔

ملزم کے قید کی مدت

۸- زیر سماعت قیدیوں کو فیصلہ سے قبل اتنے دنوں تک قید میں رکھنا جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا ہے، درست نہیں، بعض فقہاء حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ ایسے مقدمات میں جن کی آخری سزا ہی قید ہو سکتی ہو، ملزم کو قید کرنے کی اجازت نہیں دیتے، اس لیے کہ فیصلہ و سزا سے قبل سزا کا کوئی جواز نہیں ہے، لیکن جو فقہاء (اور اکثر فقہاء کی یہی رائے ہے) قید کی اجازت دیتے ہیں، بشرطیکہ ملزم مجہول الحال ہو اور صلاح و تقویٰ میں معروف نہ ہو، ان میں زیادہ تر فقہاء نے فیصلہ سے قبل قید کی مدت کو حاکم کی رائے پر چھوڑ دیا ہے، مگر کچھ نے اس کی مدت ایک ماہ[421] کچھ نے ایک دن، بعض نے دو یا تین دن، اور مالکیہ نے ایک سال سے کم مقرر کی ہے۔[422]

دراصل یہ مدت عدالتی کارروائی کو چاک و چوبند کرنے کے لیے ہے، کسی عدالت کو ہرگز یہ حق

------ حواشی--

420 - الموسوعۃ الفقہیۃ 16/318، 319، حاشیۃ ابن عابدین 5/378، 499، تبصرۃ الحاکم 1/304، لسان الحکام 251، الاحکام السلطانیہ للماوردی 219

421 - رد المحتار 6/108

422 - الموسوعۃ الفقہیہ 16/294، 295

حاصل نہیں ہے کہ اپنی غفلت و ناکامی کا بدلہ بے قصور ملزموں سے لے، اور اپنی سست رفتار کاروائی کی بنا پر ملزموں کو برسوں جیل میں بے یارومددگار چھوڑ دے، جبکہ اس کا امکان بھی موجود ہے کہ ملزم نیتجتاً بے قصور ثابت ہو۔

ملزم اگر بری ثابت ہو

۹- اگر زیر سماعت ملزم کو قید میں رکھا گیا، اور بعد میں عدالت نے اسے بری قرار دیا، تو وہ زمانۂ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت اور مالی نقصان کا ہرجانہ طلب کرنے کا مجاز نہیں ہے، بشرطیکہ قید کی مدت معروف اصولوں کے مطابق ہو، اور اس دوران اس کے ساتھ کوئی ناروا سلوک بھی نہ کیا گیا ہو، اس لیے کہ جس حد تک قید کی فقہاء نے اجازت دی ہے، وہ ان نقصانات کو مدنظر رکھتے ہوئے دی ہے، اور اسی لیے ملزم کے حالات کے لحاظ سے زمانۂ قید میں کمی بیشی روا رکھی گئی ہے۔

قیدی کو رابطہ کی اجازت

۱۰- قیدی کو اپنے مقدمات کے سلسلے میں وکیل سے رابطہ اور صفائی پیش کرنے کا مکمل حق حاصل ہے، اس لیے کہ حراست کا مقصد تحقیق حال ہے، اگر قیدی کو اپنے معاملہ میں رابطہ اور بیان صفائی کا اختیار نہ دیا جائے تو حقیقت حاصل کیسے واضح ہو سکتی ہے؟ بلکہ اگر قیدی پر کچھ دوسرے اور مقدمات بھی ہوں تو ان کے لیے بھی بطور خود یا بذریعہ وکیل عدالتی کارروائی کے لیے اس کو نکلنے کی اجازت دی جائے گی، صرف اتنی دیر کہ زیر بحث مقدمہ کی اس سے متعلق کارروائی مکمل ہو جائے[423]۔

قیدی خواتین کے شیر خوار بچے

۱۱- خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ ایسے شیر خوار بچوں کو جو ماں کے بغیر نہ رہ سکتے ہوں، جیل میں رکھنے کی اجازت ہوگی، یہی شرعی اصولوں کا تقاضا ہے، اس لیے کہ ماں کے جرم کی وجہ سے بچوں کو ماں کی ممتا

------ حواشی ------

[423] - درمختار مع رد المحتار 5/378، 499، لسان الحکام لابن الشحنہ 251، تبصرۃ الحکام 1/304، المغنی 9/207، الموسوعۃ الفقہیۃ 326/16

سے محروم رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے، علاوہ ازیں بچوں کی علاحدگی خود قیدی خواتین کے لیے بھی مسلسل ذہنی اذیت کا باعث ہوگی، اس سلسلے میں بعض احادیث و آثار سے کافی روشنی ملتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (جنگ میں پکڑی جانے والی خواتین کے بارے میں جن کو باندی بنالیا گیا ہو، اور ان کے ساتھ چھوٹا بچہ ہو) ارشاد فرمایا:

☆ لاتولہ والدۃ عن ولدہا[424]

ترجمہ: ماں کو اپنے بچہ سے الگ نہیں کیا جائے گا۔

☆ ایک روایت میں ارشاد گرامی اس طرح نقل کیا گیا ہے:

من فرق بین والدۃ وولدہا فرق اللہ بینہ وبین احبتہ یوم القیامۃ[425]

ترجمہ: جو شخص ماں کو اس کے بچہ سے الگ کرے گا، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کو اپنے دوستوں سے الگ کردے گا۔

☆ حضرت عبادۃ ابن الصامت ؓ روایت کرتے ہیں کہ:

نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یفرق بین الام وولدہافقیل یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) الی متی؟ قال حتی یبلغ الغلام و تحیض الجاریۃ[426]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں کو اس کے بچہ سے الگ کرنے سے منع فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کب تک؟ ارشاد فرمایا کہ جب تک لڑکا بالغ نہ ہوجائے اور لڑکی کو حیض نہ آجائے۔

☆ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

------ حواشی ------

424 - رواہ البیہقی، نصب الرایۃ 3/266

425 - بیہقی 9/126، دار قطنی 3/67

426 - سنن دار قطنی 3/67

ارشاد فرمایا:

ملعون من فرق بین والدة وولدہا[427]

ترجمہ: وہ شخص ملعون ہے جو ماں کو اپنے بچہ سے الگ کردے۔

٭ حضرت علی کرم اللہ وجہہ روایت کرتے ہیں:

وھب لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلامین اخوین فبعث احدھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا علي ما فعل غلامک؟ فاخبرتہ فقال ردہ ردہ[428]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو غلام عطا فرمائے جو دونوں بھائی تھے، میں نے ان میں سے ایک کو فروخت کردیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن غلاموں کے بارے میں دریافت فرمایا تو میں نے بیچنے کے بارے میں بتادیا تو آپ نے فرمایا کہ لوٹالو، لوٹالو۔

☆ ایک مشہور حدیث سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا فلیس منا[429]

ترجمہ: جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

ان احادیث کا مقتضایہ ہے کہ قیدی خواتین کو ان کے شیر خوار بچوں سے الگ نہ کیا جائے۔

------ حواشی --

427 - حاکم 2/55، دار قطنی 3/67

428 - ابوداؤد حدیث نمبر 2696، ترمذی حدیث نمبر 1284، حاکم 2/55، دار قطنی 3/66

429 - مسند احمد 1/257، ترمذی حدیث 1921

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

۱-کوئی شخص جرم کا مرتکب ہو تب بھی اس کے انسان ہونے کی حیثیت باقی رہتی ہے، اسے اس کے جرم کی سزا ضرور ملنی چاہئے، لیکن وہ انسانی توقیر واحترام کے حق سے محروم نہیں ہو جاتا۔

۲-اگر کسی شخص پر جرم کا الزام ہو تو جب تک وہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہونچ جائے، اس کو مجرم قرار نہیں دیا جاسکتا اور نہ اس کے ساتھ مجرموں کا سا سلوک کیا جاسکتا ہے۔

۳-کسی الزام کی بنیاد پر قید کرنا جائز ہے، بشرطیکہ کسی قوی قرینہ سے الزام کی تائید ہو رہی ہو، یا ملزم پر شک کئے جانے کی واضح علامتیں موجود ہوں، اور ایسی صورت میں قید کی مدت عدالت کی صوابدید پر ہے، لیکن یہ مدت اتنی طویل نہ ہونی چاہئے جو کسی ثابت شدہ جرم پر دی جاتی ہے۔

۴-قیدیوں کے اہم حقوق مندرجہ ذیل ہیں:

الف-بلا تفریق مذہب جملہ قیدیوں کو اپنے اپنے مذہب کے مطابق عبادت و عمل کی آزادی حاصل ہوگی، نیز اس کی مذہبی تعلیمات کے مطابق اس کے لئے غذا فراہم کی جائے گی، اور وہ جس مذہب پر عقیدہ رکھتا ہے اس مذہب کی مقدس شخصیتوں اور کتابوں وغیرہ کی بے احترامی سے گریز کیا جائے گا۔

ب-قیدیوں کو جسمانی ضروریات، مثلاً: مناسب غذا، صاف پانی، اور موسم کے لحاظ سے کپڑے، نیز علاج و معالجہ کی سہولیات فراہم کی جائیں گی، ان کو حفظان صحت کے لئے ورزش کی اجازت ہوگی، قیدیوں کو ایسی تنگ جگہ میں رکھنا درست نہیں جہاں ٹھیک سے کھڑا ہونا یا پاؤں پھیلا کر لیٹنا ممکن نہ ہو یا ہوا اور روشنی کا مناسب نظم نہ ہو۔

ج-قیدیوں کو سماجی حقوق، مثلاً: تعلیم و ہنر سیکھنے، عام حالات میں دیگر قیدیوں سے ملاقات کرنے اور عزیز واقارب سے رابطہ کرنے کے حقوق حاصل ہونگے، جہاں

تک ریڈیو اور ٹی وی کا تعلق تو یہ عموماً تفریحی چیزوں کا حصہ ہوتی ہیں، لہٰذا اس کی اجازت دینا ضروری نہیں، البتہ اخبارات پڑھنے کی اجازت دینا حکومت کی صوابدید پر ہے۔

ہ- مردوں اور عورتوں کو الگ الگ قید خانوں میں رکھا جائے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ عورتوں کے حصہ کی نگراں افسر بھی خاتون ہی ہو، زنانہ قید خانہ میں اندرونی دیکھ بھال کا کام بھی عورتیں ہی سنبھالیں، اور اسی طرح نابالغ اور بالغ قیدیوں کو بھی الگ الگ رکھا جائے۔

۵- قیدیوں سے سچی بات اگلوانے کے لئے قیدیوں کا نار کو الائنس کرنا، انہیں بے لباس کرنا، الکٹرک شاک لگانا، ان پر کتے چھوڑنا، ان کو برف کی سلوں پر ڈالنا، انہیں مسلسل جگے رہنے پر مجبور کرنا، اور اس کے لئے ان کی جائے رہائش میں تیز روشنی کرنا، یا تیز آواز سنانا یہ تمام امور ناجائز، غیر اخلاقی اور غیر انسانی ہیں، اسی طرح ایسی سزائیں بھی جن سے کسی عضو کو نقصان پہونچے یا اس کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہو، یا ذہنی و دماغی صحت متأثر ہونے کا خطرہ ہو، حرام ہیں۔

۶- قیدیوں کو زنجیروں میں جکڑنا، ہتھکڑی پہنانا یا بیڑی ڈالنا شرعاً ناجائز ہے البتہ اگر قیدی خطرناک اور عادی مجرم ہو، جس کے فرار ہونے کا یا خود کو یا دوسروں کو نقصان پہونچانے کا اندیشہ ہو تو اس کو قابو میں رکھنے کے لئے قانون کی حدود میں مناسب تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے۔

۷- اگر مصلحت متقاضی ہو تو مجرم کو اتنے دنوں کی قید تنہائی دی جاسکتی ہے، جس کی میڈیکل آفیسر اجازت دے اور یہ اتنی طویل نہ ہو کہ قیدی ذہنی مریض ہو جائے۔

۸- جبری کام لیا جانا اگر سزا کا حصہ ہو تو بطور تعزیر قیدی سے اس کے حسب طاقت جبری کام لیا جاسکتا ہے، اور اس صورت میں شرعاً وہ اجرت کا مستحق نہ ہو گا، البتہ

حکومت اپنے قانون کے تحت اجرت دے تو یہ اس کے لئے حلال ہو گی، بصورت دیگر وہ اجرت کا مستحق ہو گا۔

۹ – زیر سماعت قیدیوں کو اصولی طور پر بے قصور تصور کیا جائے، ایسے قیدی مجرم نہیں، بلکہ ملزم ہوتے ہیں، ان کے ساتھ مجرموں جیسا رویہ ہر گز نہ اختیار کیا جائے، لہذا ان سے جبری کام لینا درست نہیں، اور دیگر قیدیوں کے مقابلہ میں ان کے ساتھ اچھا سلوک ضروری ہے۔

۱۰-زیر سماعت قیدیوں کو سماعت سے پہلے اتنے دنوں تک قید میں رکھنا جو ان کے اوپر عائد فرد جرم کی اصل سزا کے برابر ہے، درست نہیں، نیز فیصلے یا تحقیق حال میں تاخیر نہیں ہونی چاہیے کہ دوران مقدمہ قید کی مدت سزا کی مدت سے لمبی ہو جائے، اور اگر ایسا ہو اتو اسے فوراً رہا کر دیا جائے۔

۱۱-بے قصور قیدی کو زمانۂ قید میں ہونے والی ذہنی اذیت کا مالی ہر جانہ واجب ہے۔

۱۲-قیدی کو مقدمات کے سلسلہ میں وکیل سے رابطہ کرنے، اپنے عزیز و اقارب سے مشورہ کرنے اور اپنی صفائی پیش کرنے کے سارے حقوق حاصل ہونگے۔

۱۳-خواتین قیدیوں کو اپنے ساتھ شیر خوار بچوں کو جیل میں رکھنے کی اجازت ہو گی[430]۔

------ حواشی --

430 -جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، حصہ اول ص ۲۴۶ تا ۲۴۸

مالی جرمانہ کا شرعی حکم - تحقیق وتنقیح [431]

اسلام میں انسداد جرائم کے لئے حدود وتعزیرات کا نظام ہے، مخصوص جرائم پر جو مقررہ سزائیں ہیں، ان کو حدود کہا جاتا ہے، مثلاً زنا کی سزا رجم یا حد مقرر ہے، قتل کی سزا قصاص یا دیت وغیرہ مقرر ہے۔

تعزیرات- مفہوم اور حدود

اور جن جرائم کی سزائیں شریعت نے مقرر نہیں کی ہیں بلکہ ان کو حکام کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے ،اور حکام جرم کی نوعیت ،مقام اور مجرم کے حالات کے لحاظ سے سزائیں تجویز کرتے ہیں ،ان کو تعزیرات کہتے ہیں، دیکھئے فقہاء کی عبارات:

☆ألتعزير هو عقوبة غيرمقدرة شرعاً،تجب فى كل معصية ليس فيهاحد ولا كفارة[432]

☆يَخْتَلِفُ ذلك بِاخْتِلَافِ الْأَشْخَاصِ فَلَا مَعْنَى لِتَقْدِيرِهِ مع حُصُولِ الْمَقْصُودِبِدُونِهِ فَيَكُونُ مُفَوَّضًاإلَى رَأْيِ الْقَاضِي يُقَيِّمُهُ بِقَدْرِ ما يَرَى الْمَصْلَحَةَ فيه على ما بَيَّنَّا تَفَاصِيلَهُ وَعَلَيْهِ مَشَايِخُنَا رَحِمَهُمْ اللَّهُ تَعَالَى[433]

☆قال ابن شاس الجنايات الموجبات للحد سبعة وما عدا هذه الجنايات

------ حواشی ------

431 - تحریر بمقام جامعہ ربانی منوروا شریف بہار، محرم الحرام ۱۴۴۰ھ

432 -المبسوط للسرخسي ۹/۴۵، ط : دار احياء التراث العربى، وفتح القدير 7 / 119 ط الميمنيةبيروت، القليوبى على شرح المنهاج : ۴/۳۰۵، إعلام الموقعين : ۲/۱۱۸ ط : دار الجيل، بيروت، زاد المحتاج بشرح المنهاج : ۴/۲۶۵، ط : المكتبة العصرية، بيروت۔ وكشاف القناع 4 / 72 ط المطبعة الشرقية بالقاهرة ، والأحكام السلطانية للماوردي ص 224 مطبعة السعادة۔

433 - تبين الحقائق شرح كنز الدقائق ج ۳ ص ۲۱۰ باب الخلع فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي الحنفي.الناشر دار الكتب الإسلامي.سنة النشر 1313هـ.مكان النشر لقاهرة.عدد الأجزاء 6*3-

ومقدماتها فيوجب التعزير وهو موكول إلى اجتهاد الإمام[434]

☆والتعزير لايختص بالسوط واليد والحبس،وإنما ذلک موكول إلى إجتہاد الحاكم[435]

تعزیرات کی قسمیں

تعزیرات کی دو قسمیں ہیں:-

۱-تعزیرات جسمانی: جن میں جسم کے کسی حصہ کو تکلیف پہونچائی جائے،ان کے جواز میں علماء اسلام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔

مالی تعزیرات کا حکم

۲-دوسری قسم ہے تعزیرات مالی،یعنی مجرم کو مالی اعتبار سے زیر بار کیا جائے،اس کی بھی تین صورتیں ہیں:

۱-جس مال یا مقام سے جرم کا تعلق ہو اس کو ضبط یا ضائع کر دیا جائے،مثلاً خراب دودھ یا تیل کو ضبط یا تلف کر دینا،شراب خانہ یا قمار خانہ کو تباہ کر دیا جانا،بت،موسیقی اورآلات لہو،شراب کے برتن اور مشکیزے توڑ دینا،زندیقوں اور ملحدوں کی کتابیں،مخرب الاخلاق فلمیں،تصاویر اور مجسمے ضائع کر دینا وغیرہ۔

اس صورت کے جواز میں بھی فقہاء مختلف الرائے نہیں ہیں،حنفیہ کے یہاں مفتٰی بہ قول کے مطابق آلات فساد کو توڑ دینا موجب ضمان نہیں ہے:

وَعَلَى هذا الِاخْتِلَافِ بَيْعُ النَّرْدِ وَالشِّطْرَنْجِ وَعَلَى هذا الِاخْتِلَافِ الضَّمَانُ على من أَتْلَفَهَا فَعِنْدَهُ يَضْمَنُ وَعِنْدَهُمَا لَا كَذَا في الْبَدَائِعِ وَلَكِنَّ الْفَتْوَى في الضَّمَانِ على وقولهما ((قولهما)) كما سَيَأْتِي في الْغَصْبِ وَمَحَلُّهُ ما

------ حواشی--

434 - التاج والإكليل لمختصر خليل ج ٦ ص ٣١٩ محمد بن يوسف بن أبي القاسم العبدري أبو عبد الله سنة الولادة / سنة الوفاة 897 الناشر دار الفكر سنة النشر 1398 مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 6

435 - تبصرة الحكام : ٢٠١،٢-

إذَا كَسَرَهَا غَيْرُ الْقَاضِي وَالْمُحْتَسِبِ أَمَّا هُمَا فَلَا ضَمَانَ اتِّفَاقًا[436]

شوافع کا بھی یہی خیال ہے:

وَالْأَصْنَامُ) وَالصُّلْبَانُ (وَآلَاتُ الْمَلَاهِي) كَالطُّنْبُورِ (لَا يَجِبُ فِي إبْطَالِهَاشَيْءٌ) ؛ لِأَنَّ مَنْفَعَتَهَا مُحَرَّمَةٌ لَا تُقَابَلُ بِشَيْءٍ ، وَقَضِيَّةُ التَّعْلِيلِ كَمَا قَالَ الْإِسْنَوِيُّ : إنَّ مَا جَازَ مِنْ آلَاتِ اللَّهْوِ كَالدُّفِّ يَجِبُ الْأَرْشُ عَلَى كَاسِرِهِ وَفِي أَوَانِي الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِخِلَافٌ مَبْنِيٌّ عَلَى حِلِّ الِاتِّخَاذِ،(وَالْأَصَحُّ أَنَّهَالَا تُكْسَرُ الْكَسْرَ الْفَاحِشَ)،لِإِمْكَانِ إزَالَةِ الْهَيْئَةِ الْمُحَرَّمَةِ مَعَ بَقَاءِ بَعْضِ الْمَالِيَّةِ .نَعَمْ لِلْإِمَامِ ذَلِكَ زَجْرًا وَتَأْدِيبًا عَلَى مَا قَالَهُ الْغَزَالِيُّ فِي إنَاءِ الْخَمْرِبَلْ أَوْلَى[437]

حنابلہ بھی اسی پر فتویٰ دے رہے ہیں:

فهذه الآلات إذا ثبت تحريمها؛ فإنها لا حرمة لها، فإذا أتلفت فإنه لاضمان على متلفها إذا أتلف ما يكون به الغناء[438]

۲-دوسری صورت یہ ہے کہ متعلقہ چیز کوضائع کرنے کے بجائے شکل بدل دی جائے، مثلاً جعلی کرنسی توڑنا، اور تصاویر والے پردوں کو پھاڑ کر تکیے وغیرہ بنالینا، اس کی بھی حسب موقعہ اجازت ہے[439]۔

۲-تیسری صورت یہ ہے کہ جرم پر الگ سے کوئی مالی جرمانہ عائد کیاجائے تاکہ مالی دباؤ سے

------ حواشی--

[436] -البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ٦ ص ٧٨ زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت

[437] - مغني المحتاج إلى معرفة ألفاظ المنهاج ج ٩ ص ١٤٨ المؤلف : محمد بن أحمد الخطيب الشربيني (المتوفى : 977هـ) [هو شرح متن منهاج الطالبين للنووي (المتوفى 676 هـ)

[438] - شرح زاد المستقنع ج ٢٣٣ ص ٧ المؤلف : محمد بن محمد المختار الشنقيطي مصدر الكتاب : دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية -*شرح أخصر المختصرات ج ٤٢ ص ٢٩ المؤلف : عبد الله بن عبد الرحمن بن عبد الله بن جبرين مصدر الكتاب : دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشبكة الإسلامية

[439] -توضیح الاحکام من بلوغ المرام 31۔

مجبور ہو کر مجرم اپنے جرم سے باز رہے، اور شاید توفیق توبہ بھی نصیب ہو، اس کی بھی دو شکلیں ہیں:

۱- جرمانہ میں حاصل شدہ مال قابل واپسی نہ ہو، یعنی مجرم کو وہ مال کبھی واپس نہ کیا جائے، عام طور پر عرف میں اسی کو مالی جرمانہ یا "تعزیر بالمال" کہا جاتا ہے۔

یہ صورت ائمۂ مجتہدین کے درمیان مختلف فیہ رہی ہے، البتہ کتب فقہیہ کے مطابق زیادہ تر فقہاء کی رائے عدم جواز کی ہے۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور حضرت امام محمدؒ کی رائے یہی ہے، اور مذہب حنفی میں اسی کو قول مفتیٰ بہ قرار دیا گیا ہے[440]۔

۲- دوسری صورت یہ ہے کہ جرمانہ میں حاصل شدہ مال کچھ مدت کے بعد جب مجرم اپنے جرم سے باز آجائے اور توبہ کرلے تو اس کو واپس کر دیا جائے، یہ درحقیقت "تعزیر بحبس المال" کی صورت ہے، اور اسی کو کچھ لوگ "تعزیر باخذ المال" بھی کہتے ہیں۔

دراصل یہ شکل بعض فقہاء کی جانب سے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کی تشریح و تاویل کے نتیجہ میں پیدا ہوئی، چونکہ حنفیہ کا معروف مسلک تعزیز مالی کے عدم جواز کا ہے، جب کہ امام ابو یوسفؒ کا قول جواز کا نقل کیا گیا ہے، تو اس کی تاویل علامہ کردریؒ وغیرہ نے یہ نقل کی کہ امام ابو یوسفؒ کے قول کا منشاء یہ ہے کہ مجرم کا مال کچھ دنوں کے لئے محبوس کر دیا جائے، اور جب حاکم کو اطمینان ہو جائے کہ مجرم نے اپنے جرم سے توبہ کرلی ہے، تو مال اس کو واپس کر دیا جائے۔

وَأَفَادَ فِي الْبَزَّازِيَّةِ أَنَّ مَعْنَى التَّعْزِيرِ بِأَخْذِ الْمَالِ على الْقَوْلِ بِهِ إمْسَاكُ شَيْءٍمن مَالِهِ عند مُدَّةً لِيَنْزَجِرَ ثُمَّ يُعِيدُهُ الْحَاكِمُ إلَيْهِ لَا أَنْ يَأْخُذَهُ الْحَاكِمُ لِنَفْسِهِ أولِبَيْتِ الْمَالِ كمايَتَوَهَّمُهُ الظَّلَمَةُ إذْ لَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ من الْمُسْلِمِينَ أَخْذُ مَالِ أَحَدٍ بِغَيْرِ سَبَبٍ شَرْعِيٍّ وفي الْمُجْتَبَى لم يذكر كَيْفِيَّةَ الْأَخْذِ وَأَرَى أَنْ يَأْخُذَهَا فَيُمْسِكَهَا فَإِنْ أَيِسَ من تَوْبَتِهِ يَصْرِفُهَا إلَى ما يَرَى وفي شَرْحِ الْآثَارِالتَّعْزِيرُبِالْمَالِ كان في ابْتِدَاءِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ نُسِخَ اه وَالْحَاصِلُ أَنَّ

------ حواشی------

440 - رد المحتار:٦/١٠٦، نیز دیکھئے: البحر الرائق:٥/٦٨۔

الْمَذْهَبَ عَدَمُ التَّعْزِيرِ بِأَخْذِ الْمَالِ[441]

☆مطلب في التعزيربأخذ المال قوله (لا بأخذ مال في المذهب) قال في الفتح وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز اه ومثله في المعراج وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف قال في الشرنبلالية و لا يفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمةعلى أخذمال الناس فيأكلونه اه ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان قوله (وفيه الخ) أي في البحر حيث قال وأفادفي البزازيةأن معنى التعزير بأخذ المال على القول به إمساك شيء من ماله عند مدة لينزجر ثم يعيده الحاكم إليه لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي وفي المجتبى لم يذكر كيفية الأخذ ورأى أن يأخذها فيمسكها فإن أيس من توبته يصرفها إلى ما يرى وفي شرح الآثار التعزير بالمال كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ اه والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال[442]

☆وبقي التعزيربالشتم وأخذالمال فأماالتعزيربالشتم فهو مشروع بعد أن لا يكون قذفا كما في البحر عن المجتبى وأما بالمال فصفته أن يحبسه عن صاحبه مدة لينزجر ثم يعيده إليه كما في البحر عن البزازية اهـ ولايفتى بهذالما فيه من تسليط

------ حواشی --

441 -البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ٥ ص ۴۴زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926ھ/ سنة الوفاة 970ھ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت-

442 -حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ۴ص۶۲ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421ھ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8- كذافی العالمگیریۃ‘ فصل فی التعزیر‘ ۲/۱۶۷ ط ماجدیہ کوئٹہ۔

الظلمة على أخذ مال الناس فيأكلونه."[443]

اس تشریح کے مطابق حضرت امام ابویوسفؒ کے قول جواز اور حنفیہ کے معروف مسلک (عدم جواز) کا ٹکراؤ ختم ہو جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انتظامی نقطۂ نظر سے وقتی حبس مال میں دوسرے فقہاء کو بھی اعتراض نہیں ہو گا۔

لیکن اسی تشریح کا اگلا حصہ یہ ہے کہ اگر جرم سے مجرم کے باز آنے کی امید نہ ہو تو پھر یہ مال محبوس قابل واپسی نہیں ہو گا، بلکہ حسب مصلحت عام انسانی یا ملکی مفادات میں خرچ کیا جائے گا۔

وفِي الْمُجْتَبَى لم يذكركَيْفِيَّةَ الْأَخْذِ وَأَرَى أَنْ يَأْخُذَهَا فَيُمْسِكَهَا فَإِنْ أَيِسَ من تَوْبَتِهِ يَصْرِفُهَا إلَى ما يَرَى[444]

تشریح کے اس حصہ کی شمولیت کے بعد تعزیر بالمال کی پہلی شکل پھر عود کر آتی ہے، اور اصل مذہب اور امام ابویوسفؒ کے درمیان سابقہ اختلاف بر قرار رہتا ہے، اور یہ تشریح بے معنیٰ ہو کر رہ جاتی ہے، سوائے اس صورت کہ جب مجرم کو توفیق توبہ نصیب ہو جائے۔

تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال کا مفہوم

اوراسی تشریح کی بنیاد پر تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال میں فرق کا تصور پیدا ہوا، بزازیہ نے تعزیر باخذ المال کا ایک نیا معنی متعارف کرایا کہ وقتی حبس مال کا نام تعزیر باخذ المال ہے، بزازیہ میں صرف اتنا ہی ہے، لیکن دوسرے علماء نے اس سے یہ معنی اخذ کیا کہ پھر تعزیر بالمال مطلقاً ضبط مال کا نام ہے، خواہ وہ قابل واپسی ہو یا نہ ہو، اور تعزیر بالمال عام ہے اور تعزیر باخذ المال اسی کی ایک قسم ہے، یعنی تعزیر بحبس المال، لیکن اسی کے ساتھ اگر المجتبیٰ کی تشریح بھی شامل کر لی جائے اور عدم توبہ کی صورت میں مال نا قابل واپسی قرار پائے تو پھر اس میں اور عام مالی جرمانہ (تعزیر بالمال) میں نتیجہ کے لحاظ سے کوئی فرق باقی نہیں رہ جائے گا

------ حواشی --

443 -درر الحكام شرح غرر الاحكام لملا خسرو، 75/2، ط: دار احياء الكتب العربية۔

444 -البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ٥ ص ٤٤زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926ھ/ سنة الوفاة 970ھ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت۔

واضح رہے کہ یہ تشریح یا تفریق خود حضرت امام ابو یوسفؒ سے منقول نہیں ہے، یہ بعد والوں کی ایجاد ہے۔۔۔۔

اسی لئے بشمول مسلک حنفی کسی مسلک فقہی کی کتاب میں تعزیر بالمال اور تعزیر باخذ المال کی تعبیرات میں مذکورہ فرق ملحوظ نہیں رکھا گیا ہے بلکہ اکثر دونوں الفاظ ایک ہی سیاق میں ذکر کئے گئے ہیں ،دیکھئے چند عبارتیں:

وفي شَرْحِ الْآثَارِ التَّعْزِيرُ بِالْمَالِ كان في ابْتِدَاءِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ نُسِخَ اه وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمَذْهَبَ عَدَمُ التَّعْزِيرِ بِأَخْذِ الْمَالِ[445]

اس میں تعزیر بالمال اور باخذ المال دونوں ایک ہی معنیٰ میں مستعمل ہوئے ہیں۔

اسی طرح کی عبارتیں عالمگیری اور شامی وغیرہ میں بھی موجود ہیں[446]۔

يَجُوزُالتَّعْزِيرُ بِأَخْذِ الْمَالِ وَهُوَ مَذْهَبُ أَبِي يُوسُفَ وَبِهِ قَالَ مَالِكٌ،وَمَنْ قَالَ:إنَّ الْعُقُوبَةَ الْمَالِيَّةَ مَنْسُوخَةٌ فَقَدْ غَلِطَ عَلَى مَذَاهِبِ الْأَئِمَّةِنَقْلًا وَ اسْتِدْلَالًاوَلَيْسَ بِسَهْلٍ دَعْوَى نَسْخِهَا[447]۔

یہاں تعزیر باخذ المال اور عقوبت مالیہ (تعزیر بالمال) ہم معنیٰ استعمال ہوئے ہیں۔

فقہ مالکی کی مشہور کتاب "حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر" میں یہ عبارت ہے:

وَلَايَجُوزُ التَّعْزِيرُبِأَخْذِالْمَالِ إجْمَاعًا وما رُوِيَ عن الْإِمَامِ أبي يُوسُفَ صَاحِبِ

------ حواشی--

[445] -البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ٥ ص ٤٤زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926ھ/ سنة الوفاة 970ھ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت-

[446] - حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ٤ص٦٢ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421ھ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8- كذافی العالمگیریۃ' فصل فی التعزیر ٢/١٦٧ ط ماجدیہ کوئٹہ

[447] - معين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من الأحكام ج ٢ ص ٤٤٩المؤلف : علي بن خليل الطرابلسي، أبو الحسن، علاء الدين (المتوفى : 844ھ)مصدر الكتاب : موقع الإسلام-

أبي حَنِيفَةَ من أَنَّهُ جَوَّزَلِلسُّلْطَانِ التَّعْزِيرَ بِأَخْذِ الْمَالِ فَمَعْنَاهُ كما قال الْبَزَّازِيُّ من أَئِمَّةِ الْحَنَفِيَّةِ أَنْ يُمْسِكَ الْمَالَ عِنْدَهُ مُدَّةً لينزنجر[448]

اس میں جس تعزیر باخذ المال کو بالاجماع ناجائز قرار دیا گیا ہے وہ وہی ہے جسے ہم تعزیر بالمال کہتے ہیں۔

امام ابو یوسفؒ کے قول جواز کا جائزہ

حنفیہ کے امام ثانی حضرت امام ابو یوسفؒ سے تعزیر بالمال کے جواز کا قول منقول ہے، البتہ مذہب میں اس قول کو ضعیف اور غیر مفتیٰ بہ قرار دیا گیا ہے۔۔۔۔۔۔ابتدائی صورت حال بس اتنی ہی تھی کہ اس قول کو مذہب میں غیر مفتیٰ بہ تسلیم کیا گیا تھا، اور امام ابو یوسفؒ کی اس روایت کی اشاعت سے روک دیا گیا تھا کہ مبادا اس سے ستم پرور حکمرانوں کے لئے ظلم کا دروازہ کھل جائے۔

قال في الفتح و عن أبي يوسف يجوزالتعزيرللسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمةلايجوزاه ومثله في المعراج وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف قال في الشرنبلاليةولايفتى بهذا لما فيه من تسليط الظلمةعلى أخذمال الناس فيأكلونه اه ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان[449]

اس طرح کی عبارتیں فقہ حنفی کی کتابوں میں بکثرت موجود ہیں، ان عبارتوں سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ ابتدائی ادوار میں امام ابو یوسف کے قول کا مفہوم وہی لیا جاتا تھا جو تعزیر بالمال کے لفظ سے متبادر ہوتا ہے، یعنی ناقابل واپسی مالی جرمانہ، اس لئے کہ واجب الرد ہونے کی صورت میں مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں ہے، بلکہ حکومت کی تحویل میں جانے کے بعد تحفظ مال کی پوری ذمہ داری حکومت پر عائد ہو جاتی

------ حواشی--

448 - حاشية الدسوقي على الشرح الكبيرج ۴ ص ۳۵۵ محمد عرفه الدسوقي تحقيق محمد عليش الناشر دار الفكرمكان النشر بيروت عدد الأجزاء 4-

449 -حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ۴ص ۶۲ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8. کذافی العالمگیریۃ' فصل فی التعزیر' ۲/۱۶۷ ط ماجدیہ کوئٹہ۔

ہے، لیکن بعد کے ادوار میں امام ابویوسفؒ کے قول کو حنفیہ کے معروف مسلک سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اس میں تاویلات کی گئیں، جن میں سرفہرست خاتمۃ المجتہدین مولانا رکن الدین ابویحیٰ الخوارزمیؒ اور امام ظہیر الدین التمرتاشی الخوارزمیؒ (متوفیٰ ۶۱۰ھ مطابق ۱۲۱۴ء[450]) ہیں، ان حضرات نے امام ابویوسفؒ کے قول کا مطلب یہ بیان کیا کہ جرمانہ کا مال مجرم سے لے کر محبوس کیا جائے لیکن بحق سرکار یا بحق مدعیٰ علیہ خرچ نہ کیا جائے بلکہ محفوظ رکھا جائے، اور توبہ کے بعد اسے واپس کر دیا جائے، یعنی گویا وقتی حبس مال کی صورت۔۔۔۔

امام ابویوسف کے قول کی یہ تشریح کس بنیاد پر کی گئی کچھ نہیں معلوم البتہ اس قدر یقینی ہے کہ یہ تشریح خود حضرت امام ابویوسفؒ سے منقول نہیں ہے۔۔۔۔

امام ابویوسفؒ کے قول کی تشریح

یہ تشریح جدید میرے علم کے مطابق پہلی مرتبہ مذکورہ بالا دونوں اکابر (**خوارزمیؒ و تمرتاشیؒ**) کے حوالے سے امام حافظ الدین محمد بن محمد بن شہاب المعروف بابن البزاز الکردری الحنفیؒ (م ۸۲۷ھ) کی مشہور زمانہ کتاب "فتاویٰ بزازیہ" میں منقول ہوئی:

"والتعزیر باخذالمال ان المصلحۃ فیہ جائزۃ ،قال مولانا خاتمۃ المجتہدین رکن الدین ابویحییٰ الخوارزمی:معناہ ان ناخذمالہ ونودعہ فاذاتاب نردہ علیہ کماعرف فی خیول البغاۃوسلاحہم و صوبہ الامام ظہیر الدین التمرتاشی الخوارزمی قالواومن جملتہ من لایحضرالجماعۃ یجوزتعزیرہ باخذالمال[451]

اس کے بعد بزازیہ ہی کے حوالے سے یہ تشریح تمام کتب متاخرہ میں نقل ہوتی چلی گئی، علامہ ابن نجیم کی شہرۂ آفاق کتاب "البحر الرائق" میں جہاں یہ بحث آئی ہے، وہاں ابن نجیمؒ نے پہلے یہ لکھا (جو تمام کتب

------ حواشی ------

450 - بڑے عالم، امام اور فقیہ تھے، خوارزم کے مفتی تھے، تمرتاش خوارزم کا ایک گاؤں ہے، کئی کتابوں کے مصنف ہیں (الاعلام للزرکلی ج ۱ ص ۹۷ مطبوعہ بیروت ۱۹۸۰ء)

451 -فتاویٰ بزازیۃ علی الہندیۃ ج ۶ ص ۴۲۷ المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ

متقدمہ میں بھی موجود ہے) کہ امام محمدؒ نے اپنی کسی کتاب میں تعزیر بالمال کا ذکر نہیں کیا ہے، پھر امام ابو یوسفؒ کا قول جواز نقل کیا، اور اس رائے کو فتاویٰ ظہیریۃ اور الخلاصۃ کے حوالوں سے مدلل کرنے کے بعد اس کی ایک مثال پیش کی کہ جو شخص تارک جماعت ہو اس سے مالی جرمانہ لینا جائز ہے، اس کے بعد بزازیہ کے حوالے سے قول امام ابی یوسفؒ کی تشریح نقل فرمائی، البتہ ابن نجیمؒ نے المجتبیٰ کے حوالے سے اس تاویل کے ساتھ ایک اور تاویل کو ہم رشتہ کیا کہ اگر مجرم کے توبہ کی امید نہ ہو تو حاکم جہاں مناسب سمجھے خرچ کر سکتا ہے، اس طرح بات پھر وہیں مالی جرمانہ کے سابقہ تصور کی طرف لوٹ کر چلی آئی، اور گو کہ اصل مذہب عدم جواز ہے، لیکن ابن نجیم کی تشریح در تشریح نے عدم جواز کی شدت کو کم کر دیا ہے:

وَأَفَادَفِي الْبَزَّازِيَّةِ أَنَّ مَعْنَى التَّعْزِيرِبِأَخْذِالْمَالِ على الْقَوْلِ بِهِ إمْسَاكُ شَيْءٍ من مَالِهِ عند مُدَّةً لِيَنْزَجِرَ ثُمَّ يُعِيدُهُ الْحَاكِمُ إلَيْهِ لَا أَنْ يَأْخُذَهُ الْحَاكِمُ لِنَفْسِهِ أو لِبَيْتِ الْمَالِ كما يَتَوَهَّمُهُ الظَّلَمَةُ إذْ لَا يَجُوزُ لِأَحَدٍ من الْمُسْلِمِينَ أَخْذُ مَالِ أَحَدٍبِغَيْرِ سَبَبٍ شَرْعِيٍّ وفي الْمُجْتَبَى لم يذكر كَيْفِيَّةَ الْأَخْذِ وَأَرَى أَنْ يَأْخُذَهَا فَيُمْسِكَهَافَإِنْ أَيِسَ من تَوْبَتِهِ يَصْرِفُهَا إلَى ما يَرَى وفي شَرْحِ الْآثَارِ التَّعْزِيرُبِالْمَالِ كان في ابْتِدَاءِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ نُسِخَ اه وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْمَذْهَبَ عَدَمُ التَّعْزِيرِ بِأَخْذِ الْمَالِ[452]

واضح رہے کہ المجتبیٰ کے مصنف علامہ نجم الدین الزاہدی (متوفیٰ ۶۵۸ھ)، ابن البزاز الکردری، امام رکن الدین الخوارزمی، اور امام ظہیر الدین التمرتاشیؒ سب سے متقدم ہیں۔

اس کے بعد شامی، عالمگیری، مجمع الانہر اور درر الحکام وغیرہ متعدد کتابوں میں البحر الرائق ہی کے حوالے سے یہ بات نقل کی گئی، جس میں بزازی کی تشریح اور صاحب المجتبیٰ علامہ زاہدیؒ کی در تشریح بھی شامل تھی، مثلاً:

------ حواشی ------

[452] -البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ۵ ص ۴۴زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة **926**ھ/ سنة الوفاة **970**ھ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت-

☆مطلب في التعزير بأخذ المال قوله(لا بأخذ مال في المذهب) قال في الفتح وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة لا يجوز اه ومثله في المعراج وظاهره أن ذلك رواية ضعيفة عن أبي يوسف قال في الشرنبلاليةولايفتى بهذامافيه من تسليط الظلمة على أخذمال الناس فيأكلونه اه ومثله في شرح الوهبانية عن ابن وهبان قوله (وفيه الخ)أي في البحرحيث قال وأفاد في البزازية أن معنى التعزير بأخذالمال على القول به إمساك شيء من ماله عندمدةلينزجرثم يعيده الحاكم إليه لا أن يأخذه الحاكم لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة إذ لا يجوز لأحد من المسلمين أخذ مال أحد بغير سبب شرعي وفي المجتبى لم يذكر كيفيةالأخذورأى أن يأخذها فيمسكها فإن أيس من توبته يصرفها إلى مايرى وفي شرح الآثار التعزير بالمال كان في ابتداءالإسلام ثم نسخ اه والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال[453]

☆وَبَقِيَ التَّعْزِيرُ بِالشَّتْمِ وَأَخذالْمَالِ فَأَمَّاالتَّعْزِيرُبِالشَّتْمِ فَهُوَ مَشْرُوعٌ بَعْدَأَنْ لَايَكُونَ قَذْفًا كَمَافِي الْبَحْرِعَنْ الْمُجْتَبَى وَأَمَّابِالْمَالِ فَصِفَتُهُ أَنْ يَحْبِسَهُ عَنْ صَاحِبِهِ مُدَّةً لِيَنْزَجِرَثُمَّ يُعِيدُهُ إلَيْهِ كَمَا فِي الْبَحْرِ عَنْ الْبَزَّازِيَّةِ ا ه وَلَا يُفْتَى بِهَذَا لِمَا فِيهِ مِنْ تَسْلِيطِ الظَّلَمَةِ عَلَى أَخْذِ مَالِ النَّاسِ فَيَأْكُلُونَهُ[454]

المجتبیٰ کے تفرد کا مسئلہ

عصر حاضر کے مشہور فقیہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ (صاحب احسن الفتاویٰ) نے

------ حواشی--

453 -حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ۴ص۶۲ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8- كذافى العالمگيرية، فصل فى التعزير، ۲/۱۶۷ ط ماجديه كوئٹه۔

454 -درر الحكام شرح غرر الاحكام لملا خسرو، 75/2، ط: دار احياء الكتب العربية۔

المجتبیٰ کے اضافہ کو یہ کہہ کر مسترد کرنے کی کوشش کی ہے کہ علامہ زاہدی معتزلی ہیں ، اوران کا تفرد فقہی روایات میں معتبر نہیں، چہ جائیکہ ان کی اپنی رائے ہو،[455] لیکن حقیقت یہ ہے کہ صاحب المجتبیٰ نے یہ اضافہ کرکے اس مسئلہ کو امام ابویوسفؒ کے اصل مسلک کی طرف پھیرنے کی کوشش ہے،انہوں نے کوئی نئی چیز پیش نہیں کی ہے کہ اس کو ان کا تفرد قرار دے کر مسترد کر دیا جائے۔۔۔اسی لئے صاحب مجمع الانہر علامہ شیخی زادہ (م ۱۰۷۸ھ) نے جب یہ مسئلہ البحر الرائق سے نقل کیا تو بلا کسی نکیر کے اور المجتبیٰ کا ذکر کئے بغیر پورے اعتماد اور یقین کے ساتھ یہ پوری تشریح نقل کی:

وفي البحر ولا يكون التعزير بأخذ المال من الجاني في المذهب لكن في الخلاصة سمعت عن ثقة أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي ذلك أو الوالي جاز ومن جملة ذلك رجل لا يحضر الجماعة يجوز تعزيره بأخذ المال ولم يذكر كيفية الأخذوأرى أن يؤخذ فيمسك مدة للزجر ثم يعيده لا أن يأخذه لنفسه أو لبيت المال فإن آيس من توبته يصرف إلى ما يرى[456]

یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ فتاویٰ بزازیہ کی تصنیف ۸۱۲ھ میں مکمل ہوئی،اس سے قبل کی یا اسی دور کی جو فقہی کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں، جن میں تعزیر بالمال کا ذکر ہے،ان میں سے کسی میں بھی امام ابویوسف کے قول کی وہ تشریح موجود نہیں ہے جو علامہ بزازیؒ نے اپنے پیش رواکابر علامہ رکن الدین خوارزمی اورامام ظہیرالدین تُمُرتاشی کے حوالے سے نقل کی ہے،متقدم ومعاصر کتابوں میں حنفیہ کے

------ حواشی---

455 - واضح رہے کہ حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحبؒ نے یہ بات حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ کی مشہور کتاب "الفوائد البهية فی تراجم الحنفیہ" ص ۲۱۳ کے حوالے سے لکھی ہے(احسن الفتاویٰ ج ۵ ص ۵۵۸) لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ خود حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں (مجموعۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۴۸- جیسا کہ آگے آئے گا) اس لئے قرین قیاس یہ ہے کہ اگر یہ زاہدی کا تفرد ہوتا تو مولانا عبدالحی صاحب اپنی تحقیق کے مطابق اسے قبول نہ فرماتے۔

456 - مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر ٢ ص ٣٧٢عبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكليبولي المدعو بشيخي زاده سنة الولادة / سنة الوفاة 1078هـ تحقيق خرح آياته أحاديثه خليل عمران المنصورالناشر دار الكتب العلمية سنة النشر 1419هـ – 1998م مكان النشر لبنان/ بيروت عدد الأجزاء 4

معروف مسلک عدم جواز کے بالمقابل امام ابویوسف کا قول جواز نقل کیا گیا ہے، اوران میں کہیں مذکورہ بالا تاویل کا ذکر نہیں ہے، بطور مثال چند کتابوں کی عبارتیں پیش ہیں:

☆ہدایہ کی شرح "العنایۃ" علامہ بابرتیؒ (متوفیٰ ۷۸۶ھ) کی تصنیف ہے، اور آٹھویں صدی ہجری میں لکھی گئی ہے، اس میں بھی امام ابویوسف کے قول جواز ہی کا اصالۃً ذکر ہے، عدم جواز کا کوئی قول نقل نہیں کیا گیا ہے، اورامام محمدؒ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی کسی کتاب میں اس مسئلہ کا ذکر نہیں فرمایا ہے۔

وَلَمْ يَذْكُرْمُحَمَّدٌالتَّعْزِيرَ بِأَخْذِ الْمَالِ ، وَقَدْ قِيلَ رُوِيَ عَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ التَّعْزِيرَمِنْ السُّلْطَانِ بِأَخْذِ الْمَالِ جَائِزٌ، وَ ذَكَرَ الْإِمَامُ التُّمُرْتَاشِيُّ أَنَّ التَّعْزِيرَ الَّذِي يَجِبُ حَقًّا لِلَّهِ تَعَالَى يَلِي إقَامَتَهُ كُلُّ أَحَدٍ بِعِلَّةِ النِّيَابَةِ عَنْ اللَّهِ تَعَالَى[457].

☆علامہ زیلعی (متوفیٰ ۷۴۳ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب "تبیین الحقائق" بھی بزازیہ سے بہت پہلے لکھی گئی ہے، اس میں بھی امام ابویوسفؒ کے قول جواز کے ساتھ وہ تاویل جڑی ہوئی نہیں ہے جو بزازیہ کے بعد کی تصانیف میں ملتی ہے۔

(قَوْلُهُ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ التَّعْزِيرَبِأَخْذِالْأَمْوَالِ جَائِزٌلِلْإِمَامِ)وَعِنْدَهُمَا الشَّافِعِيُّ وَمَالِكٌ وَأَحْمَدُ لَا يَجُوزُ بِأَخْذِ الْمَالِ.ا ه كَاكِيٌّ وَفَتْحٌ وَمَافِي الْخُلَاصَةِ سَمِعْت مِنْ ثِقَةٍ أَنَّ التَّعْزِيرَ بِأَخْذِ الْمَالِ إنْ رَأَى الْقَاضِي ذَلِكَ أَوْ الْوَالِي جَازَ مِنْ جُمْلَةِ ذَلِكَ رَجُلٌ لَا يَحْضُرُ الْجَمَاعَةَ يَجُوزُ تَعْزِيرُهُ بِأَخْذِ الْمَالِ مَبْنِيٌّ عَلَى اخْتِيَارِمَنْ قَالَ بِذَلِكَ مِنْ الْمَشَايِخِ لِقَوْلِ أَبِي يُوسُفَ .ا

------ حواشی --

457 - العناية شرح الهداية ج ٧ ص ٣٠٢ المؤلف : محمد بن محمد البابرتي (المتوفى : 786هـ)مصدر الكتاب : موقع الإسلام -

ھ. فَتْحٌ[458]

☆ہندوستان میں امام فرید الدین دہلوی (متوفیٰ ٧٨٦ھ) کی فتاویٰ تاتارخانیہ بھی بزازیہ سے قبل کی تصنیف ہے، انہوں نے بھی بہت سادہ انداز میں صرف امام ابویوسف کے قول جواز کے نقل پر اکتفا کیا ہے اور عدم جواز کا ذکر ہی نہیں کیا ہے، امام محمدؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی کتابوں میں تعزیر بالمال کا تذکرہ نہیں ہے۔

و لم یذکرمحمد فی شیء من الکتب التعزیرباخذالمال وقیل روی عن ابی یوسف ان التعزیروالزجرمن السلطان باخذالمال جائزوفی الفتاویٰ الخلاصۃ التعزیرباخذالمال ان رأی القاضی والوالی جازومن جملۃ ذلک الرجل لایحضرالجماعۃ یجوزتعزیرہ باخذالمال[459]

صاحب تاتارخانیہ نے امام ابویوسف کا قول گو کہ قیل کے ذریعہ نقل کیا ہے لیکن چونکہ اس باب میں یہی ایک واحد قول ہے اس لئے یہی معمول بہ اور مفتیٰ بہ قرار پاسکتا ہے، چنانچہ فتاویٰ الخلاصۃ کے حوالہ سے انہوں نے اس کو مؤید کیا ہے، یہ خود صاحب تاتارخانیہ کے ذہنی رجحان کی بھی عکاسی کرتا ہے۔

☆ہمارے پاس قدیم ترین کتابوں میں علامہ ابن ہمام (متوفیٰ ٨٦١ھ) کی فتح القدیر شرح ہدایہ ہے، جو تقریباً اسی دور میں لکھی گئی تھی، اس میں یہ مسئلہ مذکورہ تشریح سے ماوراء مذکور ہے، اور خاص بات یہ ہے کہ امام ابویوسف کے قول جواز کو اصالۃً ذکر کیا گیا ہے، اور عدم جواز کا قول اس کے بالمقابل دوسرے نمبر پر، اس سے خود ابن ہمامؒ کے ذاتی رجحان پر بھی روشنی پڑتی ہے:

وعن أبي يوسف يجوز التعزير للسلطان بأخذ المال وعندهما وباقي الأئمة الثلاثة لا يجوز وما في الخلاصة سمعت من ثقة أن التعزير بأخذ المال إن رأى القاضي ذلك أو الوالي جاز ومن جملة ذلك رجل لا يحضر الجماعة

------ حواشی --

458 -تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيّ ج ٣ ص ٢٠٨ المؤلف : عثمان بن علي بن محجن البارعي ، فخر الدين الزيلعي الحنفي (المتوفى : 743 هـ)الحاشية :شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِّلْبِيُّ (المتوفى : 1021 هـ)الناشر : المطبعة الكبرى الأميرية – بولاق ، القاهرة الطبعة : الأولى ، 1313 هـ-

459 -الفتاویٰ التتارخانیۃ ج ٦ ص٤٠٢،٤٠١ ترتیب وتخریج مفتی شبیراحمدقاسمی مرادآباد،مطبوعہ مکتبہ زکریادیوبند

يجوز تعزيره بأخذالمال مبنى على اختيارمن قال بذلك من المشايخ كقول أبي يوسف[460]

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم مراجع میں امام ابویوسف کا قول جواز نہ ضعیف ہے اور نہ مؤول، یہ تاویل بعد میں داخل ہوئی، اور ہماری اکثر کتب فقہیہ میں مروج ہوگئی، علامہ ابن نجیمؒ کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے امام خوارزمیؒ کی تاویل میں علامہ زاہدیؒ کی در تاویل شامل کر کے مسئلہ کو اس کی اصل حالت کی طرف لوٹانے کی کوشش کی، اس لئے المجتبیٰ کی تاویل کے لئے شواہد کا مطالبہ کرنا شاید زیادتی ہوگی۔

علامہ زاہدیؒ کے اعتزال کا مسئلہ

☆علاوہ مسلک حنفی کے انتہائی مستند تذکرہ نگار علامہ قاسم بن قطلوبغا (متوفیٰ ۸۷۹ھ) نے علامہ زاہدیؒ پر اعتزال کا الزام عائد نہیں کیا ہے، اور نہ ان کی تصانیف کو غیر معتبر قرار دیا ہے، بلکہ اپنی مشہور کتاب "تاج التراجم فی طبقات الحنفیۃ" میں بڑے احترام کے ساتھ ان کا ذکر کیا ہے، اس میں ان کی کتاب المجتبیٰ کا بھی ذکر موجود ہے:

مختار بن محمود بن محمد الزاهدي الغرميني نجم الدين أبو الرجاء شرح مختصر القدوري وله كتاب الغنية وله رسالة سماها الناصرية صنفها لبركة خان توفي سنةثمان وخمسين وستمائةقلت الغزميني بالمعجمتين نسبة إلى قصبة من قصبات خوارزم تفقه المذكور على سديد الخياطي وبرهان الأئمة وغيرهما وقرأ الكلام على أبي يوسف السكاكي وقرأ الحروف و الروايات على الشيخ رشيدالدين القندي وأخذالأدب عن شرف الأفاضل وله من التصانيف غير ما ذكر كتاب الأئمة وكتاب المجتبي في

------ حواشی ------

[460] - فتح القدير ج ٥ ص ٣٤٥كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي سنة الولادة / سنة الوفاة 681هـ الناشر دار الفكرمكان النشر بيروت عدد الأجزاء

الأصول والجامع في الحيض والفرائض[461].

عدم جواز کی روایت کی حقیقت

☆ اس جائزہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عدم جواز کو جو حنفیہ کا اصل مذہب کہا جاتا ہے وہ بھی ائمۂ مجتہدین سے صراحتاً ثابت نہیں ہے بلکہ صرف اس بنیاد پر اس کو اصل مذہب قرار دیا گیا ہے کہ امام محمد کی کتابیں (جو مسلک حنفی کی اصل بنیاد ہیں) تعزیر بالمال کے ذکر سے خالی ہیں، اس سے قیاس کیا گیا ہے کہ اگر یہ بھی اسلامی تعزیرات کا حصہ ہوتی تو امام محمدؒ ضرور اس کا تذکرہ فرماتے، گویا یہ استدلال بیانی نہیں سکوتی ہے، اور چونکہ صدیوں سے اس استدلال کو معتبر تسلیم کیا گیا ہے اس لئے ہم بھی اسے تسلیم کرتے ہیں۔

تعزیر بالمال کے منسوخ ہونے کا مسئلہ

☆ یہاں ایک چیز اور بھی قابل ذکر ہے کہ تعزیر بالمال کے نسخ کی بات بھی بزازیہ کے عہد تک ماقبل کی کتابوں میں نہیں ملتی، بزازیہ نویں صدی ہجری کے اوائل میں لکھی گئی، بزازیہ اور اس سے ماقبل کی کتابوں میں تعزیر بالمال کے بارے میں ائمۂ مجتہدین کا اختلاف تو ملتا ہے، لیکن کسی کتاب میں عمومیت کے ساتھ تعزیر کے منسوخ ہونے کا دعویٰ نہیں کیا گیا، نسخ کی بات غالباً سب سے پہلے دسویں صدی ہجری میں شروع ہوئی، جس کا ایک نمونہ علامہ ابن نجیم مصریؒ (متوفیٰ ۹۷۰ھ) کی کتاب "البحر الرائق" ہے، ابن نجیم نے البحر الرائق میں "شرح الآثار" کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ "تعزیر بالمال کا قانون ابتداء اسلام میں تھا بعد میں منسوخ ہو گیا:

وفِي شَرْحِ الْآثَارِ التَّعْزِيرُ بِالْمَالِ كان فِي ابْتِدَاءِ الْإِسْلَامِ ثُمَّ نُسِخَ اه[462]

البحر الرائق کے بعد کئی کتابوں میں یہ بات نقل کی گئی، اور پھر مشہور ہوتی چلی گئی۔

------ حواشی --

[461] - تاج التراجم في طبقات الحنفية ج ١ ص ٢٥ المؤلف : زين الدين أبو العدل قاسم بن قطلوبغا السودوني الحنفي (المتوفى : 879هـ)مصدر الكتاب : موقع الوراق-

[462] -البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ٥ ص ۴۴زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت-

شرح الآثار سے مراد غالباً امام طحاویؒ (متوفی ۳۲۱ھ) کی شرح معانی الآثار ہے ، حالانکہ امام طحاویؒ نے اپنی مشہور کتاب "شرح مشکل الآثار" میں صراحت کے ساتھ تعزیر بالمال کے نسخ کا انکار کیا ہے، مدینہ منورہ میں حرمت شکار کی بحث کے ذیل میں امام طحاویؒ نے یہ گفتگو کی ہے، اور حضرت عمر بن الخطابؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ کے عہد کی مثالوں سے ثابت کیا ہے کہ یہ حکم عہد نبوت کے بعد بھی باقی رہا:

وَكَمَاقَالَ بَعْدَ–[403]–تَحْرِيمِ صَيْدِ الْمَدِينَةِ:"مَنْ وَجَدْتُمُوهُ يَصِيدُ فِي شَيْءٍ مِنْهَا فَخُذُوا سَلَبَهُ ".وَقَدْ ذَهَبَ غَيْرُ وَاحِدٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ: عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، وَسَعْدُ بْنُ أَبِي وَقَّاصٍ إِلَى أَنَّ ذَلِكَ الْحُكْمَ كَانَ بَاقِيًا بَعْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . فَمِنْ ذَلِكَ مَا قَدْ رُوِيَ عَنْ عُمَرَ فِيهِ كَمَا حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ رِجَالٍ قَالَ: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ صَالِحٍ قَالَ :حَدَّثَنَاإِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ،عَنْ أَخِيهِ، عَنْ سُلَيْمَانَ وَهُوَ ابْنُ بِلَالٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي ذِئْبٍ،عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّهُ كَانَ يَغْدُو فَيَنْظُرُ إِلَى الْأَسْوَاقِ، فَإِذَا رَأَى اللَّبَنَ أَمَرَبِالْأَسْقِيَةِ فَفُتِحَتْ، فَإِنْ وَجَدَ مِنْهَا شَيْئًا –[405]– مَغْشُوشًا قَدْ جُعِلَ فِيهِ مَاءٌغُشَّ بِهِ أَهْرَاقَهَا ".قَالَ: وَنَحْنُ نَعْلَمُ أَنَّ اللَّبَنَ وَإِنْ غُشَّ فَفِيهِ بَعْدَذَلِكَ مَنْفَعَةٌ قَدْ يَنْتَفِعُ بِهِ أَهْلُهُ, وَهُوَ كَذَلِكَ , وَإِنَّ عُمَرَ لَمْ يُهْرِقْهُ إِلَّا خَوْفًا مِنْ أَهْلِهِ أَنْ يَغُشُّوا بِهِ النَّاسَ فَأَهْرَاقَهُ لِذَلِكَ , وَقَدْ يَحْتَمِلُ أَيْضًا أَنْ يَكُونَ مَنْعُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَهُ أَنْ يَجْعَلَ الْخَمْرَ خَلًّالِمِثْلِ ذَلِكَ؛خَوْفَ أَنْ يَخْلُوَ بِهَا فَيَأْتِيَ مِنْهَا مَا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ مِنْهَا، فَأَمَرَهُ بِإِهْرَاقِهَا لِذَلِكَ.وَقَدْ شَدَّ هَذَا التَّأْوِيلُ مَا كَانَ مِنْهُ فِي الزِّقَاقِ الَّتِي خَرَقَهَاوَ قَدْ رَأَى زِقَاقًا غَيْرَهَا , وَفِيهَا خَمْرٌ، فَلَمْ يَخْرِقْهَا

إِذْ كَانَ أَهْلُهَالَمْ يَفْعَلُوافِيهَامِثْلَ الَّذِي فَعَلَهُ أَهْلُ تِلْكَ فِيهَا[463]

یہ کہناتوشاید چھوٹامنہ بڑی بات ہو کہ غالباً یہ غلط فہمی امام طحاویؒ کی" شرح معانی الآثار" کی ایک عبارت سے پیداہوئی:

فكانت العقوبات جارية فيماذكرفي هذه الآثارعلى ما ذكر فيها حتى نسخ ذلك بتحريم الربافعاد الأمر إلى أن لايؤخذ ممن أخذ شيئا إلامثل ما أخذ وإن العقوبات لا تجب في الأموال بانتهاك الحرمات التي هي غير أموال[464]

حالانکہ شرح معانی الآثار کی مذکورہ عبارت کاپس منظر اور پوری بحث پیش نظر رہے تو سمجھا جاسکتا ہے کہ امام طحاویؒ نے صرف مخصوص مسائل میں مخصوص نسخ کی بات کہی ہے، مطلق تعزیر مالی یاعقوبت مالیہ کے نسخ کادعویٰ نہیں کیاہے، اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ:

"امام طحاویؒ نے بیوی کی باندی سے زنا کی بحث میں پہلے حضرت سلمہ بن المحبقؓ کی روایت نقل کی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے بصورت جبر باندی کو آزاد کرنے اور بصورت رضا زانی کی ملکیت میں دینے کا حکم فرمایا، اورزانی پراس کی قیمت واجب قراردی، اس کے بعد امام طحاویؒ نے حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت نقل کی ہے کہ اب ایسی صورت میں محصن پر رجم اور غیر محصن پر کوڑے کی سزاآئے گی، حضرت نعمانؓ کی روایت سے حضرت سلمہ بن المحبقؓ کی روایت منسوخ ہوگئی:

فهذاالذى ذكرالنعمان –عندنا- ناسخ لماروﺍه سلمة بن المحبق

اس کے بعد نسخ کی تفصیل اور تاریخ بیان کی ہے کہ:

وذلک ان الحكم كان فى اول الاسلام يوجب عقوبات بافعال فى اموال ويوجب عقوبات فى ابدان باستهلاک اموال

------ حواشی ------

463- شرح مشكل الآثارج ٨ ص **404** حديث نمبر:**3343** المؤلف : أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدي الحجري المصري المعروف بالطحاوي (المتوفى : **321**هـ)تحقيق : شعيب الأرنؤوط الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الأولى – **1415** هـ ، **1494** م عدد الأجزاء : **16** (**15** وجزء للفهارس)-

464 - شرح معاني الآثارج ٣ ص ١٤٦المؤلف : أحمد بن محمد بن سلامة بن عبدالملك بن سلمة أبو جعفر الطحاوي الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة الأولى ، **1399**تحقيق : محمد زهري النجارعدد الأجزاء : **4**-

کہ ابتداء اسلام میں قانون یہ تھا کہ خلاف شریعت عمل کے ارتکاب پر مالی عقوبت واجب ہوتی تھی اور کسی کا مال ہلاک کرنے پر بدنی عقوبت، مثلاً زکوۃ نہ دینے والے سے مقررہ زکوٰۃ کے علاوہ بطور جرمانہ اس کا آدھا مال بھی لیا جاتا تھا، گم شدہ اونٹ چھپانے والے سے اونٹ کی قیمت کے بقدر ضمان بھی لیا جاتا تھا، امام طحاویؒ نے حریسۃ الجبل اور ثمر معلق کی روایات بھی نقل کی ہیں جن میں بقدر قیمت ضمان کے علاوہ مزید ایک مثل مال بطور غرامت لئے جانے کا حکم دیا گیا ہے، یعنی مالی جرائم میں ضمان مثل کے علاوہ مزید مال بھی لے کر مظلوم کو دلوایا جاتا تھا، گویا دوہری عقوبت، لیکن بعد میں تحریم ربا، قانون زنا، اور قانون سرقہ وغیرہ احکام آجانے کے بعد عقوبت مثلین کا یہ قانون منسوخ ہوگیا، اور مقررہ طور پر ضمان مثل کا قانون نافذ ہوا:

عن جده عبد الله بن عمرو بن العاص أن رجلا من مزينة أتى رسول الله صلى الله عليه و سلم فقال : يا رسول الله كيف ترى في حريسة الجبل فقال ليس في شيء من الماشيةقطع إلاما أواه المراح فبلغ ثمنه ثمن المجن ففيه قطع اليد وما لم يبلغ ثمن المجن ففيه غرامة مثليه وجلدات نكال قال يارسول الله كيف ترى في الثمرالمعلق قال هو ومثله معه والنكال و ليس في شيء من الثمر المعلق قطع إلا ما أواه الجرين فما أخذ من الجرين فبلغ ثمنه ثمن المجن ففيه القطع وما لم يبلغ ثمن المجن ففيه غرامة مثليه وجلدات نكال فكانت العقوبات جارية فيما ذكر في هذه الآثارعلى ما ذكر فيها حتى نسخ ذلك بتحريم الربا فعاد الأمر إلى أن لا يؤخذمن أخذشيئا إلا مثل ما أخذ وإن العقوبات لا تجب في الأموال بانتهاك الحرمات التي هي غير أموال فحديث سلمة عندنا كان في الوقت الأول فكان الحكم على من زنابجارية امرأته مستكرهالهاعليه أن تعتق عقوبة له في فعله و يغرم مثلها لامراته وإن كانت طاوعته ألزمها جارية زانية وألزمه مكانها جارية طاهرة ولم تعتق هي بطواعيتهاإياه وفرق في ذلك بينما إذا كانت

مطاوعة له وبينما إذا كانت مستكرهةثم نسخ ذلك فردت الأمور إلى أن لايعاقب أحد بانتهاك حرمةلم يأخذفيها مالا بأن يغرم مالا ووجبت عليه العقوبةالتي أوجب الله على سائرالزناة فثبت بما ذكرنا ما روى النعمان ونسخ ما روى سلمة بن المحبق وأما ما ذكروا من فعل عبد الله بن مسعود رضي الله عنه ومذهبه في ذلك إلى مثل ما روى سلمة فقد خالفه فيه غيره من أصحاب رسول الله صلى الله عليه و سلم[465]

لیکن اس کا مطلب یہ لینا درست نہیں کہ اب کسی جرم میں تعزیر مالی کی گنجائش نہیں رہی، علامہ عینیؒ نے شرح معانی الآثار کی شرح نخب الافکار میں اس حدیث کی شرح کے تحت ایک اعتراض کے جواب میں عہد صحابہ کے بعض واقعات سے استدلال کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بطورزجر وسیاست تعزیر مالی کا دروازہ اب بھی کھلا ہوا ہے اور یہ امام طحاویؒ کی گفتگو کے دائرہ سے خارج ہے:

قلت هذامحمول منهم على السياسة زيادة فى الزجرو العقوبة

نخب الافکار میں تقریباً بیس (۲۰) صفحات میں یہ بحث پھیلی ہوئی ہے[466]

اس طرح حنفیہ میں امام طحاویؒ سے امام بدرالدین عینیؒ تک کوئی بھی اس حدیث کے نسخ کا قائل نہیں ہے، یہ تمام تر اکابر علامہ ابن نجیمؒ سے قبل کے ہیں، علامہ علی بن خلیل علاء الدین طرابلسیؒ (متوفی ۸۴۴ھ) صاحب معین الحکام بھی قدیم ترین حنفی فقہاء میں ہیں، انہوں نے طاقتور لہجہ میں تحریر کیا ہے کہ تعزیر بالمال کے نسخ کا دعویٰ نقل اور استدلال دونوں لحاظ سے غلط ہے[467]۔

------ حواشی--

[465] - شرح معاني الآثارج ۳ص ۱۴۶حدیث نمبر:۴۵۱۰المؤلف : أحمد بن محمد بن سلامة بن عبدالملك بن سلمة أبو جعفر الطحاوي الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة الأولى ، 1399 تحقيق : محمد زهري النجار

[466] -نخب الافکارفی تنقیح مبانی الاخبار علیٰ شرح معانی الآثار للامام بدرالدین عینی (م ۸۷۵ھ) کتاب الحدود، الرجل یزنی بجاریۃ امرأتہ ج ۱۵ ص ۴۸۱ تا ۵۰۰ مطبوعہ وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیۃ قطر، ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۸ء۔

[467] - معين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من الأحكام ج ۲ ص ۴۴۹المؤلف : علي بن خليل الطرابلسي، أبو الحسن، علاء الدين (المتوفى : 844هـ)مصدر الكتاب : موقع الإسلام-

فقہاء حنفیہ میں تعزیر مالی کے جواز کے قائلین

سابقہ تفصیلات سے یہ امر منقح ہوچکاہے کہ امام ابویوسفؒ کے قول جواز کو مرجوح اور کمزور بنانے کا سلسلہ دسویں صدی ہجری سے شروع ہوا، ماقبل کی صدیوں میں اسے عام طور پر ایک معتبر اور لائق اختیار قول کی حیثیت حاصل تھی، فقہاء اپنی کتابوں میں بلا تنکیر و تضعیف اس قول کو نقل کرتے تھے، اور متعدد بڑے فقہاء نے اس قول کی جانب اپنا رجحان ظاہر کیا تھا،۔۔۔مثلاً:

☆علامہ علاء الدین علی بن خلیل طرابلسیؒ (متوفیٰ ۸۴۴ھ) کا رجحان اوپر نقل کیا گیا،

☆امام طحاوی کی رائے جواز کی ہے ،وہ تعزیر مالی کو منسوخ قرار نہیں دیتے ہیں (عبارت آچکی ہے)[468]

☆علامہ ابن ہمام صاحب فتح القدیر بھی جواز کا رجحان رکھتے ہیں، عبارت پہلے گذر چکی ہے[469]۔

☆علامہ بابرتیؒ کی رائے بھی یہی ہے[470]۔

☆علامہ زیلعی بھی جواز کا رجحان رکھتے ہیں، عبارت پہلے گذر چکی ہے[471]۔

☆علامہ ابن البزاز الکردریؒ صاحب فتاویٰ بزازیہ بھی جواز کی رائے رکھتے ہیں[472]

☆خاتمۃ المجتہدین علامہ رکن الدین ابو یحییٰ الخوارزمی اور امام ظہیر الدین التمرتاشیؒ کی بھی یہی

------ حواشی--

468 -مشکل الآثار للطحاوی ج 4 ص 208-

469 - فتح القدير ج ۵ ص ۳۴۵ كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي سنة الولادة / سنة الوفاة 681ھ الناشر دار الفكرمكان النشر بيروت عدد الأجزاء-

470 - العناية شرح الهداية ج ۷ ص ۳۰۲ المؤلف : محمد بن محمد البابرتي (المتوفى : 786ھ)

471 - تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق وحاشية الشِّلْبِيِّ ج ۳ ص ۲۰۸ المؤلف : عثمان بن علي بن محجن البارعي ، فخر الدين الزيلعي الحنفي (المتوفى : 743 ھ)الحاشية :شهاب الدين أحمد بن محمد بن أحمد بن يونس بن إسماعيل بن يونس الشِّلْبِيُّ (المتوفى : 1021 ھ)الناشر : المطبعة الكبرى الأميرية – بولاق ، القاهرة الطبعة : الأولى ، 1313 ھ-

472 - فتاویٰ بزازیۃ علی الهندیۃ ج ۶ ص ۴۲۷ المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ-

رائے ہے[473]

☆صاحب خلاصۃ الفتاویٰ کا رجحان مالی تعزیر کے جواز کی طرف ہے، اکثر کتابوں میں ان کا حوالہ دیا گیا ہے[474]

☆مفتی عبد القادر آفندی نے فتاویٰ بزازیہ کی عبارت کی بنیاد پر جواز کا فتویٰ دیا[475]۔

☆صاحب فتاویٰ تاتارخانیہ کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی جواز کا رجحان رکھتے ہیں[476] عبارت پہلے نقل کی جاچکی ہے۔

☆علامہ ابن نجیمؒ کا رجحان بھی البحر الرائق میں اسی کے قریب نظر آتا ہے، عبارت گذر چکی ہے[477]

☆علامہ نجم الدین الزاہدی الغزمینیؒ صاحب المجتبیٰ (متوفیٰ ۶۵۸ھ) بھی جواز کے قائل ہیں[478]

☆حنفی فقیہ قاضی نجم الدین طرطوسی (متوفیٰ ۷۵۸ھ) بھی تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں۔

فالذی یبرطل علی القضاء یستحق عندی التعزیربالمال والضرب[479]

------ حواشی --

473 - فتاویٰ بزازیۃ علی الہندیۃ ج ۶ص۴۲۷ المطبعۃ الکبری الامیریۃ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ۔

474 - الفتاویٰ التتارخانیۃ ج ۶ص۴۰۲،۴۰۱ ترتیب وتخریج مفتی شبیراحمدقاسمی مرادآباد،مطبوعہ مکتبہ زکریادیوبند

475 -واقعات المفتین ص۵۹ المطبعۃ المنیریۃ مصر۔

476 - الفتاویٰ التتارخانیۃ ج ۶ص۴۰۲،۴۰۱ ترتیب وتخریج مفتی شبیراحمدقاسمی مرادآباد،مطبوعہ مکتبہ زکریادیوبند

477 - **البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ٥ ص ٤٤زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت۔**

478 - **البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ٥ ص ٤٤زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت۔**

479 -تحفۃ الترک فیمایجب ان یعمل فی الملک ،الفصل الخامس فی الکشف عن القضاء اونوابھم ص 49-

☆علامہ مخدوم جعفر سندھیؒ بھی جواز کے قائل ہیں، گو کہ اس کی عام اشاعت کو وہ سلاطین زمانہ کے خوف سے مناسب نہیں سمجھتے۔

ان روایۃجواز التعزیر باخذالمال ینبغی ان لایطلع علیہ سلاطین زماننا لانہم بعدالاطلاع قد یتجاوزون حد الاخذ بالحق الی التعدی بالباطل[480]

☆ماضی قریب کے علماء میں ابوالحسنات حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ بھی تعزیر بالمال کے جواز کے قائل ہیں[481]:

صرح فی الخلاصۃ والظہیریۃ بجواز التعزیر باخذالمال و احراق البیت ونحو ذلک[482]۔

☆ہندوستان کے فقیہ النفس عالم دین اور محدث جلیل حضرت مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحبؒ بانی امارت شرعیہ بہار نے بھی جواز کا فتویٰ دیا ہے[483]۔

☆حضرت مولانا عبدالحق حقانیؒ (صاحب فتاویٰ حقانیہ) بھی امام ابویوسفؒ کے قول جواز کو ترجیح دیتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ مسئلہ قضا کا ہے اور باب قضا میں امام ابویوسف کے قول کو ترجیح حاصل ہوتی ہے[484]

☆علامہ شمس الحق افغانی سابق استاذ دارالعلوم دیوبند و سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل بھی جواز کے قائل ہیں۔

یجوز التعزیر باخذالمال وھومذھب ابی یوسف وبہ قال مالک ومن قال ان العقوبۃ المالیۃ منسوخۃ فقط غلط وفعل الخلفاء الراشدین واکابر الصحابۃلہابعدموتہ ﷺمبطل لدعویٰ نسخہا

------ حواشی --

480 -المتانۃ ص 545 بحوالہ احسن الفتاویٰ ج 5 ص 553-

481 - مجموعۃ الفتاویٰ ج۳ص۴۸، مطبوعہ قیومی کانپور۔

482 -حاشیۃ شرح وقایۃ ج ۵ ص ۳۰۸۔

483 --فتاویٰ امارت شرعیہ:۱/۲۵۷،۲۹۰۔

484 - فتاویٰ حقانیہ ج۲ص۳۳۴ مطبوعہ جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک۔

و المدعون للنسخ ليس معهم سنة و لااجماع[485]۔

☆استاذی المکرم حضرت مولانا مفتی نظام الدین اعظمی سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند بھی جواز کے قائل ہیں[486]

☆عصر جدید کے فقیہ اکبر قاضی القضاۃ حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ بانی مجمع الفقہ الاسلامی ہند بھی جواز کی رائے رکھتے ہیں[487]

☆عصر حاضر کے ممتاز فقیہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم بھی جواز کے وکیل ہیں، اور آپ نے اس کی اہم بنیادوں کی نشاندہی کی ہے[488]۔ وغیرہ۔

یہ تقریباً پندرہ (۱۵) فقہاء متقدمین اور سات (۷) علماء متأخرین یعنی کم از کم تئیس (۲۳) شخصیات کے اسماء گرامی ہیں، اور ان میں زیادہ تر وہ لوگ ہیں جو دسویں صدی ہجری سے پہلے کے ہیں، جن کا عرصہ عہد ائمۂ مجتہدین کے بعد تقریباً سات آٹھ صدیوں تک محیط ہے، اور جو بہر حال زمانۂ ما بعد کے لحاظ سے خیر القرون کے ایام تھے، دسویں صدی ہجری سے رجحانات کی تبدیلی کا سلسلہ شروع ہوا، اس کے پیچھے ممکن ہے سلاطین زمانہ کے مظالم کا خوف ہو یا اور کوئی سبب، اس کے بعد جو فقہی کتابیں اور مجموعے تیار ہوئے ان میں بالعموم عدم جواز کے قول کو اصل مسلک حنفی کی حیثیت سے نمایاں کیا گیا، اور امام ابو یوسفؒ کے قول جواز کو مختلف دلائل و تاویلات کے ذریعہ کمزور ثابت کیا گیا، مگر عہد اخیر کی ان چار پانچ صدیوں میں اگر بڑے فقہاء اور مصنفین کی فہرست بنائی جائے تو شاید وہ مذکورہ تعداد تک نہ پہونچ سکے،۔۔۔۔۔ اور یوں بھی سلف ہر حال میں خلف پر فضیلت رکھتے ہیں۔

------ حواشی--

485 -معين القضاة والمفتين ج ۱ ص ۷۰ ،مطبوعہ میر محمد کتب خانہ

486 -منتخبات نظام الفتاویٰ ج ۳ ص ۳۷۶ مطبوعہ دیوبند۔

487 -دارالقضاء کے فیصلے ص مطبوعہ امارت شرعیہ پٹنہ۔

488 -تقریر ترمذی ج ۲ ص ۱۱۸ مطبوعہ دیوبند۔

مالکیہ کا اصل مذہب

تعزیرات مالیہ کے سلسلے میں مالکیہ کا اصل مذہب بھی یہی ہے کہ ناجائز ہے، علامہ صاویؒ اور دسوقی وغیرہ نے یہی نقل کیا ہے:

☆وأما التعزير بأخذ المال فلا يجوزإجماعاً و ما روى عن الإمام أبي يوسف صاحب أبي حنيفة من جواز التعزير للسلطان بأخذالمال فمعناه كما قال البراذعى من أئمة الحنفية أن يمسك المال عنده مدة لينزجر ثم يعيده إليه لاأنه يأخذ لنفسه أو لبيت المال كما يتوهمه الظلمة،إذ لا يجوز أخذ مال بغيرسبب شرعى و في نظم العمليات:(ولم تجز عقوبة بالمال أو فيه عن قول من الأقوال)[489]

☆وَلَا يَجُوزُ التَّعْزِيرُ بِأَخْذِالْمَالِ إجْمَاعًا و ما رُوِيَ عن الْإِمَامِ أَبِي يُوسُفَ صَاحِبِ أَبِي حَنِيفَةَ من أَنَّهُ جَوَّزَ لِلسُّلْطَانِ التَّعْزِيرَ بِأَخْذِ الْمَالِ فَمَعْنَاهُ كما قال الْبَزَّازِيُّ من أَئِمَّةِ الْحَنَفِيَّةِ أَنْ يَمْسِكَ الْمَالَ عِنْدَهُ مُدَّةً لينزجر(لينزجر)ثُمَّ يُعِيدَهُ إلَيْهِ لَا أَنَّهُ يَأْخُذُهُ لِنَفْسِهِ أو لِبَيْتِ الْمَالِ كما يَتَوَهَّمُهُ الظَّلَمَةُ إذْ لَا يَجُوزُ أَخْذُ مَالِ مُسْلِمٍ بِغَيْرِ سَبَبٍ شَرْعِيٍّ أَيْ كَشِرَاءٍ أو هِبَةٍ[490]

☆قال الدسوقي المالكي في حاشيته: (قوله: وتصدق بماغش) أي جوازا لا وجوبا خلافا لعبق لما يذكره المصنف آخرامن قوله،ولو كثر فإن هذا قول مالك والتصدق عنده جائزلاواجب وما ذكره المصنف من التصدق هوالمشهورو قيل: يراق اللبن ونحوه من المائعات وتحرق الملاحف والثياب الرديئةالنسج

------ حواشی --

[489] - بلغة السالك لأقرب المسالك ج ۴ص۲۶۸ أحمد الصاوي تحقيق ضبطه وصححه: محمد عبد السلام شاهين الناشر دار الكتب العلمية سنة النشر 1415هـ – 1995م مكان النشر لبنان/ بيروت عدد الأجزاء 4

[490] - حاشية الدسوقي على الشرح الكبيرج ۴ ص ۳۵۵ محمد عرفه الدسوقي تحقيق محمد عليش الناشر دار الفكرمكان النشر بيروت عدد الأجزاء 4-

قاله ابن العطاروأفتى به ابن عتاب وقيل: إنها تقطع خرقا خرقاوتعطى للمساكين وقيل : لايحل الأدب بمال امرئ مسلم فلايتصدق به عليه ولايراق اللبن و نحوه ولاتحرق الثياب ولا تقطع الثياب ويتصدق بها، و إنما يؤدب الغاش بالضرب حكى هذه الأقوال ابن سهل، قال ابن ناجي: واعلم أن هذا الخلاف إنما هو في نفس المغشوش هل يجوز الأدب فيه أم لا، وأما لو زنى رجل مثلافلاقائل فيما علمت أنه يؤدب بالمال، وإنما يؤدب بالحدومايفعله الولاة من أخذ المال فلا شك في عدم جوازه ،وقال الونشريسي أماالعقوبة بالمال فقد نص العلماء على أنهالاتجوز وفتوى البرزلي بتحليل المغرم لم يزل الشيوخ يعدونها من الخطأ اهـ[491]

بعض مالکیہ کے یہاں جواز کی رائے

لیکن مشہور مالکی فقیہ علامہ ابن فرحون نے مالکیہ کا مسلک جواز کا نقل کیا ہے اور تعزیر مالی کی کئی مثالیں بھی پیش کی ہیں جو خود حضرت امام مالکؒ سے منقول ہیں ، مثلاً امام مالکؒ نے فتویٰ دیا کہ ملاوٹ والے دودھ یامشک کو صدقہ کر دیا جائے گا، تاکہ ملاوٹ کرنے والے کو سبق ملے، یا کوئی بد کردار شخص اپنے پڑوسیوں کو تنگ کرے تو اس کا مکان فروخت کر دیا جائے گا، اور دوسری جگہ منتقل ہونے کا حکم دیا جائے گا، یہ مالی اور جسمانی دونوں لحاظ سے سزا ہے، وغیرہ۔

وَالتَّعْزِيرُ بِالْمَالِ : قَالَ بِهِ الْمَالِكِيَّةُ فِيهِ ، وَلَهُمْ تَفْصِيلٌ ذَكَرْت مِنْهُ فِي كِتَابِ الْحِسْبَةِ طَرَفًا ، فَمِنْ ذَلِكَ سُئِلَ مَالِكٌ عَنْ اللَّبَنِ الْمَغْشُوشِ أَيُهْرَاقُ ؟ قَالَ :لَا،وَلَكِنْ أَرَى أَنْ يُتَصَدَّقَ بِهِ إِذَا كَانَ هُوَ الَّذِي غَشَّهُ .وَقَالَ فِي الزَّعْفَرَانِ وَ الْمِسْكِ الْمَغْشُوشِ مِثْلَ ذَلِكَ قَلِيلًا أَوْ كَثِيرًا ، وَخَالَفَهُ ابْنُ الْقَاسِمِ فِي الْكَثِيرِ .وَقَالَ يُبَاعُ الْمِسْكُ وَ الزَّعْفَرَانُ عَلَى مَنْ لَا يُغَشُّ بِهِ وَيُتَصَدَّقُ

------ حواشی --

[491] -الشرح الكبير و حاشية الدسوقي،46/3، ط: دار الفكر

بِالثَّمَنِ أَدَبًا لِلْغَاشِّ .مَسْأَلَةٌ : وَالْفَاسِقُ إِذَا آذَى جَارَهُ وَلَمْ يَنْتَهِ ، تُبَاعُ عَلَيْهِ دَارُهُ وَهُوَ عُقُوبَةٌ فِي الْمَالِ وَالْبَدَنِ .مَسْأَلَةٌ : وَمَنْ مَثَّلَ بِأَمَتِهِ عَتَقَتْ عَلَيْهِ وَذَلِكَ عُقُوبَةٌ بِالْمَالِ[492]۔

بعض علماء نے اسی کو مالکیہ کا قول مشہور قرار دیا ہے، جیسا کہ فتاویٰ ابن تیمیہ اور الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ سے ظاہر ہوتا ہے، ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

ومذهب مالك وأحمد وغيرهما : أن العقوبات المالية كالبدنية ، تنقسم إلى ما يوافق الشرع وإلى ما يخالفه ، وليست العقوبة المالية منسوخة عندهما[493]

موسوعہ کی عبارت ہے:

أمافي مذهب مالك في المشهور عنه ، فقد قال ابن فرحون : التعزير بأخذ المال قال به المالكية[494]۔

شافعیہ-اختلاف اقوال

تعزیر بالمال کے سلسلہ میں امام شافعیؒ سے دو قول منقول ہیں، ایک قول عدم جواز کا ہے اور یہ امام شافعیؒ کا قول جدید ہے، دوسرا قول جواز کا ہے اور یہ ان کا قول قدیم ہے، الموسوعۃ الفقہیۃ میں علامہ شبر املسی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے:

☆وقال الشبراملسي:ولا يجوزعلى الجديدبأخذالمال.يعني لايجوز التعزير

------ حواشی --

[492] - تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام ج ٥ ص ٢٧٤ المؤلف : إبراهيم بن علي بن محمد، ابن فرحون، برهان الدين اليعمري (المتوفى : 799هـ)

[493] - الحسبة لابن تيمية ص ٧٥ المؤلف : تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني (المتوفى : 728هـ)عدد الصفحات : 50۔

[494] -الموسوعة الفقهية الكويتية ج ١٢ ص ٢٧٠ صادر عن : وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية – الكويت عدد الأجزاء : 45 جزءا الطبعة : (من 1404 – 1427 هـ)..الأجزاء 1 – 23 : الطبعة الثانية ، دارالسلاسل – الكويت ..الأجزاء 24 – 38 : الطبعة الأولى ، مطابع دار الصفوة – مصر ..الأجزاء 39 – 45 : الطبعة الثانية ، طبع الوزارة۔

بأخذالمال في مذهب الشافعي الجديد، وفي المذهب القديم:يجوز[495]

☆وَلَا يَجُوزُ عَلَى الْجَدِيدِ بِأَخْذِ الْمَالِ[496]

کتاب الام میں ہے:

☆قال الإمام الشافعيؒ: " لا يعاقب رجل في ماله وإنما يعاقب في بدنه وإنما جعل الله الحدود على الأبدان وكذلك العقوبات فأما على الأموال فلا عقوبة عليها.[497]"

علامہ نوویؒ تحریر فرماتے ہیں:

☆هذامذهبہ الجديدو هو المفتى بہ. وهذا في غير اخذ سلب من اصطاد في حرم المدينة لأن المفتى به فيه مذهبه القديم .قال النوويؒ: " و لا بأس بتسويد وجهه والمناداة عليه ويحرم حلق لحيته وأخذ ماله.[498]"

حنابلہ-اختلاف آراء

حنابلہ کے نزدیک تعزیزبالمال قطعی جائز نہیں،اس لئے کہ شریعت میں اس کادوردورتک ثبوت

------ حواشی--

495 -الموسوعة الفقهية الكويتية ج ١٢ ص ٢٧٠ صادر عن : وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية – الكويت عدد الأجزاء : 45 جزءا الطبعة : (من 1404 – 1427 هـ)..الأجزاء 1 – 23 : الطبعة الثانية ، دارالسلاسل – الكويت ..الأجزاء 24 – 38 : الطبعة الأولى ، مطابع دار الصفوة – مصر ..الأجزاء 39 – 45 :

496 - حاشيتا قليوبي وعميرة ج ١٥ ص ٣٠٤ المؤلف : شهاب الدين القليوبي (المتوفى : 1069 هـ) وأحمد البرلسي عميرة (المتوفى : 957هـ)[هي حاشية على كتاب المنهاج للنووي (المتوفى : ت 676هـ)]* حواشي الشرواني والعبادي ج ٩ ص ١٢٩ المؤلف :عبد الحميد المكي الشرواني (المتوفى : 1301هـ) و أحمد بن قاسم العبادي (المتوفى : 992هـ)[الكتاب حاشية على تحفة المحتاج بشرح المنهاج لابن حجر الهيتمي (المتوفى : 974 هـ) الذي شرح فيه المنهاج للنووي (المتوفى : 676 هـ)]مصدر الكتاب : موقع يعسوب [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع] * نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج ج ٢٦ ص ٢٥٣ المؤلف : شمس الدين محمد بن أبي العباس أحمد بن حمزة شهاب الدين الرملي (المتوفى : 1004هـ)[هو شرح متن منهاج الطالبين للنووي (المتوفى 676 هـ) .

497 -الأم للشافعي، 265/4، ط: دار المعرفة

498 -المجموع شرح المهذب،125/20، دار الفكر.

نہیں ہے، نیز اصل واجب تادیب اور تنبیہ ہے اور اتلاف سے یہ مقصد پورا نہیں ہوتا، مذہب حنبلی کی تمام کتابوں میں یہ مسئلہ صراحت کے ساتھ موجود ہے:

والتعزير يكون بالضرب والحبس والتوبيخ ؟ ولا يجوز قطع شيء منه ولا جرحه ولاأخذ ماله لأن الشرع لم يرد بشيء من ذلك عن أحد يقتدى به ولأن الواجب أدب والتأديب لا يكون بالاتلاف[499]

علامہ ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ کی رائے

لیکن مسلک حنبلی کے دو ممتاز فقیہ علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن القیمؒ نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے، بلکہ ان لوگوں کی تغلیط کی ہے جو علی الاطلاق عدم جواز کی نسبت امام احمد بن حنبلؒ یا امام مالک کی طرف کرتے ہیں، علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک علی الاطلاق مالی سزاؤں کو ناجائز کہنا درست نہیں، اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفاء راشدین اور صحابۂ کرام کا عمل تعزیر بالمال پر رہا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا جواز منسوخ نہیں ہوا ہے۔

☆و من قال :إن العقوبات المالية منسوخة، وأطلق ذلک عن أصحاب مالک وأحمد، فقد غلط على مذهبهما، ومن قال مطلقاً من أی مذهب كان، فقد قال قولاً بلا دليل، ولم يجئ عن النبى صلى الله عليه وسلم شئ قط يقتضى أنه حرام جميع العقوبات المالية ؛بل أخذالخلفاء الراشدين وأكابرأصحابه بذلک بعد موته دليل على أن ذلک محكم غير منسوخ[500]۔

------ حواشی ------

[499] - المغني في فقه الإمام أحمد بن حنبل الشيباني ج ١٠ ص ٣٢٤ المؤلف : عبد الله بن أحمد بن قدامة المقدسي أبو محمدالناشر : دار الفكر – بيروت الطبعة الأولى ، 1405عدد الأجزاء : 10* كشاف القناع عن متن الإقناع ج ٢٠ ص ٤٨٩ المؤلف : منصور بن يونس بن إدريس البهوتي (المتوفى : 1051هـ)* شرح منتهى الإرادات المسمى دقائق أولي النهى لشرح المنتهى ج ٣ ص ٣٦٦ منصور بن يونس بن إدريس البهوتي سنة الولادة / سنة الوفاة 1051 الناشر عالم الكتب سنة النشر 1996 مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 3

[500] - فتاویٰ ابن تیمیہ:۲۸/۱۱۱۔

☆وادعى قوم أن العقوبات المالية منسوخة ولا حجة معهم في ذلك أصلا كما أن البدن إذا قام بالفجور أقيم عليه الحد وان كان قد يتلف بإقامة الحد كذلك الذي قام به صنعة الفجور مثل الصنم يجوز إتلافه وتحريقه كما حرق رسول الله صلى الله عليه وسلم الأصنام وكذلك من صنع صنعة محرمة في طعام أو لباس أو نحو ذلك[501]

نسخ کا دعویٰ صحیح نہیں

علامہ ابن قیمؒ نے تو یہاں تک دعویٰ کر دیا ہے کہ تعزیز مالی کے نسخ پر کتاب وسنت اور اجماع امت سے کوئی دلیل موجود نہیں ہے، محض ایک خیال کو دلیل سمجھ لیا گیا ہے:

وهذه قضايا صحيحة معروفة وليس يسهل دعوى نسخهاومن قال إن العقوبات المالية منسوخة وأطلق ذلك فقد غلط على مذاهب الأئمة نقلا واستدلالا فأكثر هذه المسائل سائغ في مذهب أحمد وغيره وكثيرمنها سائغ عند مالك وفعل الخلفاء الراشدين وأكابر الصحابة لهابعدموته صلى الله عليه وسلم مبطل أيضا لدعوى نسخها والمدعون للنسخ ليس معهم كتاب ولا سنة ولا إجماع يصحح دعواهم إلا أن يقول أحدهم مذهب أصحابنا عدم جوازها فمذهب أصحابه عيار على القبول و الرد وإذا ارتفع عن هذه الطبقة ادعى أنها منسوخة بالإجماع و هذا غلط أيضا فإن الأمة لم تجمع على نسخها ومحال أن ينسخ الإجماع السنة

------ حواشی

---

501 - مختصر الفتاوى المصرية لابن تيمية ج ١ ص ٣٤١ بدر الدين أبو عبد الله محمد بن علي الحنبلي البعلي سنة الولادة / سنة الوفاة 777هـ تحقيق محمد حامد الفقي الناشر دار ابن القيم سنة النشر 1406 – 1986 مكان النشر الدمام – السعودية عدد الأجزاء ۔

ولكن لو ثبت الإجماع لكان دليلا على نص ناسخ [502]

تنقیح و تجزیہ

اس تجزیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعزیر بالمال کے مسئلہ پر کسی مذہب فقہی میں اتفاق رائے موجود نہیں ہے، اور ہر مسلک میں کچھ مضبوط علماء عدم جواز کے بالمقابل جواز کے حامی اور وکیل رہے ہیں، جب کوئی مسئلہ اس قدر مختلف فیہ بن جائے تو اس کی شدت خود بخود کم ہو جاتی ہے، اور دونوں جانب گنجائش کی راہ نکل آتی ہے، ایسی صورت میں مسئلہ حلال و حرام کے بجائے اصول کے مطابق زیادہ سے زیادہ مکروہ و غیر مکروہ کا رہ جاتا ہے، اور اگر دلیلوں کی بنیاد پر کسی جانب بھی انسان کا میلان ہو وہ قابل طعن نہیں ہو سکتا، اور نہ اس کو خروج عن المذہب قرار دیا جا سکتا ہے۔

عدم جواز کی وجوہات

☆ دراصل عدم جواز کے قائلین کے ذہن میں یہ ہے کہ مالی جرمانہ مسئلہ کا حل نہیں ہے، اس لئے کہ ممکن ہے کہ مجرم کے پاس مال ہی نہ ہو تو وہ مالی جرمانہ کہاں سے ادا کرے گا۔۔۔ اور اگر مجرم بہت زیادہ مالدار ہو تو جرمانہ ادا کرنا اس کے لئے کچھ مشکل نہ ہوگا، لیکن اس سے اس کے آئندہ جرم پر قابو پانا ضروری نہیں، اس لئے کہ جرمانہ دینے کے بعد مجرم میں احساس ندامت کے بجائے اکثر اپنے بچ جانے کا احساس فتح پیدا ہوتا ہے، اور جرم کا سلسلہ جاری رہ سکتا ہے، مالی جرمانہ زیادہ سے زیادہ متوسط درجہ (مڈل کلاس) کے لوگوں کے لئے مفید ہو سکتا ہے، جو جرمانہ کی ادائیگی کے بعد مالی دباؤ محسوس کریں اور آئندہ جرم کے ارتکاب کی جرأت نہ کریں۔

☆ دوسری خرابی یہ ہے کہ مالی جرمانہ عائد کرنے کی صورت میں کبھی بدکردار اور ظالم افسروں کے لئے ظلم اور ناجائز لوٹ کھسوٹ کا دروازہ کھل سکتا ہے، نیز معاشرہ میں رشوت کے جراثیم بھی جنم لے

------ حواشی ------

502 - الطرق الحكمية في السياسة الشرعية لابن قيم ج ٢٢ ص ١٩- ☆ جامع الفقہ لابن القیم: ٥٤٩/٦-٥٠، ترتیب، یسریٰ السید محمد (ط: دار الصفاء، بیروت)

سکتے ہیں۔

قانون تعزیر کا مقصد یہ ہے کہ سزا ایسی ہو جو سب کے لئے قابل عمل ہو، اور آئندہ انسداد جرم کے حق میں بھی مفید ہو۔

☆عدم جواز کے قائلین کی طرف سے یہ دلیل بھی پیش کی گئی ہے کہ کتاب وسنت میں مالی جرمانہ کے جواز پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے، اس لئے مالی جرمانہ وصول کرنا کسی کے مال کو بلا سبب شرعی ہڑپ کرنے کے مترادف ہوگا۔ قرآن وحدیث کی کئی نصوص میں یہ مضمون وارد ہوا ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

☆وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ[503]

☆يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوالَاتَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةًعَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا[504]

*ارشادات نبویہ ہیں:

☆وقال النبي صلى الله عليہ وسلم: لايحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منہ[505]

☆عن عمروبن يثربي,قال:شهدت رسول الله صلى الله عليه وسلم في حجةالوداع بمنى فسمعته يقول:«لايحل لامرء من مال أخيه شيءإلاماطابت به نفسه» , فقلت حينئذ: يا رسول الله صلى الله عليه و سلم أرأيت إن لقيت غنم ابن عم لي فأخذت منها شاة فاجتزرتها أعلي في ذلك شيء؟ , قال: «إن لقيتها نعجة تحمل شفرة وأزنادا فلا تمسها»." (قال الزيلعي

------ حواشی--

503 -البقرة : ١٨٨

504 -النساء : ٢٩۔

505 - مسند الإمام أحمد:٣٤/٣٩٩، رقم:٢٠٦٩٥، ت:شعيب أرناؤط، ط: مؤسسة الرسالة عام ١٤٢١ھ-☆ومسند أبويعلیٰ:٣/١٠٤، رقم:١٥٠٧، ت: حسين سليم، ط: دارالمأمون للتراث-دمشق عام ١٤٠٤ھ

في نصب الرایہ: اسنادہ جید[506]

ترجمہ: حضرت عمرو بن یثربی ضمری سے مروی ہے کہ میں نبی ﷺ کے اس خطبے میں شریک تھا جو نبی ﷺ نے میدان منیٰ میں دیا تھا آپ نے منجملہ دیگر باتوں کے اس خطبے میں یہ ارشاد فرمایا تھا کہ کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا مال اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک وہ اپنے دل کی خوشی سے اس کی اجازت نہ دے میں نے یہ سن کر بارگاہ رسالت میں عرض کیا یارسول اللہ یہ بتائیے کہ اگر مجھے اپنے چچازاد بھائی کا ریوڑ ملے اور میں اس میں سے ایک بکری لے کر چلا جاؤں تو کیا اس میں مجھے گناہ ہوگا۔ نبی ﷺ نے فرمایا اگر تمہیں ایسی بھیڑ ملے جو چھری اور چقماق کا تحمل کر سکتی ہو تو اسے ہاتھ بھی نہ لگانا۔

مگر ان روایات سے استدلال کمزور ہے اس لئے کہ ان میں اس مسلمان کا مال لینے سے منع کیا گیا ہے جو کسی گناہ اور جرم کا مرتکب نہ ہوا ہو، لیکن اگر کوئی مسلمان کسی جرم کا مرتکب ہوا ہے تو اس پر جس طرح جسمانی سزا عائد کی جاسکتی ہے اسی طرح مالی سزا بھی عائد کی جاسکتی ہے، اس لیے کہ مسلمان کا مال تو طیب نفس سے حلال ہو جاتا ہے لیکن اس کی جان طیب نفس سے بھی حلال نہیں ہوتی لہٰذا جب کسی مسلمان نے جرم کیا اور پھر سزا کے طور پر اس کی جان کو کوئی نقصان پہنچایا جائے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے۔ تو پھر مال جو طیب نفس سے حلال ہو جاتا ہے وہ جرم کے ارتکاب میں بطریق اولی جائز ہو جانا چاہیے[507]۔

☆ایک بات یہ بھی کہی جاتی ہے کہ مالی جرمانہ کا جواز منسوخ ہو چکا ہے اور اس پر اجماع ہے،:

☆قال الطحاويؒ:فکانت العقوبات جاریة فیما ذکر في هذه الآثار علی ما ذکر فیها حتی نسخ ذلك بتحریم الربا , فعادالأمر إلی أن لا یؤخذ ممن أخذ شیئا إلا مثل ما أخذوإن العقوبات لاتجب في الأموال بانتهاك الحرمات التي هي غیرأموال

------ حواشی --

[506] -سنن الدارقطنی، 423/3، ط: مؤسسة الرسالة مسند احمد بن حنبل 20695-

[507] -مولانا تقی عثمانی، درس ترمذی۔

.فحديث سلمة – عندنا – كان في الوقت الأول فكان الحكم على من زنى بجارية امرأته مستكرها لها عليه أن تعتق عقوبة له في فعله , ويغرم مثلهالامرأته وإن كانت طاوعته ألزمها جارية زانية وألزمه مكانها جارية طاهرة ولم تعتق هي بطواعيتها إياه. وفرق في ذلك,بينما إذاكانت مطاوعة له,وبينماإذاكانت مستكرهة ثم نسخ ذلك فردت الأمور إلى أن لايعاقب أحد بانتهاك حرمة لم يأخذ فيها مالابأن يغرم مالا ,ووجبت عليه العقوبةالتي أوجب الله على سائر الزناة.فثبت بما ذكرناما روى النعمان ونسخ ما روى سلمة بن المحبق ." [508]

☆قال البناني في حاشيته:"وهل يكون التعزير بأخذ المال في معصية لاتعلق لها بالمال أم لا الخ. يدل على قصوره ما ذكره ابن رشد في رسم مساجد القبائل من سماع ابن القاسم من كتاب الحدود في القذف ونصه مالك لا يرى العقوبات في الأموال وإنما كان ذلك في أول الإسلام من ذلك ما روي عن النبي– صلى الله عليه وسلم–في مانع الزكاة أنهاتؤخذ منه وشطر ماله عزمة من عزمات ربنا وما روي عنه عليه الصلاة والسلام في حريسة الجبل أن فيها غرامة مثلها وجلدات نكال وماروي عنه عليه الصلاة والسلام إن سلب من أخذوهو يصيد في الحرم لمن أخذه كان ذلك كله في أول الإسلام وحكم به عمربن الخطاب ثم انعقدالإجماع على أن ذلك لايجب وعادت العقوبات على الجرائم في الأبدان اهـ.[509]

☆قال ابن رشد ؒ: "وقول ابن القاسم في أنه لا يتصدق من ذلك على الغاش إلا بالشيء اليسير أحسن من قول مالك ؛ لأن الصدقة بذلك من العقوبات في الأموال،والعقوبات في الأموال أمر كان في أول الإسلام، من ذلك ماروي عن النبي – عَلَيْهِ السَّلَامُ – في مانع الزكاة:«إنما آخذها منه وشطر ماله عزمة من عزمات ربنا»،وماروي عنه فيه:«حريسةالجبل أن

------ حواشی--

[508] -شرح معانی الآثار،146/3، ط: عالم الکتب-اس عبارت کی تشریح پہلے گذر چکی ہے۔

[509] -شرح الزرقانی علی مختصر الخلیل و حاشیۃ البنانی،201/8، ط: دار الکتب العلمیۃ۔

فيها غرامة مثليهاوجلدات نكال»، وما روي عنه من «أن من أخذ بصيدفي حرم المدينة شيئا، فلمن أخذه سلبه» ، ومن مثل هذا كثير ، ثم نسخ ذلك كله بالإجماع على أن ذلك لايجب،و عادت العقوبات في الأبدان،فكان قول ابن القاسم أولى بالصواب استحسانا،والقياس أن لايتصدق من ذلك بقليل ولا كثير، وبالله التوفيق"[510]

مگر بہت سے علماء کو اس سے اتفاق نہیں ہے،اس لئے کہ خلفاء راشدین اور صحابہ کا تعامل اس تصور نسخ کے خلاف ہے جیسا کہ اس کا ذکر پہلے آچکا ہے،اور کچھ تفصیل آگے آرہی ہے۔

تعزیر مالی کے جواز کے دلائل

جب کہ قائلین جواز کی دلیلوں میں بھی بڑا دم ہے، مثلاً:

☆کوئی ایسی صریح دلیل موجود نہیں ہے جس میں مالی سزاؤں کی ممانعت کی گئی ہو۔

☆بلکہ متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض جرائم پر عہد نبوت میں بھی مالی سزائیں دی جاتی تھیں، مثلاً حضرت بہز بن حکیم کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جو زکوٰۃ ادا نہیں کرے گا اس سے زکوٰۃ کے علاوہ بھی وصول کیا جائے گا:

☆عَنْ بَهْزِبْنِ حَكِيمٍ،عَنْ أَبِيهِ،عَنْ جَدِّهِ قَالَ: سَمِعْتُ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ:"فِي كُلِّ إِبِلٍ سَائِمَةٍ . فِي كُلِّ أَرْبَعِينَ ابْنَةُ لَبُونٍ.لَا تُفَرَّقُ إِبِلٌ عَنْ حِسَابِهَا.مَنْ أَعْطَاهَا مُؤْتَجِرًا فَلَهُ أَجْرُهَا،وَمَنْ مَنَعَهَا فَإِنَّا آخِذُوهَا مِنْهُ وَشَطْرَإِبِلِهِ عَزْمَةً مِنْ عَزَمَاتِ رَبِّنَا لَا يَحِلُّ لِآلِ مُحَمَّدٍ مِنْهَا شَيْءٌ "قال المحقق ارنؤوط: إسناده حسن.[511]

------ حواشی --

[510] -البيان و التحصيل، 320/9، ط:دار الغرب الإسلامي۔

[511] -سنن أبي داود، 26/3، ط: دار الرسالة العالمية۔ **مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ٣٣ ص ٢٢٠ حديث نمبر:٢٠٠١٦المؤلف : أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى : 241هـ)المحقق : شعيب الأرنؤوط – عادل مرشد ، وآخرون إشراف : د عبد الله بن عبد المحسن التركي الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الأولى**

☆علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن قیمؒ اس موقف کے بہت مضبوط وکیل ہیں، ان دونوں نے مشترکہ طور پر عہد نبوت اور عہد خلفاء راشدین کے کئی واقعات سے مالی جرمانہ کے جواز پر استدلال کیا ہے، مثلاً:

☆رسول اللہ ﷺ نے حرم مدینہ میں شکار کرنے والے کا شکار ضبط کر لینے کی اجازت دی۔

☆شراب کے مٹکے اور ظروف توڑ دینے کا حکم فرمایا۔

☆حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو زرد کپڑے جلا دینے کا حکم فرمایا۔

☆خیبر کے دن ان ہانڈیوں کو توڑ دینے کا حکم فرمایا جن میں گھریلو گدھوں کے گوشت پکائے گئے تھے۔

☆عہد نبوت میں آپ ﷺ کے حکم سے مسجد ضرار منہدم کی گئی۔

☆مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کا مال نذر آتش کیا گیا۔

☆درختوں کے پھل وغیرہ کی چوری کرنے والے پر تاوان کی دگنی رقم مقرر کی گئی۔

☆گم شدہ چیز چھپانے والے پر مالی تاوان زائد عائد کیا گیا۔

☆سونے کی انگوٹھی استعمال کرنے والے کی انگوٹھی پھینک دی گئی۔

------ حواشی--

، **1421 هـ – 2001** م ، إسناده حسن، بهز بن حكيم وأبوه صدوقان.وأخرجه عبد الرزاق (6824) ، وابن أبي شيبة 122/3، وأبو عبيد في "الأموال" (987) ، وابن زنجويه في "الأموال" (1443) ، والدارمي (1677) ، وأبو داود (1575) ، والنسائي 25/5، وابن خزيمة (2266) ، والطحاوي في "شرح معاني الآثار" 9/2 و297/3، والطبراني في "الكبير" 19/ (984) و (985) و (986) و (987) و (988) ، والحاكم 398/1، وابن حزم في "المحلى" 57/6، والبيهقي 105/4 و116، والخطيب في "تاريخه" 448/9 من طرق عن بهز بن حكيم، بهذا الإسناد.

و قال الأعظمي : إسناده حسن (صحيح ابن خزيمة ج ۴ ص۱۸ **حديث نمبر:۲۲۶۶** المؤلف : محمد بن إسحاق بن خزيمة أبو بكر السلمي النيسابوري الناشر : المكتب الإسلامي – بيروت ، **1390 – 1970** تحقيق : د. محمد مصطفى الأعظمي عدد الأجزاء : 4 الأحاديث مذيلة بأحكام الأعظمي والألباني عليها)

☆ حضور ﷺ نے مسجد کی نماز باجماعت چھوڑنے والوں کے مکانات بھی جلانے کا ارادہ فرمالیا تھا، لیکن پھر عورتوں اور بچوں کی وجہ سے ارادہ ترک فرمادیا۔

☆حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کو جلوادیا تھا بنی اسرائیل جس کی عبادت کرنے لگے تھے۔

☆حضرت عمر بن الخطابؓ نے وہ مکان اور حضرت علی نے وہ بستی نذر آتش کرادی تھی جہاں شراب کا کاروبار ہوتا تھا۔

☆حضرت سعد بن وقاصؓ نے ایک محل (دارالامارت) تعمیر فرماکر دربان مقرر کیا تھا، امیر المؤمنین حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے وہ محل نذر آتش فرمادیا، اس حکم کی تنفیذ حضرت محمد بن مسلمہ کے ذریعہ کرائی گئی۔

☆جس دودھ میں ملاوٹ کی خبر ملتی حضرت عمر فاروقؓ اس کو زمین پر پھینکوا دیتے تھے[512]۔

☆حضرت عمر نے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کا مال ضبط کرلینے کا فرمان جاری کیا تھا[513]۔

☆ حضرت یحییٰ بن عبد الرحمن بن حاطب سے روایت ہے کہ حاطب کے غلاموں نے مزینہ کے ایک آدمی کی اونٹنی چرا کر ذبح کرلی۔ یہ مقدمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کثیر بن صلت کو حکم دیا کہ ان کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں تم لوگ انہیں بھوکا رکھتے ہو۔ مزید غور وفکر کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

وَاللهِ لَأُغَرِّمَنَّکَ غُرْمًا یَشُقُّ عَلَیْکَ. ثُمَّ قَالَ لِلْمُزَنِيِّ کَمْ ثَمَنُ نَاقَتِکَ ؟ فَقَالَ الْمُزَنِيُّ: قَدْ کُنْتُ وَاللهِ أَمْنَعُهَا مِنْ أَرْبَعِ مِائَةِ دِرْهَمٍ. فَقَالَ عُمَرُ رضی الله عنه أَعْطِهِ ثَمَانَ مِائَةِ دِرْهَمٍ.

خدا کی قسم میں تمہیں اتنا تاوان کردوں گا کہ تم تنگی محسوس کروگے۔ پھر مزنی سے

------ حواشی ------

[512] -الطرق الحکمیة في السیاسة الشرعیة ج ۲۲ ص ۱۹۔

[513] - السندي 7 / 604 ، 1 / 605 ، والبزازیة 2 / 457 ، وابن عابدین 3 / 184-

فرمایا کہ تمہاری اونٹنی کی قیمت کیا ہوگی؟ مزنی نے کہا کہ خدا کی قسم میں چار سو درہم میں بھی بیچنے کے لیے تیار نہیں تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے آٹھ سو (۸۰۰) درہم دو[514]۔

☆حضرت سعد نے زیادتی کرنے والے غلام کو ضبط فرمالیا، اوراس کے مالکان کو واپس نہیں کیا:

عن عامربن سعد، أن سعدا ركب إلى قصره بالعقيق، فوجد عبدا يقطع شجرا،أو يخبطه، فسلبه، فلما رجع سعد، جاءه أهل العبد فكلموه أن يرد على غلامهم – أو عليهم – ماأخذمن غلامهم،فقال:«معاذ الله أن أرد شيئا نفلنيه رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأبى أن يرد عليهم»[515]

عہد نبوت سے عہد صحابہ تک کے یہ تمام واقعات بلاشبہ مالی سزاؤں سے متعلق ہیں، اگر مالی سزا کا حکم منسوخ ہوچکا ہوتا تو خلفاء راشدین کو اس کی خبر کیوں نہیں تھی۔ اس سے اس دعوائے اجماع کی حقیقت بھی منکشف ہوجاتی ہے جو بعض علماء کی جانب سے پیش کیا گیا ہے۔

☆جہاں تک حکام کی بدعنوانیوں کا سوال ہے تو یہ اندیشے ہر جگہ ممکن ہیں، ان کے تدارک کے لئے مضبوط نظام العمل بنایا جاسکتا ہے، اوران اندیشوں سے بچا جاسکتا ہے۔

ترجیح اوروجوہ ترجیح

ان مضبوط دلائل کے پیش نظر عدم جواز کے مقابلے میں جواز کا مسلک موجودہ حالات میں زیادہ لائق ترجیح محسوس ہوتا ہے، اوراس کی کئی وجوہ ہیں:

☆یہ تصور خلاف واقعہ ہے کہ مالی سزا اسلام کے مزاج کے خلاف ہے، اگر مالی سزائیں اسلام کے مزاج کے خلاف ہوتیں تو مختلف صورتوں میں دیت یا مالی کفارات کا حکم صادر نہ کیا جاتا، جب حدود اور

------ حواشی ---

514 -مؤطأامام مالکؒ ج 2: 748، رقم: 1436، دار احياء التراث العربي مصر۔ مصنف عبد الرزاق، 239/10، المجلس العلمی-الهند۔

515 -صحيح مسلم، 993/2، دار احياء التراث العربی۔

کفارات کی صورتوں میں مالی سزائیں موجود ہیں تو تعزیرات میں مالی سزا کی گنجائش کیوں ممکن نہیں، فرق صرف تعین اور عدم تعین کا ہے، نفس سزا میں کوئی تفاوت نہیں ہے، دیت و کفارات کی آیات کریمہ ملاحظہ کریں:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلاَّ خَطَئًا وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَئًافَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلاَّ أَن يَصَّدَّقُواْ فَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مْؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللهِ وَكَانَ اللهُ عَلِيمًا حَكِيمًا[516].

☆لاَ يُؤَاخِذُكُمُ اللهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِمَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَاتُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَن لَّمْ يَجِدْفَصِيَامُ ثَلاَثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُواْأَيْمَانَكُمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ.[517]

☆وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا ذَلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ وَاللَّهُ بِمَاتَعْمَلُونَ خَبِيرٌO فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ذَلِكَ لِتُؤْمِنُوابِاللَّهِ وَ رَسُولِهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ[518]O

☆دوسری بات یہ ہے کہ تعزیز کا تعلق جب حاکم کی صوابدید سے ہے تو اس سے مالی عقوبات کے استثنا کے کوئی معنیٰ نہیں، بعض صورتوں میں مجرم کے لئے مالی سزائیں جتنی مؤثر ہوتی ہیں، غیر مالی سزاؤں کا وہ اثر نہیں ہوتا۔ جس طرح کہ زانی کے متعلق حکم ہے کہ اگر حاکم مناسب سمجھے تو بطور تعزیر اس کو جلاوطن

------ حواشی--

[516] -النساء:92

[517] -المائدۃ:89

[518] -المُجَادلَة:3-4

کر سکتا ہے۔ غور کیجئے تو جلا وطنی کا مالی نقصانات سے بھی گہرا تعلق ہے۔

☆ آج کے دور میں مختلف معاملات میں مالی تعزیرات کا رواج اتنا عام ہو گیا ہے کہ اس سے بچنا بہت مشکل ہے، اسلامی قانون میں عرف اور تعامل کی بڑی اہمیت ہے۔۔اور اس کو ترک کرنے میں جو حرج ہو سکتا ہے اس کے لئے رفع حرج بھی معیار بن سکتا ہے،۔۔۔

☆ نیز ضرورت وحاجت کے وقت فقہاء نے دوسرے مذہب یا اپنے ہی مذہب کے قول ضعیف پر عمل اور فتویٰ کی اجازت دی ہے، اس میں کسی اختلاف نہیں ہے۔

☆ اسی طرح فقہاء کا اتفاق ہے کہ تعزیرات کے معیار میں زمان ومکان کے لحاظ سے فرق ہو سکتا ہے، اس دور میں مالی جرمانہ (پلانٹی) کو جس طرح ہر مسئلے میں بنیاد مان لیا گیا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ قدیم معیار ترک کر کے تعزیر کے نئے معیار (یعنی تعزیر مالی) کو اختیار کیا جائے۔

قال القرافی: إن التعزیر یختلف بإختلاف الأمصار و الأمصار فرب تعزیر فی بلاد یکون إکراما فی بلد أخر کقلع الطیلسان بمصر تعزیر وفی الشام إکرام[519]۔

☆ عصر حاضر میں جسمانی سزاؤں کا اختیار صرف حکومتوں کے ہاتھ میں ہے، حکومت کی اجازت کے بغیر کسی کو جسمانی سزا دینا غیر قانونی اور باعث فتنہ ہے، ایسی صورت میں مالی تعزیرات کے علاوہ کوئی دوسری صورت باقی نہیں رہ جاتی، لہٰذا بصورت مجبوری حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے،۔۔۔۔۔

اور چونکہ تعزیرات میں حدود کی طرح حاکم کی اجازت شرط نہیں ہے، بلکہ عام آدمی بھی قانون تعزیرات سے استفادہ کر سکتا ہے، اس لحاظ سے موجودہ دور میں تعزیرات مالیہ کو نافذ کرنا غیر شرعی نہیں ہو گا۔

وَقَالَ التُّمُرْتَاشِيُّ : يَجُوزُ التَّعْزِيرُ الَّذِي يَجِبُ حَقًّا لِلّٰهِ تَعَالَى لِكُلِّ أَحَدٍ بِعِلَّةِ

------ حواشی ------

519 - الفروق: ۴/ ۱۸۳، الفرق السادس والأربعون والمائتان۔

النِّيَابَةِ عَنْ اللَّهِ وَسُئِلَ أَبُوجَعْفَرٍ الْهِنْدُوَانِيُّ عَمَّنْ وَجَدَ رَجُلًا مَعَ امْرَأَةٍ أَيَحِلُّ لَهُ قَتْلُهُ ؟ قَالَ : إنْ كَانَ يَعْلَمُ أَنَّهُ يَنْزَجِرُ عَنْ الزِّنَا بِالصِّيَاحِ وَالضَّرْبِ بِمَا دُونَ السِّلَاحِ لَا يَقْتُلُهُ .وَإِنْ عَلِمَ أَنَّهُ لَا يَنْزَجِرُ إلَّا بِالْقَتْلِ حَلَّ لَهُ قَتْلُهُ ،وَإِنْ طَاوَعَتْهُ الْمَرْأَةُ يَحِلُّ قَتْلُهَا أَيْضًا .وَهَذَا تَنْصِيصٌ عَلَى أَنَّ الضَّرْبَ تَعْزِيرٌ يَمْلِكُهُ الْإِنْسَانُ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مُحْتَسِبًا ، وَصَرَّحَ فِي الْمُنْتَقَى بِذَلِكَ ،وَهَذَا لِأَنَّهُ مِنْ بَابِ إزَالَةِ الْمُنْكَرِ بِالْيَدِ .وَالشَّارِعُ وَلَّى كُلَّ أَحَدٍ ذَلِكَ حَيْثُ قَالَ { مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ،فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ}الْحَدِيثَ[520]

☆ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ چونکہ خود قاضی بلکہ قاضی القضاۃ تھے اور ان چیزوں کا عملی تجربہ بھی رکھتے تھے،اس لئے ان کا قول دلائل کے ماسوا تجربات اور واقعیت پر بھی مبنی ہے،اور چونکہ تعزیرات کا تعلق زیادہ تر محکمۂ قضا سے ہے،اس لئے ان میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح حاصل ہونی چاہئے۔واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

☆تعزیرات کی ایک اہم قسم تعزیر مالی ہے جس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ مجرم پر الگ سے کوئی مالی جرمانہ عائد کیا جائے، تاکہ مالی دباؤ سے مجبور ہو کر مجرم اپنے جرم سے باز آجائے، موجودہ حالات میں جب کہ جرم سے روکنے کے لئے مالی جرمانہ کے علاوہ کوئی اور صورت ممکن یا مؤثر نہیں ہے تو مالی جرمانہ کی گنجائش ہے، البتہ اس میں عدل کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

☆تعلیم وتربیت کے نظام کو درست رکھنے کے لئے بلا اجازت غیر حاضری یا کسی اور کوتاہی پر مناسب جرمانہ کیا جاسکتا ہے۔

------ حواشی--

[520] - شرح فتح القدير ج ۴ص ۳۴۶ كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي سنة الولادة / سنة الوفاة 681هـ الناشر دار الفكر مكان النشر بيروت عدد الأجزاء

☆ تعلیمی اداروں کے علاوہ دیگر اداروں یا برادریوں اور پنچایتوں کے لئے نظم وضبط کو برقرار رکھنے اور اجتماعی مفادات کے تحفظ کے پیش نظر عدل وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اور معتبر علماء وارباب افتاء کے مشورہ سے مالی جرمانہ عائد کرنے کی گنجائش ہے[521]۔

------ حواشی---------------------------------------

521 - جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، حصہ دوم ص ۴۶

بین مذہبی مذاکرات-احکام وآداب[522]

مختلف قومیں جب ایک مقام پر رہتی ہیں تو کوئی سیاسی یا سماجی مسائل کے لئے باہم ایک دوسرے سے مذاکرات اور گفت وشنید کی ضرورت پڑتی ہے، جن کی بنیاد ایک دوسرے کے جذبات اور تقاضوں کے احترام اور عایت پر ہوتی ہے، قیام امن، بقائے باہم اور فتنہ وفساد سے بچنے کے لئے شریعت مطہرہ میں اس کی گنجائش ہے، بلکہ اس کی عملی مثالیں بھی عہد نبوت میں موجود ہیں، ایک مقام پر رہنے والے شہریوں کے درمیان بھی، اور دیگر علاقوں اور قبائل کے مابین بھی، ۔۔۔۔۔۔

مذہبی بنیادوں پر مذاکرات ممکن نہیں

عہد نبوت کے بعد بھی ملکوں اور قوموں کے درمیان ہر دور کے اپنے معیار کے مطابق اس قسم کے معاہدات و مذاکرات ہوتے رہے ہیں، لیکن عموماً یہ معاہدات سماجی یا سیاسی نوعیت کے ہوتے تھے، ان میں کبھی مذہبی بنیادوں کو شامل نہیں کیا گیا، اس لئے کہ مذاکرات کے لئے مشترکہ بنیادوں کی ضرورت ہے ، اور کوئی قوم بالخصوص امت مسلمہ کسی حال میں اپنی مذہبی بنیادوں پر صلح نہیں کر سکتی، چنانچہ عہد نبوت کے ابتدائی مکی دور میں رسول اللہ ﷺ کو مذہبی بنیادوں پر مصالحت کی پیش کش کی گئی تھی، لیکن اللہ پاک کے حکم پر آپؐ نے اس کو مسترد کر دیا، روایات میں آتا ہے کہ غیر مسلم اکثریت جب مسلمانوں کے عزم واستقلال میں جنبش پیدا نہ کر سکی تو انہوں نے بعض مصالحانہ پیش کشیں کی تھیں، ان میں ایک یہ تھی کہ ایک سال آپ ہمارے خداؤں کی پرستش کریں اور ایک سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ راوی ہیں کہ قریش مکہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ:

فإنا نفرض عليك خصلة واحدة ولك فيها صلاح قال وما هي قال تعبد إلهنا سنة اللات والعزى ونعبد إلهك سنة قال حتى أنظر ما يأتيني من ربي

------ حواشی --

522 - تحریر بمقام جامعہ ربانی منوروا شریف، بتاریخ ۲۲ / محرم الحرام ۱۴۳۷ھ م ۵ / نومبر ۲۰۱۵ء

فجاء الوحي من عند الله عز و جل من اللوح المحفوظ[523]

ترجمہ: ہم آپ کے پاس ایک تجویز پیش کرتے ہیں، جس میں آپ کے لئے بھلائی ہے آپ نے دریافت فرمایا، کیاہے؟ انہوں نے کہا: ایک سال آپ ہمارے معبودوں لات وعزیٰ وغیرہ کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے خدا کی عبادت کریں ،(یعنی بقائے باہم کے اصول پرہم ایک دوسرے کو تسلیم کریں اور ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کریں،) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں حکم الٰہی کا انتظار کروں گا، پھر جواب دوں گا، آخر لوح محفوظ سے اللہ پاک کی طرف سے وحی نازل ہوئی، سورۂ کافرون، اور قرآن کریم نے اس نظریہ کو بالکل ناقابل قبول قرار دیا:

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ (1) لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ (2) وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَاأَعْبُدُ (3) وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ (4) وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ (5) لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (6)[524]

ترجمہ: آپ کہدیجئے: اے کافرو! جس کی تم عبادت کرتے ہو اس کی میں عبادت نہیں کرسکتا، اور نہ تم اس کی عبادت کرسکتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں، اور نہ میں عبادت کروں گا ان خداؤں کی جن کی تم کرتے ہو اور نہ تم کبھی میرے معبود کی عبادت کروگے، تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔

بعض تفسیری روایات میں ہے کہ انہوں نے مذہبی ہم آہنگی کی پیشکش کی تھی، یعنی ہمارے دین میں جو مثبت چیزیں ہیں وہ آپ قبول کرلیں اور آپ کے یہاں جو اچھی چیزیں ہیں وہ ہم قبول کرلیتے ہیں:

------ حواشی--

[523] - الروض الداني – المعجم الصغير ج ۲ ص ۴۴ حدیث نمبر:۷۵۱ المؤلف : سليمان بن أحمد بن أيوب أبو القاسم الطبراني الناشر : المكتب الإسلامي , دار عمار – بيروت , عمان الطبعة الأولى ، 1405 – 1985 تحقيق : محمد شكور محمود الحاج أمرير عدد الأجزاء : 2)

[524] - سورۂ الکافرون)

فإن كان الذي جئت به خيراً كناقد شركناك فيه ، وأخذنا حظنا منه ، و إن كان الذي بأيدينا خيراً كنت قدشركتنا في أمرنا ، وأخذت بحظك منه فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم « معاذ الله أن أشرك به غيره »[525]

یہ پیش کش ایسے وقت ہوئی، جب مسلمان انتہائی کمزور اقلیت میں تھے، ہر طرف سے مخالفتوں اور فتنوں کی یلغار تھی، ان کو اپنے تحفظ کی سخت ضرورت تھی، اور کہیں سے کسی حمایت کی کوئی کرن موجود نہیں تھی، ان کے لئے یہ بظاہر اچھا موقعہ تھا کہ وہ بقائے باہم اور قیام امن کے اصول پر اس حصار کو قبول کرلیں ، لیکن ان نازک حالات میں بھی قرآن نے مذہبی بنیادوں پر کسی مذاکرہ کی اجازت نہیں دی، اور ایک ہی مضمون کے لئے مکرر آیات لاکر اس اتحاد کی جڑ کاٹ کرر کھ دی، تاکہ معلوم ہو کہ یہ مذاکرہ نہ آج ممکن ہے اور نہ کبھی آئندہ اس قسم کا مذاکرہ قابل قبول ہو سکتا ہے [526]

امت کی تہذیبی شناخت کو خطرہ

مذہبی بنیادوں پر مذاکرات کا سب سے زیادہ مضرت انگیز پہلو یہ ہے کہ اس سے امت کی مذہبی شناخت اور تہذیبی وحدت ختم ہو جاتی ہے، ظاہر ہے کہ امتِ مسلمہ اقوامِ عالم کے درمیان اپنی ایک شناخت رکھتی ہے، اور اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے کسی حال میں اپنے دینی اور ملی امتیازات ترک نہیں کئے، اقتدار میں رہی تب بھی، اور اقتدار سے محروم ہوئی جب بھی، دنیا کی کسی قوم اور مذہب کو یہ امتیاز حاصل نہیں ہے، ان کی قومی اور سیاسی زندگیوں میں مذہب کبھی طاقتور عنصر کی حیثیت سے نہیں رہا، کلیسا کا عبوری دور مذہب کا دور مانا جاتا ہے مگر اس کی شدت پسندی نے مذہب کو فائدہ پہنچانے کے بجائے، نقصان ہی پہنچایا،

------ حواشی ------

525 - لباب التأويل في معاني التنزيل ج ٦ ص ٣١٩ المؤلف : علاء الدين علي بن محمد بن إبراهيم بن عمر الشيحي أبو الحسن ، المعروف بالخازن (المتوفى : 741هـ)

526 - تفسير القرآن العظيم ج ٨ ص ٥٠٨ المؤلف:أبو الفداءإسماعيل بن عمربن كثيرالقرشي الدمشقي(المتوفى :774هـ)المحقق : سامي بن محمد سلامة الناشر:دارطيبةللنشروالتوزيع الطبعة:الثانية 1420هـ – 1999 م

نیز اس کی مدّت اتنی مختصر رہی کہ اس کو شمار میں نہیں لایا جاسکتا۔

اس لیے وہ تمام طاقتیں جن کو امتِ مسلمہ کا یہ امتیاز آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹک رہا ہے، چاہتی ہیں کہ مذہب اس امت کی زندگی سے بھی نکل جائے، اور اس کے لیے ان کے یہاں مختلف تدابیر اور منصوبے زیرِ عمل اور زیرِ غور ہیں، عالمی طور پر ثقافتی انجذاب، اور تمدنی وحدت کی تحریک بھی اسی کا ایک حصہ ہے کہ ایک ایسی وحدت قائم کی جائے جس میں کسی مذہب کا اپنا وجود نہ ہو، سب مل کر کام کریں اور تمام کی اچھی اور لائق اتفاق باتوں کا ایک مجموعہ تیار کیا جائے، جو اس وحدت جدیدہ کا لائحۂ عمل ہو، اس لیے کہ تمام مذاہب کا سرچشمہ ایک ہے، صرف راستے الگ الگ ہیں۔

تاریخی جائزہ سے پتہ چلتا ہے کہ تمدنی اور ثقافتی وحدت وانجذاب کا یہ تصور بہت قدیم ہے اور ہر دَور میں اہلِ کفر، اہلِ ایمان سے یہی خواہش کرتے رہے ہیں کہ اپنا امتیاز ترک کر کے ہماری وحدت میں شامل ہو جائیں خود قرآن کا بیان ہے۔

وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ[527]

ترجمہ: اہلِ کفر خواہش رکھتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کفر قبول کرلو تاکہ تم ان کے برابر ہو جاؤ مگر ان کی خواہش پر ہرگز عمل نہ کرو اور ان سے دوستانہ وحدت قائم نہ کرو۔

یعنی ہر ایسی وحدت اسلام میں مسترد کر دی جائے گی، جو ہمیں اسلام سے کھینچ کر کفر سے قریب کر دے شیطان، نار کی طرف کھینچتا ہے، اور رحمان جنت کی طرف، نار کی طرف جانے والا راستہ قابلِ رَد ہے۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی تاریخ کے ہر دَور میں اہلِ دنیا کے لیے بعض بنیادیں ایسی موجود رہی ہیں جو ان کو ایک وحدت وانجذاب سے منسلک رکھتی تھیں۔

حضرت ابراہیمؑ کے حوالہ سے قرآن نے بیان کیا ہے:

------ حواشی ------

527 -نساء:۸۹

إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْثَانًا مَوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا[528]

ترجمہ: تم لوگوں نے اللہ کے علاوہ چند بُت بنا رکھے ہیں، جو دنیوی زندگی میں تمہاری باہم وحدت و محبت کا ذریعہ ہیں۔

یہ بت ہر دور کے لحاظ سے مختلف ہوتے رہتے ہیں لیکن بُت خواہ جو شکل بھی اختیار کر لے وہ بت ہی رہے گا۔

قرآن سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے قبل پوری انسانیت ایک وحدت پر رواں تھی، پیغمبروں اور رسولوں کے سلسلے نے ہی اس وحدت کو توڑا ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ رسولوں کی تعلیمات صحیح طور پر ہمارے پاس موجود ہوں اور عہدِ جاہلیت کی وہ وحدت دوبارہ لوٹ کر آجائے۔۔۔ قرآن کہتا ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ[529]

ترجمہ: تمام لوگ پہلے ایک ہی امّت تھے، پھر اللہ نے نبیوں کو مبشر و نذیر بنا کر مبعوث فرمایا۔

اسلام مکمل خود سپردگی کا نام ہے

مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ قرآن کے اس حکم کی تعمیل کریں، جو بڑی قطعیت کے ساتھ قرآن نے دیا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ[530]

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ اور شیطانی راستوں کی پیروی نہ کرو۔

------ حواشی --

528 ۔ عنکبوت:۲۵

529 ۔البقرہ:۲۱۳

530 ۔البقرہ:۲۰۸

اس آیت کے نزول کا تاریخی پس منظر سامنے رکھیں تو بات اور بھی زیادہ صاف ہو جائے گی بعض نو مسلم حضرات جو پہلے یہودی تھے مثلاً حضرت عبد اللہ بن سلامؓ، اور اسد بن عبیدؓ وغیرہ ان لوگوں نے سوچا کہ اسلام پر قائم رہتے ہوئے سابقہ مذہب کے بعض ان احکام کی رعایت بھی ملحوظ رکھی جائے جو اسلامی احکام سے متصادم نہ ہوں، اس آیتِ کریمہ میں دراصل اسی فکر پر ضرب لگائی گئی ہے کہ محض اسلام قبول کر لینا کافی نہیں ہے، بلکہ اسلام میں پورے طور پر داخل ہونا ضروری ہے، بایں طور کہ اس میں کسی دوسرے مذہب و قوم کا کوئی شائبہ تک باقی نہ رہے۔

"کافۃ" کی تشریح کرتے ہوئے زیادہ تر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ اس کا تعلق داخل ہونے والے سے نہیں، بلکہ اسلام سے ہے کہ اسلام کے تمام شرائع و احکام کو قبول کرنا، مسلمان کے لیے لازم ہے، ادھورا یا مخلوط اسلام، خدا اور رسول کے نزدیک معتبر نہیں۔[531]

اور اسی سے مِلتا جُلتا ایک پس منظر تھا جس میں حضرت عمرؓ "تورات" کا نسخہ لے کر آ گئے تھے، رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا، لب و لہجہ کی گرمی محسوس فرمائیے۔

و الذي نفس محمد بيده لو بدا لكم موسى فاتبعتموه وتركتموني لضللتم عن سواء السبيل ولو كان حياوأدرك نبوتي لاتبعني قال حسين سليم أسد:إسناده ضعيف لضعف مجالد ولكن الحديث حسن[532]

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے اگر تمہارے سامنے موسیٰؑ

------ حواشی--

[531] - دیکھئے: تفسير القرآن العظيم ج ۱/ ص ۵۶۶ المؤلف : أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى : 774هـ) المحقق : سامي بن محمد سلامة الناشر : دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة : الثانية 1420هـ - 1999 م عدد الأجزاء : 8 ، تفسیر کبیر للامام الرازی: ج ۵/ ص ۲۲۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت ۱۴۰۱ھ م ۱۹۰۸ء، الجامع لاحکام القرآن: ۳/ ۳۹۴ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۲۷ھ م ۲۰۰۶ء

[532] - سنن الدارمي ج ۱ ص ۱۲۶ حدیث نمبر: ۴۳۵ المؤلف : عبدالله بن عبدالرحمن أبو محمد الدارمي الناشر : دار الكتاب العربي – بيروت الطبعة الأولى ، 1407 تحقيق : فواز أحمد زمرلي , خالد السبع العلمي عدد الأجزاء : 2 الأحاديث مذيلة بأحكام حسين سليم أسد عليها)

ظاہر ہوں اور تم مجھ کو چھوڑ کر ان کی اتباع کرنے لگو تو تم گمراہ قرار پاؤ گے، یقین رکھو اگر موسیٰ زندہ ہوتے اور میرا عہدِ نبوت پاتے تو وہ میری اتباع کرتے۔

ایک مرتبہ حضرت حفصہؓ حضرت یوسفؑ کے قصوں کی ایک کتاب لے کر آئیں، اور حضور ﷺ کے سامنے پڑھ کر سنانے لگیں، حضرت حفصہؓ کے اس عمل سے مزاج نبوت میں تغیر آنے لگا، آپؐ نے ناراض ہو کر ارشاد فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْأَتَاكُمْ يُوسُفُ وَأَنَا بَيْنَكُمْ فَاتَّبَعْتُمُوهُ وَتَرَكْتُمُونِي لَضَلَلْتُمْ "[533]

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر تمہارے پاس یوسف آجائیں اور میں موجود ہوں اور تم مجھے چھور کر ان کی اتباع کرنے لگو تو تم گمراہ قرار پاؤ گے۔

یہاں صرف اس درجہ کا ایمان قابلِ قبول ہے جو حضور ﷺ کی ناراضی کے بعد حضرت عمرؓ نے عرض کیا تھا:

أعوذ بالله من غضب الله ومن غضب رسوله رضينا بالله ربا وبالإسلام ديناوبمحمد نبيا[534]

ترجمہ: میں اللہ اور رسول کے غضب سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، ہم اللہ سے راضی ہیں بحیثیت رب اور اسلام سے راضی ہیں بحیثیت مذہب، اور محمد ﷺ سے بحیثیت نبی راضی ہیں۔

------ حواشی --

533 - شعب الإيمان ج ۷ ص ۱۷۳ حدیث نمبر:۴۸۴۰المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي (المتوفى : 458هـ) حققه وراجع نصوصه وخرج أحاديثه : الدكتور عبد العلي عبد الحميد حامد أشرف على تحقيقه وتخريج أحاديثه : مختار أحمد الندوي ، صاحب الدار السلفية ببومباي – الهند الناشر : مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند الطبعة : الأولى ، 1423 هـ – 2003 م

534 - حوالہ بالا

تہذیبی تحفظ کی ہدایات

نیز نبی اکرم ﷺ نے مختلف مواقع پر غیر مسلموں کی مخالفت کرنے کے جو احکام دیئے ہیں، ان کی روح بھی یہی تہذیبی و تمدنی اختلاط سے پرہیز ہے، اس لئے کہ بہت زیادہ سماجی قربت سے تہذیبی اختلاط کا سخت اندیشہ ہوتا ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

☆« مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ ».[535]

ترجمہ: جو کسی قوم کی نقل اُتارے اس کا شمار اسی کے ساتھ ہوگا۔

☆حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے میرے اوپر دو زعفرانی رنگ کے کپڑے دیکھے تو ارشاد فرمایا:

« إِنَّ هَذِهِ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلاَ تَلْبَسْهَا ».[536]

ترجمہ: یہ کفار کا لباس ہے اس کو مت پہنو۔

☆حضرت رُکانہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ فَرْقَ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُشْرِكِينَ الْعَمَائِمُ عَلَى الْقَلَانِسِ قَالَ أَبُو عِيسَى هَذَاحَدِيثٌ غَرِيبٌ وَ إِسْنَادُهُ لَيْسَ بِالْقَائِمِ وَلَا نَعْرِفُ أَبَا الْحَسَنِ الْعَسْقَلَانِيَّ

------ حواشی --

[535] - سنن أبي داود ج ۴ص۷۸حدیث نمبر:۴۰۳۳ المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي ـ بيروت عدد الأجزاء : 4) : مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ۹ ص ۱۲۶حدیث نمبر : ۵۱۱۵ المؤلف : أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى : 241هـ)المحقق : شعيب الأرنؤوط – عادل مرشد ، وآخرون إشراف : د عبد الله بن عبد المحسن التركي الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الأولى ، 1421 هـ – 2001 م)

[536] - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۶ ص ۱۴۳ حديث نمبر :۵۵۵۵ المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق : الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة ـ بيروت الطبعة :

وَلَاابْنَ رُكَانَةَ [537]

ترجمہ: ہمارے اور مشرکین کے عماموں میں فرق یہ ہے کہ ہمارا عمامہ ٹوپیوں پر ہوتا ہے ان کا نہیں۔

☆حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک شخص کو پیتل کی انگوٹھی پہنے دیکھا تو فرمایا میں تمہارے اندر بتوں کی بو محسوس کر رہا ہوں، اس نے وہ انگوٹھی پھینک دی اور پھر لوہے کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوا تو حضورؐ نے فرمایا میں تم پر اہلِ جہنم کا زیور دیکھ رہا ہوں، اس نے اس کو بھی پھینک دیا، اور دریافت کیا کہ کس چیز کی انگوٹھی بناؤں، آپ نے فرمایا چاندی کی اور اس کا وزن ایک مثقال سے کم رہے[538]۔

☆حضرت ابو ہریرۃؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إن اليهود والنصارى لا يصبغون فخالفوهم [539]

ترجمہ: یہود و نصاریٰ بالوں میں خضاب نہیں لگاتے تم ان کی مخالفت کرو۔

☆حضرت ابو ہریرۃؓ ہی کی روایت ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

غيروا الشيب ولا تشبهوا اليهود [540]

ترجمہ: سفیدی کو بدلو اور یہود کی نقل نہ اتارو۔

☆حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور

------ حواشی--

[537] - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ۴ص۲۴۷حدیث نمبر:۱۷۸۴المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5)

[538] - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ۵ ص ۳۵۹ حدیث نمبر:۲۳۰۸۴ المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6 الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها)

[539] - الجامع الصحيح المختصر ج ۳ ص ۱۲۷۵ حدیث نمبر : ۳۲۷۵ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987)

[540] - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ۴ ص ۲۳۲ المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5)

مسلمانوں کو اس کا حکم دیا، تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہود و نصاریٰ اس دن کا بہت احترام کرتے ہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

« لَئِنْ بَقِيتُ إِلَى قَابِلٍ لأَصُومَنَّ التَّاسِعَ »[541].

ترجمہ: آئندہ سال اگر میں زندہ رہا تو نویں محرم کا بھی روزہ رکھوں گا۔

☆حضرت ابن عباسؓ ہی کی روایت ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا:

اللحد لنا والشق لغيرنا [542]

ترجمہ: لحد ہمارے لئے اور شق ہمارے غیروں کے لئے ہے۔

☆حضرت ام سلمہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہفتہ اور اتوار کے دن بطورِ خاص روزہ رہتے تھے اور فرماتے کہ:

إنهما يوما عيد للمشركين فأنا أحب أن أخالفهم [543]

ترجمہ: یہ دونوں دن مشرکوں کی عید کے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ان کی مخالفت کروں۔

☆حضرت شداد بن اوسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«خَالِفُوا الْيَهُودَ فَإِنَّهُمْ لاَيُصَلُّونَ فِى نِعَالِهِمْ وَلاَخِفَافِهِمْ »[544].

ترجمہ: یہود کی مخالفت کرو وہ اپنے جوتوں اور خف میں نماز نہیں پڑھتے۔

------ حواشی--

[541] - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ٣ص ١٥١ حديث نمبر :٢٧٢٣ المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق : الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة

[542] - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ٣ ص ٣٦١حديث نمبر:٥٣ المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5)

[543] - سنن النسائي الكبرى ج ٢ ص ١٤٦حديث نمبر:٢٧٧٦المؤلف : أحمد بن شعيب أبو عبد الرحمن النسائي الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة الأولى ، 1411 – 1991 تحقيق : د.عبد الغفار سليمان البنداري , سيد كسروي حسن عدد الأجزاء : 6)

[544] - سنن أبي داود ج ١ ص ٢٤٧حديث نمبر:٦٥٢ المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : 4)

☆حضرت عتبہ بن عویم بن ساعدہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دستِ مبارک میں ایک عربی کمان تھی، آپؐ نے ایک شخص کے ہاتھ میں فارسی کمان دیکھی تو آپ نے فرمایا لعنت ہو، اس طرح کی کمان لو،[545]

☆حضرت عائشہ روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاَ تَقْطَعُوا اللَّحْمَ بِالسِّكِّينِ فَإِنَّهُ مِنْ صَنِيعِ الأَعَاجِمِ وَانْهَسُوهُ فَإِنَّهُ أَهْنَأُ وَأَمْرَأُ » قَالَ أَبُو دَاوُدَ وَلَيْسَ هُوَ بِالْقَوِىِّ[546].

ترجمہ: گوشت کو چھری سے نہ کاٹو اس لئے کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے۔

☆حضرت ابو ریحانہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے کئی باتوں سے منع فرمایا ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ آدمی اپنے کپڑے کے نیچے ریشم لگائے اس لئے کہ یہ عجمیوں کا طرز ہے، یا یہ کہ اپنے مونڈھے پر ریشم لگائے اس لئے کہ یہ بھی عجمیوں کا طریقہ ہے۔[547]

☆حضور ﷺ کو اپنی امت کے تہذیبی اختلاط کا شدید اندیشہ تھا، ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

عن أبي سعيد رضي الله عنه أن النبي صلى الله عليه وسلم قال لتتبعن سنن من قبلكم شبرا بشبر وذراعا بذراع حتى لو سلكواجحرضب لسلكتموه قلنايا رسول الله اليهودوالنصارى فمن؟[548]

------ حواشی--

[545] - سنن البيهقي الكبرى ج ١٠ ص ١٤ حديث نمبر : ١٩٥١٩ المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر : مكتبة دار الباز – مكة المكرمة ، 1414 – 1994 تحقيق : محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء : 10)

[546] -سنن أبي داود ج ٣ ص ٤١٠حديث نمبر :٣٧٨٠ المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : 4)

[547] -رواہ ابوداؤد والنسائی، مشکوۃ کتاب اللباس:٣٧٦)

[548] - الجامع الصحيح المختصر ج ٣ ص ١٢٧٥ حديث نمبر:٣٢٦٩المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6)

ترجمہ: تم اپنے سے پہلے والوں کی پوری طرح پیروی کروگے بالشت در بالشت، ہاتھ در ہاتھ، یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں داخل ہوں گے تو ان کی دیکھا دیکھی تم بھی اس بل میں گھس پڑوگے، لوگوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ﷺ آپ کی مراد پہلے والوں سے یہود و نصاریٰ ہیں؟ تو آپ نے فرمایا پھر اور کون؟۔

کتبِ احادیث میں اس طرح کی بہت سی روایات موجود ہیں جن میں مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ تہذیبی اور تمدنی اختلاط سے منع کیا گیا ہے، قطعِ نظر اس سے کہ ان میں کون سا حکم کس درجہ کا ہے؟ ان احادیث میں جو بنیادی روح ہے وہ ہے مسلمانوں کی تہذیبی اور سماجی تطہیر کا حکم۔

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب اسلام کو تہذیبی اختلاط گوارہ نہیں تو مذہبی بنیادوں پر مذاکرات کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے، یہ تو اس سے بھی زیادہ حساس مسئلہ ہے۔

سیاسی یا سماجی مسائل پر مذاکرات ہوسکتے ہیں

البتہ سیاسی یا سماجی بنیادوں پر مختلف اقوام و مذاہب اور جماعتوں کے درمیان مذاکرات ہوسکتے ہیں ،اور کسی خاص معاہدہ پر اتفاق رائے بھی کیا جاسکتا ہے، خواہ دوسری جماعت سخت گیر اور متعصبانہ نظریات ہی کی حامل کیوں نہ ہو، بشرطیکہ مسلمانوں کا قومی تشخص اور ملی وقار مجروح نہ ہو، اور معاہد جماعت اس اتفاقی منشور سے ان سخت گیر، اور متعصبانہ نظریات کو خارج کرنے پر آمادہ ہو جو مسلمانوں کے مفادات سے متصادم ہوں، اور مشترکہ بنیادوں پر اتحاد کے لئے تیار ہو۔۔اس سلسلے میں یہ آیتِ کریمہ بنیاد بن سکتی ہے۔

قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاإِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَاوَبَيْنَكُمْ الآية[549]

ترجمہ: ”اے اہلِ کتاب آؤ ایک ایسی بنیاد پر جمع ہو جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے“۔

اس آیتِ کریمہ میں یہودیوں کو ایک مشترکہ بنیاد پر مسلمانوں کے ساتھ جمع ہونے کی دعوت دی

------ حواشی ------

549 ۔آل عمران:٦٤

گئی ہے، گو کہ اس آیت میں اہل کتاب کی ترغیب کے لئے چند ایسی بنیادیں بھی ذکر کر دی گئی ہیں جو مذہبی طور پر دونوں میں پہلے سے مشترک ہیں،۔۔۔۔یہود کے ساتھ اتحاد کی دعوت اس بات کی علامت ہے، سخت گیر اور متشدد جماعت کے ساتھ مشترکہ بنیادوں پر مذاکرہ و معاہدہ کی گنجائش ہے اس لئے کہ قرآن نے ہی یہود کی عداوت وشدت کا ذکر کر کے ان کی عصبیت وتنگ نظری پر دائمی مہر لگادی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُواالآیۃ[550]

ترجمہ: "یقیناتم کو (عملی زندگی میں) مسلمانوں کے سب سے بدترین دشمن یہود اور مشرکین ملیں گے"۔

لیکن اس کے باوجود مشترکہ بنیادوں پر ان کو متحد ہونے کی دعوت دی گئی، اس سے یہ اشارہ ملتا ہے، کہ اگر مسلمانوں پر ایسے حالات آئیں جن میں ملی مفادات کے تحفظ اور وسیع سطح پر امن عالم کے قیام کے لئے سخت گیر عناصر سے مشترکہ بنیادوں پر معاہدہ کی ضرورت پڑے تو اس کی گنجائش ہوگی، اور حالت مغلوبی میں اکثر اس قسم کے مذاکرات اور معاہدات کی ضرورت پڑتی ہے۔

عہدِ نبوی میں بین الاقوامی اتحاد کے نمونے

اس کی کئی عملی مثالیں خود رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ میں موجود ہیں:

میثاق مدینہ میں یہود کی شمولیت

(ا) تاریخی طور پر اس سلسلے کا سب سے اہم اتحاد جس کو مذاکرات کے بعد خود رسول اللہ ﷺ نے قائم فرمایا وہ ہجرتِ مدینہ کے بعد مسلمانوں اور یہودیوں کا اتحاد ہے، اور اس کے لئے جو دستور مرتب کیا گیا اس میں اکثر ان بنیادوں کو جگہ دی گئی جن پر دونوں فریقوں کا اتفاق ممکن تھا، تاریخ الکامل، البدایۃ والنہایۃ، اور سیرت ابنِ ہشام وغیرہ میں یہ معاہدہ پوری تفصیل کے ساتھ درج ہے، یہاں بطورِ مثال صرف چند مشترکہ بنیادوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن پر میثاق کی اساس تھی۔

------ حواشی ------

550 - المائدۃ:۸۲

☆وان یهود بنی عوف امۃ مع المؤمنین

یہود اور مسلمانوں کا ایک اتحاد ہو گا۔

☆ و ان بینهم النصر علی من حارب هذه الصحیفۃ

جو شخص اس میثاق کی مخالفت کرے گا اس کے خلاف دونوں مل کر کاروائی کریں گے۔

☆و ان بینهم النصح والنصیحۃ والبردون الاثم

ان کے درمیان باہم ہمدردی اور خیر خواہی اور نیکی کا رشتہ ہو گا کسی ظلم و گناہ کا نہیں۔

☆ و ان النصر للمظلوم

مظلوم کی مدد کی جائے گی۔

☆و ان بینهم النصر علی من دهم یثرب

مدینہ منورہ پر جو حملہ کرے گا اس کے خلاف دونوں مل کر کاروائی کریں گے۔

☆واذا دعوا الی صلح یصا لحونہ ویلبسو نہ فانهم یصالحونہ ویلبسونہ وانهم اذادعواالی مثل ذلک فانہ لهم علی المؤمنین الامن حارب فی الدین ۔

اگر یہود کو کسی ایسے معاہدہ کی پیش کش کی جائے جس پر اتفاق ممکن ہو تو وہ اس پیش کش کو قبول کریں گے اور اس طرح کے معاہدات میں جو طے ہو گا وہ مسلمانوں پر بھی نافذ ہو گا۔ الا یہ کہ خلافِ دین کوئی چیز طے کر لی جائے (یعنی مشترکہ بنیاد کے بجائے کوئی امتیازی بنیاد اختیار کر لی جائے تو معاہدہ کا اطلاق اس پر نہیں ہو گا) وغیرہ تقریباً ۴۷ دفعات ہیں جن کا تذکرہ میثاق مدینہ میں کیا گیا ہے،[551]

البتہ اس اتحاد میں مسلمانوں کی حیثیت ایک بالادست قوت کی تھی اور متعدد اختلافی معاملات میں

------ حواشی--

[551] - الروض الأنف ج ۲ ص ۳۴۵المؤلف : أبو القاسم عبد الرحمن بن عبد الله بن أحمد السهيلي (المتوفى : 581هـ)، السيرة النبوية ج ۲ ص ۳۲۲ المؤلف : أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى : 774هـ)، السيرة النبوية ج ۱ ص۵۰۳ المؤلف : أبو محمد عبد الملك بن هشام البصري (المتوفى : 213هـ)، عيون الأثرج ۱ ص۲۶۱المؤلف : محمد بن عبد الله بن يحي بن سيد الناس (المتوفى : 734هـ)

اللہ اور رسول کے فیصلہ کو آخری فیصلہ قرار دیا گیا تھا، اس لئے کہ یہ اتحاد مدنی دور میں قائم کیا گیا تھا اور مدنی دور مسلمانوں کے غلبہ کا دور ہے، لیکن فی الجملہ اس سے مشترکہ انسانی، سماجی اور سیاسی بنیادوں پر غیر مسلموں کے ساتھ مذاکرات اور اتحاد کا جواز ملتا ہے۔

حلف الفضول

اسی قسم کا ایک بین القبائلی اتحاد (جس کو آج ہم بین الاقوامی یا بین المذاہبی اتحاد بھی کہہ سکتے ہیں ،اس لئے کہ اس وقت ہر قبیلہ اپنے سیاسی اور اقتصادی معاملات میں خود مختار تھا، اور ہر ایک کے مذہبی تصورات دوسرے سے مختلف تھے) بعثتِ نبویؐ سے تقریباً بیس (۲۰) سال قبل جنگ فجار کے چار ماہ بعد مکہ میں ہوا تھا، جب حضور ﷺ کی عمرِ مبارک بیس (۲۰) سال تھی، آپؐ اس معاہدہ میں شعوری طور پر شریک تھے۔ اس کو "حلف الفضول" کہا جاتا ہے، ایک مخصوص واقعہ کے تناظر میں امن و سلامتی، انسانی ہمدردی، مظلوموں کی مدد، ظالموں کا مقابلہ اور اس جیسی بعض مشترکہ سماجی اور سیاسی مسائل پر بنو ہاشم، زہرہ، تیم بن مرۃ، وغیرہ قبائل کے درمیان یہ اتحاد قائم ہوا، جو تاریخ اسلامی میں کافی معروف ہے،[552]

ہمارے لئے زیرِ بحث مسئلہ میں اس اتحاد کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشاد اصل اہمیت رکھتا ہے، جو حضرت طلحہ بن عبد اللہ بن عوفؓ سے مروی ہے۔

لقد شهدت فى دار عبد الله بن جدعان حلفا ما أحب أن لى به حمر النعم ولو أدعى به فى الإسلام لأجبت »[553]

------ حواشی--

552 - تفصیل کے لئے دیکھا جائے البدایۃ والنہایۃ: ج۲، ص۳۵۵، باب شہود النبی ﷺ حلف الفضول، البدء والتاريخ ج ١ ص ٢٢٦ المؤلف : المطهر بن طاهر المقدسي (المتوفى : نحو 355هـ) الكامل في التاريخ ج ١ ص ٢٥١ المؤلف : أبو الحسن علي بن أبي الكرم محمد بن محمد بن عبد الكريم بن عبد الواحد ، المعروف بابن الاثير (المتوفى : 630هـ)، الأوائل ج ١ ص ١٣ المؤلف : أبو هلال الحسن بن عبد الله بن سهل بن سعيد بن يحيى بن مهران العسكري (المتوفى : نحو 395هـ)

553 - سنن البيهقي الكبرى ج ٦ص٣٦٧ حدیث نمبر : ١٢٨٥٩المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر : مكتبة دار الباز – مكة المكرمة ، 1414 – 1994 تحقيق : محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء : 10، تهذيب الآثار (الجزء المفقود) ج ١ ص ١٧ أبو جعفر محمد بن جرير الطبري سنة الولادة 224 هـ / سنة الوفاة

ترجمہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر اس معاہدہ میں شریک تھا، یہ معاہدہ مجھے سرخ اونٹوں سے بھی زیادہ عزیز ہے، اگر مجھے آج عہدِ اسلامی میں بھی اس قسم کے کسی معاہدہ کی دعوت دی جائے تو میں اس کو قبول کروں گا۔

یہ عہدِ اسلامی سے قبل کا معاہدہ تھا اور ظاہر ہے کہ اس میں شریک قبائل مسلمان نہیں تھے، اور حضور ﷺ کی نوعمری مگر مکمل شعور کا دور تھا، اس معاہدہ میں کسی معاہد فریق کی بالا دستی کا بھی سوال نہیں اٹھتا تھا، ایسے معاہدہ اور ایسے اتحاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سرکارِ دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اس قسم کے اتحاد کی دعوت مجھے آج بھی دی جائے تو میں بخوشی اس کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مسلمان ملی تشخصات و مفادات کے تحفظ کی شرط کے ساتھ قیام امن ،بقائے باہم اور بد گمانیوں کے خاتمہ وغیرہ نیک مقاصد کے لئے دیگر اہل مذاہب سے مشترکہ بنیادوں پر (جن میں کوئی بات خلافِ شریعت نہ ہو) مذاکرات اور معاہدات کرسکتے ہیں بالخصوص اس وقت جب مسلمان حالت مغلوبی میں ہوں، اور اس طرح کے معاہدات سے ان کو قومی تحفظ اور دعوت دین وغیرہ کے مواقع زیادہ فراہم ہوسکتے ہوں۔

حلف خزاعہ کی تجدید

اسی طرح کا ایک معاہدہ عہدِ جاہلیت میں بنو عبد المطلب اور خزاعہ کے درمیان ہوا تھا، جس کو حلفِ خزاعہ کے نام سے جانا جاتا ہے، تاریخِ طبری اور بغدادی وغیرہ میں واقعہ کی پوری تفصیل موجود ہے، اس معاہدہ کی اساس باہم نصرت و محبت اور امن و سلامتی پر تھی، اس کی یہ دفعہ بطورِ خاص بہت اہم تھی۔

وأن عبد المطلب وولده ومن معهم ورجال خزاعة متكافئون متظاهرون متعاونون، فعلى عبد المطلب النصرة لهم بمن تابعه على كل طالب، وعلى

------ حواشی --

310 ه تحقيق علي رضا بن عبد الله بن علي رضا الناشر دار المأمون للتراث سنة النشر **1416**هـ – **1995**م مكان النشر دمشق / سوريا عدد الأجزاء **1**)

خزاعة النصرة لعبد المطلب وولده ومن معهم على جميع العرب في شرق أو غرب أو حزن أو سهل، وجعلوا الله على ذلك كفيلاً، وكفى بالله جميلاً [554]

ترجمہ: ”عبد المطلب اور ان کی اولاد اور ان کے رفقاء اور قبیلہ خزاعہ کے لوگ باہم مساوی اور ایک دوسرے کے مددگار ہوں گے، عبد المطلب پر ان کی مدد ہر اس شخص کے مقابلے میں لازم ہوگی جن کے لئے ان کو مدد کی ضرورت ہو اس طرح خزاعہ پر عبد المطلب اور ان کی اولاد اور رفقاء کی مدد لازم ہوگی پورے عرب کے مقابلے میں، خواہ وہ مشرق و مغرب میں سخت زمین یا نرم زمین کہیں بھی ہوں، اور اس پر اللہ کو کفیل بناتے ہیں اور اس سے بہتر کوئی ضمانت نہیں“۔

اس معاہدہ کا علم رسول اللہ ﷺ کو تھا، صلح حُدیبیہ کے موقعہ پر قبیلۂ خزاعہ کے لوگ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے اور معاہدہ نامہ کی ایک کاپی حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کی، حضرت اُبی بن کعبؓ نے اس کا مضمون پڑھ کر سنایا، حضور ﷺ نے فرمایا تمہارا یہ معاہدہ برقرار رہے گا، اسلام عہدِ جاہلیت کے معاہدوں کو منسوخ نہیں کرتا، آپ نے اس معاہدہ کی تجدید فرمائی اور اس میں ایک دفعہ کا اضافہ فرمایا۔

ان لایعین ظالما وانما ینصر مظلوما

کہ ظالم کی کوئی مدد نہیں کرے گا بلکہ مدد صرف مظلوم کی جائے گی۔[555]

اہمیت محض معاہدہ کی نہیں ہے، عہدِ جاہلیت میں اس طرح کے قبائلی معاہدے ہوتے رہتے تھے، اہمیت اس کی ہے کہ حضور ﷺ نے نیک مقاصد پر مبنی اس معاہدہ کی توثیق فرمائی، آپؐ کی توثیق کے بعد یہ شریعت کا حصہ بن گیا۔

------ حواشی--

[554] - المنمق في أخبار قريش ج ۱ ص ۲۱ المؤلف: أبو جعفر محمد بن حبيب بن أمية البغدادي (المتوفى : 245هـ)

[555] - تاریخِ طبری: ص ۱۰۸۴، الیعقوبی: ج ۱، ص ۲۷۸، ۲۷۹، بحوالہ الوثائق السیاسیۃ ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدرآبادیؒ: ص ۲۷۳-۲۷

غیر مسلموں سے دفاعی اتحاد

حضور ﷺ نے بعض جنگی مواقع پر غیر مسلموں سے جو دفاعی اتحاد قائم فرمائے، مثلاً بنو قریظہ کے مقابلے میں یہود بنو قینقاع سے فوجی مدد لی، صفوان بن اُمیّہ نے حُنین وطائف میں مسلمانوں کے ساتھ ملکر جنگ کی جبکہ وہ مشرک تھا،اس کو بھی سیاسی مذاکرات کے لئے ایک نظیر بنایا جاسکتا ہے،اگر چہ کہ بعض مواقع پر آپ نے مشرکین سے فوجی مدد لینے سے انکار بھی فرمایا ہے[556]

آپ ﷺ کے ان دونوں طرح کے طرزِ عمل سے جمہور فقہاء نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کفار سے فوجی اتحاد مشروط طور پر قائم کیا جاسکتا ہے، جس میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ مسلمانوں کا ملی وقار مجروح نہ ہو، تفصیلات کتب فقہ میں موجود ہیں[557]۔

اہل مذاہب کی قربت ممنوعہ موالات کے دائرے میں داخل نہ ہو

البتہ اس طرح کے مذاکرات میں اس امر کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ سماجی یا سیاسی بنیادوں پر ہماری قربت ممنوعہ موالات کے دائرے میں داخل نہ ہو، اس لئے کہ پھر امت کی مذہبی اور تہذیبی زندگی کا سوال پیدا ہو جائے گا، یہ بحث بہت معروف ہے کہ اسلام میں غیر مسلموں سے گہرے دوستانہ تعلقات سے روکا گیا ہے ،جس کو موالات کہتے ہیں ،البتہ وہ غیر مسلم جو مسلمانوں سے صرف عقیدہ کا اختلاف رکھتے ہوں ، حربی خیالات نہ رکھتے ہوں ان کے ساتھ محدود سماجی تعلقات اور خیر خواہانہ مراسم رکھنے کی اجازت دی گئی ہے ،جس کو مداراۃ یا مواساۃ کہتے ہیں، قرآن کریم میں ان دونوں رخوں پر واضح ہدایات موجود ہیں:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ

------ حواشی ------

556 - السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ج۹ ص۳۶حدیث نمبر:۱۸۳۳۴المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق : الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد الطبعة : الطبعة : الأولى . 1344 هـ عدد الأجزاء : 10)

557 - شرح السیر:ج۳،ص۱۸۶،ردالمحتار ج۶،ص ۲۴۲، کتاب الام:ج۴،ص۸۹-۹۰)

فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةًالآية[558]

ترجمہ: ایمان والے مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں، جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کچھ بھی تعلق نہ ہو گا، مگر یہ کہ تم ان سے بچاؤ چاہو۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ[559]

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے باپ اور بھائیوں کو اگر وہ ایمان کے بر خلاف کفر سے محبت رکھیں اپنا دوست نہ بناؤ اور تم میں سے جو لوگ ان سے دوستی رکھیں گے تو وہی حد سے گذرنے والے ہوں گے۔

ان آیات کو ان کے نزول کے پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ حکم جنگ اور کشیدگی کے حالات کے لئے ہے، اور ان غیر مسلموں کے لئے ہے جو اسلام اور مسلمانوں سے مختلف محاذوں پر مصروف پیکار ہوں، قرآن کریم کی بعض آیات میں مخالف حالات اور دشمن کے سازشی منصوبوں سے بھی متنبہ کیا گیا ہے، مثلاً:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوالَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَبَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (51) فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْأَمْرٍمِنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُواعَلَى مَاأَسَرُّوافِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ[560]

ترجمہ: اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو رفیق نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک

------ حواشی--

[558] - آل عمران :28)

[559] -توبہ:۲۳)

[560] -مائدہ:۵۱،۵۲

دوسرے کے رفیق ہیں، اور جو کوئی تم میں سے ان سے رفاقت کرے وہ انہی میں ہے، اللہ بے انصاف لوگوں کو راہ نہیں دیتا، اب تو ان کو دیکھتا ہے جن کے دل میں بیماری ہے، کہ وہ دوڑ کر ان سے جا ملتے ہیں کہتے ہیں ہم کو ڈر ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آجائے، تو اللہ شاید جلد (مسلمانوں کی) فتح یا (ان کی کامیابی کی) کوئی اور بات اپنے پاس سے بھیجے تو پھر وہ اپنے دل کی چھپی بات پر پچھتانے لگیں (ترجمہ علامہ سید سلیمان ندویؒ)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوالَاتَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُواالْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ [561]

ترجمہ: اے ایمان والو! اہل کتاب اور کفار میں سے ان کی جو تمہارے دین کو ہنسی مذاق بناتے ہیں اپنا رفیق نہ بناؤ اور خدا سے ڈرو اگر یقین رکھتے ہو۔

قرآن پاک میں اس طرح کی متعدد آیات موجود ہیں۔ جن میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت اور حدود پر روشنی ڈالی گئی ہے، ایک آیت اس سلسلے میں بہت ہی زیادہ واضح ہے۔

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوااِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ،إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُواعَلَى إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ [562]

ترجمہ: خدا تم کو ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے مذہب میں لڑائی نہیں کرتے، اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالتے ہیں، خدا انصاف والوں کو پیار کرتا ہے، وہ صرف ایسے لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے

------ حواشی ------

561 - مائدہ :57

562 - الممتحنۃ : ۸، ۹

سے منع کرتا ہے ، جو تم سے تمہارے مذہب کے بارے میں جنگ کریں، اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالیں اور تمہارے نکالنے پر ایک دوسرے کے مدد گار ہوں، جو ان سے دوستی کادم بھریں گے وہی بے انصاف ہوں گے۔

مسلمانوں کے اس اخلاق اور رواداری کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہو گا، کہ باہمی عداوت میں کمی پیدا ہو گی، قرآن اس نتیجہ کی طرف اشارہ کرتا ہے:

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً وَاللَّهُ قَدِيرٌ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ[563]

ترجمہ: اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان محبت پیدا کر دے اور اللہ بڑی قدرت والا ہے۔

دیگر مذاہب کی کتابوں کا حوالہ اور ان سے استفادہ

(۲) مختلف مذاہب کے درمیان بہت سی تعلیمات میں اشتراک پایا جاتا ہے ،اصول سیاست ،اصول اخلاق، سماجی قواعد بلکہ بہت سے مذہبی تصورات میں بھی ہم آہنگی پائی جاتی ہے، خاص طور پر آسمانی مذاہب میں اس طرح کی نظیریں بہت ملتی ہیں ،مذاکرات کے درمیان کسی نقطۂ اتفاق تک پہونچنے ، کسی مشترکہ کاز کو قوت پہونچانے کے لئے، یا اتمام حجت کے لئے دیگر مذاہب کی کتابوں کے حوالے دیئے جاسکتے ہیں اور ان سے محدود استفادہ بھی کیا جاسکتا ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ بعض دفعہ فریق ثانی کے لئے یہ زیادہ مؤثر اور قابل قبول ثابت ہوتا ہے، خود قرآن کریم نے مختلف مناسبتوں سے کئی مقامات پر دیگر مذاہب کی کتابوں اور ان کی تعلیمات کے حوالے دیئے ہیں، جن کا مقصد کہیں عقیدہ و نظریہ کی اصلاح ہے تو کہیں دیگر اہل مذاہب کے بعد کو کم کرنا ہے، مثلاً:

------ حواشی --

563 - الممتحنۃ :۷)

قرآن کریم میں دیگر مذہبی کتابوں اور شخصیات کے حوالے

☆ قرآن مجید زمینی وراثت اور خلافت وحکومت کو صالحین کا حق قرار دیتا ہے، بدکرداری یا ظلم کے ساتھ زمین پر اچھی حکمرانی قائم نہیں ہوسکتی، قرآن نے یہ بات اہل کتاب کی مشہور کتابوں تورات اور زبور کے حوالے سے بیان کی ہے جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت داؤدؑ پر نازل ہوئی تھیں، جب کہ یہ بات بغیر کسی حوالہ کے بھی کہی جاسکتی تھی، لیکن پھر یہ معنویت پیدا نہ ہوتی کہ یہ تمام مذاہب کا مشترکہ نظریہ ہے ، صرف قرآن کا نہیں:

لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ إِنَّ فِي هَذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِينَ[564]

ترجمہ: ہم نے زبور میں تورات کے بعد لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہونگے، بیشک اس میں نصیحت ہے عبادت گذار لوگوں کے لئے۔

مفسرین نے لکھاہے کہ آیت کریمہ میں الذکر سے مراد تورات ہے، بعض حضرات نے الزبور کو لغوی معنیٰ میں لیتے ہوئے تمام سچی آسمانی کتابوں تورات، زبور، انجیل اور قرآن کو اس کا مصداق قرار دیا ہے [565]

ایک دوسرے مقام پر قرآن نے صرف حضرت موسیٰؑ کے حوالے سے یہ بات بیان کی ہے:

قَالَ موسى لِقَوْمِهِ استعينوا بالله واصبرواإِنَّ الأرض لِلَّهِ يُورِثُهَامَن يَشَاءمِنْ عِبَادِهِ[566]

------ حواشی --

564 - الانبیاء :106)

565 - شرح مشكل الآثار ج ١٤ص ٣٠٣حدیث نمبر:٥٦٣٣المؤلف : أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدي الحجري المصري المعروف بالطحاوي (المتوفى : 321هـ)تحقيق : شعيب الأرنؤوط الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الأولى – 1415 هـ ، 1494 م عدد الأجزاء : 16 (15 وجزء للفهارس) ،الدر المنثور في التأويل بالمأثورج٧ ص ١١٠ المؤلف : عبد الرحمن بن أبو بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى : 911هـ)

566 -[الأعراف : ١٢٨]

ترجمہ: حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے فرمایا اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو، زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے۔

اس طرح قرآن پاک نے کئی مذہبی کتابوں اور شخصیات کے حوالے دے کر اس کو ایک متفقہ نظریہ قرار دیا۔۔۔۔

☆ رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت ایک واضح صداقت ہے، جس کے لئے بے شمار شواہد و براہین موجود ہیں، لیکن قرآن کریم نے اس کو ایک بین الاقوامی عقیدہ اور مذاہب عالم کے متفقہ نظریہ کے طور پر پیش کیا ہے، اس کے لئے قرآن نے مختلف مذہبی شخصیات اور کتابوں کے حوالے دیئے ہیں، اور یہ ثابت کیا ہے کہ تمام سابقہ رسولوں اور آسمانی مذاہب کو حضور ﷺ کی نبوت کبریٰ اور آخری زمانے میں آپ کی آمد کا علم تھا، اور اپنے اپنے دور میں انہوں نے اس حقیقت کا اعلان بھی کیا، دنیا کو بشارت بھی سنائی، اور آپ کا اجمالی یا تفصیلی تعارف بھی پیش کیا[567]

چنانچہ اس بات سے حضور ﷺ کے زمانے کے انصاف پسند اور صاحب علم اہل کتاب بھی خوب واقف تھے، اور اہل مکہ میں ان پیشگوئیوں کی بازگشت موجود تھی، خود صحابہ میں کئی لوگ جو تورات وانجیل کے عالم تھے مثلاً حضرت عبد اللہ بن سلامؓ اور حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ وغیرہ وہ بھی اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھے [568]

------ حواشی--

567 - تفسير القرآن العظيم ج ٨ ص ١١١ المؤلف : أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي(المتوفى : 774هـ)المحقق : سامي بن محمد سلامة الناشر : دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة : الثانية 1420هـ - 1999 م عدد الأجزاء : 8)

568 - الجامع الصحيح المختصر ج ٢ ص ٧٤٧ حديث نمبر :٢٠١٨ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا

- مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ٣٨ ص ٤٧٧ حدیث نمبر:٢٣٤٩٢المؤلف : أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى : 241هـ) المحقق : شعيب الأرنؤوط – عادل مرشد ، وآخرون إشراف : د عبد الله بن عبد المحسن التركي الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الأولى ، 1421 هـ – 2001 م)

چنانچہ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰؑ کے حوالے سے ارشاد ہے:

وَإِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَابَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَاةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُفَلَمَّاجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُبِينٌ [569]

ترجمہ: اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں، سابقہ کتاب تورات کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک ایسے رسول کی بشارت سناتا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہو گا، پھر جب ان کے پاس وہ رسول آگیا تو انہوں نے کہا کہ یہ کھلا ہوا جادو ہے۔

ایک دوسرے مقام پر تورات وانجیل کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی صفات وخدمات پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِينَ آمَنُوابِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُواالنُّورَالَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ [570]

ترجمہ: جو لوگ رسول نبی امی کی اتباع کرتے ہیں وہ ان کو اپنے پاس تورات اور انجیل میں صاف تحریر شدہ پاتے ہیں، کہ وہ لوگوں کو بھلائیوں کا حکم دیں گے، برائیوں سے روکیں گے، پاک چیزوں کو حلال کریں گے، گندی چیزوں کو حرام قرار دیں گے، ان کے بوجھ اور سابقہ پابندیوں کو ختم کریں گے، پس جو لوگ ایمان لائیں، ان کی حمایت

------ حواشی ------

[569] - الصف :6)

[570] - الاعراف :157)

ونصرت کریں، اور ان پر نازل شدہ روشنی کی پیروی کریں، وہی لوگ کامیاب ہیں۔

بلکہ حضور ﷺ کے صحابہ کی صفات وامتیازات کا تذکرہ بھی پچھلی کتابوں میں موجود ہے، علامہ ابن کثیرؒ نے امام مالکؒ کے بلاغات کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب صحابہ نے شام کے علاقوں کو فتح کیا، اور نصرانیوں نے ان کی زیارت کی، تو بے ساختہ بول پڑے کہ یہ ہمارے حوارین سے بہتر لوگ ہیں، اس لئے کہ ان صحابہ کی صفات پچھلی کتابوں میں موجود تھیں، انہوں نے ان کو اسی آئینے میں دیکھا۔[571]

دیکھئے قرآن کریم اس حوالے سے کہتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًاسُجَّدًايَبْتَغُونَ فَضْلًامِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًاسِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ[572]

ترجمہ: محمد اللہ کے رسول ہیں اور آپ کے صحابہ کافروں پر سخت اور آپس میں نرم ہیں، آپ ان کو رکوع وسجدہ میں مصروف پائیں گے، وہ اللہ سے فضل اور رضا کے طلبگار رہتے ہیں، ان کے چہروں پر سجدہ کی نشانیاں چمک رہی ہیں، ان کی مثالیں تورات اور انجیل میں موجود ہیں۔

اسی لئے اہل کتاب کی طرف روئے تخاطب کرکے بار بار کہا گیا کہ اگر تم قرآن پر نہیں، اپنی کتابوں پر بھی یقین رکھتے تم محمد مصطفےٰ ﷺ کی رسالت پر ضرور ایمان لے آتے، لیکن جب اہل تورات تو ارات کو اور اہل انجیل انجیل کو اپنی زندگی میں جاری نہ کرسکے تو ان کے عدل اور قبول حق کی کیا امید کی جا سکتی ہے:

------ حواشی --

571 - تفسير القرآن العظيم ج ٧ ص ٣٦٢المؤلف : أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى : 774هـ)المحقق : سامي بن محمد سلامة الناشر : دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة : الثانية 1420هـ – 1999 م عدد الأجزاء : 8)

572 - الفتح :٢٩)

وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ 573

ترجمہ: چاہئے کہ اہل انجیل انجیل میں نازل شدہ حکم الٰہی کے مطابق فیصلہ کریں، جو اللہ کے نازل شدہ حکم کو فیصلہ کن نہیں مانتا وہ فاسق ہے۔

ایک جگہ کہا گیا:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالإِنْجِيلَ وَمَا أُنزلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ } الآية 574

ترجمہ: آپ کہدیجئے: اے اہل کتاب تم کسی دین پر قائم نہیں جب تک کہ تم تورات وانجیل اور اپنے رب کے نازل کردہ احکام کو قائم نہ کرو۔

☆ بلکہ قران کریم نے سابقہ کتابوں کے حوالے سے بعض تعلیمات کو مذہب اسلام کا حصہ بھی قرار دیا ہے، مثلاً تعزیرات اسلامی میں قانون قصاص تورات کے حوالے سے لیا گیا ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الآية --- (44) وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَاأَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ 575

ترجمہ: ہم نے تورات نازل کی، جس میں ہدایت ونور ہے، اس سے انبیاء فیصلے کرتے رہے ہیں۔۔۔۔۔اور ہم نے اس میں بنی اسرائیل پر فرض کیا کہ جان کا بدلہ جان، آنکھ کا بدلہ آنکھ، ناک کا بدلہ ناک، کان کا بدلہ کان، دانت کا بدلہ دانت، اور زخموں کا قصاص لیا جائے گا، جو صدقہ کرے اس کے لئے کفارہ ہوگا، اور جو اللہ کے نازل کردہ

------ حواشی --

573 - المائدة :47

574 - المائدة: 68

575 - المائدة :45

احکام پر عمل نہیں کرے گا وہ فاسق قرار پائے گا۔

☆ قانون جزا و سزا میں انسان کی دینی جد وجہد اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ کے بدلے خدا کی طرف سے وعدۂ جنت ہے، اس پر تورات، انجیل اور قرآن سب متفق ہیں، قرآن میں اس کا حوالہ دیا گیا ہے:

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَالْفَوْزُ الْعَظِيمُ [576]

ترجمہ: بے شک اللہ پاک نے مومنوں کی جان ومال کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے، وہ اللہ کے راستے میں جہاد کریں، جان لیں اور جان دیں، یہ اللہ کا پختہ وعدہ ہے تورات، انجیل اور قرآن میں، جو اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کرے گا تو اسے اس کے عہد کی بشارت ہے اور یہی سب سے بڑی کامیابی ہے۔

☆ اسی طرح قانون جزا و سزا ہی کے تحت حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے صحیفوں کے حوالے سے قرآن کریم نے ان شقوں کو جگہ دی ہے کہ:

☆ کسی کے جرم کا بار دوسرے پر نہیں ڈالا جائے گا ☆ انسان کو وہی ملے گا جو اس نے کیا ہے ☆ انسان کے آگے اس کا نتیجۂ عمل ضرور آئے گا، ☆ اور اس کے مطابق اس کو پورا پورا بدلہ ملے گا، وغیرہ:

أَمْ لَمْ يُنَبَّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَى (36) وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى (37) أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى (38) وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (39) وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى (40) ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَى (41) [577]

ترجمہ: کیا موسیٰ اور ابراہیم جنہوں نے اپنا عہد پورا کیا کے صحیفوں میں یہ خبر نہیں دی

------ حواشی ------

[576] - **التوبة :111)**

[577] - **النجم ؛۳۶تا۴۱)**

گئی کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور انسان کو وہی ملے گا جو اس نے کیا ہو گا، اور اپنے عمل کے نتیجے کو یقیناً دیکھے گا، پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

☆ قرآن کی سورۂ اعلیٰ میں خلقت انسانی کے مدارج و مصالح، قدرت خداوندی کے مظاہر، انسان کے نفع وضرر کے اصول اور اس کی طبعی کمزوریوں کی نشاندہی وغیرہ مضامین بیان کئے گئے ہیں، پھر ان سب کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے صحیفوں کی طرف محول کر دیا گیا ہے، یہ بات خود سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمائی[578]

إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَى ، صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى (الاعلیٰ

ترجمہ: بلاشبہ یہ تمام مضامین سابقہ صحیفوں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے صحیفوں میں موجود ہیں۔

یہ تو کلام الٰہی سے چند مثالیں پیش کی گئیں، اب کلام نبوت سے بھی چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

کلام نبوت میں دیگر مذہبی کتابوں کے حوالے

☆ زنا کی سزا میں اسلام کا جو قانون رجم ہے، یہ خود تورات میں موجود ہے، اس کا علم اس وقت ہوا جب نبی کریم ﷺ کی خدمت عالیہ میں یہود کی طرف سے ایک مقدمۂ زنا پیش ہوا اور آپ نے تورات کے حوالے سے قانون رجم کی بابت ان سے دریافت فرمایا، انہوں نے ازراہ شرارت توریت میں اس قانون کا انکار کیا، لیکن وہ اپنے اس انکار کو ثابت نہ کر سکے اور حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے ان کی علمی خیانت کا پردہ فاش کر دیا، تفصیل کتب حدیث میں موجود ہے[579]

------ حواشی ------

[578] -دیکھئے:سنن النسائي الكبرى ج ٦ ص ٥١٣ حدیث نمبر:١١٦٦٨ المؤلف : أحمد بن شعيب أبو عبد الرحمن النسائي الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة الأولى ، 1411 – 1991 تحقيق : د.عبد الغفار سليمان البنداري , سيد كسروي حسن عدد الأجزاء : 6):

[579] - الجامع الصحيح المختصر ج ٣ ص ١٣٣٠ حديث نمبر :٣٤٣٦ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987

☆ ایک بار اہل کتاب کا ایک عالم دربار رسالت میں حاضر ہوا اور اپنی مذہبی کتابوں کی روشنی میں اس نے روز قیامت کی کچھ منظر کشی کی:

کہ اللہ پاک ایک انگلی پر آسمانوں کو، ایک انگلی پر زمینوں کو، ایک انگلی پر درختوں کو، ایک انگلی پر پانی وغیرہ کو اور ایک انگلی پر ساری خلائق کو اٹھالے گا اور کہے گا کہ میں مالک ہوں، یہ سنکر حضور ﷺ اس قدر خوش ہوئے کہ آپ کے دندان مبارک نظر آنے لگے، اس لئے کہ یہ اسلامی تعلیمات سے بہت ہم آہنگ تھی، پھر آپؐ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

وما قدروا الله حق قدره والأرض جميعا قبضته يوم القيامة والسماوات مطويات بيمينه سبحانه وتعالى عما يشركون [580]

ترجمہ: انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جو اس کا حق تھا، اور ساری زمین قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہونگے، اللہ کی ذات ان کی شرکیات سے پاک ہے، [581]

☆ حضرت عقبیٰ بن عامرؓ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ قرآن میں تین سورتیں ایسی ہیں جو تورات وانجیل میں بھی موجود تھیں، قل ھو اللہ، اور معوذتین، حضور ﷺ نے روزانہ رات میں پڑھنے کی ان کو تلقین فرمائی [582]

------ حواشی ---

[580] - الزمر : ٦٧

[581] -(الجامع الصحيح المختصر ج ۴ص۱۸۱۲ حدیث نمبر۴۵۳۳المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا

[582] - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج۴ص۱۴۸حدیث نمبر :۱۷۳۷۲ المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6 الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها)

کئی صحابہ تورات کے عالم تھے

☆صحابہ میں کئی حضرات تورات پڑھنا جانتے تھے اور وہ اس کا مطالعہ بھی کرتے تھے جس کی خبر حضور ﷺ کو تھی، لیکن آپ نے ان کو منع نہیں فرمایا، دراصل تہذیبی اختلاط اور مصدر قانون سمجھ لئے جانے کے اندیشہ سے آپ ؐ نے ابتدا میں دیگر مذہبی کتابوں کے مطالعہ سے سخت ممانعت فرمائی تھی، لیکن جب لوگوں کے قلب میں راسخ ہو گیا کہ مصدر قانون صرف قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی شخصیت ہے تو محض علمی اضافہ یا اتمام حجت کے لئے ان کو گاہ بگاہ پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔

☆حضرت سلمان فارسیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے تورات میں پڑھا کہ کھانے سے قبل ہاتھ دھونا سبب برکت ہے، میں نے اس کا تذکرہ سرکار دوعالم ﷺ سے کیا، تو آپ ؐ نے ارشاد فرمایا، کھانے سے قبل اور بعد دھونا سبب برکت ہے، [583]

☆حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ بھی تورات کے بڑے عالم تھے، اور اس کا مطالعہ کرتے تھے ،ایک دن انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کی ایک انگلی میں گھی اور دوسری میں شہد ہے اور وہ دونوں کو اپنی زبان سے چاٹ رہے ہیں، انہوں نے اس خواب کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ سے کیا، آپ ؐ نے فرمایا تم قرآن اور تورات دونوں کتابیں پڑھتے ہو، [584]

☆حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی اس صلاحیت کا علم دوسرے لوگوں کو بھی تھا، بعض حضرات تورات کے حوالے سے کچھ سمجھنا چاہتے تو ان سے رجوع کرتے تھے، مثلاً مشہور تابعی حضرت عطا بن یسارؒ

------ حواشی--

[583] - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ۴ص ۲۸۱حديث نمبر:۱۸۴۶المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر : دار إحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5 الأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها ، : سنن أبي داودج ۳ ص ۴۰۵ حديث نمبر:۳۷۶۳المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي ـ بيروت عدد الأجزاء : 4 مصدر الكتاب : وزرارة الأوقاف المصرية وأشاروا إلى جمعية المكنز الإسلامي [ملاحظات بخصوص الكتاب]

[584] - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ۲ ص ۲۲۲ حديث نمبر:۷۰۶۷ المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6 الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليه)

فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے ملا اور عرض کیا کہ آپ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے شمائل تورات کے حوالے سے بیان فرمائیں، چنانچہ انہوں نے بیان فرمائے، تفصیل کتب حدیث میں موجود ہے۔۔۔۔[585]

بلکہ ان کی شہرت اس معاملے میں اتنی زیادہ تھی کہ بعض لوگوں کو مسئلہ کی تحقیق کے وقت یہ وضاحت کرنی پڑتی تھی کہ آپ مسموعات نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی روشنی میں مسئلہ بتائیں تورات کے حوالے سے نہیں ،ابو سعد نے اسی طرح کا ایک واقعہ نقل کیا ہے جس میں حضرت عبد اللہ بن عمروؓ نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی ایک حدیث سنائی، مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں:

عن أبي سعد قال جاء رجل إلى عبد الله بن عمرو فقال إنما أسألك عما سمعت من رسول الله صلى الله عليه و سلم ولا أسألك عن التوراة فقال سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يقول : المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده تعليق شعيب الأرنؤوط : مرفوعه صحيح[586]

☆ان کے علاوہ حضرت عبد اللہ بن سلام اور حضرت کعب احبار وغیرہ بھی توریت وانجیل کے علماء میں تھے،اور کئی مسائل پر ان کے درمیان مذاکرات بھی ہوتے تھے:

ایک بار حضرت ابوہریرہؓ نے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے حوالے سے یہ حدیث سنائی کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت مفقود ہوگئی تھی، جس کا پتہ نہیں چل سکا،میری رائے میں یہ چوہے وہی مسخ شدہ جماعت ہے ،کیونکہ یہ چوہے اونٹ کا دودھ نہیں پیتے، مگر بکری کا دودھ پیتے ہیں، حضرت کعبؓ یہ سن کر حیران رہ گئے اور بار بار دریافت کرتے رہے کہ کیا آپ نے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے یہ بات سنی ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں !تو کیا میں تورات

------ حواشی--

585 - الجامع الصحيح المختصر ج ٢ ص ٧٤٧ حديث نمبر :٢٠١٨ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا)

586 - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ٢ ص ٢٠٢ حديث نمبر : ٦٨٨٩المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6 الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها)

پڑھتاہوں ؟(کہ تورات کے حوالے سے بولوں گا)[587]

☆حضرت کعب احبارؒ بیان کرتے ہیں کہ تورات میں لکھاہے کہ اللہ کے نبی حضرت داؤدؑ نماز سے فارغ ہوتے تو یہ دعاپڑھتے تھے:

اللهم أصلح لي ديني الذي جعلته لي عصمة وأصلح لي دنياي التي جعلت فيها معاشي اللهم إني أعوذ برضاك من سخطك وأعوذ بعفوك من نقمتك و أعوذ بك منك لا مانع لما أعطيت ولا معطي لما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجد۔

اور پھر فرمایاکہ مجھ سے حضرت صہیبؓ نے بیان فرمایاکہ نبی کریم ﷺ کا بھی یہی معمول تھا[588]

☆ایک بار حضرت ابوہریرہؓ نے فضائل جمعہ پر نبی کریم ﷺ کی تفصیلی حدیث سنائی ،اس میں ایک جزویہ تھاکہ ہرجمعہ کوایک ساعت ایسی آتی ہے جس میں ہردعاقبول ہوتی ہے، حضرت کعبؓ نے سناتوکہا :یہ ساعت سال میں ایک بار آتی ہے، حضرت ابوہریرہؓ نے پوری طاقت سے اس کورد کیااور کہاکہ ہرجمعہ کو یہ ساعت آتی ہے، حضرت کعب نے تورات دیکھی اور کہاکہ نبی ﷺ نے سچ فرمایا، حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میری ملاقات عبداللہ بن سلامؓ سے ہوئی تومیں نے کعب کے ساتھ اپنی نشست کاتذکرہ کیا ،عبداللہ بن سلام نے مجھ سے پوچھاکیاآپ کومعلوم ہے کہ جمعہ کے دن وہ ساعت کب آتی ہے؟ میں نے نفی میں جواب دیا، انہوں نے کہا: دن کے آخری وقت میں آتی ہے، میں نے کہایہ کیونکر ممکن ہے، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایاہے، عبداللہ بن سلامؓ نے کہا: کیارسول اللہ ﷺ نے یہ

------ حواشی--

587 - الجامع الصحيح المختصر ج ٣ ص ١٢٠٣ حديث نمبر :٣١٢٩ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبوعبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق -

588 - المجتبى من السنن ج ٣ ص ٧٣ حديث نمبر : ١٣٤٦المؤلف : أحمد بن شعيب أبو عبد الرحمن النسائي(المتوفى : 303هـ) الناشر : مكتب المطبوعات الإسلامية – حلب الطبعة الثانية ، 1406 – 1986 تحقيق : عبدالفتاح أبو غدة عدد الأجزاء : 8 الأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها)

نہیں فرمایا کہ جو نماز کے انتظار میں بیٹھتا ہے وہ بھی نماز کے حکم میں ہے، میں نے کہا بے شک آپؐ نے فرمایا ہے[589]

اس طرح کے بڑے واقعات اور مثالیں ہیں جن میں حضور ﷺ اور صحابۂ کرام حسب موقعہ دیگر مذہبی کتابوں کے حوالے دیا کرتے تھے، اور اس کو معیوب نہیں جانتے تھے، اسی لئے بعد کے ادوار میں بھی متعدد علماء نے اپنی تفاسیر قرآن، تشریحات حدیث اور کتب سیرت میں بے تکلف دیگر مذاہب کی کتابوں کے حوالے استعمال کئے ہیں اور کم از کم فریق ثانی کو مطمئن کرنے کی حد تک ان سے استفادہ کیا ہے، و کفیٰ بہ حجۃ۔

خوشگوار تعلقات کے لئے غیر مسلموں کے مذہبی اعمال میں شرکت کرنا

(۳) غیر مسلموں سے مذاکرات یا خوشگوار تعلقات بنانے کے لئے ان کے مذہبی اعمال اور تقریبات میں شرکت کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ قرآن نے شدید لہجہ میں کہا ہے کہ کفر تم سے اس وقت راضی نہ ہوگا جب تک کہ تم ان کی ملت کی اتباع نہ کرلو اور ان کے رنگ میں نہ رنگ جاؤ، اور یہ انسان کی ضلالت اور ایک مؤمن کے خسارہ کے سوا کچھ نہیں ہے:

وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُوَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَالْهُدَى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ[590]

ترجمہ: آپ سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہ ہونگے جب تک کہ آپ ان کی ملت کی اتباع نہ کرلیں، آپ فرمادیجئے کہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے، اور اگر آپ علم آنے کے بعد ان کی خواہشات کی اتباع کریں گے تو اللہ سے کوئی آپ کو بچانے

------ حواشی--

[589] - سنن أبي داود ج ۱ ص۴۰۴حدیث نمبر:۱۰۴۸المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء:4 مصدر الكتاب : وزارة الأوقاف المصرية وأشاروا إلى جمعية المكنز الإسلامى

[590] - المائدة :120)

والا اور مدد گار نہ ہو گا۔

یہ مسلمان کی تہذیبی شکست ہے کہ وہ غیر مسلموں کے مذہبی رسوم کی رونق میں اضافہ کرے ،جبکہ ہمیں ان کی مشابہت سے بچنے بلکہ مخالفت کا حکم دیا گیا ہے، تفصیل گذر چکی ہے، قرآن نے صریح طور پر مقام زور پر جانے سے منع کیا ہے:

وَالَّذِينَ لا يَشْهَدُونَ الزُّورَ[591]

ترجمہ: یہ لوگ جھوٹ کی جگہوں پر حاضر نہیں ہوتے۔

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ یہاں الزور سے مراد مشرکین کے مذہبی مواقع اور مقامات ہیں[592]

ابو العالیہ ،طاؤس، محمد بن سیرین، ضحاک اور ربیع بن انس وغیرہ کی بھی یہی رائے ہے،بہت سے علماء نے تمام منکرات کے مقامات کو اس کا مصداق قرار دیا ہے[593]

حضرت عمرو بن مرۃ "لایشھدون الزور" کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

لایمالؤن اھل الشرک علی شرکھم ولایخالطونھم[594]

ترجمہ: یعنی اہلِ شرک کے شرکیہ افعال کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور نہ ان کے ساتھ کسی مقام پر جمع ہوتے ہیں۔

حضرت عمر بن الخطابؓ غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات میں شرکت سے سختی کے ساتھ منع فرماتے

------ حواشی--

591 - الفرقان:۷۲

592 - الدر المنثور في التأويل بالمأثور ج ۷ ص ۳۷۷ المؤلف : عبد الرحمن بن أبو بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى : 911هـ)

593 - تفسير القرآن العظيم ج ۶ ص ۱۳۰ المؤلف:أبو الفداء إسماعيل بن عمربن كثيرالقرشي الدمشقي(المتوفى : 774هـ) المحقق : سامي بن محمد سلامة الناشر : دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة : الثانية 1420هـ – 1999 م عدد الأجزاء : 8)

594 - رواہ ابو الشیخ وسکت عنہ ابن تیمیۃ، الاقتضاء:ص ۱۸

تھے، اور اس کو غضب الٰہی کا باعث قرار دیتے تھے:

وَلاَ تَدْخُلُواعَلَى الْمُشْرِكِينَ فِى كَنَائِسِهِمْ يَوْمَ عِيدِهِمْ فَإِنَّ السُّخْطَةَتَنْزِلُ عَلَيْهِمْ[595]

ترجمہ: مشرکین کے تہواروں میں ان کے عبادت خانوں میں داخل ہونے سے بچو، اس سے اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍوقَالَ:مَنْ بَنَى بِبِلاَدِ الأَعَاجِمِ وَصَنَعَ نَيْرُوزَهُمْ وَمِهْرَجَانَهُمْ وَتَشَبَّهَ بِهِمْ حَتَّى يَمُوتَ وَهُوَ كَذَلِكَ حُشِرَمَعَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. قَالَ الشَّيْخُ الإِمَامُ رَحِمَهُ اللَّهُ قَالَ الشَّيْخُ أَبُوسُلَيْمَانَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَنَى هُوَ الصَّوَابُ.[596]

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں: جو غیر مسلموں کے علاقے میں گھر بنائے اور ان کے تہواروں کی نقل اتارے، ان میں شریک ہو اور اسی حالت میں مر جائے، تو قیامت کے دن اس کا حشر انہی کے ساتھ کیا جائے گا۔

ابن القاسم سے سوال کیا گیا کہ جو کشتیاں غیر مسلموں کے مذہبی میلوں کی طرف جارہی ہوں ان میں سوار ہونا کیسا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ مکروہ ہے اس لئے کہ ان کے ساتھ اجتماع پر اللہ کے غضب کا اندیشہ ہے۔[597]

------ حواشی --

595 -. السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ج ۹ ص۲۳۴حدیث نمبر : ۱۹۳۳۳ المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق : الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد الطبعة : الطبعة : الأولى . 1344 هـ عدد الأجزاء : 10) : مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص۴۱۱حدیث نمبر:۱۶۰۹المؤلف : أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني الناشر : المكتب الإسلامي – بيروت الطبعة الثانية ، 1403 تحقيق : حبيب الرحمن الأعظميعدد الأجزاء : 11)

596 -السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي ج ۹ ص۲۳۴حدیث نمبر : ۱۹۳۳۵ المؤلف : أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق : الناشر : مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد الطبعة : الطبعة : الأولى . 1344 هـ

597 -الاقتضاء: ص ۱۱۱

اس سلسلے میں بعض عمومی احادیث سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے، جن میں معصیت کی محفلوں میں شرکت کو باعثِ گناہ قرار دیا گیا ہے، مثلاً:

(۱) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو ایک ولیمہ کی دعوت ملی اور وہ تشریف لے گئے، لیکن وہاں کچھ خرافات دیکھ کر واپس لوٹ گئے، لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ نے ارشاد فرمایا:

"من كثر سواد قوم فهو منهم، ومن رضي عمل قوم كان شريكا في عمله"الديلمي عن ابن مسعود"[598]

ترجمہ: جو کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کرتا ہے اس کا شمار اسی قوم کے ساتھ ہوگا اور جو کسی قوم کے عمل سے راضی ہوگا وہ اس کے عمل میں شریک مانا جائے گا۔

☆حضرت عائشہؓ کی ایک روایت آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يغزوجيش الكعبة فإذا كانوابيبداءمن الأرض يخسف بأولهم وآخرهم). قالت قلت يارسول الله كيف يخسف بأولهم وآخرهم وفيهم أسواقهم ومن ليس منهم ؟.قال (يخسف بأولهم وآخرهم ثم يبعثون على نياتهم[599]

ترجمہ: ایک لشکر کعبہ کی طرف جنگ کے لئے نکلے گا، جب وہ مقامِ بیداء کے پاس پہونچے گا، تو اس کا اول و آخر سب زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے؟ جبکہ ان کے

------ حواشی--

598 - المطالب العالية ج ٥ ص ١٨٢ حدیث نمبر:۱۷۰۴المؤلف : أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى : 852هـ) مصدر الكتاب : موقع جامع الحديث ،كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال ج ٩ ص ٢٢ حدیث نمبر:۲۴۷۳۵المؤلف : علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي البرهان فوري (المتوفى : 975هـ) المحقق : بكري حياني – صفوة السقا الناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة :الطبعة الخامسة ،1401هـ/1980

599 - الجامع الصحيح المختصر ج ٢ ص۷۴۶حدیث نمبر :٢٠١٢ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6)

بازار بھی ہوں گے، اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو اس ارادہ سے ان لوگوں میں شامل نہ ہوں گے حضور ﷺ نے فرمایا سب دھنسادیئے جائیں گے، البتہ قیامت کے دن اپنی نیتوں اور ارادوں کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔

البتہ امام احمد بن حنبلؒ نے کسی ضرورت یا تجارت کی غرض سے جانے کی جبکہ وہاں معصیت وغیرہ نہ ہو گنجائش دی ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے جامع خلال کے حوالہ سے لکھا ہے:

"کہ امام احمد سے شام میں غیر مسلموں کے بعض مذہبی تہوار مثلاً طور یا نور، اور دیر ابواب وغیرہ میں مسلمانوں کی شرکت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ مسلمان وہاں خریداری وغیرہ کے لئے جائیں تو کیا حکم ہے؟ تو امام احمدؒ نے جواب دیا کہ صرف خریداری مقصد ہو ان کے عبادت خانوں میں داخل نہ ہوں تو حرج نہیں، امام احمد نے حضرت عمرؓ کے حوالہ سے بیان فرمایا کہ وہ تہوار کے موقعہ پر غیر مسلموں کے عبادت خانوں میں جانے سے منع فرماتے تھے [600]

ان آثار واقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کے مذہبی اعمال یا میلوں میں ان کی رعایت و دلجوئی کی خاطر شرکت کرنا جائز نہیں ہے۔

ہم آہنگی برقرار رکھنے کے لئے جائز اعمال کا ترک

(۴) قیام امن اور ہم آہنگی برقرار رکھنے کے لئے ایسے اعمال کا ترک جائز نہیں، جو شرعاً واجب نہیں ہیں، لیکن ان کا تعلق مذہب سے ہو، یا مسلمانوں کے قومی یا تہذیبی شعار کی حیثیت سے شہرت رکھتا ہو ،اس میں وہ عمل بھی داخل ہے جو کہ مذہب کا حصہ نہیں ہے لیکن مسلمانوں کی متوارث تہذیب وثقافت کی شناخت بن چکا ہو، اور اس کے ترک سے ترک شعائر کی طرح کفر اپنی بالادستی اور خوشی محسوس کرتا ہو، اس لئے کہ:

------ حواشی --

600 -اقتضاء الصراط المستقیم: ص ۱۳۰

☆یہ کفر کی بالادستی کو تسلیم کرنے کے مترادف ہے، اور مسلمان اپنی مرضی سے کفر کی بالادستی قبول نہیں کرسکتے، قرآن کریم میں ہے:

لن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا[601]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہرگز کافروں کو مؤمنوں پر راہ نہیں دے گا۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(الإسلام يعلو ولا يعلى [602]

ترجمہ: اسلام بلند رہے گا، اس پر کسی کو بالادستی حاصل نہیں ہوگی۔

☆اسی طرح یہ اسلام میں مکمل داخلہ کے منافی ہے، اللہ پاک نے قرآن کریم میں کسی حلال چیز کو حرام کرنے سے منع فرمایا ہے، صاحب شریعت کے علاوہ کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے، اپنی مرضی سے کسی جائز عمل کو ہمیشہ کے لئے ترک کردینا یا اس کے ترک کی منظوری دینا بھی نتیجہ کے اعتبار سے تحریم حلال ہی کے زمرہ میں آتا ہے، اور قرآن نے اس کو بھی ممنوع قرار دیا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ [603]

ترجمہ: اے نبی! جس چیز کو اللہ پاک نے حلال کیا اسے آپ حرام کیوں کرتے ہیں۔

جب کہ حضور ﷺ نے کسی جائز چیز کی حرمت کا قانون نہیں بنایا تھا بلکہ صرف عملی طور پر بذات خود اس سے اجتناب کرنے کا ارادہ فرمایا تھا، مگر قرآن نے اس کو تحریم کے زمرے میں شامل کرکے اس سے ممانعت کردی۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

------ حواشی --

[601] - سورة النساء : الآية 141

[602] - **الجامع الصحيح المختصر ج ١ ص ۴۵۴ حديث نمبر : ٧٨ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6)**

[603] - **التحريم** : ١

يَاأَيُّهَاالَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَاتَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَايُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ[604]

ترجمہ: اے ایمان والو! ان پاک چیزوں کو حرام نہ کرو جن کو اللہ نے تمہارے لئے حلال کیاہے اور حد سے تجاوز نہ کرو اللہ پاک حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتے۔

اس آیت کے پس منظر میں جو واقعہ نقل کیا جاتاہے وہ یہ ہے کہ ایک یاچند اشخاص نے ترک لحم، ترک نکاح، ترک نوم وغیرہ کاارادہ کیا تھا، اور اس کو اپنی ذات تک ہی محدود رکھا تھا، نہ اس کی تشہیر کی تھی اور نہ دوسروں کو تشکیل، لیکن قرآن نے اسے بھی تحریم حلال قرادیااور اس طرح کے اقدامات پر ممانعت عائد کردی[605]

دراصل کسی چیز کو جب انسان اپنے لئے حرام کرلیتاہے، تورفتہ رفتہ اس کی شناعت دل میں بسنے لگتی ہے اور پھر اس سے متأثر ہوکر دوسرے لوگ یاکم ازکم خود اس کی نسل اس شے کے ترک کو بہتر تصور کرنے لگتی ہے، جبکہ اللہ نے اس کو بہتر نہیں بتایا، اسی لئے قرآن نے اس کی جڑ کاٹ دی، اس لئے کہ جو چیز نتیجہ کے اعتبار سے مضرت رساں ہو شریعت میں وہ عمل اول مرحلے میں ہی ممنوع قرار پاتاہے،۔۔۔باہمی ہم آہنگی کے لئے آج ایک جائز چیز کے ترک پر اتفاق رائے کرلیا جائے، یعنی جائز سمجھتے ہوئے اسے چھوڑدیا جائے، لیکن آنے والی نسلیں اس عمل کو نظریہ بنالیں گی، اور اس کو واقعۃً ناجائز یاکم ازکم ناپسندیدہ سمجھنے لگیں گی، یہ امت کا زبردست علمی اور قومی نقصان ہوگا، اور پھر اس کو جائز ثابت کرنے کے لئے مسلمانوں کو سخت جد وجہد کرنی ہوگی، بلاوجہ اس طرح کی آزمائش اپنے سرلینے کی کیاضرورت ہے۔

------ حواشی --

604 - المائدة :87

605 - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج۴ص۱۲۹حدیث نمبر:۳۴۶۹المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق : الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة : عدد الأجزاء : ثمانية أجزاء في أربع مجلدات ، الدر المنثور في التأويل بالمأثور ج ۳ ص ۱۴۳۹المؤلف : عبد الرحمن بن أبو بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى : 911هـ)

مذکورہ بالا چیزیں (ترک لحم وغیرہ) گو کہ کسی خاص مذہب سے تعلق نہیں رکھتیں، لیکن بعض مذاہب میں یہ رہبانیت کی تہذیبی علامت سمجھی جاتی ہیں، اور کسی قوم کی تہذیبی شناخت عملی طور پر مذہبی شعار کے درجہ میں ہوتی ہے، اسی لئے اسلام نے تشبہ سے جو ممانعت کی ہے اس میں مذہبی اور تہذیبی دونوں طرح کے امور داخل ہیں۔

☆ نیز اس سے تہذیبی موت کا اندیشہ ہے، کیونکہ جب قوم کسی دوسری قوم کے لئے یکطرفہ طور پر اپنی تہذیب چھوڑ دیتی ہے، تو آہستہ آہستہ اس کی تہذیبی غیرت اور قومی حسیت کمزور ہونے لگتی ہے اور اس کا نتیجہ موت ہے۔۔۔

☆ پھر اس کی کیا ضمانت ہے کہ معاملہ ایک ہی چیز کے ترک تک محدود رہے گا اور آئندہ کسی دوسری چیز کے ترک کا مطالبہ سامنے نہیں آئے گا؟۔۔۔۔ اس کے بعد کیا ہوگا ہر صاحب بصیرت اس کا اندازہ کر سکتا ہے۔۔۔۔ اپنی چیزوں سے دستبردار ہونے والی قوم کبھی زندہ تصور نہیں کی جاسکتی۔۔۔

☆ اسی لئے قرآن نے کفر سے اتفاق رائے یا ان سے بعض منافع کے حصول کے لئے یک طرفہ محبت کی پیشکش کو ممنوع قرار دیا ہے، کہ یہ کسی زندہ اور غیور قوم کے شایان شان نہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ [606]

ترجمہ: اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ، کہ ان کی طرف محبت کی پیشکش کرنے لگ جاؤ، جبکہ وہ تمہارے پاس موجود حقائق کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔

یہ آیت کریمہ جس پس منظر میں نازل ہوئی وہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کا واقعہ ہے، انہوں نے فتح مکہ کے موقعہ پر مکہ والوں کو قافلۂ اسلام کی پیش قدمی سے آگاہ کرنے کے لئے ایک خط بھیجا تھا، تاکہ وہاں موجود ان کے اہل وعیال قریش کی انتقامی کاروائیوں سے محفوظ رہیں، یہ سچے پکے مسلمان اور بدری

------ حواشی ------

606 - الممتحنۃ : ۱

صحابی ہیں، خود قرآن نے ان کے ایمان کی شہادت دی ہے، ان کو رسول اللہ ﷺ کی کامیابی، کفار کی ذلت وشکست کا پورا یقین تھا، اور ان کے خط لکھنے کے پیش نظر ہر گز مسلمانوں کو نقصان پہونچانا نہیں بلکہ محض اپنے اہل وعیال کا محدود مفاد تھا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اس اطلاع کے باوجود کوئی طاقت اہل مکہ کو ذلت آمیز شکست سے بچا نہیں سکتی، لیکن بظاہر یہ قومی غداری تھی، اور ایک زندہ اور غیور قوم اس طرح کی حرکتوں کو گوارا نہیں کر سکتی تھی، اس لئے اللہ پاک نے ان کو متنبہ فرمایا، مگر ان کے حسن نیت کی بنا پر حضور ﷺ نے ان کو معاف فرمادیا[607]

☆ دراصل جس تھوڑے سے نفع (ہم آہنگی، یا وقتی فتنہ وفساد سے تحفظ وغیرہ) کے لئے محبت کی قربانی دی جاتی ہے، اس کے نتائج کس قدر سنگین ہو سکتے ہیں، اور آئندہ قوم وملت کو اس سے کیا نقصانات پہونچ سکتے ہیں، وہ پیش نظر رہنا ضروری ہے، حکم ان نتائج کے اعتبار سے لگے گا، فقہی ضابطہ ہے:

دفع المفاسد مقدم على جلب المصالح,[608]

ترجمہ: مفاسد کو دور کرنا مصالح کے حصول سے مقدم ہے۔

اس مضمون کے متعدد فقہی ضابطے کتب اصول فقہ میں موجود ہیں۔

ان مباحث سے اس نتیجہ تک پہونچنے میں کوئی دشواری نہیں کہ مذاہب واقوام سے مذاکرات اور باہمی اتفاق رائے کے لئے کسی ایسے جائز عمل کے ترک پر معاہدہ نہیں کیا سکتا، جس کا تعلق مذہب سے ہو یا

------ حواشی--

607 -،(تفسير القرآن العظيم ج ٨ ص ٨٢ المؤلف : أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى : 774هـ) المحقق : سامي بن محمد سلامة الناشر : دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة : الثانية 1420هـ - 1999 م عدد الأجزاء : 8)

608 - البحر المحيط في أصول الفقهج٤ ص ١٩٩ المؤلف : بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشي (المتوفى : 794هـ) المحقق : محمد محمد تامر الناشر : دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان الطبعة : الطبعة الأولى، 1421هـ / 2000م ، الإبهاج - السبكي]ج ٣ ص٦٥الكتاب : الإبهاج في شرح المنهاج على منهاج الوصول إلى علم الأصول للبيضاوي المؤلف : علي بن عبد الكافي السبكي الناشر : دار الكتب العلمية - بيروت الطبعة الأولى ، 1404 تحقيق : جماعة من العلماء عدد الأجزاء : 3)

مسلمانوں کی متوارث تہذیب سے ۔۔۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں ذبیحۂ گاؤ سے دستبرداری کے معاملے پر متعدد علماء وفقہاء عصر کے جو مباحث پیش کئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد قریب کے تقریباً تمام علماء کی یہی رائے ہے کہ مذہبی اور تہذیبی شعائر میں حکم کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے، مذہب اور تہذیب وتمدن دو جداگانہ الفاظ ہیں لیکن دونوں کا نتیجہ ایک ہے، الفاظ کا سہارا لیکر فرق کرنا محض کج بحثی ہے، جس کی تھوڑی سی وضاحت یہ ہے کہ:

ذبیحۂ گاؤ ایک تہذیبی اور قومی مسئلہ

گائے کا ذبیحہ اسلام میں واجب نہیں، جائز ہے، قرآن کریم اور احادیث صحیحہ دونوں سے اس کا جواز ثابت ہے، قرآن میں حرام وحلال جانوروں کی تفصیلات کے لئے پوری سورۂ الانعام موجود ہے، اور اس میں اونٹ اور گائے کو بھی بالتصریح حلال جانوروں میں شمار کیا گیا ہے،

وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ[609]

قرآن نے ان دونوں جانوروں کا نام خاص طور پر اس لئے لیا کہ اونٹ یہود کے یہاں حرام تھا، اسی طرح بنی اسرائیل کے ایک طبقہ نے گائے کا مجسمہ بناکر تعلیمات یہود سے الگ ہٹ کر اس کی پرستش شروع کردی تھی، اس طرح اس کے یک گونہ تقدس کا احساس لوگوں میں پیدا ہوگیا تھا، جس کا تذکرہ قرآن پاک میں موجود ہے[610]، مفسرین نے لکھا ہے کہ سامری نے گائے کے بچہ کا بت بنایا تھا[611]، قرآن نے ان دونوں جانوروں کو حلال کرکے ان کی حرمت بھی ختم کی اور تقدس کا طلسم بھی چاک کردیا۔

نیز احادیث سے بھی ذبیحۂ گاؤ کا جواز ملتا ہے، حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ:

نَحَرَ رَسُولُ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– عَنْ نِسَائِهِ. وَفِى حَدِيثِ ابْنِ بَكْرٍ

------ حواشی --

609 - الانعام: ۱۴۴)

610 - سورہ الاعراف: ۱۳۸)

611 - الدر المنثور في التأويل بالمأثورج ۴ ص ۳۰۲ المؤلف : عبد الرحمن بن أبو بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى : 911هـ)

عَنْ عَائِشَةَ بَقَرَةً فِي حَجَّتِهِ[612]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ازواج مطہرات کی طرف سے اور بعض روایتوں کے مطابق حضرت عائشہؓ کی طرف سے گائے کی قربانی فرمائی

بلکہ عہد نبوت میں گائے کی قربانی کا عام رواج تھا، اور ایک گائے سات آدمی کی طرف سے کافی سمجھی جاتی تھی، حضرت جابر بن عبد اللہؓ ہی کی روایت ہے:

فَنَذْبَحُ الْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ نَشْتَرِكُ فِيهَا [613]

ترجمہ: کہ ہم سات آدمی کی طرف سے ایک گائے ذبح کرتے تھے۔

اس مضمون کی متعدد روایات وآثار کتب حدیث میں موجود ہیں، البتہ جس تناظر میں گائے کے ذبیحہ کی اجازت دی گئی جیسا کہ ابھی ذکر آیا، اس نے اس کو شعار اسلامی میں تبدیل کر دیا، اور یہ مخصوص اسلامی تہذیب کا حصہ بن گیا، چنانچہ حضور ﷺ نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

من صلى صلاتنا واستقبل قبلتنا وأكل ذبيحتنا فذلك المسلم الذي له ذمة الله وذمة رسوله فلا تخفروا الله في ذمته[614]

ترجمہ: جو ہماری نماز پڑھے، ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے، اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو وہ مسلمان ہے اور اسے اللہ اور رسول کا ذمہ حاصل ہے، پس اس ذمہ کو نہ توڑو۔

------ حواشی--

612 - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۴ ص ۸۸ حدیث نمبر: ۳۲۵۴ المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق : الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة : عدد الأجزاء : ثمانية أجزاء في أربع مجلدات)

613 - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ۴ ص ۸۸ حدیث نمبر: ۳۲۵۲ المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق : الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة . بيروت الطبعة : عدد الأجزاء : ثمانية أجزاء في أربع مجلدات)

614 - الجامع الصحيح المختصر ج ۱ ص ۱۵۳ حدیث نمبر: ۳۸۴ المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6

شارحین حدیث نے اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے اکل ذبیحہ کو شعائر اسلام میں شمار کیا ہے کہ جس طرح عبادات میں ہر مذہب کا ایک شعار ہوتا ہے، اسی طرح اشیاء خورد ونوش میں بھی ہر مذہب کا ایک خاص امتیاز ہوتا ہے، اور انہی امتیازات سے مذہب کو پہچانا جاتا ہے، مثلاً یہود مسلمانوں کا ذبیحہ (اونٹ ،اور ہنود گائے) نہیں کھاتے، تو جب تک ان شعائر کو انسان دل سے قبول نہ کرلے اور ان کا عملی اظہار نہ کرے وہ مؤمن نہیں ہوسکتا اور نہ اسے اللہ اور رسول کا ذمہ حاصل ہو سکتا ہے،[615]

اسی لئے حضرت عبد اللہ بن سلامؓ وغیرہ چند اہل کتاب صحابہ نے اسلام لانے کے بعد احتیاطاً اونٹ کا گوشت نہ کھانے کا ارادہ کیا، کہ اسلام میں واجب نہیں، اور یہود میں حرام تھا، لیکن قرآن کریم میں اس پر تنبیہ کی گئی اور اس طرح کے مخلوط اسلام یا مخلوط تہذیب کو مسترد کر دیا گیا۔

امداد الفتاویٰ میں یہ بحث تقریباً اکیس (۲۱) صفحات میں ہے، اور حضرت تھانویؒ اور دیگر علماء نے پوری شدت کے ساتھ ذبیحۂ گاؤ یا کسی ایسے تہذیبی عمل سے دستبردار ہونے کی مخالفت کی ہے جو گو کہ مذہب میں واجب نہیں ہے لیکن شعائر اسلامی کا حصہ ہے، امداد الفتاویٰ میں جن اکابر علماء وفقہاء کے حوالے سے یہ رائے نقل کی گئی ہے، یا جنہوں نے اس پر دستخط کئے ہیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

☆حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلیؒ ☆حضرت مولانا عبد الحلیم لکھنویؒ ☆ حضرت مولانا عبد الوہاب لکھنویؒ ☆حضرت مولانا ابو الغنا محمد عبد المجید لکھنویؒ ☆ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ☆حضرت مولانا ابو الانوار محمد عبد الغفار الحنفی النقشبندی الاعظمیؒ ☆ حضرت مولانا حبیب احمد الکیرانویؒ ☆حضرت مولانا انوار الحق امروہویؒ ☆حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ ☆اور حضرت مولانا احمد حسن صاحبؒ، تلک عشرۃ کاملہ[616]۔

اور اس رائے کے خلاف کسی کی رائے معلوم نہیں ہے، اس طرح گویا اس پر ایک عصر کے علماء کا

------ حواشی --

615 - عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج ٦ ص ٣٣٥ المؤلف : بدر الدين أبو محمد محمود بن أحمد العيني (المتوفى : 855هـ)

616 - امداد الفتاویٰ ج۳ ص ۵۷۵ تا ۵۹۶ مطبوعہ ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند

اتفاق ہو چکا ہے۔

نظریات باطلہ پر تنقید کے حدود

(۵) اسلام ایک سچا مذہب ہے، جس نے حق کو کھول کھول کر بیان کیا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ اس نے جھوٹے عقائد اور باطل نظریات کا طلسم بھی چاک کیا ہے، یہاں نفی اور اثبات دونوں ہیں، امر بالمعروف کی طرح نہی عن المنکر بھی ایک اہم ترین فریضہ ہے، اس لحاظ سے باطل افکار و نظریات کے خلاف تنقید کرنے میں مضائقہ نہیں، بلکہ بعض اوقات اس کے بغیر کام ہی نہیں چلتا، اگر سوال کا جواب نہ دیا جائے تو یہ ایک طرح کی شکست سمجھی جاتی ہے، تنقید و تردید نظریاتی جنگ کا لازمی حصہ ہے، اور ہتھیار کی جنگ سے زیادہ اس کی اہمیت ہے، یہ جسموں پر نہیں دلوں اور دماغوں پر یلغار کرتی ہے، یہ قریب سے نہیں دور سے وار کرتی ہے، اور یہاں فتح و شکست آج نہیں کل کے لئے ہوتی ہے، ایسے ہی موقعہ پر قرآن نے جدال کی اجازت دی ہے:

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ [617]

ترجمہ: ان کے ساتھ بہتر طریق سے جدال کرو۔

☆ اس کی ایک بہترین مثال عہد نبوت میں معرکۂ احد میں دیکھنے میں آئی، مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ہتھیار کی جنگ کے بعد تھوڑی دیر کے لئے زبانی جنگ ہوئی، جس میں مسلمانوں کی طرف سے حضرت عمر بن الخطابؓ نے ابوسفیان (جو اس جنگ میں کافروں کے نمائندہ تھے) کے سوالوں کے مسکت جوابات دیئے، اور خود سردو عالم ﷺ نے حضرت عمرؓ کو جوابات تلقین فرمائے، کتب حدیث و سیر میں یہ واقعہ معروف ہے [618]

------ حواشی --

[617] - النحل : ۱۲۵

[618] - الجامع الصحیح ج۴ص۱۴۸۶حدیث نمبر:۳۸۱۷المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث

☆اسی طرح ایک بار نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ سے حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت اور ابنیت پر مباحثہ کیا، آپؐ نے ان کو اطمینان بخش جوابات دیئے، انہوں نے مسجد نبوی میں اپنے مذہب کے مطابق الٹی سمت نماز پڑھی، صحابہ نے روکنا چاہا مگر آپ نے روکنے سے منع فرمایا، جس کا تذکرہ کتب سیر وغیرہ میں تفصیلاً موجود ہے[619]

ان دونوں مواقع پر نبی کریم ﷺ نے جس صبر وسکون، متانت وسنجیدگی اور حسن اخلاق کا مظاہرہ فرمایا، اور مسلمانوں کو بھی اس کی تلقین فرمائی، وہ تنقید ومناظرہ کے لئے مثالی لائحۂ عمل ہے، حضور ﷺ کے طرز عمل، معاملہ کی فہم اور جواب کے لئے الفاظ اور جملوں کے انتخاب سے تنقید کے حدود وآداب پر روشنی پڑتی ہے، اسی چیز کو قرآن مجادلۂ احسن کہتا ہے۔ تنقید کے وہ نکات جو طرز نبوت سے مستفاد ہیں، یہ ہیں:

☆بحث میں اصل نکتہ سے انحراف نہ کیا جائے۔

☆کسی کی ذاتیات پر حملہ نہ کیا جائے۔

☆جبر کا طریق اور جارحانہ رویہ اختیار نہ کیا جائے۔

☆لب ولہجہ میں متانت وشائستگی کا لحاظ رکھا جائے، اور طعن وتشنیع سے گریز کیا جائے۔

☆جواب برائے جواب میں بھی کوئی غیر حقیقی بات زبان سے نہ نکالی جائے۔

☆فریق مخالف کی اشتعال انگیز کاروائی کے باوجود تحمل اختیار کیا جائے۔

☆فریق مخالف کی شخصیات اور مذہبی جذبات وتصورات کا ہر ممکن احترام کیا جائے۔

------ حواشی--

وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا ، السيرة النبوية ج ۳ ص ۴۷المؤلف : أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى : 774هـ)

619 - الروض الأنف ج۳ ص ۳ ، ۱۶،المؤلف : أبو القاسم عبد الرحمن بن عبد الله بن أحمد السهيلي (المتوفى : 581هـ)، شرح المواہب:۴/۴۳) السيرة النبوية ج ۱ ص ۵۷۸ المؤلف : أبو محمد عبد الملك بن هشام البصري (المتوفى : 213هـ)

☆ نظریاتی اختلاف ذاتی مراسم اور باہمی تعلقات پر اثر انداز نہ ہو اور ہر طرح حسن اخلاق اور بشاشت کا مظاہرہ کیا جائے وغیرہ۔

اگر تنقیدات میں ان حدود کی رعایت نہ برتی جائے، تو وہ تنقید نہیں نزاع، اور بحث نہیں سب وشتم بن جائے گی، جس سے قرآن کریم نے حکمت آمیز لہجے میں منع کیا ہے، کہ اس سے کوئی نفع ہونے کے بجائے منفی ردعمل پیدا ہوتا ہے، اور بسا اوقات انسان اس نفسیات سے اس درجہ مغلوب ہو جاتا ہے کہ وہ خود بھی نہیں جانتا کہ اس کا تیر ہدف کن کن لوگوں کو شکار کر رہا ہے، علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ میں نے بہت مرتبہ شیعہ سنی کی بحث میں جاہل سنیوں کو دیکھا ہے کہ جب شیعہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں تو جاہل سنی ان کے جواب میں حضرت علیؓ کے لئے نازیبا کلمات استعمال کرنے لگتے ہیں، (معاذ اللہ)[620]

یہ مذہبی مباحثات کی جھوٹی نفسیات ہیں جو تنقید و بحث کے حدود و آداب سے ناواقفیت کی بنا پر پیدا ہوتی ہیں، اسی لئے قرآن نے اس طرح کی تنقیدوں پر روک لگائی، اور کہا کہ جو لوگ دیگر اقوام کے مذہبی جذبات کا احترام نہیں کرتے، ردعمل کی بنیاد پر اسلامی شخصیات یا عقائد کے خلاف فریق مخالف کی جانب سے جو بھی منفی کاروائیاں ہوں گی یہ لوگ اس کے ذمہ دار قرار پائیں گے، اس لئے کہ ہم جس چیز کو غلط سمجھتے ہیں ضروری نہیں کہ دوسرے بھی اسے غلط سمجھیں، ایسے لوگوں کے لئے معارضانہ طریق کے بجائے داعیانہ طریق زیادہ مؤثر ثابت ہوتا ہے:

وَلا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ زَيَّنَّالِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ[621]

------ حواشی --

620 - روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج ۵ ص ۴۷۳المؤلف : شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (المتوفى : **1270**هـ)

621 - **الانعام :108**)

ترجمہ: اللہ کے سوا جن معبودوں کو یہ پکارتے ہیں، ان کو گالیاں نہ دو کہ وہ بھی اللہ کو زیادتی کرتے ہوئے جہالت کی بنیاد پر گالیاں دینے لگیں، اسی طرح ہر جماعت کے لئے ان کے اعمال کو ہم نے خوبصورت بنادیا ہے، آخر ان کو اپنے رب کی طرف لوٹنا ہے، پھر اللہ ان کو بتائے گا جو یہ کرتے تھے۔

اس آیت کے پس منظر کے بارے میں مفسرین نے حضرت قتادہؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ مسلمان بتوں کو گالیاں دیتے تھے، جواب میں کافر اللہ پاک کو گالیاں دیتے، اللہ پاک نے مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ اس طرح اللہ کو گالیاں سنوانے والے خود تم ہو، ایک روایت حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی گئی ہے کہ کفار نے حضور ﷺ سے کہا کہ آپ ہمارے بتوں کو برا بھلا کہنے سے باز آجائیں ورنہ ہم آپ کے اللہ کو برا بھلا کہیں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی[622]

اس طرح کے مواقع پر جو نتائج سامنے آتے ہیں اس کی ذمہ داری خود مسلمانوں پر بھی عائد ہوتی ہے۔

☆اسی طرح کے حساس معاملے کی ایک مثال حدیث پاک میں آئی ہے، جس سے زیر بحث مسئلہ پر بھی روشنی پڑتی ہے، حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ:

قال رسول الله صلى الله عليه و سلم (إن من أكبر الكبائر أن يلعن الرجل والديه). قيل يا رسول الله وكيف يلعن الرجل والديه ؟ قال (يسب

------ حواشی--

[622] - تفسير القرآن العظيم ج ٣ ص ٣١٥ المؤلف : أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى : 774هـ) المحقق : سامي بن محمد سلامة الناشر : دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة : الثانية 1420هـ – 1999 م عدد الأجزاء : 8، الدر المنثور في التأويل بالمأثور ج٤ص15المؤلف : عبد الرحمن بن أبو بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى : 911هـ)

الرجل أبا الرجل فيسب أباه ويسب أمه فيسب أمه[623]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا بدترین گناہوں میں سے یہ ہے کہ آدمی اپنے والدین کو گالیاں دے، لوگوں نے عرض کیا کہ آدمی اپنے والدین کو گالیاں کیسے دے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا، وہ اس طرح کہ آدمی دوسرے شخص کے باپ یاماں کو گالی دے گا تو جواب میں دوسرا شخص بھی اس کے باپ یاماں کو گالی دے گا۔

قرآن کے مطابق تنقید میں منفی طریق کار اختیار کرنا خود اسلام اور ملت اسلامیہ کو بالواسطہ نقصان پہونچانے کے مترادف ہے، علماء اور مفسرین نے لکھا ہے کہ قرآن کریم کی یہ نص محکم ہے اور ملت اسلامیہ کے لئے یہ حکم آج بھی بدستور باقی ہے:

وحكْمُها على كلِّ حال باقٍ في الأمة ، فلا يحلُّ لمسلمٍ أنْ يتعرَّض إلى ما يؤدِّي إلى سبِّ الإسلام أوالنبيِّ صلى الله عليه وسلم ،أو اللَّه عزَّ وجلَّ وعبَّرعن الأصنامِ بالذين،وهي لاتَعْقِلُ ، وذلك على معتقدِ الكَفَرة فيها[624]

کسی مذہب میں موجود حقائق کو نقل کرنا برا نہیں ہے، بلکہ تحقیر آمیز انداز میں بیان کرنا برا ہے[625]

اسی آیت سے سد ذرائع کا اصول نکلا ہے، یعنی جو چیز سبب معصیت بنے وہ بھی معصیت ہے گو کہ فی الواقع وہ معصیت نہ ہو بلکہ کار طاعت ہو، البتہ ابن العربی وغیرہ کئی علماء نے صراحت کی ہے کہ یہ حکم

------ حواشی--

623 - الجامع الصحيح المختصر ج ٥ ص 8 ٢٢٢ حديث نمبر:٥٦٢٢٨المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب

624 - الجواهر الحسان في تفسير القرآن ج١ ص ٤٩٤المؤلف : أبو زيد عبد الرحمن بن محمد بن مخلوف الثعالبي (المتوفى : 875هـ ،الجامع لأحكام القرآن ج ٧ ص٦١المؤلف : أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح الأنصاري الخزرجي شمس الدين القرطبي (المتوفى : 671هـ)المحقق : هشام سمير البخاري الناشر : دار عالم الكتب، الرياض، المملكة العربية السعودية ،الطبعة : 1423هـ/ 2003م)

625 - روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني ج 5 ص ٤٧٥ المؤلف : شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (المتوفى : 1270هـ)

صرف مباحات کے لئے ہے، مثلاً معبودان باطل پر تنقید کرنا واجب نہیں ہے، جائز ہے اور باعث ثواب ہے ،لیکن اگر اس سے ضرر کا اندیشہ ہو تو یہ کار خیر ملتوی رکھا جائے گا، لیکن اگر کسی فرض کی انجام دہی میں کوئی فتنہ پیدا ہو تو فتنہ کے خوف سے فرض کو ترک نہیں کیا جائے گا۔[626]

مشترکہ سماجی مسائل پر دیگر اہل مذاہب کے ساتھ اشتراک

(۶) مشترکہ سماجی مسائل جیسے غربت، کرپشن، بے حیائی، عورتوں، مزدوروں اور عمر دراز لوگوں کے ساتھ زیادتی وغیرہ پر دیگر اہل مذاہب کے ساتھ مذاکرات میں اشتراک درست ہے، اوران چیزوں کے خاتمہ یا اصلاح کے لئے مشترکہ جدوجہد کی جاسکتی ہے، اس لئے کہ:

☆ یہ انسانیت کی ہمدردی اور بھلائی کے کام ہیں اور قرآن کریم نے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون کا حکم دیا ہے، خواہ اس کا تعلق دوست جماعت سے ہو یا دشمن سے:

> وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ[627]

> ☆ نبی کریم ﷺ نبوت سے قبل بھی خدمت انسانی کے ان کاموں سے خصوصی دلچسپی رکھتے تھے، جیسا کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے ان الفاظ سے اندازہ ہوتا ہے:

------ حواشی ------

626 - حوالہ بالا، إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم ج۲ ۳۱۳ المؤلف : أبو السعود العمادي محمد بن محمد بن مصطفى (المتوفى : 982هـ، أحكام القرآن ج ۲ ص ۲۲۶ المؤلف : القاضي محمد بن عبد الله أبو بكر بن العربي المعافري الاشبيلي المالكي (المتوفى : 543هـ) المحقق : علي محمد البجاوي الناشر : دار إحياء التراث العربي بيروت – لبنان الطبعة : الطبعة الأولى ،الجامع لأحكام القرآن ج ۷ ص۶۱ المؤلف : أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح الأنصاري الخزرجي شمس الدين القرطبي (المتوفى : 671هـ) المحقق : هشام سمير البخاري الناشر : دار عالم الكتب، الرياض، المملكة العربية السعودية الطبعة : 1423هـ/ 2003م)

627 - المائدة :۲

إنك لتصل الرحم وتصدق في الحديث و تحمل الكل وتقري الضيف و تعين على نوائب الحق[628]

☆عہد نبوت میں اس کی بہترین مثالیں حلف الفضول، تجدید حلف خزاعہ اور میثاق مدینہ وغیرہ موجود ہیں، جن میں مختلف اقوام اور قبائل نے چند مشترکہ سماجی اور سیاسی مسائل پر معاہدے کئے تھے، ان میں غریبوں اور مظلوموں کی مدد، ظالموں کا مقابلہ اور برائیوں کا خاتمہ وغیرہ جیسے مسائل بھی شامل تھے[629] گذشتہ صفحات میں اس پر تفصیل سے گفتگو آچکی ہے۔

دیگر اہل مذاہب کے ساتھ سیاسی اشتراک

(۷)جمہوری ممالک میں سیاسی حصہ داری کی بڑی اہمیت ہے، اگر مسلمان اس میں اپنا کردار ادانہ کریں تو کئی محاذوں پر وہ برادران وطن سے بہت پیچھے رہ جائیں گے، اور جس ملک میں مختلف قومیتوں کے لوگ رہتے ہوں وہاں کسی ایک قوم کا تنہا اپنے بل بوتے سیاسی استحکام حاصل کرنا آسان نہیں ہے، ایسے حالات میں دیگر اہل مذاہب کی سیاسی جماعتوں سے اشتراک عمل کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ:

۱- یہ عام مسلمانوں کے مفاد میں ہو۔

۲- مسلمان مشترکہ بنیادوں پر مساوی حیثیت سے اس میں شریک ہوں۔

۳- مذاکرہ کی کوئی شق خلاف شرع نہ ہو۔

۴- اس سے اسلام یا مسلمانوں کی خفت یا توہین نہ ہوتی ہو اور ان کا قومی اور ملی وقار مجروح نہ ہو۔

------ حواشی ------

628 - الجامع الصحيح ج 1 ص 4 حديث نمبر :3 المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة)

629 -(سنن البيهقي الكبرى ج ٦ص٣٦٧ حديث نمبر : ١٢٨٥٩المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر : مكتبة دار الباز – مكة المكرمة ، 1414 – 1994 تحقيق : محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء : 10، تهذيب الآثار (الجزء المفقود) ج ١ ص ١٧ أبو جعفر محمد بن جرير الطبري سنة الولادة 224 ه / سنة الوفاة 310 ه تحقيق علي رضا بن عبد الله بن علي رضا الناشر دار المأمون للتراث سنة النشر 1416ه – 1995م مكان النشر دمشق / سوريا عدد الأجزاء 1)

۵-کسی غیر مذہب کو بحیثیت مذہب اس مذاکرہ سے قوت نہ پہونچتی ہو۔

اس کے لئے درج ذیل دلائل سے استشہاد کیا جاسکتا ہے:

☆میثاق مدینہ –رسول اللہ ﷺ نے مدینہ پہونچ کر چند انسانی اور سماجی بنیادوں پر مدینہ کے قبائل سے معاہدہ فرمایا جن میں شدت پسند یہود بھی شامل تھے، قصہ معروف ہے۔

☆ صلح حدیبیہ کا واقعہ بھی اس سلسلے میں بڑا مستدل ہے جس میں حضور ﷺ نے مکہ اور اطراف کے قبائل سے معاہدہ فرمایا، اور قرآن کریم نے اسے فتح مبین قرار دیا۔

☆حضور ﷺ نے مختلف مواقع پر بنو نظیر، بنو قینقاع، اور بنو قریظہ وغیرہ سے معاہدات فرمائے [630]

☆ قرآن کی نگاہ میں غیر مسلموں سے زیادہ قربت پسندیدہ نہیں ہے الا یہ کہ دفع ضرر کے لئے یہ قربت اختیار کی جائے یعنی قربت مسلمانوں کے قومی مفاد میں ہو تو گنجائش ہے، دیکھئے آیت کریمہ:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّاأَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ [631]

☆اکثر فقہاء نے غیر مسلموں سے سیاسی اتحاد کو مسلمانوں کے عمومی مفاد کے ساتھ مشروط قرار دیا ہے:

وَإِذَارَأَى الْإِمَامُ أَنْ يُصَالِحَ أَهْلَ الْحَرْبِ أَوْ فَرِيقًا مِنْهُمْ وَكَانَ فِي ذَلِكَ مَصْلَحَةٌ لِلْمُسْلِمِينَ فَلَا بَأْسَ بِهِ [632]

اگر ملک میں مختلف سیاسی جماعتیں ہوں تو ترجیح ان جماعتوں کو دی جانی چاہئے جو اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے معتدل اور روادارانہ خیالات کی حامل ہوں، اور اسلامی عقائد و نظریات سے ان کے

------ حواشی --

630 - احکام القرآن ج۳ص۸۶، الوثائق السیاسیۃ ڈاکٹر محمد حمید اللہ حیدرآبادیؒ: ص۲۷۳-۲۷۴

631- آل عمران :۲۸

632 - الهداية شرح بداية المبتدي ج ٢ ص ١٣٨ أبي الحسن علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الرشداني المرغياني سنة الولادة 511هـ/ سنة الوفاة 593هـ الناشر المكتبة الإسلامية

خیالات متصادم نہ ہوں، ان کے مقابلے میں ایسی جماعت کے ساتھ اتحاد کرنا ہرگز جائز نہ ہو گا جو اسلام اور مسلمانوں کے بارے سخت گیر اور متشددانہ نظریات رکھتی ہو، البتہ سخت جماعت اگر اپنے سیاسی منشور سے مسلمانوں سے متصادم نظریات خارج کرنے اور صرف مشترکہ مسائل پر اتحاد کے لئے آمادہ ہو اور ملک میں کوئی نسبتاً اعتدال پسند جماعت موجود نہ ہو اور اس کے ساتھ اشتراک کئے بغیر مسلمانوں کے سیاسی یا سماجی استحکام کی کوئی صورت موجود نہ ہو، مسلمانوں کا اس کے ساتھ اشتراک بحیثیت مذہب اس کے فروغ کا باعث نہ بنے، نیز مسلمانوں کے قومی اور ملی وقار پر کوئی آنچ نہ آئے تو ایسی جماعت سے بھی سیاسی تعاون عمل کی بدرجۂ مجبوری گنجائش ہو گی، اس کا مأخذ وہ آیت کریمہ ہے جس میں اہل کتاب کو مشترکہ بنیادوں پر اتحاد کی دعوت دی گئی ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الآية[633]

ترجمہ: ”اے اہلِ کتاب آؤ ایک ایسی بنیاد پر جمع ہو جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے“۔

جبکہ ان میں یہود بھی تھے، اور یہود کی اسلام دشمنی پر خود قرآن نے مہر لگا دی ہے۔

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا الآية[634]

ترجمہ: ”یقیناً تم کو (عملی زندگی میں) مسلمانوں کے سب سے بدترین دشمن یہود اور مشرکین ملیں گے“۔

اس کے باوجود خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو میثاق مدینہ میں شامل فرمایا، گو کہ مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ایک بالادست قوت کی تھی، لیکن کتاب اللہ کے عموم سے حالت مغلوبی میں بھی اس سے استفادہ کی گنجائش ہے، بشرطیکہ مسلمان کم از کم مساوی حصہ دار کی حیثیت سے ان کے ساتھ شریک ہوں اور مذکورہ بالا شرائط کی تکمیل ہوتی ہو۔

------ حواشی ------

633 - آل عمران: ٦٤

634 - المائدۃ: ٨٢)

سیاسی اتحاد کے لئے مسلمانوں کے غلبہ کی قید ضروری نہیں

ایک خیال یہ ہے کہ اتحاد کے جواز کے لئے غلبہ کی قید ضروری ہے، یعنی اگر مسلمان حالت مغلوبی میں کسی طاقتور سیاسی جماعت کے ساتھ اتحاد کریں یا مذاکرات کی میز پر بیٹھیں تو یہ جائز نہیں، بلکہ اس صورت میں مساویانہ حیثیت سے بھی اتحاد ناجائز ہے، کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کی توہین ہے۔۔۔۔۔ نیز یہ اس حدیث کے خلاف ہے:

"الاسلام یعلو ولا یعلیٰ "[635]

ترجمہ: اسلام ہمیشہ سر بلند رہتا ہے اس پر کسی کو برتری حاصل نہیں ہو سکتی۔

متعدد فقہی عبارات سے بھی اس موقف کی تائید ہوتی ہے جن میں کفار سے استعانت کو غلبۂ اسلام و مسلمین کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے، مثلاً:

اذاکان حکم الاسلام ھوالظاہر الغالب الخ[636]

بلاشبہ ہمارے فقہاء کا یہ معروف نظریہ ہے جو تقریباً تمام کتب فقہ میں مذکور ہے حالانکہ فقہاء نے اضطرار اور ضرورت کی صورتوں کا استثنا کیا ہے[637]۔

لیکن اس فقہی نظریہ کے تعلق سے ہمیں چند بنیادی باتوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے:

☆ اولاً- قبائلی یا بین الاقوامی تعلقات و معاہدات کے بارے میں یہ جزئیات غلبۂ اسلام کے زمانہ میں دائرۂ تحریر میں آئیں جب مسلمان کسی ایک ملک میں نہیں بلکہ ساری دنیا میں سب سے بڑی عالمی طاقت تصور کئے جاتے تھے۔۔۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء اپنی تعبیرات میں غیر مسلم اقوام سے مدد لینے کو

------ حواشی--

635 - سنن البيهقي الكبرى ج 6 ص 205 حديث نمبر :11935 المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكرالبيهقي الناشر:مكتبةدارالباز-مكة المكرمة ، 1414 – 1994 تحقيق : محمد عبد القادر عطا عدد الأجزاء :10

636 - مبسوط للسرخسیؒ ج۱۰ ص۱۳۸

637 - بدائع الصنائع للکاسانیؒ ج۷ ص ۱۰۱

کتوں تک سے تشبیہ دینے سے بھی نہیں ہچکچاتے تھے[638] اس لئے اس وقت آج کی مشکلات کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا، اور نہ اس وقت کی تمام جزئیات کو من وعن آج منطبق کیا جاسکتا ہے،۔۔۔اس لئے فقہاء نے جو اضطرار کی اصطلاح استعمال کی ہے اس میں تھوڑی توسیع کر کے ضرورت کو بھی اس میں شامل کیا جانا چاہئے۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاء حنفیہ نے اس کو بالکلیہ شجر ممنوعہ قرار نہیں دیا ہے، بلکہ مشکل حالات میں بدرجۂ مجبوری غلبہ کی شرط کے بغیر بھی غیر مسلموں سے استعانت کی بکراہت گنجائش دی ہے، کراہت کی تعبیر ظاہر کرتی ہے کہ اگر قوم اجتماعی وجود وبقا کی کشمکش سے دوچار ہو تو یہ کراہت قابل تحمل ہے:

والذي روي أن النبي صلى الله عليه وسلم يوم أحد رأى كتيبة حسناء قال :من هؤلاء فقيل : يهود بني فلان حلفاء ابن أبي فقال : إنا لا نستعين بمن ليس على ديننا تأويله أنهم كانوا أهل منعة وكانوا لا يقاتلون تحت راية رسول الله صلى الله عليه وسلم وعندنا إذا كانوا بهذه الصفة فإنه يكره الاستعانة بهم[639]

☆ثانیاً-اس مسئلہ پر ہمارے لئے زیادہ مرکز توجہ وہ ہدایات وواقعات ہیں جو مسلمانوں کے عہد غلبہ کی نہیں بلکہ عہد مغلوبیت کی نمائندگی کرتے ہیں، مثلاً:

☆حلف الفضول جس میں نبی کریم ﷺ نے قبل از بعثت شرکت فرمائی، اور جس کی تحسین کرتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

لو دعیت بہ لاجبت[640]

ظاہر ہے کہ اس معاہدہ میں تمام قبائل نے مساویانہ شرکت کی تھی، کسی فریق کو بالادستی حاصل نہیں تھی، حضور ﷺ اس مساویانہ شرکت کی دعوت قبول کرنے پر آمادہ ہیں۔

☆اسی طرح صلح حدیبیہ مسلمانوں کی طرف سے بظاہر ایک مغلوبانہ مصالحت تھی، لیکن

------ حواشی--

638 ۔مبسوط للسرخسیؒ ج۱۰ص۱۳۸

639 ۔ شرح السير الكبير للسرخسی ج ۴ ص ۱۹۷

640 ۔طبقات ابن سعد ج۱ص۱۰۷

مسلمانوں کے سامنے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں تھا اور یہ صلح برائے صلح نہیں بلکہ اس میں بہت سی ایسی اقدامی دفعات بھی تھیں جو فتح مبین کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔

☆مسلمانوں کے قیام حبشہ کے دوران نجاشی کے خلاف ایک بغاوت کی استیصالی مہم میں رفقاء صحابہ کے مشورہ سے حضرت زبیرؓ نے شرکت فرمائی، جس کی وجہ سے مؤرخین کے مطابق نجاشی کی نگاہ میں ان کی وقعت کافی بڑھ گئی تھی، یہ بجائے خود ایک بہت بڑی بنیاد ہے،۔۔۔علاوہ ازیں اس واقعہ کی سب سے مستند اور چشم دید راوی ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ ہیں جو اس وقت حضرت ابو سلمہؓ کے نکاح میں تھیں، وہ مسلمانوں کے مشکل حالات کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ اس قدر غم انگیز اور مشکل لمحہ کبھی ہماری زندگی میں نہیں آیا، ہمیں اس بات کا اندیشہ تھا کہ حبشہ کا نیا سربراہ نہ معلوم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے ،یعنی ہماری جماعتی زندگی کے وجود وبقا کا سوال تھا[641]

حضرت ام سلمہؓ ان غم انگیز لمحات کو کبھی فراموش نہ کر سکیں ،ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی زوجیت میں جانے بعد انہوں نے اس واقعہ کا ذکر آپ ﷺ سے ضرور کیا ہو گا، وہ اس واقعہ کو حضور ﷺ کی نکیر کے بغیر نقل کرتی ہیں، جو اس کے استناد میں اضافہ کرتا ہے

☆فقہاء نے اس واقعہ کے تحت دو احتمالات کا ذکر کیا ہے:

۱- ممکن ہے نجاشی اس وقت تک مسلمان ہو چکا ہو۔

۲-دوسرا احتمال یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہا ہو، یعنی مسلمانوں نے یہ فیصلہ انتہائی مشکل حالات میں کیا ہو، اور یہ نکتہ فقہاء نے بجاطور پر حضرت ام سلمہؓ کے مذکورہ بالا بیان سے سمجھا ہے:

فبظاهر هذا الحديث يستدل من يجوز قتال المسلمين مع المشركين تحت رايتهم و لكن تأويل هذا من وجهين عندنا أحدهما : أن النجاشي كان مسلماً يومئذ كما روي فلهذا استحل الزبير القتال معه .والثاني : أنه لم

------ حواشی---

641 - الروض الأنف ج2 ص 114 المؤلف : أبو القاسم عبد الرحمن بن عبد الله بن أحمد السهيلي (المتوفى : 581هـ)

يكن للمسلمين يومئذ ملجأ غيره على ما روي عن أم سلمة رضي الله تعالى عنها قالت : لما اطمأننا بأرض الحبشة فكنا في خير دار عند خير جارنعبدربناإلى أن سارإلى النجاشي عدوله فمانزل بناقط أمرعظيم منه[642]

☆حضرت یوسفؑ کی سنت تو بہت معروف ہے، کہ انہوں نے فرعون کی بالا دستی میں کام کرنے کو قبول فرمایا جس کو قرآن نے بلا نکیر نقل کیا ہے، علامہ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:

وکذلک یوسف الصدیق کان نائباً لفرعون مصر وھووقومہ مشرکون وفعل من العدل والخیر ماقدر علیہ[643]

☆دراصل فقہ اسلامی کے بہت سے قوانین زمانۂ قوت سے وابستہ ہیں جبکہ کئی قوانین زمانۂ ضعف کے لئے ہیں، اگر کسی ایک زمانہ کے قانون کو دوسرے زمانہ کے پس منظر میں دیکھا جائے گا تو یقیناً دشواریاں اور غلط فہمیاں پیدا ہونگی، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ غزوۂ احزاب کے موقعہ پر مسلمانوں کی کمزوری دیکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے قبیلۂ غطفان سے مدینہ کی ایک تہائی پیداوار دینے کا معاہدہ فرمایا، جو حملہ آور کفر کی طاقت کو توڑنے کے لئے بظاہر ایک مغلوبانہ حکمت عملی تھی، لیکن صحابہ (حضرت سعد بن عبادہؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ) نے جب اپنی قوت وعزیمت کا یقین دلایا تو حضور ﷺ نے یہ معاہدہ منسوخ فرمادیا[644]

شرح السیر الکبیر میں ہے:

وقد هم رسول الله صلى الله عليه وسلم بذلك حين أحس الضعف ببعض المسلمين يوم الخندق فلما أحس بهم القوة كما قاله السعدان رضي الله عنهماامتنع منه فصارذلك اصلاًفي الجوازعندالخوف على ذراري المسلمين[645]

------ حواشی--

[642] - **شرح السير الكبير للسرخسي ج ۴ ص ۱۹۷**

[643] - وظیفۃ الحکومۃ الاسلامیۃ ص ۱۳

[644] - طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۵۲، ۵۳

[645] -**شرح السير الكبير للسرخسي ج ۴ ص ۱۳۳**

مذاکرات میں اگر خواتین نمائندے بھی شریک ہوں

(۸) دوسرے اہل مذاہب سے مذاکرات کے وقت اگر نمائندگی کے لئے خواتین شریک ہوں، یا اسٹیج پر بحیثیت مقرر موجود ہوں، تو مسلمانوں کی مذہبی نمائندگی کرنے والوں کو کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے ؟ یہ اس دور کا بہت حساس مسئلہ ہے اس لئے کہ بے پردگی اور صنفی اختلاط کے اس دور میں اکثر اہل مذاہب نے پردہ کو اپنے نظام سے خارج کر دیا ہے، یہ مسلمانوں کے لئے بہت آزمائشی مقام ہے، خاص طور پر مذہبی طبقہ کے لئے، اس لئے کہ اس کا ہر عمل مذہب کے آئینے میں دیکھا جائے گا، اور وہ مسلمانوں کے لئے بھی نمونۂ عمل بنے گا اور دوسروں کے لئے بھی مثال،۔۔۔اس معاملے میں میرا اپنا خیال یہ ہے کہ کم از کم مسلمانوں کو اس معاملے میں سپر انداز نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ قرآن وحدیث اور خیر القرون میں کہیں بے پردہ سیاست یا بے پردہ مذاکرات کی کوئی مثال ہمیں نظر نہیں آتی، یہ موجودہ زمانے کا فتنہ ہے، مذاکرات کی خاطر اسلام کے مذہبی تصورات اور معروف نظریات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، میری رائے میں ایسی مجالس میں مسلمانوں کے مذہبی طبقہ کو ہرگز شرکت نہیں کرنی چاہئے، اس لئے کہ یہ معصیت کے ساتھ اشتراک ہوگا، اور معصیت والی محفلوں میں مذہبی قائدین کا اختیار ورضا کے ساتھ شریک ہونا مناسب نہیں ،اس سلسلے میں بعض آیات واحادیث اور آثار سلف سے استیناس کیا جا سکتا ہے:

قرآن کریم میں اللہ والوں کی صفات بیان کی گئی ہے:

وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا[646]

ترجمہ: یہ جھوٹ کی جگہوں پر نہیں جاتے، اور جب کسی لغو چیز کے پاس سے گذرتے ہیں تو شریفانہ گذر جاتے ہیں، (یعنی اس کی طرف رخ بھی نہیں کرتے)۔

الزور کی تفسیر مفسرین نے شرک یا فسق وفجور کے مقامات سے کی ہے، محمد بن حنفیہ نے لہو ولعب

------ حواشی--

646 - الفرقان :72

کی محفلوں کو اس کا مصداق قرار دیا ہے[647]

قرآن کریم میں ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَافَلَاتَقْعُدُوامَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُوافِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذَامِثْلُهُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا [648]

ترجمہ: اللہ پاک نے تم پر کتاب میں نازل کیا ہے جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر واستہزاء کیا جارہا ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو، جب تک کہ وہ دوسری بات نہ شروع کردیں، ورنہ تم انہی کے مثل ہو جاؤ گے، بے شک اللہ پاک منافقوں اور کافروں کو جہنم میں جمع کرنے والے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے منقول ہے کہ اس میں ہر بدعت اور منکر شامل ہے یعنی مسلمانوں کو بدعات ومنکرات والی مجالس میں بیٹھنا درست نہیں[649]

☆ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ ایک محفل کے پاس سے گذرے، جہاں لہو لعب کا بازار گرم تھا تو خاموشی سے گذر گئے، اور اس کی طرف رخ بھی نہ کیا، اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لقد أصبح ابن مسعود وأمسى كريما"[650]

------ حواشی --

647 - تفسير القرآن العظيم ج ٦ ص ١٣٠ المؤلف : أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى : 774هـ) المحقق : سامي بن محمد سلامة الناشر : دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة : الثانية 1420هـ - 1999 م عدد الأجزاء : 8)

648 - النساء :140)

649 - لباب التأويل في معاني التنزيل ج ٢ ص ١٩٤المؤلف : علاء الدين علي بن محمد بن إبراهيم بن عمر الشيحي أبو الحسن ، المعروف بالخازن (المتوفى : 741هـ)

650 - ورواه ابن عساكركما في المختصرلابن منظور (55/14) من طريق ابراهيم بن ميسرة به.بحوالہ : تفسير القرآن العظيم ج ٦ ص ١٣٠ المؤلف : أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى : 774هـ) المحقق : سامي بن محمد سلامة الناشر : دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة : الثانية 1420هـ - 1999 م عدد

ترجمہ: ابن مسعود کی صبح بھی کریم اور شام بھی کریم ہے۔

☆اللہ کے رسول ﷺ نے ایسے دستر خوان پر شرکت سے منع فرمایا جہاں شراب کا دور چل رہا ہو:

ومن كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يجلس على مائدة يدار عليها الخمر ،قال أبو عيسى هذا حديث حسن غريب لانعرفه من حديث طاووس عن جابر إلا من هذا الوجه قال محمد بن إسماعيل ليث بن أبي سليم صدوق وربما يهم في الشيء قال محمد بن إسماعيل وقال أحمد بن حنبل ليث لا يفرح بحديثه كان ليث يرفع أشياء لا يرفعها غيره فلذلك ضعفوه قال الشيخ الألباني:حسن[651]

ترجمہ: جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے وہ ایسے دستر خوان پر نہ بیٹھے جہاں شراب کی گردش ہو رہی ہو۔

عن علي قال صنعت طعاما فدعوت رسول الله صلى الله عليه و سلم فجاء فرأى في البيت تصاوير فرجع.[652]

حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی اور کھانے کا انتظام کیا، لیکن آپ نے میرے گھر میں تصاویر دیکھیں تو واپس لوٹ گئے۔

عن نافع عن أسلم أن عمر حين قدم الشام صنع له رجل من النصارى طعاماوقال لعمر إني أحب أن تجيئني وتكرمني أنت وأصحابك وهو رجل

------ حواشی--

الأجزاء : 8 ، جامع البيان في تأويل القرآن ج ١٩ ص ٣١٦المؤلف : محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري (المتوفى : 310هـ)المحقق : أحمد محمد شاكرالناشر : مؤسسة الرسالة الطبعة : الأولى ، 1420 هـ – 2000 م عدد الأجزاء : 24)

[651] -(الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ٥ ص ١١٣ المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر :دارإحياء التراث العربي – بيروت تحقيق : أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء : 5

[652] -سنن ابن ماجه ج ٢ ص ١١١٤حديث نمبر : ٣٣٥٩ المؤلف : محمد بن يزيد أبو عبدالله القزويني الناشر : دار الفكر – بيروت تحقيق : محمد فؤاد عبد الباقي عدد الأجزاء : 2 مع الكتاب : تعليق محمد فؤاد عبد الباقي)

من عظماء النصارى فقال عمر إنا لا ندخل كنائسكم من أجل الصورالتي فيها يعني التماثيل[653]

ترجمہ: حضرت نافع اسلم کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ شام تشریف لے گئے تو ایک معروف اور معزز نصرانی نے کھانے کی دعوت دی، اور اس نے آپ سے خواہش ظاہر کی کہ آپ ہمارے عبادت خانہ تشریف لاکر ہمیں عزت بخشیں ،حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ تمہارے عبادت خانوں میں تصاویر ہوتی ہیں اس لئے ہم وہاں حاضر نہیں ہوسکتے۔

ان آیات وروایات اور آثار سلف کی روشنی میں غیر شرعی مجالس میں اپنے اختیار ورضا سے بیٹھنے کا کوئی جواز نظر نہیں آتا، البتہ علامہ خازنؒ نے آیت استہزاء کے تحت علماء کا فتویٰ نقل کیا ہے، جس سے مجبوری کی صورت میں منکرات والی مجلسوں میں بادل ناخواستہ شرکت کی گنجائش دی گئی ہے، بشرطیکہ خود کسی منکر کا مرتکب نہ ہو:

قال العلماء و هذا يدل على أن من رضي بالكفر فهو كافر ومن رضي بمنكر أو خالط أهله كان في الإثم بمنزلتهم إذا رضي له وإن لم يباشره فإن جلس إليهم ، ولم يرض بفعلهم بل كان ساخط له وإنما جلس على سبيل التقية و الخوف فالأمر فيه أهون من المجالسة مع الرضا وإن جلس مع صاحب بدعة أو منكر ولم يخض في بدعته أو منكره فيجوز الجلوس معه مع الكراهة وقيل لا يجوز بحال والأول أصح[654]

ترجمہ: علماء نے کہا ہے کہ جو کفر پر راضی ہو وہ کافر ہے اور جو منکر پر راضی ہو اور ایسے

------ حواشی--

[653] - مصنف عبد الرزاق ج ۱ ص ۴۱۱ حدیث نمبر ۱۶۱۱ المؤلف : أبو بكر عبد الرزاق بن همام الصنعاني الناشر : المكتب الإسلامي – بيروت الطبعة الثانية ، 1403 تحقيق : حبيب الرحمن الأعظمي عدد الأجزاء : 11)

[654] - لباب التأويل في معاني التنزيل ج ۲ ص ۱۹۴ المؤلف : علاء الدين علي بن محمد بن إبراهيم بن عمر الشيحي أبو الحسن ، المعروف بالخازن (المتوفى : 741هـ)

لوگوں کے ساتھ میل جول رکھے، تو گناہ میں دونوں برابر ہیں، اگر چیکہ خود گناہ کا ارتکاب نہ کرے، البتہ اگر ان کے اعمال سے راضی نہ ہو اور محض خوف یا کسی اندیشہ کی بنا پر ان کے ساتھ بیٹھ گیا ہو تو معاملہ رضامندی والوں کی بہ نسبت آسان ہے، ایسی حالت میں اہل بدعت یا اہل منکر کے ساتھ بیٹھنا کراہت کے ساتھ درست ہے بشرطیکہ خود منکر کا مرتکب نہ ہو، جبکہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ کسی حال میں ان کے ساتھ نشست جائز نہیں، مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

لیکن قائدین اور علماء کے لئے قباحت پھر بھی برقرار رہے گی، اس لئے کہ اس سے ساری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے غلط پیغام جائے گا، اس سلسلے میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کا طرز عمل ایک بہترین نمونہ ہے، جس کا تذکرہ ہماری تمام کتب فقہ میں ہے، ہمارے مذہبی طبقے کو اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، اس میں بڑے منافع ہیں، علامہ کاسانیؒ وغیرہ کئی فقہاء حنفیہ نے لکھا ہے کہ مجلس خیر (مثلاً ولیمہ، جنازہ وغیرہ) میں بھی اگر شر کی آمیزش ہو جائے تو بڑی شخصیت کو جو اس پر اثر انداز ہو سکتی ہو اس میں اصلاح کے ارادے سے ضرور شرکت کرنی چاہئے، مگر وہ قائدین جو اصلاح کی قدرت نہ رکھتے ہوں ان کا شریک ہونا درست نہیں البتہ عام لوگ دل کی ناپسندیدگی کے ساتھ شریک ہو سکتے ہیں، مگر شریک نہ ہونا بہتر ہے، اور یہ حکم اس وقت ہے جب پہلے سے معلوم نہ ہو، اگر معلوم ہو تو شرکت نہیں کرنی چاہئے، خاص طور پر علماء اور فقہاء کو بہت احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔ ہماری اکثر کتابوں میں یہ عبارت تھوڑے فرق کے ساتھ موجود ہے:

هذا إِذَا لم يَعْلَمْ بِهِ حتى دخل فَإِنْ عَلِمَهُ قبل الدُّخُولِ يَرْجِعْ وَلَا يَدْخُلُ وَقِيلَ هذا إِذَا لم يَكُنْ إِمَامًا يقتدي بِهِ فَإِنْ كان لَا يَمْكُثُ بَلْ يَخْرُجُ لِأَنَّ في الْمُكْثِ اسْتِخْفَافًا بِالْعِلْمِ وَالدِّينِ وَتَجْرِئَةً لِأَهْلِ الْفِسْقِ على الْفِسْقِ وَ هَذَا لَا يَجُوزُ وَصَبْرُأَبِي حَنِيفَةَرَحِمَهُ اللهُ مَحْمُولٌ على وَقْتٍ لم يَصِرْفيه مُقْتَدًى بِهِ

على الْإِطْلَاقِ وَلَوْ صَارَ لَما صَبَرَ[655]

ترجمہ: یہ تفصیل اس وقت ہے جب پہلے سے معلوم نہ ہو لیکن معلوم ہو تو شریک نہ ہو، بعض لوگوں نے کہا ہے یہ اس وقت ہے جب وہ مقتدیٰ نہ ہو، لیکن اگر مقتدا اور امام ہو تو ایسی مجلسوں میں بالکل نہ ٹھہرے، اس لئے کہ اس سے علم اور دین کی توہین اور فاسقوں کی حوصلہ افزائی ہوگی جو جائز نہیں، اور امام صاحبؒ کا واقعہ ان کے مقتدیٰ بننے سے پہلے کا ہے، ورنہ وہ صبر نہ کرتے۔

رَجُلٌ دُعِيَ إلَى وَلِيمَةٍ أَوْ طَعَامٍ وَهُنَاكَ لَعِبٌ أَوْ غِنَاءٌ جُمْلَةُ الْكَلَامِ فِيهِ أَنَّ هَذَافِي الْأَصْلِ لَا يَخْلُو مِنْ أَحَدِ وَجْهَيْنِ إمَّا أَنْ يَكُونَ عَالِمًا أَنَّ هُنَاكَ ذَاكَ وَإِمَّا إنْ لَمْ يَكُنْ عَالِمًابِهِ فَإِنْ كَانَ عَالِمًا فَإِنْ كَانَ مِنْ غَالِبِ رَأْيِهِ أَنَّهُ يُمْكِنُهُ التَّغْيِيرُيُجِيبُ لِأَنَّ إجَابَةَالدَّعْوَى مَسْنُونَةٌ قَالَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ الصَّلَاةُوَالسَّلَامُ {إذَا دُعِيَ أَحَدُكُمْ إلَى وَلِيمَةٍ فَلْيَأْتِهَا } وَتَغْيِيرُ الْمُنْكَرِ مَفْرُوضٌ فَكَانَ فِي الْإِجَابَةِإقَامَةُالْفَرْضِ وَ مُرَاعَاةُ السُّنَّةِ وَإِنْ كَانَ فِي غَالِبِ رَأْيِهِ أَنَّهُ لَا يُمْكِنُهُ التَّغْيِيرُ لَا بَأْسَ بِالْإِجَابَةِ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ إجَابَةَ الدَّعْوَةِ مَسْنُونَةٌ وَلَا تُتْرَكُ السُّنَّةُلِمَعْصِيَةٍتُوجَدُمِنْ الْغَيْرِ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَايُتْرَكُ تَشْيِيعُ الْجَنَازَةِ وَشُهُودُ الْمَأْتَمِ وَإِنْ كَانَ هُنَاكَ مَعْصِيَةٌ مِنْ النِّيَاحَةِ وَشَقِّ الْجُيُوبِ وَنَحْوِ ذَلِكَ ؟ كَذَا هَهُنَا .وَقِيلَ هَذَا إذَا كَانَ الْمَدْعُوُّ إمَامًا يُقْتَدَى بِهِ بِحَيْثُ يُحْتَرَمُ وَيُحْتَشَمُ مِنْهُ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ فَتَرْكُ الْإِجَابَةِ وَالْقُعُودِ عَنْهَا أَوْلَى وَإِنْ لَمْ يَكُنْ عَالِمًا حَتَّى ذَهَبَ فَوَجَدَ هُنَاكَ لَعِبًاأَوْغِنَاءً فَإِنْ أَمْكَنَهُ التَّغْيِيرُ غَيَّرَ وَإِنْ لَمْ يُمْكِنْهُ ذَكَرَ فِي الْكِتَابِ وَقَالَ لَا بَأْسَ بِأَنْ يَقْعُدَ وَيَأْكُلَ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ رَضِيَ

------ حواشی---

[655] - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ٥ ص ١٢٨ علاء الدين الكاساني سنة الولادة / سنة الوفاة 587 الناشر دار الكتاب العربي سنة النشر 1982 مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 7، تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ج ٦ ص ١٣ فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي الحنفي. الناشر دار الكتب الإسلامي. سنة النشر 1313هـ. مكان النشر القاهرة. عدد الأجزاء 6*3)

اللَّهُ عَنْهُ أُبْتُلِيت بِهَذَا مَرَّةً لِمَا ذَكَرْنَاأَنَّ إجَابَةَ الدَّعْوَةِ أَمْرٌ مَنْدُوبٌ إلَيْهِ فَلَا يُتْرَكُ لِأَجْلِ مَعْصِيَةٍ تُوجَدُ مِنْ الْغَيْرِ هَذَاهذا إذَا لم يَعْلَمْ بِهِ حتى دخل فَإِنْ عَلِمَهُ قبل الدُّخُولِ يَرْجِعْ وَلَايَدْخُلُ وَقِيلَ هذا إذَا لم يَكُنْ إمَامًا يقتدي بِهِ فَإِنْ كان لَا يَمْكُثُ بَلْ يَخْرُجُ لِأَنَّ في الْمُكْثِ اسْتِخْفَافًابِالْعِلْمِ وَالدِّينِ وَتَجْرِئَةً لِأَهْلِ الْفِسْقِ على الْفِسْقِ وَهَذَالَايَجُوزُ وَصَبْرُ أبي حَنِيفَةَ رَحِمَهُ اللَّهُ مَحْمُولٌ على وَقْتٍ لم يَصِرْ فيه مُقْتَدًى بِهِ على الْإِطْلَاقِ وَلَوْ صَارَ لَمَا صَبَرَ[656]

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

۱- مذہبی، سماجی اور سیاسی بنیادوں پر بین مذہبی مذاکرات کئے جاسکتے ہیں، بشرطیکہ ان مذاکرات سے مسلمانوں کے مذہبی تصورات وعقائد متاثر نہ ہوں، اوران کورواداری، پر امن بقاء باہم، دعوت دین، غلط فہمیوں کے ازالہ اور سماجی وسیاسی مشکلات کے حل کے لئے استعمال کیا جائے۔

۲- مختلف مذاہب کے درمیان بعض قدریں مشترک ہیں، اس لئے مفید مقاصد کے لئے دیگر مذاہب کی کتابوں سے استفادہ اور حوالہ کی گنجائش ہے۔

۳- دیگر اہل مذاہب کے مذہبی رسوم واعمال میں شرکت جائز نہیں ہے۔

۴- ہم آہنگی برقرار رکھنے اور فتنہ وفساد سے بچنے کے لئے عام حالات میں ایسے مباح اعمال سے دستبردار ہونا درست نہیں، جو مسلمانوں کی متوارث تہذیب کا حصہ ہیں۔

۵- عقیدۂ توحید ورسالت اقوام عالم کے سامنے پیش کرنا اور جملہ کفر وشرک کے رسوم واعمال سے براءت کا اظہار کرنا مسلمانوں کا دینی فریضہ ہے، البتہ اس بات کی

------ حواشی--

[656] -بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۵ ص ۱۲۸، تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق ج ۶ص ۱۳

پوری کوشش کی جائے، کہ اظہار براءت کے ایسے طریقے اوراسالیب اختیار نہ کئے جائیں، جن سے دیگر اہل مذاہب کی دل آزاری ہو۔

٦- صحتمند انسانی معاشرہ کی تشکیل کے لئے مشترکہ سماجی مسائل جیسے غربت، کرپشن (بدعنوانی)، بے حیائی، عورتوں، مزدوروں اور سن رسیدہ افراد کے ساتھ زیادتی وغیرہ پر مختلف اہل مذاہب کے ساتھ مذاکرات وقت کی اہم ضرورت ہیں اور مسلمانوں کو اس میں حصہ لینا چاہئے۔

٧- مسلمانوں کے دینی، قومی اوراجتماعی مفادات کے تحفظ کے لئے مختلف سیاسی جماعتوں، مذہبی تنظیموں اور شخصیات کے ساتھ بہ وقت ضرورت شرعی اصولوں کی رعایت کرتے ہوئے مذاکرات کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے[657]۔

------ حواشی--

[657] - جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے حصہ اول، ص ۳۳۸،۳۳۹

بین الاقوامی تعلقات-معیار اور ہدایات

(اسلامی سیاست خارجہ)[658]

ملکوں اور قوموں کے باہم رابطے کا نام خارجہ سیاست ہے اور یہ کوئی نئی چیز نہیں، ریکارڈ شدہ انسانی تاریخ سات ہزار سال قدیم ہے اسی وقت سے اقوام اور ممالک تعلقات کے اس وسیع دائرے میں شرکت کرتے رہے ہیں جن کو رسمی یا غیر رسمی سرکاری یا غیر سرکاری منظم یا غیر منظم اور ہدایت یافتہ یا غیر ہدایت یافتہ جیسے مختلف عنوانوں کے تحت بیان کیا جاسکتا ہے۔

البتہ پچھلے دور کے حالات پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات کیلئے اس وقت کے حکمرانوں کے پاس کوئی منظم دستور نہیں تھا، کوئی ضابطۂ اخلاق نہیں تھا اور رابطے کیلئے کسی بنیاد کا کوئی تصور نہیں تھا، حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اسلام نے جس طرح دنیا کے تمام الجھے ہوئے مسئلوں کو حل کیا اس اہم اور بین الاقوامی مسئلے کا حل بھی پہلی بار اسی نے پیش کیا اس کی تصدیق آپ اس وقت کر سکیں گے جب قبل از اسلام دنیا کے حالات اور ریاستوں کے باہمی تعلقات کی صورت حال پر نظر ڈالیں گے پھر آپ محسوس کریں گے کہ ان کے درمیان اسلام اور پیغمبر اسلام کا رول کیا رہا؟

اسلام سے قبل دنیا کی سیاسی صورت حال

اسلام سے قبل عرب میں کوئی مرکزی طاقت نہیں تھی، ملک جنگجو قبائل میں بٹا ہوا تھا، عرب جہالت کی پستیوں میں جا چکے تھے، ذہنی اور اخلاقی انحطاط کا یہ عالم تھا کہ زنا کو فخریہ بیان کیا جاتا تھا، شراب نوشی اور قمار بازی ان کی گھٹیوں میں بس چکی تھی، لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیا جاتا تھا، کہانت اور توہمات کو حقیقت کا درجہ دے دیا گیا تھا اور عصمت اور عفت کا کوئی تصور نہیں تھا۔۔۔۔۔ بین الاقوامی طور پر سیاسی

------ حواشی--

658 - تحریر بمقام دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد، بتاریخ ۲۳/ جولائی ۲۰۰۱ء

پوزیشن یہ تھی کہ باز نطینوں اور ایرانیوں کی نظر میں عرب ایک وحشی قوم تھی ،رومی مؤرخین ان کو natio perpiciosa کہتے تھے، یہ نہ دوستی کے لائق تھے اور نہ دشمنی کے، رومیوں اور ایرانیوں نے عرب پر صرف اس لئے کبھی حملہ نہیں کیا کہ انہیں وہاں سے کچھ حاصل ہونے کی امید نہ تھی۔

یہ تو عرب کی صورت حال تھی پڑوسی ممالک میں ایک قدیم ترین مملکت یمن کی تھی، کبھی اس کا دارالحکومت ماریب ہوا کرتا تھا، جو جزیرہ نما عرب کے انتہائی جنوب میں واقع تھا، لیکن ایک قیامت خیز سیلاب کے بعد صنعاء کی تعمیر کی گئی، جہاں ابرہہ نے خانۂ کعبہ کے نعم البدل کے طور پر ایک عظیم الشان عبادت خانے کی بنیاد ڈالی، یمن کے بادشاہوں کو صدیوں تک "توبا" کے لقب سے یاد کیا جاتا رہا، یہ ایک افریقی لفظ ہے جس کے معنی طاقت ور کے ہیں۔

شمال مشرق میں "حرا" کی بادشاہت تھی یہ وقتاً فوقتاً ایران کی اطاعت کا دم بھرتے رہے، عرب کے شمال مغرب میں ایک تیسری سلطنت غسان کی تھی، یہ بھی بہت قدیم تھی، پانچ چھ سو سال پرانی یہ ریاست اپنے طاقتور پڑوسیوں کے ساتھ تعلقات رکھنے کی کوشش کرتی تھی، مگر ان تعلقات کی بنیاد حقیقت پر نہیں بلکہ محض رسم اور دکھاوے پر تھی، عرب کے پڑوس ہی میں رومی سلطنت تھی جو اپنے مشرقی اور مغربی کروں میں زوال پذیر ہو رہی تھی، ایک طرف باز نطینی صناعوں نے ایسے مضبوط گودام تعمیر کر رکھے تھے، جہاں سامان حرب کے ڈھیر لگے ہوئے تھے، جہازوں، منجنیقوں اور مضبوط قلعوں کی کمی نہ تھی، لیکن ان ہتھیاروں کا مؤثر استعمال کرنے والے افراد موجود نہ تھے، حکومت پر ایسے لوگ مسلط تھے، جو اخلاقی سطح سے انتہائی فروتر تھے، قومی ہمدردی کے جذبے سے وہ عاری تھے، انتہائی متکبر اور عیش پرست تھے، اسی کا نتیجہ تھا کہ قوم کے دل میں بھی ان کے لئے کوئی جگہ نہ تھی اور نہ عوام پر ان کی مضبوط گرفت تھی، بغاوتیں پھوٹتی رہتی تھیں اور قوم اپنے حکمرانوں کو سبق سکھاتی رہتی تھی۔

جسٹینین نے ایک داشتہ کے ساتھ ملی بھگت کر کے قیصر کے تاج وتخت پر قبضہ کیا، لیکن اس کے قبضہ کرتے ہی ایشیاء اور یورپ زبردست بغاوتوں کی لپیٹ میں آگئے، بادشاہ کے احکامات کی خلاف ورزی کی گئی، اس کے مجسمے کو پامال کیا گیا، یسوع مسیح کی صلیب پر لٹکی ہوئی شبیہوں پر سنگباری کی گئی، اس المناک باب کا

خاتمہ شاہ ماؤرائس کا اپنا فرزندوں سمیت خود کشی پر ہوا، انکی لاشیں سمندر میں مچھلیوں کی خوراک بننے کیلئے پھینک دی گئیں۔

اس کے بعد فوقاس حکمراں ہوا یہ اور بھی نا اہل ثابت ہوا، اس کا دور عیش ونشاط کی بد مستیوں سے عبارت تھا، لیکن پھر اسے بھی روز بد دیکھنا پڑا، چیتھڑوں میں ملبوس کر کے اسے بیڑیاں پہنادی گئیں، سب کے سامنے اسے برہنہ لایا گیا اور تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا گیا، اور اس کا سر بریدہ جسم آگ کے ایک بہت بڑے الاؤ میں جھونک دیا گیا۔

سیاسی طور پر ملک کافی کمزور ہو گیا، پڑوسی ملکوں سے اس کے تعلقات بگڑ گئے، لمبارڈوں نے اطالوی مقبوضات کے بیشتر حصے پر قبضہ کر لیا، دوسری طرف اوارس اور سلافوں کا سیلاب ڈینیوب کی گذرگاہ "اڈریا" تک کا علاقہ بہا کر لے گیا۔

عرب کے مشرق میں اس وقت کی سب سے عظیم الشان سلطنت ایران تھی، جہاں خسرو دوم اپنے دادا خسرو اول کے عظیم کارناموں کو دہرا رہا تھا، ملکی دفاع اور علاقائی تحفظ کے لئے اس کے پاس بھاری فوج اور مستحکم قلعے تھے، اس کی افواج نے حال ہی میں کاکید ان پر قبضہ کیا تھا، اور اب دمشق اور بیت المقدس کو زیر کرنے کے لئے اس کے اشارے کے منتظر تھے، ایرانی افواج بالآخر وہاں بھی فتحیاب ہوئیں[659]

ان حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ عالمی طور پر طاقت کا توازن کتنا بگڑا ہوا تھا، اور ملکوں اور ریاستوں کے درمیان سفارتی تعلقات کتنے رسمی اور ناپائیدار تھے۔

تعلقات کے عوامل بھی زیادہ تر مادی اور سطحی ہوتے تھے، معاشی، نسلی، یا جغرافیائی عصبیتوں یا قوت کے توازن کی بنیادوں پر ان کے تعلقات بنتے اور بگڑتے رہتے تھے، قومی ریاستوں کا وجود نہیں تھا، مگر قومیت کا تصور پیدا ہو چکا تھا، قدیم زمانے میں زیادہ تر شہری ریاستیں ہوا کرتی تھیں، جیسے ایتھنز، اسپارٹا، یا قدیم روم، مقدونیہ یا ایران کی وسیع وعریض ریاست، اس وقت بھی اقوام اپنی نسلی یا ثقافتی اختلافات سے واقف

------ حواشی --

659 ۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست خارجہ، ص ۱۸ مؤلفہ پروفیسر محمد صدیق قریشی، ناشر تاج کمپنی دہلی، ۱۹۸۵ء

تھیں، اور ہر قوم اپنے آپ کو دوسرے سے برتر خیال کرتی تھی، یونانی غیر یونانیوں کو وحشی کے نام سے یاد کرتے تھے، یہودی اپنے کو منتخب اور برگزیدہ قوم تصور کرتے تھے، عرب اپنے سوا ساری دنیا کو عجم (گونگا) قرار دیتے تھے۔

مدینہ کی اسلامی ریاست

ان عالمی حالات میں اسلام کا ظہور ہوا، اور ایک اسلامی ریاست قائم ہوئی، پہلے اسلامی ریاست کا دائرہ مدینہ منورہ تک محدود تھا، پھر آہستہ آہستہ پورے عرب پر محیط ہوگئی، ریاست کے قیام کے بعد جہاں رسول اکرم ﷺ نے اس کی داخلی بنیادوں کو مستحکم فرمایا، وہیں علاقائی سالمیت، امن عالم اور تبلیغ اسلام کے نقطۂ نظر سے معنوی بنیادوں پر دیگر ملکوں اور قوموں کے ساتھ سفارتی تعلقات پر بھی توجہ فرمائی۔

مکی دور انتشار اور افراتفری کا دور تھا وہاں کسی ریاست کا تصور ممکن نہ تھا، لیکن اس کے باوجود وہاں رہتے ہوئے مدینہ کے لوگوں سے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقعہ پر جو معاہدہ فرمایا وہ آپ کی بلند سیاسی بصیرت اور خارجہ شعور کا عکاس ہے، پھر مدینہ تشریف لانے کے بعد اس مختلف قبائل واقوام کے شہر کو جس سیاسی بصیرت کے ساتھ میثاق مدینہ کے ساتھ آپ نے جوڑ دیا، اس کی نظیر مذاہب واخلاق کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

میثاق مدینہ

مدینہ میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے تھے، اوس وخزرج کے بڑے قبیلے آباد تھے جو جنوبی عرب سے منتقل ہو کر یہاں آئے تھے، مذہبی اور مالی طور پر یہود غالب تھے، یہود کو اپنے مذہب پر ناز تھا کہ وہ اہل کتاب ہیں، پھر ان کی معیشت بھی ٹھوس بنیادوں پر استوار تھی، باقاعدہ بادشاہی نظام قائم نہیں تھا، لیکن جنگ بعاث کی زبردست خونریزیوں کے بعد وہاں ایک باقاعدہ حکومت قائم کرنے کی تیاری چل رہی تھی، اوس وخزرج طویل عرصہ تک باہم لڑتے رہنے کی بنیاد پر بالکل ٹوٹ چکے تھے، اور اس کا براہ راست فائدہ یہودیوں کو پہونچا تھا اور سب کی نگاہیں بادشاہ کے لئے انہی کی طرف اٹھ رہی تھی، عبد اللہ ابن ابی کی تاج

پوشی کا پروگرام بن چکا تھا، بلکہ اس کے تاج شہر یاری کی تیاری بھی کاریگروں کے سپرد ہو چکی تھی[660]۔

ان حالات میں حضور اکرم ﷺ ایک تیسری قوت کے روپ میں مدینہ تشریف لائے، آپ نے حالات کا جائزہ لیا، اور ایک بین القبائلی معاہدہ پر لوگوں کو آمادہ فرمایا، جس کی رو سے واضح طور پر مدینہ پر مسلمانوں کی بالادستی قائم ہوگئی، یہ میثاق دنیا کا پہلا تحریری میثاق تھا، جو طرفین کی رعایت اور حقوق نگہبانی میں جامعیت کے اعتبار سے ایک تاریخی شاہکار ہے، اس میثاق کے تحت بیسیوں دفعات تھے، جس میں مذہب، اخلاق، قومیت، انسانی حقوق، رواداری، ہر ایک کی مکمل رعایت کی گئی تھی، ۲۶ سے ۳۶ نمبر تک مسلسل دس دفعات ایسی ہیں جن میں غیر مسلموں اور دیگر حلیف قبائل کے حقوق کو بالکل اسی طرح تحفظ دیا گیا تھا جس طرح کہ مسلمانوں اور خاص مدینہ میں آباد یہودیوں کو دیا گیا تھا۔

امان (ویزہ) لیکر ریاست میں داخل ہونے والوں کے لئے ایک دفعہ مختص کی گئی، پناہ گزیں سے ویسا ہی برتاؤ ہوگا جیسا کہ پناہ دہندہ سے ہو رہا ہو، نہ اسے کوئی نقصان پہونچایا جائے اور نہ وہ خود عہد شکنی کرے گا۔

البتہ پناہ کے قانون سے قریش کو مستثنی کیا گیا، جو مسلمانوں کے براہ راست دشمن تھے، ریاست میں ان کے داخلے اور پناہ دینے پر پابندی عائد کر دی گئی۔

اس دستور کی رو سے مدینہ کو حرم قرار دیا گیا، اور مذہبی لحاظ سے وہاں خونریزی کی ممانعت ہوگئی، فریقین اس پر رضامند ہوگئے، کہ انہیں اس کی حرمت قائم رکھنے کے لئے اگر خون بھی بہانا پڑے تو وہ گریز نہیں کریں گے، مدینہ کو حرم قرار دینے کے بعد اس کے حدود کا تعین کر کے اس کی سرحدوں پر چھوٹے چھوٹے مینار حضرت کعب بن مالکؓ کی نگرانی میں تعمیر کئے گئے، حقیقت یہ ہے کہ یہود جیسی مذہبی اور ضدی قوم سے ایک نیم عرب شہر کو حرم منوالینا آنحضرت ﷺ کا بڑا سیاسی کارنامہ تھا[661]۔

مملکت مدینہ کو وحدت اسی دستور کی بدولت حاصل ہوئی، اس دستاویز کی اہمیت مسلم مؤرخین

------ حواشی --

660 ۔رسول اکرم ﷺ کی سیاست خارجہ، ص ۴۷ امؤلفہ پروفیسر محمد صدیق قریشی، ناشر تاج کمپنی دہلی، ۱۹۸۵ء

661 ۔عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی، ج/ ا ص/ ۹۸، ڈاکٹر محمد حمید اللہ

سے کہیں زیادہ مستشرقین نے محسوس کی۔۔۔پروفیسر نکلسن رقمطراز ہیں:

"بظاہر یہ ایک محتاط اور دانشمندانہ اصلاح ہے، مگر حقیقت میں یہ ایک انقلاب ہے، آپ نے کعبہ کے قبائلی مرکز کو مرکزیت میں رنگ دیا، اگرچہ اس وحدت میں یہودی، مشرکین اور مسلمان سبھی شریک تھے، لیکن آپ بخوبی اس حقیقت کو سمجھتے تھے کہ اس نوزائیدہ ریاست میں فعال اور بااثر حصہ دار مسلمان ہی ہیں[662]"

اور بعض دوسرے مبصرین کے بقول میثاق مدینہ کو بلاشبہ اسلامی آئینی تاریخ میں "میگنا کارٹا" کی حیثیت حاصل ہے[663]

یہ ضمیر کی آزادی کا پہلا چارٹر ہے[664] ALI SYED AMIR SPRIT OF)58
(,ASLAM MP

یہ معاہدہ ان لوگوں کے ساتھ کیا گیا، جو قرآن مجید کی زبان میں "ظلم اور گناہ" کی راہ میں تیز رو تھے، جو جھوٹ کے عادی، حرام کھانے میں جری، سود خور، سرمایہ دار، غریبوں کا مال ناحق ہضم کرنے والے تھے۔

یہ انسانیت کا اولین دستور ہے، بعد کے تمام دستاویز و منشور بشمول اقوام متحدہ کا منشور، اسی کا چربہ ہیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ کی سفارتی مساعی

مدینہ کی ریاست مستحکم ہو جانے کے بعد بحیثیت سربراہ ریاست مختلف قبائل واقوام اور چھوٹی بڑی ریاستوں کے ساتھ آپ کی جو سفارتی کوششیں رہی ہیں اور مختلف مواقع پر مختلف مناسبتوں سے جو معاہدے فرمائے ہیں، وہ اسلام کی سیاست خارجہ اور بین الاقوامی سفارت کا بہترین نمونہ ہیں، رسول اللہ

------ حواشی--

[662] ۔رسول اکرم ﷺ کی سیاست خارجہ ص/ ۱۸۴

[663] ۔عربی پیغمبر۔۔ان کے پیغامات اور اصول، ص/ ۱۹

[664] ۔بحوالہ سیاست خارجہ ص/ ۱۸۷

ﷺ کی ان سفارتی کوششوں اور بین الاقوامی معاہدات کی فہرست کافی طویل ہے، ان سب کا ذکر کیا جائے تو مستقل کتاب بن جائے گی، کئی مؤرخین نے اس حصے پر اچھی روشنی ڈالی ہے۔

حضور ﷺ کے کوئی ڈھائی تین سو خطوط تاریخ کے اوراق پر محفوظ ہیں، جو مختلف قبائل اور ممالک کے سربراہوں کو آپ نے تحریر فرمائے، لیکن صحیح تعداد اس سے بہت زیادہ ہونی چاہیئے، کیونکہ آپ کی مملکت دس لاکھ مربع میل کے وسیع وعریض رقبے پر پھیلی ہوئی تھی[665]

آپ نے مقوقس کو جو مکتوب ارسال فرمایا وہ مصر کے کتب خانوں میں اب تک اصل حالت میں موجود ہے، اسی طرح قیصر روم کے نام آپ کا نامۂ مبارک استنبول کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

سفراء کی روانگی سے متعلق بعض محققین کا خیال ہے کہ وہ ایک ہی دن یعنی یکم محرم الحرام ۷ھ مطابق ۱۱/ مئی ۶۲۸ء مدینہ سے روانہ ہوئے، اور بعض مؤرخین کے نزدیک ان کی روانگی مختلف اوقات میں عمل میں آئی[666]

عہد نبوت کے بعض سفراء

اس ذیل میں نمانے کے طور پر چند اشارے پیش خدمت ہیں:

(۱) حبش کا فرمانروا اصحمہ بن بحر لقب نجاشی مذہباً عیسائی تھا وہ مشرقی رومی سلطنت کے زیر سیادت حکومت کرتا تھا اس کے پاس عمرو بن عمیر الضمری کے ذریعہ آپ نے مکتوب روانہ فرمایا[667]

(۲) بحرین فارس کی قلمرو کا ایک باجگذار علاقہ تھا یہاں عربوں کی بھی کثیر آبادی تھی، جن میں عبد القیس بکر بن وائل اور تمیم کے قبائل ممتاز تھے، عہد نبوی ﷺ میں یہاں فارس کی طرف سے منذر بن ساوی حاکم مقرر تھا، اس کے پاس آپ کا نامۂ مبارک حضرت علاء بن الحضرمی لیکر گئے[668]

------ حواشی ------

665 - عہد نبوی میں نظام، حکمرانی ج/۱ص/۲۱۹

666 - رحمۃ العالمین ج/۱ص/۱۹۵

667 - اصح السیر ص/۴۲۸

668 - فتوح البلدان، ص/۱۲۸

(۳) عمان پر قبیلۂ ازد کے دو بھائی جنیفر اور عبد بر سر اقتدار تھے، یہ دونوں جلندی کے فرزند تھے، ان کے پاس نامۂ گرامی حضرت عمرو بن العاصؓ لیکر گئے، بعض مؤرخین کا خیال یہ ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے ساتھ ابوزید انصاریؓ بھی تھے، ان سفراء نے جنیفر اور عبد سے سمندر کے کنارے صحاریٰ کے مقام پر ملاقات کی۔[669]

(۴) ہرقل سلطنت روما کی مشرقی شاخ کا فرمانروا تھا اور قیصر کے لقب سے مشہور تھا اس کے پاس رسول اکرم کا نامۂ مبارک لیکر جانے کے متعلق دو روایات ہیں:

(الف) دحیہ بن خلیفہ الکلبی خود ہرقل کے دربار میں یہ مکتوب لیکر پہونچے۔(ب) ہرقل کے عامل مقیم بصریٰ کی وساطت سے اس تک مکتوب پہونچا، قیصر ان دنوں حمص میں مقیم تھا[670]

(۵) اسکندریہ و مصر ان دنوں مشرقی رومی سلطنت کا ایک نیم خود مختار حصہ تھے، اس علاقے کا حاکم جریج بن حی لقب مقوقس تھا، وہ عیسائی مذہب کا پیروکار اور قوم قبط کا سردار تھا، اس کے پاس آپ کا نامۂ مبارک حاطب بن ابی بلتعہ اللحمی لیکر گئے[671]

(٦) یمامہ کے حاکم کا نام ہوذہ بن علی الحنفی تھا وہ مذہباً عیسائی تھا اس کے پاس سلیط بن قیس بن عمر الانصاری ثم الخزرجی آپ کا نامۂ مبارک لیکر گئے[672]

(۷) حارث بن ابی شمر غسانی شام کا گورنر تھا، شجاع بن وہب الاسدی نے یہاں سفارت کا کام انجام دیا[673]

(۸) اس وقت کے نصف مشرقی دنیا پر کسریٰ کی حکومت تھی، اس کسریٰ کا نام پرویز بن ہرمز بن

------ حواشی ---

[669] ۔فتوح البلدان، ص/۱۲۴

[670] ۔طبقات ابن سعد ج/۲ص/۳۵

[671] ۔رحمۃ للعالمین ج/۱ص/۲۰۴

[672] ۔فتوح البلدان ص/۱۳۹

[673] ۔طبقات ابن سعد ج/۲ص/۳۸

نوشیرواں تھا، بادشاہ اور رعایا کا غالب حصہ زرتشت مذہب کا پیرو تھا، اس وقت دنیا دو طاقتوں کے زیر نگیں تھی، ایک قیصر اور دوسرے کسریٰ سفارت کا فریضہ حضرت عبد اللہ بن حذافہ السہمیؓ نے انجام دیا[674]

(۹) فروہ بن عمرو الجذامی علاقہ بلقاء پر قیصر روم کی طرف سے عامل تھے، ان کا دار الحکومت "معان" تھا، فلسطین کا متصلہ علاقہ بھی فروہ ہی کی قلمرو میں شامل تھا، انہوں نے خود سفارتی کوشش کی تو حضور ﷺ نے ان کو مکتوب تحریر فرمایا، اور یہ مسلمان ہوگئے جس کی سزا میں قیصر نے ان کو پھانسی پر لٹکا دیا [675]

(۱۰) آپ ﷺ نے ایک نامۂ مبارک قبیلۂ حمیر کے ذی الکلاع بن ناکور بن حبیب بن حسان بن تبع اور ذو عمرو کے پاس بھیجا، حضرت جریر بن عبد اللہؓ نے سفارت کے فرائض انجام دیئے[676]

اسی طرح غسان کے بادشاہ (۱۱) جبلہ بن الایہم (۱۲) معدیکرب بن البرہہ (۱۳) قبیلۂ لخم (۱۴) خالد بن ضماد الازدی (۱۵) عبد یغوث بن علہ الحارثی (۱۶) بنی حنیفہ کے رئیس مسیلمہ کذاب (۱۷) ابو ظبیان الازدی (۱۸) رؤسائے حمیر حارث بن کلال، نعیم بن کلال، اور نعمان ذی رعین (۱۹) بنی الضبیب (۲۰) بحرین کے والی ہلال (۲۱) ضغاطر اسقف، بدست دحیہ کلبی (۲۲) یوحنا بن رویہ، اور سرداران ایلہ (۲۳) بنی زہیر بن رقیش (۲۴) اجبتین (۲۵) بکر بن وائل (۲۶) قبیلہ باہلہ کے نہشل بن مالک الوائلی (۲۷) اہل ہجر (۲۸) اور اہل نجران کے نام بھی حضور اکرم ﷺ نے خطوط روانہ فرمائے، اور اسلامی ریاست اور اسلامی دعوت کے ساتھ ان کو مربوط ہونے کی دعوت دی[677]

سفارتی اصول وادب

سربراہان ریاست کو خطوط لکھتے وقت حضور ﷺ نے ان بین الاقوامی آداب کو ملحوظ رکھا جن کو

------ حواشی ---

674 – رحمۃ للعالمین ج/۱ص/۲۰۹

675 – طبقات ابن سعد ج/۲ص/۱۵۷

676 – رحمۃ للعالمین ج/۱ص/۲۱۱

677 – طبقات ابن سعد دوم، تاریخ طبری اول، فتوح البلدان ص/۱۲۹، زاد المعاد سوم

آج جدید سفارتی آداب میں شامل کیا گیا ہے، مثلاً:

☆ہر علاقے کے لئے وہاں کی مناسبت سے سفراء بھیجے گئے، جو وہاں کی زبان، حالات، اور نفسیات سے واقف ہوں۔

☆اسی طرح خطوط پر مہر لگانے کا اہتمام کیا گیا، عرب میں پہلے مہر لگانے کا کوئی رواج نہیں تھا، آپ ﷺ نے اس مقصد کے لئے خاص چاندی کی مہر بنوائی، خطوط پر اللہ، رسول اور محمد کے الفاظ بالترتیب تین سطور میں لکھے جاتے تھے[678]

☆خطوط میں یہ جملہ بطور خاص لکھا جاتا تھا کہ "اسلم تسلم" یہ ذو معنیٰ جملہ تھا، ایک معنی یہ تھا کہ "اسلام لاؤ سلامتی پاؤ گے" اس معنی کے لحاظ سے یہ اسلام کی دعوت تھی، اور دوسرا معنیٰ یہ تھا کہ اطاعت کرو سلامت رہو گے، یعنی اگر نہ مانے تو خیر نہیں، یہ باہم سفارتی رابطہ قائم کرنے کے کی دھمکی آمیز ترغیب تھی۔

☆عیسائی فرمانرواؤں کو لکھے گئے خطوط میں یہ آیت خاص طور پر درج کی جاتی تھی:

"قل یاھل الکتاب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا و بینکم ان لانعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئاً ولا یتخذ بعضنا بعضاً ارباباًمن دون اللہ[679]

ترجمہ: اے اہل کتاب آؤ! ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو ارباب نہ بنالے۔

اس میں ایک طرف خاص مذہبی نقطہ کی طرف وحدت کا ذکر کرتے ہوئے اسلام کو ان کے لئے زیادہ مانوس اور قابل قبول ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے، تو دوسری طرف اس سفارتی ادب کی طرف

------ حواشی ------

678 - عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی ج/۱ص/۲۱۹، ڈاکٹر محمد حمید اللہ

679 - آل عمران، ٦٣

اشارہ کیا گیا ہے کہ باہم مذاکرات میں اتفاقی نکات کو پہلے جگہ ملنی چاہیئے اور پھر اختلافی نکات کا تذکرہ ہونا چاہیئے۔

☆ آپ نے سفارتی مساعی میں اس خاص ادب کو ملحوظ رکھا کہ سفیر خواہ کیسا ہی رویہ رکھے اس کے قتل کی اجازت نہیں، مسیلمہ کے سفیر کے ناروا جوابات پر آپ نے فرمایا: "اگر سفیروں کا قتل روا ہوتا اور قانون اور ضابطۂ اخلاق اس کی اجازت دیتا تو میں ضرور تم لوگوں کی گردنیں اڑا دیتا[680]

اس وقت کی دنیا حیرت میں تھی کہ عرب میں یہ نئی قوت کہاں سے ابھر کر آئی ہے، آپ کی ان سفارتی مساعی پر مثبت اور منفی دونوں طرح کے رد عمل ہوئے، مگر زیادہ تر ملکوں اور قبائل نے ان پر مثبت رد عمل کا مظاہرہ کیا، آپ نے بیسوں قبائل سے باضابطہ معاہدے فرمائے، کتنوں کو تحریری دستاویز فراہم کئے ،سیرت کی کتابوں میں آپ کے کئے ہوئے معاہدات کی طویل فہرست دی گئی ہے، جن میں بطور نمونہ بعض کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہوگا:

معاہدات نبوی ﷺ

رسول اللہ ﷺ نے قبائل مدینہ کے علاوہ متعدد قبائل سے معاہدے فرمائے مثلاً:

(۱) معاہدۂ جہنیہ (رمضان سنہ ۱ھ)

(۲) معاہدۂ ابواء (صفر سنہ ۲ھ)

(۳) معاہدۂ بواط (ربیع الاول سنہ ۲ھ)

(۴) معاہدۂ بنو مدلج (جمادی الثانیہ سنہ ۲ھ مطابق اکتوبر سنہ ۶۲۳ء)

(۵) معاہدۂ اشجع (سنہ ۵ھ سے قبل)

(۶) معاہدۂ بنو غفار

(۷) عینیہ بن حصن سے معاہدہ (ربیع الاول سنہ ۵ھ)

------ حواشی ------

680 – سیرۃ المصطفی مولانا ادریس کاندھلوی ج/۱

(۸) روسائے غطفان سے مصالحت کی کوشش (بموقعہ غزوۂ احزاب سنہ ۵ھ)

(۹) سینٹ کیتھرائن سے معاہدہ (سنہ ۶ھ)

(۱۰) معاہدۂ حدیبیہ (ذیقعدہ سنہ ۶ھ)

(۱۱) معاہدۂ خزاعہ (سنہ ۶ھ)

(۱۲) معاہدۂ خیبر (محرم سنہ ۷ھ مطابق مئی سنہ ۶۳۸ء)

(۱۳) معاہدۂ فدک (سنہ ۷ھ)

(۱۴) معاہدۂ وادی القریٰ (سنہ ۷ھ)

(۱۵) معاہدۂ تیما (سنہ ۷ھ)

(۱۶) معاہدات بنو عریض و بنو غازیہ

(۱۷) معاہدۂ فرینہ (رجب سنہ ۵ھ)

(۱۸) معاہدۂ جرش (سنہ ۹ھ)

(۱۹) معاہدۂ اسلم (سنہ ۸ھ یا سنہ ۹ھ)

(۲۰) معاہدۂ ثقیف (رمضان سنہ ۹ھ)

(۲۱) معاہدۂ دومۃ الجندل یا معاہدۂ اکیور (شوال سنہ ۹ھ)

(۲۲) معاہدۂ ایلہ (سنہ ۹ھ)

(۲۳) معاہدۂ جرباء (سنہ ۹ھ)

(۲۴) معاہدۂ اذرح (سنہ ۹ھ)

(۲۵) معاہدۂ مقنا (سنہ ۹ھ)

(۲۶) معاہدۂ نجران (سنہ ۱۰ھ)

(۲۷) معاہدۂ تبادلہ (سنہ ۱۰ھ)

(۲۸) معاہدات بنی الحرقہ و بنی الجرمز (سنہ ۱ھ)[681]

اس مختصر سے مضمون میں ان معاہدات کی تفصیل کا موقعہ نہیں، البتہ ان معاہدات کے مطالعہ سے رسول اللہ ﷺ کی سیاسی بصیرت اور بین الاقوامی تعلقات کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر پر جو روشنی پڑتی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

بین الاقوامی معاہدات کے بنیادی اصول و آداب

(۱) معاہدہ کی ایک بنیاد حمایت و نصرت اور خیر اندیشی اور خیر سگالی کا جذبہ ہے، قبیلۂ بنو اشجع کے تحریری معاہدے میں یہ فقرہ خاص طور پر قابل لحاظ ہے، **حالفه علی النصر والنصیحة** (یعنی حمایت و نصرت اور خیر اندیشی و خیر سگالی کے وسیع تعلقات استوار ہوئے)

(۲) اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، اور اس بنیاد پر قائم ہونے والی ریاست بھی عالمگیر ہوتی ہے، اس کو دنیا کے تمام ملکوں اور قوموں سے معاہدات اور عالمی سطح کے تعلقات قائم کرنے کی ضرورت ہے، ایسی صورت میں مذہبی رواداری اور مساوات کو بنیادی دفعہ بنایا جانا چاہیئے، اور انسانی حقوق کی راہ میں کسی مذہبی یا علاقائی چیز کو راہ دینی نہیں چاہیئے، حضور اکرم ﷺ نے سنہ ۲ھ میں سینٹ کیتھرائن کو جو تحریری فرمان دیا تھا، وہ حریت انسانی، رواداری اور مساوات کا اتنا عظیم چارٹر ہے جس کی نظیر تاریخ عالم پیش کرنے سے قاصر ہے، اس معاہدے میں کہا گیا ہے کہ:

"جو قلیل و کثیر اشیاء (منقولہ و غیر منقولہ) ان کے گرجاؤں، نمازوں اور رہبانیت کی ان کے تحت میں اور جو اللہ اور اس کے رسول کے ہم سایہ ہیں، وہ سب انہیں عیسائیوں کی رہیں گی، (یعنی باوجود اسلام نہ لانے کے ان سے کچھ نہ لیا جائے گا) نہ کسی پادری کو اس کے منصب سے بدلا جائیگا، نہ کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے، نہ کسی کاہن کو اس کی کہانت سے، نہ ان کے حقوق میں کوئی تغیر کیا جائے گا، اور نہ ان کی سلطنت میں یا اس چیز میں جس پر وہ تھے، جب تک وہ خیر خواہی کریں گے اور جو حقوق ان پر واجب ہیں ان

------ حواشی ------

681 - فتوح البلدان ص / ۱۰۸، ۱۰۹، زاد المعاد جلد سوم، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص / ۳۶۶، ڈاکٹر حمید اللہ

کی اصلاح کریں گے تو نہ ان پر کسی ظلم کا بار پڑے گا، اور نہ وہ خود ظلم کریں گے [682]

(۳)اسلام کی نگاہ میں بنیادی چیز وحدت انسانیت اور تقاضائے انصاف کی تکمیل ہے، یہ قومیت سے بالاتر ہو کر انصاف کا پرچار کرتا ہے، اسی حقیقت کی جانب قرآن حکیم توجہ دلاتا ہے۔

"یایھاالذین آمنوا کونوا قوامین شھداء بالقسط ولایجرمنکم شنأن قوم ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ"

ترجمہ: اے ایمان والوں اللہ کے لئے راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی قوم کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے پھر جاؤ ،عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔

(۴)اسلام کسی قوم یا گروہ سے کوئی ایسا معاہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا جو اسلام کی اساسیات پر اثر انداز ہوتا ہو، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل[683] "

جو شرط کتاب اللہ میں نہیں ہے وہ باطل ہے۔

(۵)اسلام کی نگاہ میں وہی معاہدہ درست اور قابل ایفاء ہے، جس کو طے کرنے میں فریقین کی آزادانہ خود مختاری اور باہمی اعتماد شامل ہو۔

(٦)معاہدے کی تعبیرات صاف اور واضح ہونی چاہیئے، جس سے کسی فریق کو دھوکہ کھانے یا ان کا غلط مفہوم نکالنے کا موقع نہ ملے [684]

(۷)معاہدے کی پابندی ہر حال میں ضروری ہے، اور اس کے لئے قرآن میں بے شمار ہدایات

------ حواشی--

[682] - طبقات سعد ج/۲ص/۴۳

[683] - سنن ابن ماجه ج 2 ص 842 حديث نمبر : 2521 المؤلف : محمد بن يزيد أبو عبدالله القزويني الناشر : دار الفكر – بيروت تحقيق : محمد فؤاد عبد الباقي عدد الأجزاء : 2 مع الكتاب : تعليق محمد فؤاد عبد الباقي والأحاديث مذيلة بأحكام الألباني عليها

[684] - شرح السیر الکبیر ج/۴ص/۶۷

موجود ہیں، مثلاً:

"یایھا الذین آمنوا اوفوابالعقود[685]"

ترجمہ: اے ایمان والے معاہدے پورے کرو۔

اگر معاہدہ کسی خاص مدت تک کے لئے ہے تو مدت سے قبل اس کو توڑنا ممنوع ہے، قرآن میں ارشاد ہے:

"فاتموا الیھم عھدھم الیٰ مدتھم"[686]

ترجمہ: ان کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کو مدت تک پورا کرو۔

(۸) حالات کی تبدیلی کے ساتھ بعض دفعہ معاہدہ ناقابل عمل ہو جاتا ہے، اور بدلتے ہوئے حالات میں اس پر نظر ثانی ضروری ہوتی ہے، مسلمان فقہاء کا یہ کہنا ہے کہ اگر مسلمان حکمراں کسی سابقہ معاہدہ کے انفساخ کا اعلان کرتا ہے، تو وہ دوسرے فریق کو اطلاع دیئے بغیر معاہدہ کے خلاف کوئی بات نہیں کر سکتا۔

(۹) عہد رسالت کے معاہدات مجموعی طور پر مختصر اور عمومی ہوتے تھے، تفصیلات مہیا کرنے پر زیادہ توجہ دی جاتی اور طے شدہ شرائط کی پابندی کا خاص اہتمام کیا جاتا۔

(۱۰) عہد نبوی ﷺ کے ابتدائی دور کے معاہدات میں زیادہ تر مذہبی مقاصد کا ذکر ہے، مگر بعد کے زمانے میں جو معاہدات ہوئے ان میں سیاسی و اقتصادی اغراض کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔

(۱۱) حضور ﷺ کے معاہدات میں عام طور پر مسلمانوں کو بالادستی حاصل رہی۔ ایک معاہدۂ حدیبیہ کی دفعات بظاہر مسلمانوں کے لئے ہتک آمیز معلوم ہوتی ہیں، لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ خارجہ تعلقات کی تاریخ میں اس سے بہتر نمونہ ملنا مشکل ہے، یہ معاہدہ آپ کی بے نظیر ذکاوت و بصیرت کا آئینہ دار ہے، (علاوہ یہ حکم الٰہی کی بنا پر ہوا تھا) آپ کے ساتھ جانثاروں کی ایک فوج تھی، عارضی طور پر قوت میں توازن

------ حواشی ------

[685] -المائدۃ : ۱

[686] -التوبۃ :4

بھی پیدا ہو چکا تھا، لیکن قریش ابھی تک طاقتور تھے، علاوہ بریں یہودیوں سے مسلمانوں کا معاہدہ منسوخ ہو چکا تھا، حکومت مدینہ بتدریج قریش کے شامی تجارت کے راستے بند کر کے ان کی اقتصادی حیثیت کو کمزور کرنا چاہتی تھی، اس لئے جانبین کم از کم تھوڑی مدت کے لئے صلح کے خواہاں تھے، اگر اس وقت آپ بھی جذبات سے کام لیکر فاتحانہ طور پر مکہ میں داخل ہونے کی کوشش کرتے تو زبردست خونریزی ہوتی، اور قریش کے عرب قبائل پر یہ ثابت کرنے کا بہانہ مل جاتا کہ مسلمان حرمت والے دنوں میں بھی لڑائی سے باز نہیں آتے
687

سرخسی کا خیال ہے کہ اگر مدینہ والے خیبر پر حملہ کرتے تو خوف تھا کہ شہر کو فوج سے خالی پا کر مکے والے نہ چڑھ دوڑیں اور نہ لوٹ لیں اور اگر جنوب میں مکے کی طرف جائیں تو یہی خوف شمال یعنی خیبر سے تھا
688

ان حالات میں سیاست دانی کا اقتضاء یہی ہو سکتا ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک دشمن سے صلح کر کے دوسرے کے مقابلے میں اس کو دوست یا کم از کم غیر جانب دار بنا دیا جائے۔۔۔ چنانچہ صلح حدیبیہ کے بعد دعوت اسلام کے مواقع زیادہ حاصل ہوئے، امام زہریؒ کا خیال ہے کہ صلح حدیبیہ سے قبل اسلام میں اتنی بڑی کوئی فتح حاصل نہیں ہوئی، اسی لئے قرآن نے اس کو فتح مبین قرار دیا۔

پروفیسر محمد صدیق قریشی صاحب لکھتے ہیں کہ:

> "یہاں یہ برمحل معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی سیاست خارجہ کے شاہکار معاہدۂ حدیبیہ کا جدید ڈپلومیسی کے ایک نمونہ "معاہدہ ورسائی" سے موازنہ کیا جائے، معاہدۂ حدیبیہ طے کرتے وقت ابو جندل جائے مذاکرات پر آگئے، وہ اسلام لا چکے تھے، لیکن قریش کی قید میں تھے، سہیل بن عمرو نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا، اور ساتھ ہی بصورت دیگر معاہدے طے نہ کرنے کی دھمکی دی۔۔۔ لیکن آپ نے ابو جندل کو

------ حواشی --

687 -اسلام اور قانون جنگ و صلح ص/ ۲۹۴، مجید خدوری

688 -رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص/ ۱۳۵

واپس کر دیا، اور صبر کی تلقین کی، ابو بصیرؓ مدینہ پہونچے تو معاہدہ کے مطابق ان کو واپس کر دیا گیا، فتح مکہ کے وقت آپ نے اپنے خونی دشمنوں پر کوئی تاوان عائد نہیں کیا، اور عام معافی کا اعلان کیا۔

اس کے بر عکس جنگ عظیم اول کے بعد ۲۸/ جون ۱۹۱۹ء کو "ورسائی" کے مقام پر معاہدۂ ورسائی طے پایا، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی تصریح کے مطابق جرمنی کو جنگ کا واحد ذمہ دار قرار دیا گیا، اس کی افواج کو نہتا کر دیا گیا، فاتحین کے نمائندوں کے سامنے جرمنی کے مندوبین کو بے آبرومندانہ انداز میں پیش کیا گیا، اور معاہدے کا متن تیار کرتے وقت انہیں مجرموں کی طرح کھڑا رکھا گیا، نتیجۃً جرمنی پر بھاری تاوان جنگ (اندازاً ۲۵/ ارب ڈالر) عائد کیا گیا، جس کو ادا کرنے کی استطاعت وہ قطعاً نہ رکھتا تھا، اسی لئے ایچ جی و غیرہ اسے فاتحین کا معاہدہ قرار دیتا ہے[689]

(۱۲) اسلام نے اپنی خارجہ پالیسی کی بنیاد جیو پالیٹکس (جوع الارض) پر نہیں رکھی، یہ نظریہ جغرافیائی عناصر کی اہمیت کے احساس کے بعد وجود میں آیا، اگرچہ اس سے قبل چودھویں صدی میں ابن خلدون نے اس پر سیر حاصل بحث کی تھی، موجودہ دور میں اس کا بڑا مؤید کارل ہاؤشفر تھا جو ہٹلر کا مشیر تھا، اس نے جوع الارض کا نظریہ پیش کیا کہ آبادی میں اضافے کے ساتھ ساتھ رقبے میں بھی اضافہ ہونا چاہیئے، مگر اسلام نے اپنے خارجہ سیاست کی بنیاد اس نظریہ پر نہیں رکھی، یہ ایک عالمی مذہب ہے اور اپنے نظریات اور پالیسیوں کی بنیاد اسی آفاقیت پر رکھتا ہے۔

غرض اسلامی ذخیرے میں بین الاقوامی سفارت اور عالمی تعلقات پر کافی مواد موجود ہے، اور ان سے کوئی بھی اقلیت یا اکثریت ہر دور میں پوری طرح فائدہ اٹھا سکتی ہے، تفصیلات کتب فقہ میں ابواب السیر کے تحت موجود ہیں۔

------ حواشی --

689- ENCYCLO PEADIA BARITANNICA, ج/۲۳ص/۹۵، ۹۴، بحوالہ رسول اکرم ﷺ کی سیاست خارجہ ص/۲۶،

غیر ملکیوں کے لئے حقوق و تحفظات

اسلام سے قبل عہد قدیم اور عہد وسطیٰ میں غیر ملکیوں کے لیے کوئی ضابطۂ اخلاق نہیں تھا، قانونی طور پر ان کے لیے کوئی حق محفوظ نہیں تھا، اسی لیے مختلف زمانوں اور مختلف علاقوں میں ان کے ساتھ مختلف قسم کے ناروا سلوک کئے جاتے تھے، کہیں ان کے ساتھ چوپایوں جیسا سلوک کیا جاتا، ان کی جائداد ضبط کرلی جاتی، اوران کو مارڈالا جاتا، یا غلام بنالیا جاتا،.....روم اور یونان میں غلاموں کے ساتھ بدترین سلوک کیا جاتا تھا، یہاں تک کہ لوگ ان پر تیر اندازی کی مشق کرتے تھے،............اسلام نے تاریخ انسانی میں پہلی بار اس عدم مساوات اورانسانی تقسیم کے خلاف آواز اٹھائی اسلام نے حقوق کی تین قسمیں کیں:

(۱) انسانی حقوق:

یعنی وہ آزادی جو مذہب یا ضروریات زندگی کے کسی شعبہ سے متعلق ہو، اور بحیثیت انسان اسے حاصل ہو، مثلاً فیصلہ کا حق وغیرہ۔

(۲) شہری حقوق:

جو شادی بیاہ، کام کاج، اور تجارت وغیرہ سب کو محیط ہے۔

(۳) سیاسی حقوق:

اس میں اپنے نمائندہ کا انتخاب، امیدواری اور ملازمت وغیرہ کا حق بھی داخل ہے۔

(۱) اسلام نے پہلی بار اعلان کیا کہ انسانی حقوق میں کسی رنگ و نسل، اور خطہ و قوم کی تقسیم معتبر نہیں، یہ دنیا کے تمام انسانوں کو بحیثیت انسان حاصل ہوں گے، علاقہ اور قبائلی تقسیم محض ذریعۂ تعارف ہے، اس کو حقوق سے محروم کرنے کا عنوان بنانا درست نہیں، اسلام نے اس سلسلے میں بڑی واضح ہدایات دی ہیں، مثلاً قرآن میں ہے:

یاایھاالناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجلعناکم شعوباً وقبائل

لتعارفوا [690]

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور ہم نے تم کو خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم پہچانے جاؤ۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى أَعْجَمِيٍّ وَلَالِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَإِلَّا بِالتَّقْوَى [691]

ترجمہ: اے لوگو! سنو، تمہارا رب ایک ہے اور تمہارے باپ ایک ہیں، کسی عربی کو کسی عجمی پر ، کسی گورے کو کسی کالے پر، کسی سرخ کو کسی زرد پر برتری حاصل نہیں، مگر تقوی کی بنیاد پر"۔

اور صرف نظریہ نہیں عملی سطح پر بھی اسلام نے اس مساوات کا مظاہرہ کیا، رومی الاصل صہیبؓ، ملک حبشہ کے بلالؓ اور فارسی النسل سلمانؓ کو عربوں کا ہم پلہ بنادیا، حضرت زید بن حارثہؓ غلام تھے، آزادی کے بعد حضور اکرم ﷺ نے اپنی چچازاد بہن سے ان کی شادی کرادی [692]

(اسلام کے عطاکردہ انسانی حقوق کی مکمل تفصیل کے لیے مطالعہ فرمائیں راقم الحروف کی دوسری کی کتاب "حقوق انسانی کا اسلامی منشور" شائع کردہ جامعہ ربانی، منورواشریف)

(۲) شہری حقوق بھی اسلامی آئین کے مطابق مسلمان اور ذمی دونوں کو حاصل ہوتے ہیں، دارالاسلام میں جو غیر مسلم امن کی زندگی گذارنا چاہتے ہیں، ان کے لیے کوئی مشکلات نہیں ہیں، شادی بیاہ، رسم ورواج، کاروبار، معاملات، ہر معاملے میں وہ آزاد ہیں، وہ خنزیر بھی کھاسکتے ہیں، جب کہ مسلمانوں کو اس

------ حواشی--

690 - الحجرات:۱۳

691 - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج 5 ص 411 حديث نمبر :23536 المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6 الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها

692 - تفسیر ابن کثیر: ج۳/ص۴۷۰/، مطبوعہ الدار المصریۃ البنانیۃ

کی اجازت نہیں، معذور ہونے پر دیگر کمزور مسلمانوں کی طرح ان کو بھی حکومت کی طرف سے وظیفہ تعاون یا وظیفہ معذوری جاری کیا جاتا ہے۔

اسلامی عہد میں اس سلسلے کے بڑے واقعات ہیں، دو واقعہ بطور مثال یہاں پیش ہیں:

☆ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں ایک اندھے ذمی یہودی کو لوگوں سے بھیک مانگتے دیکھا، آپ نے اس سے دریافت فرمایا تمہیں ایسا کرنے پر کس نے مجبور کیا، یہودی نے جواب دیا، بڑھاپے اور جزیہ کے بوجھ نے، حضرت عمرؓ نے اس کا جزیہ منسوخ فرما کر بیت المال سے اس کا وظیفہ جاری فرمایا، اور فرمایا کہ یہ انصاف نہیں کہ اس کی جوانی سے فائدہ اٹھایا جائے اور بڑھاپے میں بے دست و پا چھوڑ دیا جائے[693]

☆اسی طرح جو غیر مسلم اسلامی حکومت میں نہیں رہتے مگر اسلامی حکومت کے ساتھ ان کا معاہدہ ہے تو مدت معاہدہ میں بھی ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جائے گا جو ذمیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

رسول پاک ﷺ نے ذمیوں اور معاہدوں کے حقوق کی رعایت پر بڑا زور دیا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا:

من ظلم معاہدا او ذمیاً فانا حجیجہ یوم القیٰمۃ[694]

ترجمہ: جس نے کسی معاہد یا ذمی پر ظلم کیا قیامت کے دن میں اس کے خلاف فریاد کروں گا۔

(۳) سیاسی حقوق میں خلافت عالیہ کا استثناء کر کے بقیہ تمام حقوق میں مسلمان اور غیر مسلم یا ملکی اور غیر ملکی کی تقسیم نہیں ہے۔

موجودہ بین الاقوامی قوانین میں اسلام کے دیئے گئے یہ تینوں حقوق شامل کئے گئے ہیں، جن حقوق کی بات آج چند صدیوں سے کی جا رہی ہے، اسلام نے چودہ سو (۱۴۰۰) سال پہلے ان حقوق کا خاکہ پیش

------ حواشی ------

693 - کتاب الخراج: ۱۵۰/، الزیلعی: ج ۲/ ص ۱۵۵/، فتح القدیر: ج ۵/ ص ۲۹۴/، اعلاء السنن: ج ۱۲/ ص ۴۹۵

694 - ابوداؤد کتاب الجہاد: عون المعبود: ج ۳/ ص ۱۳۶

کر دیا ہے[695]۔

------ حواشی --

695-ماخوذ از قوانین عالم میں اسلامی قانون کا امتیاز مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی

باب دوم (حالت مغلوبی کے احکام)

غیر مسلم ملکوں میں مسلم اقلیت کے مسائل

اسلام ایک بین الاقوامی مذہب اور مسلمان ایک آفاقی قوم ہے، جو روئے زمین کے ہر خطہ میں پائی جاتی ہے، اور ہر زمان و مکان کے لئے اس کے پاس مکمل ہدایات موجود ہیں، خواہ حالت اقتدار میں ہو یا حالت مغلوبی میں، رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ اس امت کو جو تعلیمات ملیں وہ انسانی تاریخ کے ہر دور کے لئے کافی ہیں، بشرطیکہ ہمارے پاس دل دانا اور چشم بینا موجود ہو۔

عہد نبوت کے تین ادوار

"قرآن کریم کا نزول تدریج کے ساتھ ہوا، سیرت نبویہ کے قانونی اور اخلاقی نمونے رفتہ رفتہ دنیا کے سامنے آئے، یقیناً اس تدریج میں اسلام اور مسلمانوں کے حق میں دنیا کے سیاسی اور سماجی حالات کا دخل تھا، اگر پورا قرآن اور سیرت طیبہ کے تمام اعلیٰ اخلاقی نمونے بیک دفعہ پیش کر دیئے جاتے، تو شاید حالات میں ان کے تحمل کی گنجائش نہ ہوتی، اس لئے قانون کے تدریجی عمل میں ایک طرف حالات کی تبدیلی کی رعایت کی گئی، تو دوسری طرف مسلمانوں کے حق میں مخصوص احوال و ظروف کی تعمیر اور مطلوبہ معاشرہ کی تشکیل کا عمل بھی جاری رکھا گیا۔

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے (جس میں بڑی حد تک واقعیت بھی ہے) کہ اسلام کے ابتدائی دور کے احکام اسلام کے دور عروج کے احکام سے منسوخ ہوتے چلے گئے، لیکن یہ تصور عبادات، حکومت اسلامیہ کے داخلی مسائل اور مسلمانوں کے باہمی معاملات کی حد تک تو درست ہے، لیکن مسلمانوں کے خارجہ مسائل، یا غیر مسلم اقوام سے ان کے سیاسی اور سماجی تعلقات کو اس عموم میں داخل کرنا مناسب نہیں، اس باب میں اسلامی احکام میں جو تغیرات ہوئے ہیں، یا سیرت طیبہ کے عملی نمونوں میں جو فرق نظر آتا ہے، ان میں نسخ سے زیادہ تبدیلئ حالات کا دخل معلوم ہوتا ہے، اور حالات کی تبدیلی کی بنا پر جو احکام عائد ہوں ان کا نام نسخ

نہیں تطبیق ہے، ایک فقیہ اور ماہر قانون کے لئے ضروری ہے کہ وہ غور کرے کہ کون سا حکم کس قسم کے حالات پر منطبق ہوتا ہے، آج خیر القرون کے مجتہدین تو پیدا نہیں ہوسکتے، لیکن اس درجہ امتیاز اور قوت ادراک تو پیدا ہوسکتا ہے، جس کے ذریعہ انسان مدارج احکام کو پہچان لے، اور ہر حکم کو اس کے صحیح محمل پر رکھ سکے۔

مسلمانوں کی سیاسی قوت وضعف یا اکثریتی واقلیتی پوزیشن کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ہمارے سامنے عہد نبویؐ میں اسلامی ادوار کے تین نمونے موجود ہیں:

(۱) مکی دور: مسلمانوں کی حالت مغلوبی کی علامت ہے، یعنی ایسا معاشرہ جس میں مسلمانوں کی سیاسی اور سماجی پوزیشن غیر مسلموں کے مقابلے میں کمزور ہو، اور مسلمان ایک کمزور اقلیت کی صورت میں غیر مسلموں کی مضبوط اکثریت کے درمیان رہ رہے ہوں، جس میں مسلمانوں کو پوری طرح مذہبی یا سماجی آزادی حاصل نہ ہو۔

(۲) حبشہ کا دور: مسلمانوں کی حالت آزادی کی علامت ہے، یعنی ایسا معاشرہ جس میں مسلمانوں کو اقلیت میں ہونے کے باوجود مذہبی اور سماجی آزادی حاصل ہو، جہاں ان کو سیاسی اور قومی خدمات میں حصہ داری کی بھی اجازت ہو، حبشہ میں نجاشی کی حکومت تھی، اور اس طرح کی شہنشاہتیوں میں عوام کو تشکیل حکومت کا اختیار تو نہیں ہوتا، لیکن ان کو اپنی قومی اور سیاسی خدمات پیش کرنے کی اجازت ہوتی ہے، اور اس عموم میں مسلمان بھی شامل تھے، جیسا کہ حبشہ میں ایک جنگ کے موقعہ پر مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے حضرت زبیر کی فوجی خدمات سے اندازہ ہوتا ہے[696]۔

(۳) مدنی دور: مسلمانوں کے حالت غلبہ کی علامت ہے، البتہ اس دور کے دو حصے ہیں:

☆ اس کا ابتدائی حصہ مسلمانوں کی سیاسی قوت کی تشکیل وتعمیر کا دور ہے، جس میں مسلمان باوجود اکثریت کے غیر مسلم اقلیت کے ساتھ سیاسی معاہدہ کرتے ہیں، تاکہ ان کے اشتراک یا ان کی طرف سے یک

------ حواشی ------

696 - سیرت ابن ہشام ج ۱ ص ۳۶۱

گونہ اطمینان کے بعد مسلمان اپنی پوزیشن مستحکم کرنے میں مشغول ہو سکیں، اور رفتہ رفتہ ایک وحدانی طاقت میں تبدیل ہو سکیں، چنانچہ مدنی دور کے ابتدائی حصہ میں جو معاشرہ یا جو امت تشکیل دی گئی، اس میں یہود بھی ایک اہم عنصر کی حیثیت سے شامل تھے، اس میں غیر مسلم اقلیت کے ساتھ بڑی مراعات رکھی گئی تھیں، اور حتی الامکان مسلمان اپنے دفاعی اور خارجی مسائل میں غیر مسلموں کے عملی اشتراک کو اہمیت دیتے تھے، اور یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا، اور مسلمان اپنی اخلاقی قوت، دعوتی جدوجہد اور اور تنظیمی صلاحیت کے ذریعہ مضبوط ہوتے چلے گئے۔

☆اور پھر مدنی دور کا وہ آخری مرحلہ شروع ہوا جو مسلمانوں کے خالص غلبہ واقتدار کا دور ہے، جس میں غیر مسلم اقلیتوں کو تمامتر مذہبی، معاشی، شہری اور انسانی حقوق کے باوجود سیاسی معاملات میں وہ مسلمانوں پر دخیل نہیں ہو سکتی تھیں، یہ دور عہد نبوی کے آخر تک برقرار رہا، اور اس میں جغرافیائی طور پر توسیعات ہوتی رہیں، یہاں تک کہ عرب کا زیادہ تر علاقہ عہد نبوت ہی میں اسلام کے اس دور غلبہ کے دائرہ میں داخل ہو چکا تھا۔۔۔۔ عہد نبوت کے بعد عہد خلافت راشدہ میں اسی دور غلبہ کی توسیع ہوئی اور رفتہ رفتہ مسلمان روئے زمین کی سب سے بڑی طاقت بن گئے، اور صدیوں تک مسلمانوں نے ایک غالب قوت کی حیثیت سے ملکوں اور قوموں پر حکمرانی کی۔

فقہ الاقلیات کی بنیاد

امت مسلمہ کے موجودہ سیاسی زوال کے دور میں جب کہ متعدد علاقوں میں مسلمان نہ صرف یہ کہ قوت واقتدار سے محروم ہیں، بلکہ ایسی اکثریت بھی نہیں رکھتے، جو حکومتوں یا دیگر اقوام پر اثر انداز ہو سکے، ایسی صورت حال میں امت مسلمہ کی زیادہ تر رہنمائی عہد نبوی کے مذکورہ بالا تین علامتی ادوار میں سے کسی دور میں مل سکتی ہے، ہمارا فقہی اثاثہ اس سلسلے میں بڑی حد تک خاموش ہے، بعض اشارات ضرور موجود ہیں، اور سلف کے اشارات بھی خلف کے لئے کافی اہمیت رکھتے ہیں، اس لئے فقہ الاقلیات پر کام کرنے والے علماء

کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان اشارات کو بھی مشعل راہ کے طور پر سامنے رکھیں [697]۔

موجودہ دور میں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد غیر مسلم ملکوں میں آباد ہے، صرف ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد صحیح اعداد وشمار کے مطابق قریب ۳۰/ کروڑ سے کم نہیں ہے، جو اس وقت دنیا کے کسی ایک ملک میں مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد ہے۔ چین میں تقریباً پندرہ کروڑ، متحدہ روس میں دو کروڑ، یورپ میں ایک کروڑ اسی لاکھ، امریکہ میں اسّی لاکھ مسلمان آباد ہیں، اسی طرح افریقی ملکوں میں مثلاً تنزانیا، اوگنڈا، کینیا اور جنوبی افریقہ اور ایشیائی ملکوں میں سنگاپور، سری لنکا، نیپال وغیرہ میں مسلمانوں کی بڑی تعداد مقیم ہے۔

ظاہر ہے کہ چند محدود اوراق میں مسلم اقلیت کے تمام مسائل کا احاطہ تو ممکن نہیں ہے، البتہ بطور نمونہ چند مسائل میں تعلیمات نبویہ اور قانون اسلامی سے رہنمائی کے اشارات پیش کئے جاتے ہیں:

------ حواشی--

697 ۔غیر مسلم ملکوں میں مسلمانوں کے مسائل ص ۱۹ تا ۲۳ مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی، ناشر جامعہ ربانی منوروا شریف، ۱۴۲۴ھ

غیر مسلم ملکوں میں قیام و سکونت کی شرعی حیثیت

☆ مسلم اقلیت کے مسائل میں سب سے اولین مسئلہ ان ملکوں میں قیام و سکونت کی شرعی حیثیت کا ہے، کہ غیر اسلامی ملکوں میں مسلمانوں کے قیام و سکونت کا شرعی حکم کیا ہے؟ خاص طور پر مسلم ملکوں کے ان مسلمانوں کے لیے یہ مسئلہ کافی اہمیت کا حامل ہے، جو اپنا وطن چھوڑ کر غیر مسلم ملکوں میں منتقل ہو چکے ہیں ، اور واپسی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ خاص طور پر وہ مسلمان جو اسلامی ملکوں سے منتقل ہو کر غیر مسلم ملکوں میں گئے ہیں، کیا اسلامی نظام حکومت چھوڑ کر غیر اسلامی نظام میں جائے امان تلاش کرنا اور مسلم حکمرانوں کے دائرہ اطاعت سے نکل کر غیر مسلم حکمرانوں کی بالادستی قبول کرنا جائز ہے؟

یہ سوال انتہائی قدیم ہے۔ ائمہ اربعہ کے دور میں بھی یہ مسئلہ زیر بحث رہا ہے، البتہ حالات کے فرق سے اب مسئلہ کی وہ حساسیت باقی نہیں رہی، جو پہلے سمجھی جاتی تھی۔

اس مسئلہ کا مدار دو چیزوں پر ہے:

(۱) جس غیر مسلم ملک میں کوئی مسلمان قیام پذیر ہے یا قیام کرنا چاہتا ہے مسلمانوں کے لئے وہاں کی قانونی اور سیاسی صورتِ حال کیا ہے؟

(۲) قیام کا محرک کیا ہے؟ محرکات کے فرق سے بھی حکم میں فرق پیدا ہو گا۔

غیر مسلم ملکوں کی تقسیم

فقہاء نے سب سے زیادہ جس چیز کو اہمیت دی ہے، وہ پہلی بات ہے، فقہاء نے غیر مسلم ملکوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، اور ان تینوں کے جداگانہ احکام بیان کیے ہیں، کتبِ فقہ میں اس سلسلے میں بڑی تفصیل ملتی ہے، ہم یہاں اس ذیل میں ہونے والی بحثوں کا صرف خلاصہ پیش کرتے ہیں:

علماء نے غیر مسلم ملکوں کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے:

(۱) دارالحرب: یعنی وہ ممالک جہاں بحیثیت مسلمان شہری اپنے مذہبی اور ملی تشخصات کی حفاظت مشکل ہو، جیسا کہ عہد نبوی میں ہجرت مدینہ سے قبل مکہ معظمہ کی صورت حال تھی، ایسے ملکوں کی شہریت

حاصل کرنا عام حالات میں کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں، بلکہ جو لوگ وہاں پہلے سے آباد ہوں اور وہ کسی پر امن ملک کی طرف ہجرت کی طاقت رکھتے ہوں تو ان پر فرض ہے کہ وہاں سے ہجرت کر جائیں[698]۔

البتہ اس سے ان مسلمانوں کا استثناء ہے جو مختلف قومی یا ملی یا دعوتی مصالح کے تحت وہاں کا سفر کریں یا قیام کریں، اور ان میں مشکلات کے برداشت کی طاقت موجود ہو[699]۔

اس حکم کا ماخذ یہ آیت کریمہ ہے:

ان الذین توفاہم الملائکۃظالمی انفسہم قالوافیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتہاجروا فیہا فاولئک ماواہم جہنم وسائت مصیرا[700]

ترجمہ: بے شک ان لوگوں کی جان جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کر رکھا ہے (جب) فرشتہ قبض کرتے ہیں تو ان سے کہیں گے کہ تم کس کام میں تھے، وہ بولیں گے ہم اس ملک میں بے بس تھے، فرشتے کہیں گے کہ کیا اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم وہاں ہجرت کر جاتے؟ یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بری جگہ ہے۔

اس آیت میں ایسی سرزمین میں اقامت اختیار کرنے کو ظلم اور بدترین گناہ قرار دیا گیا ہے جہاں انسان اپنے دین و ایمان کی حفاظت نہ کر سکے، بشرطیکہ انسان وہاں سے نکلنے اور کسی مناسب مقام پر قیام کرنے کی قدرت رکھتا ہو[701]۔

(۲) دارالامن یا دارالعہد: دوسری قسم ان غیر اسلامی ممالک کی ہے، جہاں مسلمانوں کے لیے

------ حواشی --

698 ۔تفصیل کے لیے درج ذیل کتابیں ملاحظہ فرمائیں: احکام القرآن للجصاص: ج۳، ص:۲۲۸، ☆مغنی المحتاج للشربینی، ج:۶، ص:۵۴، ☆الاُمُّ للشافعی، ج:۲، ص:۱۶۹، ☆الحاوی الکبیر للماوردی، ج:۱۸، ص:۳۱۱☆، روضۃ الطالبین للنووی، ج:۷، ص:۴۷۴، ☆کشاف القناع للبہوتی، ج:۳، ص:۴۳، ☆الانصاف للمرادوی، ج:۴، ص:۱۲۱، ☆البحر الذخار لابن المرتضی، ج:۶، ص:۲۶۶، ☆المحلی لابن حزم، ج:۱۱، ص:۲۰۰، ☆المدونۃ الکبری للامام مالک، ج:۵، ص:۱۵۶۵، ☆مقدمات ابن رشد مع المدونۃ الکبریٰ، ج:۹، ص:۳۱۵۹

699 ۔مغنی المحتاج للشربینی، ج۶ ص ۵۴، ☆الحاوی للماوردی ج۱۸ ص ۱۱۱، ☆تحفۃ المحتاج للہیثمی ج۴ ص ۲۱۱

700 ۔سورۂ نساء:۹۷

701 ۔الکشاف للزمخشری ج ۱ ص ۵۵۵

بحیثیت اقلیت جان ومال، عزت وآبرو، دین وایمان کو خطرہ نہ ہو، ایسے ملکوں کے بارے میں علماء کے درمیان اختلاف رائے پایا جاتا ہے:

(۱) ایک رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے ایسے ملکوں کا سفر یا اقامت بھی جائز نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کو اپنے ملکوں ہی میں رہنا چاہئے، یہ رائے فقہاء مالکیہ کی ہے، اور شافعیہ کا ایک قول بھی اسی کے مطابق ہے[702]۔

(۲) دوسری رائے یہ ہے کہ ایسے ملکوں میں رہنا درست ہے، اور مقیم مسلمانوں کے لیے وہاں سے ہجرت کرنا واجب نہیں، یہ رائے حنفیہ اور حنابلہ کی ہے، اور شافعیہ کا صحیح مسلک بھی یہی ہے[703]۔

عدم جواز کے قائلین نے درج ذیل روایات کو مستدل بنایا ہے:

☆ حضرت معاویہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاتنقطع الهجرة حتى تنقطع التوبة ولاتنقطع التوبة حتى تطلع الشمس من مغربها[704]۔

ترجمہ: ہجرت اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک کہ توبہ کا دروازہ بند نہ ہو، اور توبہ کا دروازہ اس وقت تک بند نہ ہوگا جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو جائے۔

اس مضمون کی متعدد روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کا عمل تاقیامت جاری رہے گا، اور ظاہر ہے کہ اس حکم کے مخاطب وہی مسلمان ہیں جو کسی غیر مسلم ملک میں مقیم ہیں، اس سے قدرتی طور پر یہ حکم بھی نکلتا ہے کہ جب غیر اسلامی ملکوں میں مقیم مسلمانوں کو ان ملکوں کو چھوڑ دینے کا حکم دیا جارہا ہے، تو مسلم ملکوں سے منتقل ہو کر وہاں جانے کی اجازت کیسے مل سکتی ہے؟

------ حواشی ------

702 - المدونۃ الکبریٰ للامام مالک ج ۵ ص ۱۵۶۵، مقدمات ابن رشد مع المدونۃ الکبریٰ ج ۹ ص ۳۱۵۹

703 - احکام القرآن للجصاص ج ۲ ص ۳۰۵، اعلاء السنن للتہانوی ج ۱۲ ص ۳۶۱، کشاف القناع للبہوتی ج ۳ ص ۴۴، فتاوی ابن تیمیہ ج ۴ ص ۲۸۰، روضۃ الطالبین للنووی ج ۷ ص ۴۷۴، مغنی المحتاج للشربینی ج ۶ ص ۵۴

704 -سنن أبي داودج ۲ ص ۳۱۲ حديث نمبر 2481المؤلف : أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : 4 مصدر الكتاب : وزارة الأوقاف المصرية-

ان روایات پر سند اور استدلال دونوں لحاظ سے کلام کیا گیا ہے، حضرت معاویہ کی روایت سند کے اعتبار سے متکلم فیہ ہے[705]۔ مثلاً:

☆(اس روایت کی سند میں ابو ہند البجلی کو ابن القطان نے مجہول قرار دیا ہے[706]۔

☆ایک دوسرے راوی عبد الرحمن بن ابی عوف کو بھی ابن القطان نے مجہول کہا ہے[707]۔

اور اگر یہ روایات صحیح اور لائق استدلال بھی ہوں تو بھی انکا محمل وہ ممالک بن سکتے ہیں، جہاں مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل نہ ہو، جہاں دین وایمان، جان ومال اور عزت و آبرو کو شدید خطرات درپیش ہوں، مسلمان وہاں سے ہجرت کرنے کی طاقت رکھتے ہیں، اور کسی اسلامی ملک نے ان کیلئے اپنے دروازے کھول دیئے ہوں، ان احادیث کو علی الاطلاق تمام غیر اسلامی ملکوں پر منطبق نہیں کیا جاسکتا ہے، اسلئے کہ غیر اسلامی ملکوں میں قیام کی اجازت کی روایات بھی موجود ہیں[708]۔

☆دوسرا استدلال ان روایات سے کیا گیا ہے، جن میں مشرکین کی آبادیوں کے درمیان مسلمانوں کو قیام کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور ان سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے، حضرت جریر بن عبد اللہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

انا برئ من كل مسلم يقيم بين اظهر المشركين قالوا يارسول الله ولم؟ قال لاتراء ى نارا هما[709]۔

ترجمہ: میں ہر ایسے مسلمان سے بری ہوں جو مشرکین کے درمیان رہتا ہو، لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! کیوں؟ آپ نے ارشاد فرمایا دونوں اتنی دور رہیں کہ ان

------ حواشی--

705 ۔عون المعبود لشمس الحق عظیم آبادی ج ۷ ص ۱۵۶، نیل الاوطار للشوکانی ج ۸ ص ۲۶

706 ۔تہذیب التہذیب، ج:۱۰، ص:۲۹۹

707 ۔تہذیب التہذیب لابن حجرؒ، ج:۵، ص:۱۵۴

708 ۔سبل السلام للصنعانی ج ۴ ص ۸۶، تحفۃ الاحوذی للمبارکفوری ج ۵ ص ۲۱۵

709 ۔ترمذی کتاب السیر، باب ماجاء فی کرہیۃ المقام بین اظہر المشرکین، حدیث ۱۶۵۴، ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب النہی عن القتل من اعتصم بالسجود حدیث ۲۶۲۸، نسائی، کتاب القسامۃ، باب القود بغیر حدید مرسل، حدیث ۴۷۹۴

میں سے کوئی دوسرے کی آگ نہ دیکھ سکے۔

حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

لاتساكنوا االمشركين و لا تجامعوہم فمن ساكنہم اوجامعہم فہو مثلہم[710]وفی روایۃ:من جامع المشرک وسکن معہ فانہ مثلہ[711]۔

ترجمہ: مشرکوں کے ساتھ نہ رہو اور نہ ان کے ساتھ اکٹھے ہو، جو ان کے ساتھ رہے گا یا اکٹھے ہو گا وہ انہی کی طرح سمجھا جائے گا۔

ان روایات سے صراحتاً غیر مسلموں کے درمیان سکونت کی حرمت ثابت ہوتی ہے، مگر مشکل یہ ہے کہ یہ روایات بھی کلام سے خالی نہیں ہیں، مثلاً حضرت جریر بن عبد اللہ کی حدیث مرسل ہے یا متصل؟ اس میں محدثین کے درمیان اختلاف ہے، اورامام بخاری، امام ترمذی اور امام ابوداؤد وغیرہ نے اس کے ارسال والی بات کو ترجیح دی ہے[712]۔

دوسرے اس کی سند میں ایک راوی ابو معاویہ الضریر ہیں، ان کا نام محمد بن خازم التیمی ہے، ابن خراش اور عبد اللہ بن احمد کی رائے ان کے بارے میں یہ ہے کہ وہ صرف اعمش کی روایات کی حد تک قابل اعتبار ہیں، باقی روایات میں ان کے حافظہ پر اعتماد نہیں ہے[713]۔

رہی حضرت سمرۃ بن جندب والی روایت تو اس کے دونوں طرق ضعیف ہیں، پہلے طریق کی سند میں ایک راوی اسحاق بن ادریس ہیں جن کو متعدد محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، بلکہ یحیٰ بن معین نے ان کو کذاب اور حدیث گھڑنے والا کہا ہے، دار قطنی نے ان کو منکر الحدیث، اور نسائی نے متروک الحدیث قرار دیا

------ حواشی--

710 ۔السنن الکبری للبیہقی، کتاب السیر، باب الرخصۃ فی الاقامۃ بدار الشرک لمن لایخاف الفتنۃ ج۹ ص۱۸، جامع الترمذی مع شرح تحفۃ الاحوذی ج۵ ص ۲۳۰۔

711 ۔ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی الاقامۃ بارض الشرک، حدیث ۲۷۷۰

712 ۔تحفۃ الاحوذی شرح الترمذی ج۵ ص ۲۳۰

713۔میزان الاعتدال للذہبی ج۴ ص ۵۷۵، تہذیب التہذیب لابن حجر ج۷ ص ۱

ہے[714]۔

دوسرے طریق کی سند کے بارے میں ذہبی کا خیال ہے کہ لائق استدلال نہیں ہے[715]۔(اس لیے کہ سند میں ایک راوی سلیمان بن موسیٰ ابوداؤد متکلم فیہ راوی ہیں، ان کے بارے میں نسائی کہتے ہیں کہ حدیث میں مضبوط نہیں ہیں، ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ "فیہ لین" ان میں کچھ نرمی ہے، بخاری کہتے ہیں "لہ مناکیر" کہ یہ منکر روایات بھی نقل کرتے ہیں[716]۔

اور اگر یہ روایات درست بھی ہوں تو بھی ان کا اطلاق عام غیر اسلامی ملکوں پر نہیں ہو سکتا، بلکہ ان کا مصداق صرف وہ ممالک قرار دیئے جائیں گے جہاں مسلمانوں کے لیے دین پر آزادانہ عمل کی راہ میں مشکلات ہوں، اور ہجرت کے سوا اسلامی زندگی گذارنے کی کوئی صورت موجود نہ ہو، ۔۔۔۔۔۔ اور اگر اس روایت کو اس کے پس منظر کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو بات اور بھی زیادہ صاف ہو جاتی ہے، یہ حدیث جس پس منظر میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائی وہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک سریہ قبیلۂ بنو خثعم کی طرف بھیجا تو کچھ لوگوں نے سجدوں کی ڈھال اختیار کر لی یعنی سجدے میں چلے گئے تاکہ مجاہدین ان کو مسلمان جان کر قتل نہ کریں، مگر مجاہدین کی تلوار سے وہ لوگ محفوظ نہ رہ سکے، جب کہ فی الواقع وہ مسلمان تھے، حضور اکرم ﷺ کو اس کی خبر ملی تو آپ نے ان کے لیے نصف دیت کا حکم جاری فرمایا، اور یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ میں ہر ایسے مسلمان سے بری ہوں جو مشرکوں کے درمیان رہائش پذیر ہو[717]۔

عقلی استدلال

ایک عقلی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ ایک مسلمان کے غیر اسلامی ملک میں جانے کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ خود اپنے آپ کو اسلامی قوانین کے سایہ سے نکال کر غیر اسلامی قوانین کے لیے پیش کر رہا ہے، ظاہر ہے

------ حواشی --

714 - میزان الاعتدال للذہبی ج ا ص ۱۸۴، المجموع فی الضعفاء والمتروکین لعبد العزیز السیروان ص ۲۸۳

715 - نیل الاوطار للشوکانی ج ۸ ص ۲۵

716 - عون المعبود شمس الحق عظیم آبادی ج ۷ ص ۷۷۴، المجموع فی الضعفاء والمتروکین ص ۱۱۶-۴۴۲

717 - جامع الترمذی مع تحفۃ الاحوذی ج ۵ ص ۲۲۹

کہ کسی صاحب ایمان کو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی[718]۔

مگر اس دلیل کی معنویت آج کے دور میں باقی نہیں رہی، اس لیے کہ تمام اقوام و ممالک نے اپنے دستور میں مذہبی آزادی کا اصول تسلیم کر لیا ہے، اور ہر ملک میں ہر شخص کو اپنے مذہب پر عمل کرنے کی مکمل آزادی دی گئی ہے۔

اس لیے آج کے حالات میں کسی غیر اسلامی ملک کے زیر اثر زیادہ سے زیادہ جن مسائل میں کسی مسلمان کے متاثر ہونے کا امکان ہے وہ اقتصادی مسائل ہیں مگر ان کا بڑا حصہ قانون اسلامی سے متصادم نہیں ہے، بلکہ بڑی حد تک اسلامی قوانین سے ہم آہنگ ہے، بلکہ آج کا تجربہ تو یہ ہے کہ غیر اسلامی ملکوں کے مسلمان جس صلابت اور شدت کے ساتھ دین پر قائم ہیں، اسلامی ملکوں کے بیشتر مسلمان اس معیار پر نہیں اترتے، وہ دین کو پوری محبت کے ساتھ سینہ سے لگائے ہوئے ہیں کہ کہیں یہ ہم سے چھوٹ نہ جائے، جب کہ اسلامی ملکوں کے اکثر مسلمان محض روایتی طور پر دین پر قائم ہیں۔

قائلین جواز کے دلائل

جمہور فقہاء جواز کی رائے رکھتے ہیں، اور اس کیلئے ان کے پیش نظر بعض اہم بنیادیں ہیں:

(۱) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن ارشاد فرمایا:

لاہجرة ولکن جہاد ونیۃ واذا استُنفرتم فانفروا[719]

ترجمہ: اب ہجرت کا حکم باقی نہیں البتہ جہاد اور نیت باقی ہے، جب تم کو جہاد کے لیے بلایا جائے تو جہاد کے لیے نکلو۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب پورے علاقۂ عرب میں امن قائم ہو گیا، اور مسلمانوں کے مذہبی معاملات میں کوئی رکاوٹ باقی نہ رہی تو ہجرت مدینہ کا حکم منسوخ ہو گیا، حافظ ابن حجرؒ

------ حواشی --

718 - مقدمات ابن رشد مع المدونۃ الکبری ج ۹ ص ۳۱۵۹، المدونۃ الکبری للامام مالک ج ۵ ص ۱۵۶۵

719 - بخاری، کتاب الجہاد، باب لاہجرۃ بعد الفتح ج ۱ ص ۴۳۳، حدیث ۳۰۷۷ا المسلم، کتاب الامارۃ باب المبایعۃ بعد فتح مکۃ علی الاسلام والجہاد، حدیث ۴۸۰۳

فرماتے ہیں کہ یہ حکم صرف مکہ مکرمہ ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ ہر وہ علاقہ جہاں مسلمانوں کو ان کے اسلامی امور کی بجا آوری میں کوئی دشواری پیش نہ آئے اس میں داخل ہے [720]۔

علامہ خطابیؒ اور شوکانی کا بیان ہے کہ ابتداء اسلام میں چونکہ مسلمان تعداد میں کم اور منتشر تھے، اس لیے ضرورت تھی کہ ان کو کسی ایک مقام پر جمع کیا جائے، اس وقتی مصلحت کے پیش نظر ہجرت مدینہ کا حکم عبوری طور پر دیا گیا، لیکن جب مسلمان تعداد میں بڑھ گئے اور ان کی قوت بھی کافی حد تک مستحکم ہو گئی، جس کا علامتی مظاہرہ فتح مکہ کی صورت میں ہوا، تو ہجرت مدینہ کا یہ حکم اٹھالیا گیا [721]۔

(۲) رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ سے قبل بعض صحابہ کو مکہ میں رہنے کی اجازت دی تھی جب کہ مکہ، فتح مکہ سے قبل دار الکفر تھا، مثلاً اپنے چچا حضرت عباس بن عبد المطلبؓ کو حضور ﷺ نے مکہ میں رہنے کی اجازت دی، اسلئے کہ ان کے بارے میں دینی فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں تھا۔ اور ذاتی وجاہت اور خاندانی اثر ورسوخ کی بناپر کفار ان کو جانی ومالی نقصانات بھی نہیں پہنچا سکتے تھے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دار الکفر میں اگر دین وایمان اور جان ومال کے تحفظ کا یقین ہو تو قیام کرنے کی اجازت ہے [722]۔

البتہ حضرت عباسؓ کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہجرت کی قدرت نہیں رکھتے تھے، اس بنا پر حکم ہجرت سے ان کو مستثنی کر دیا گیا تھا، جو عام مستضعفین کا حکم ہے۔

(۳) بعض صحابہ نے مکہ میں کفار کی اذیتوں سے مجبور ہو کر حبشہ کی عیسائی سلطنت کا رخ کیا اور وہیں مقیم ہو گئے، اور جب تک اللہ نے ہجرت مدینہ کی سبیل نہیں پیدا کی وہیں مقیم رہے، یہاں تک کہ بعض صحابہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ ہجرت فرما جانے کے بعد بھی حبشہ ہی میں مقیم رہے، اور یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کی مرضی کے مطابق ہوا۔ خود نجاشی مسلمان ہونے کے بعد اپنی غیر اسلامی سلطنت میں مقیم رہا، جب کہ وہ اپنے وسائل کی بدولت مدینہ منورہ کی اسلامی ریاست کی طرف ہجرت کرنے کی قدرت رکھتا تھا،

------ حواشی ------

720 - فتح الباری، شرح بخاری ج ۶ ص ۲۳۳-۲۳۴

721 - معالم السنن للخطابی ج ۲ ص ۲۰۳، نیل الاوطار للشوکانی ج ۸ ص ۲۶

722 - الأم للشافعی ج ۲ ص ۱۶۹، المغنی لابن قدامہ ج ۱۰ ص ۵۵، السنن الکبری للبیہقی ج ۹ ص ۱۵

لیکن رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے وہ حبشہ میں مقیم رہا، اور جب اس کا انتقال ہوا تو حضور ﷺ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ ادا فرمائی اور فرمایا:

مات الیوم رجل صالح[723]۔

ترجمہ: آج ایک صالح شخص کا انتقال ہو گیا ہے۔

(۴) مشہو تابعی حضرت عطاء بن ابی رباح فرماتے ہیں کہ میں نے عبید بن عمیر کے ساتھ حضرت عائشہؓ سے ملاقات کی، اوران سے ہجرت کے بارے میں سوال کیا، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

"اب ہجرت کا حکم نہیں ہے، اللہ اوراس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کا حکم اس وقت تھا جب مسلمانوں کے لیے دینی اعتبار سے فتنہ کا اندیشہ تھا، اس لئے مسلمان مختلف علاقوں سے سمٹ کر رسول اللہ ﷺ کے زیر سایہ مجتمع ہو گئے، لیکن اب اللہ نے اسلام کو فروغ دے دیا ہے اس لیے اب جو شخص جہاں چاہے رہ کر اپنے پروردگار کی عبادت کرے، البتہ جہاد اور نیت کا حکم اب بھی باقی ہے[724]۔

حافظ ابن حجرؒ اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا اشارہ اس جانب ہے کہ ہجرت کا حکم مطلق نہیں ہے، بلکہ فتنہ کی علت کے ساتھ مربوط ہے، علت موجود ہو گی تو حکم پایا جائے گا، علت نہیں رہے گی تو حکم بھی باقی نہ رہے گا، اس طرح وہ ممالک جہاں دینی اعتبار سے مسلمانوں کے لیے فتنہ نہ ہو وہاں اقامت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، اور وہاں مقیم مسلمانوں کے لیے ہجرت واجب نہیں ہے[725]۔

علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں: اگر کسی غیر اسلامی ملک میں آزادانہ طور پر دین پر عمل کرنے کی قدرت ہو تو وہ دارالاسلام کے حکم میں ہے، اور دارالاسلام کے مقابلے میں مسلمانوں کا وہاں قیام کرنا زیادہ باعث

------ حواشی ------

723 ۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۷ ص ۲۴۲، کتاب مناقب الانصار، باب موت النجاشی، حدیث ۳۸۷۷

724 ۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری ج ۷ ص ۲۸۶، السنن الکبری للبیہقی، کتاب السیر، باب الرخصۃ فی الاقامۃ بدار الشرک لمن لا یخاف الفتنۃ ج ۹ ص ۱۷

725 ۔ فتح الباری لابن حجرؒ ج ۷ ص ۲۹۰

فضیلت ہے، اس لیے کہ اس میں اسلام کی دعوت واشاعت کے امکانات زیادہ ہیں[726]۔

قول راجح

غور کرنے سے جمہور کا موقف ہی زیادہ مضبوط معلوم پڑتا ہے، اوراس کے کئی اسباب ہیں:

(۱)عدم جواز کے لیے جو روایات پیش کی گئی ہیں، وہ عموماً طعن سے خالی نہیں ہیں، اوراگر ان کو تسلیم بھی کرلیا جائے توان کا محل وہ ممالک قرار پاسکتے ہیں جہاں مسلمانوں کے لیے دینی لحاظ سے خطرہ درپیش ہو، اور فقہ کا ضابطہ ہے کہ جب کسی دلیل میں دوسرا احتمال پیدا ہوجائے تو وہ کسی ایک معنی کے لیے متعین نہیں رہ جاتے، اوراس سے استدلال باطل ہوجاتا ہے۔

(۲)نیز غیر اسلامی ممالک کی صورت حال اب قطعاً مختلف ہوگئی ہے، آج ان ممالک میں فکر و عقیدہ اور اظہار خیال کی جو آزادی ہے، اللہ مجھے معاف کرے، وہ بہت سے اسلامی ملکوں میں بھی میسر نہیں ہے، آج وہاں اسلامی ادارے، مساجد، مدارس اور دینی تحریکات وتنظیمات کی خاصی تعداد خدمت دین میں مصروف ہیں، اور ان کے لیے کوئی سیاسی یا قانونی رکاوٹ نہیں ہے، بڑے بڑے اہل علم، اور اہل تحقیق موجود ہیں جو مختلف ممالک سے مختلف اسباب کے تحت وہاں پہنچ گئے ہیں، اس لیے آج ان ممالک میں نہ اسلام کے لیے خطرہ ہے اور نہ مسلمانوں کے لیے، پھر کوئی وجہ نہیں کہ ان ممالک میں مقیم مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا جائے، یا مسلمانوں کے وہاں داخلہ یا اقامت کو ممنوع قرار دیا جائے۔

(۳)اوراگر اس نظریہ کو تسلیم کرلیا جائے تواس سے لازم آئے گا کہ تمام غیر اسلامی ممالک کو اسلام اور مسلمانوں کے وجود سے خالی کردیا جائے، اس طرح کی بات کم از کم آج کے دور میں کوئی دانشمند شخص نہیں کرسکتا، علاوہ ازیں تمام مقیم مسلمانوں کی ہجرت اور نقل مکانی میں آج کے دور میں جو مشکلات اور دشواریاں ہیں وہ اپنی جگہ ہیں، یہ اسلام کے مزاج کے خلاف ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہے:

------ حواشی ------

726 - الحاوی للماوردی ج۱۸ص ۱۱۱

ما جعل علیکم فی الدین من حرج[727] (۷۸:)

ترجمہ: اللہ نے تمہارے لیے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر[728]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں، مشکل نہیں چاہتے۔

غیر مسلم ملکوں میں قیام کے محرکات

(۲) اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ غیر اسلامی ممالک میں قیام کے محرکات کیا ہیں؟ محرکات کے فرق سے بھی حکم میں فرق پیدا ہوتا ہے۔ مختلف اغراض ہیں جن کے تحت لوگ غیر اسلامی ملکوں کی طرف رخ کرتے ہیں:

سیاسی پناہ کا حصول

(ا) کبھی کسی مسلمان کو اپنے ہی ملک میں اس کی جان ومال یا عزت وآبرو کو خطرہ درپیش ہوتا ہے، اور دار الاسلام ہونے کے باوجود اس کے ساتھ حق تلفی اور زیادتی روا رکھی جاتی ہے، ایسے حالات میں انسان اپنی سہولت ومصلحت کے لحاظ سے کسی غیر اسلامی ملک کا رخ کرتا ہے، تاکہ وہ اپنی جان ومال کا تحفظ کرسکے، اور پر امن اور خوشحال زندگی گذار سکے، اس صورت میں اس کے لیے غیر اسلامی ملک میں قیام کرنے کی اجازت ہے، البتہ اس کے لیے درج ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

(الف) ایسے ملک کا انتخاب کرے جہاں پوری آزادی کے ساتھ وہ دین پر عمل کرسکتا ہو۔

(ب) اسلامی ملک میں اس کے ساتھ ظلم وجبر آخری حد تک پہونچ گیا ہو، اور اس کی تلافی کی کوئی صورت نہ ہو، اور کوئی مسلم فرد یا ملک اس کی نصرت وحمایت کے لیے آمادہ نہ ہو۔

------ حواشی--

727 - سورۂ حج ۷۸

728 - البقرۃ :۱۸۵

(ج) غیر مسلموں کے کسی ایسے عمل میں تعاون نہ کرے جو عام مسلمانوں کے لیے ضرر رساں ہو[729]

اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے بھی رہنمائی ملتی ہے کہ:

من فر بدینہ من ارض الی ارض وان کان شبرا من الارض استوجبت لہ الجنۃ۔

ترجمہ: جو شخص اپنے دین کے لیے ایک زمین سے بھاگ کر دوسری زمین کی طرف منتقل ہو چاہے اس کی خاطر اس کو صرف ایک بالشت زمین ہی چھوڑنی پڑے، اس کے لیے جنت واجب ہو گئی[730]

اسی طرح ولید بن یزید نے ہشام بن عبد الملک کے بارے میں امام زہریؒ کو دھمکی دی اور ان کے خون کی نذر مانی (یعنی ہشام کے مرنے کے بعد تمہاری جان لوں گا) حضرت زہریؒ نے خوف سے عزم مصمم کر لیا کہ ہشام کی موت کے بعد روم چلے جائیں گے، لیکن اس کی نوبت نہیں آئی اور خود زہری کی وفات ہشام سے قبل ہو گئی[731]

مسلمانوں سے جنگ کا ارادہ

اگر کوئی شخص بلاضرورت محض غیر مسلموں سے دوستانہ تعلقات کی بنا پر ان کے ملک چلا جائے، اور ان کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف کسی عمل میں شریک ہو، ایسی حالت میں غیر مسلم ملک جانا یا قیام کرنا حرام ہے[732]

اور اس کی ممانعت صراحت کے ساتھ قرآن کریم میں آئی ہے۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تتخذوا الیہود والنصاری اولیاء بعضہم

------ حواشی --

729 - الجامع الاحکام القرآن للقرطبی ج۵ ص ۳۵۰، احکام القرآن لابن العربی ج ا ص ۴۸۵، المحلی لابن حزم ج ۱۱ ص ۲۰۰

730 - الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج۵ ص ۳۴۷

731 - المحلی لابن حزم ج ۱۱ ص ۲۰۰

732 - المحلی لابن حزم ج ۱۱ ص ۲۰۰

اولیاء بعض و من یتولہم منکم فانہ منہم[733]

ترجمہ: اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ ان میں بعض بعض کے دوست ہیں جو ان کے ساتھ دوستی کرے گا اس کا شمار انہی کے ساتھ ہو گا۔

تجارت یا کسی عمل کے لیے قیام

کبھی کسی تجارت یا عمل کے لیے غیر مسلم ملک جانے یا وہاں رہنے کی ضرورت پڑتی ہے، مگر اس کی کئی شکلیں ہیں:

(الف) اپنے ملک میں معاش کے بنیادی وسائل میسر نہ ہوں اور اسکی بنا پر مجبور اً کوئی مسلمان غیر مسلم ملک چلا جائے اور وہاں اقامت کرے، تو جمہور فقہاء کے نزدیک اس کی اجازت ہے[734]

اور اس حکم کا مأخذ یہ آیت کریمہ ہے:

ھوالذی جعل لکم الارض ذلولاً فامشوا فی مناکبہا وکلوا من رزقہ والیہ النشور[735]

ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو تابع بنایا پس ان کے کاندھوں پر چلو اور اسکی دی ہوئی رزق استعمال کرو اور اسی کی طرف پھر اٹھایا جانا ہے۔

ظاہر ہے کہ زمین میں حصول رزق کے لیے سفر کا حکم کسی زمین و مکان کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

(ب) بنیادی وسائل معاش اپنے ملک میں میسر ہوں جس سے فاقہ کی نوبت تو نہ آتی ہو، مگر اپنی یا اپنے خاندان کی اقتصادی پوزیشن بہتر کرنے کے لیے کسی غیر مسلم ملک میں قیام کیا جائے، تو اس کی بھی گنجائش ہے[736]

------ حواشی ------

733 - سورۂ مائدہ:۵۱

734 - المبسوط للسرخسی ج۱۰ص۸۸/، احکام القرآن لابن العربی ج۱ص۵۱۵/، الجامع لاحکام القرآن ج۵ص۳۵۱/ کشاف القناع للبہوتی ج۳ص۱۳۱

735 - سورۃ ملک:۱۵

736 - احکام القرآن لابن العربی ج۱ص۴۸۶/، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج۵ص۳۵۱

قرآن پاک کی ایک آیت کریمہ سے اس پر روشنی پڑتی ہے:

لیس علیکم حرج ان تبتغوا فضلا من ربکم[737]

ترجمہ: کوئی مضائقہ نہیں اس بات میں کہ تم اپنے رب کی دی ہوئی رزق تلاش کرو۔

(ج) تجارتی مقاصد کے تحت غیر اسلامی ملکوں میں قیام کیا جائے جمہور فقہاء کے نزدیک یہ بھی جائز ہے[738]

البتہ امام مالکؒ اور علامہ ابن حزمؒ کو اس سے اختلاف ہے ان کے نزدیک دنیوی اغراض کے لیے غیر اسلامی ملک میں قیام جائز نہیں ہے[739]

دراصل جمہور فقہاء کے پیش نظر عہد نبوی کے بعض واقعات ہیں جن میں بعض صحابہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے تجارتی اغراض کے تحت غیر مسلم ملکوں کا سفر کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر نہیں فرمائی[740]

بالخصوص آج کے دور میں مسلم ممالک تجارت وصنعت کے میدان میں جس قدر پسماندہ ہیں ان کا تقاضا ہے کہ مسلم تجار ترقی یافتہ غیر مسلم ملکوں کا دورہ کریں یا وہاں قیام کریں، اور اعلی صنعت سے روشناس کرائیں۔

اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ تجارت اگر پوری دیانت داری اور خلوص کے ساتھ اسلامی اصولوں کے مطابق کیا جائے تو غیر مسلم برادری پر اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے اچھا اثر پڑے گا اور اس سے دعوت کی راہ کھلنے کے بڑے امکانات ہیں، ماضی میں تجارت ہی کے عنوان سے ہمارے اسلامی قافلوں نے مختلف ملکوں کا سفر کیا اور انہی قافلوں کے ذریعے اسلام دنیا کے مختلف علاقوں میں پہونچا، اس لیے تجارت آج

------ حواشی --

737 - سورہ بقرہ:۱۹۸

738 - المبسوط للسرخسی ج۱۰ ص۸۸

739 - مقدمات ابن رشد ج۹ ص۱۵۹/۳، المحلی لابن حزم ج۱۱ ص۳۴۹

740- الولاء والبراء فی الاسلام، الشیخ محمد القحطانی ۹۷

کے دور میں بھی دعوت کا بہترین وسیلہ ہے، اور اس وسیلہ کو کھو دینا ہرگز دانشمندی نہیں ہو گی"۔

(د) غیر اسلامی ملکوں میں اس لیے قیام کیا جائے کہ اس کے فن یا عمل کے تقاضوں کی تکمیل وہاں ہوتی ہو، مثلا کوئی کسی اسلامی ریاست کی طرف سے مخصوص عمل کے لیے غیر اسلامی ملک ہی میں مبعوث ہو، یا اخباری نمائندہ کے طور پر اس کو وہاں جانا پڑے اور قیام کرنا پڑے وغیرہ، تو ایسی صورت میں بھی وہاں قیام کرنا جائز ہو گا، البتہ ان حالات میں درج ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

(۱) اس کام سے کوئی مصلحت وابستہ ہو، اور اس سے عام مسلمانوں کو نقصان نہ پہونچتا ہو۔

(۲) خلاف شرع کام نہ ہو، اور طریق کار بھی اسلامی احکام سے متصادم نہ ہو۔

(۳) ملک ایسا ہو جہاں دینی شعائر واحکام پر عمل کرنے کا پورا اختیار حاصل ہو اور اس سلسلے میں قانونی، سیاسی یا سماجی طور پر کسی قسم کی رکاوٹ نہ ہو[741]۔

تحصیل علم کے لیے وقتی قیام

آج علم نے بہت سی شکلیں اختیار کر لی اور نئے نئے علوم وجود میں آگئے ہیں، بالخصوص صنعت اور طب کے میدان میں، مسلمان کے لیے ان سے واقف ہونا اور ان کے راستے سے غیر مسلموں کے اعلی تعلیم یافتہ طبقہ تک رسائی حاصل کرنا، اوران علوم کو نیک مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا سلیقہ سیکھنا بے حد ضروری ہے، آج مغربی قوموں نے اسی علمی برتری کی بدولت ساری دنیا پر اپنا سکہ جمالیا ہے، اور کوئی قوم نہیں جو ان کی اس علمی بالادستی کو چیلنج کر سکے، مسلمان اہل علم کے لیے آج ضروری ہے کہ وہ مغربی اقوام سے یہ علوم سیکھیں اور وسائل واسباب کی دنیا میں اپنا مقام بنائیں، اور جو علوم آج مادی اور سطحی مقاصد کے لیے استعمال ہو رہے ہیں ان کو معنوی اور اعلی مقاصد کے لیے استعمال کریں۔

اسلام تو پہلا مکتب تعلیم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے معلم انسانیت ہیں، جنھوں نے سب سے زیادہ علم کی اہمیت پر زور دیا، اور اس کو ہر طرح فروغ دینے کی تدبیریں کیں، حضور اکرم صلی اللہ

------ حواشی ------

741۔ فتاوی الامام عبد الحلیم محمود ج ۲ ص ۲۷۴/۲، ڈاکٹر احمد جمال ج ۱ ص ۲۴۰

علیہ وسلم نے حصول علم کے سفر کی اہمیت بھی بیان فرمائی، ارشاد فرمایا:

من خرج فی طلب العلم فھو فی سببیل اللہ حتی یرجع۔[742]

ترجمہ: جو شخص علم کی جستجو میں نکلے وہ اللہ کے راستے میں ہے جب تک کہ لوٹ نہ جائے۔

علم سے مراد علم نافع ہے، اور علم دین اس کا اولین مصداق ہے، لیکن ثانوی مصداق اس کا دنیا کا ہر وہ علم ہے جو جائز بنیادوں پر قائم ہو، جس سے انسانیت کی فلاح وابستہ ہو، اور جس کو کسی نہ کسی درجہ میں اسلام اور امت مسلمہ کے تعمیری مقاصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہو، موجودہ عصری تقاضوں اور عالم اسلام کی پسماندگی اور ناخواندگی کے پیش نظر محسوس ہوتا ہے کہ تعلیم کی غرض سے غیر مسلم ملکوں میں مسلمانوں کا قیام نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہونا چاہیئے۔

البتہ اس میں چند باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہو گا:

(۱) جن علوم کو حاصل کرنے کے لیے غیر مسلم ملک کے سفر کا ارادہ ہو امت مسلمہ کو فی الواقع ان علوم کی ضرورت ہو۔

(۲) وہ علوم نصوص شرعی اور اسلام کے قواعد عامہ کے خلاف نہ ہوں۔

(۳) وہاں طلبہ کی دینی وفکری تعلیم کا معقول انتظام موجود ہو۔

دعوت الی اللہ کے لیے سفر واقامت

اگر غیر مسلم ملکوں کا سفر یا وہاں قیام دعوت الی اللہ کی غرض سے کیا جائے تو اس کے جواز یا استحباب میں کیا کلام ہو سکتا ہے، آج ساری دنیا میں اسلام اسی طرح پھیلا ہے، ہمارے بزرگوں نے اسی طرح اپنا وطن چھوڑا غیر مسلم ملکوں میں جا کر اقامت اختیار کی اور اپنے قول وعمل اور اخلاقی قوت کے ذریعہ اسلام کا کلمہ دنیا کے گوشے گوشے میں پہونچایا۔

دنیا کی تمام اقوام تک دعوت پہونچانا اس امت پر فرض کفایہ ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

------ حواشی--

742 - ترمذی کتاب العلم باب فضل طلب العلم، حدیث ۲۷۸۵/ ۲، قال ہذا حدیث غریب

فلولاتفرمن کل فرقۃ طائفۃ یتفقہوا فی الدین ولینذروا قومہم
اذارجعوا الیہم لعلہم یحذرون[743]

ترجمہ: سو یہ کیوں نہ ہو کہ ان میں ایک حصہ نکل کھڑا ہوتا کہ (یہ باقی لوگ) دین کی سمجھ بوجھ حاصل کریں، تاکہ یہ جب اپنی قوم میں واپس آئیں تو ان کو ڈرائیں، عجب کیا کہ وہ محتاط رہیں۔

اس لحاظ سے امت کے ایک طبقہ کا قیام غیر مسلم ملکوں میں ضروری ہے، جو دعوتی مقاصد کے تحت وہاں مقیم ہو، اور اسلامی تعلیمات ان تک پہونچائے۔

طبی اغراض کے تحت قیام

اگر کسی مرض کا مناسب علاج مسلم ملک میں میسر نہ ہو تو اس کے لیے غیر مسلم ملک کا سفر کرنا اور صحت کے لیے وہاں قیام کرنا جائز ہے[744]

سیر وسیاحت اور تفریح طبع کے لیے قیام

سیر وسیاحت، تفریح طبع اور مسلم بھائیوں سے ملاقات کی غرض سے بھی غیر اسلامی ملک کا سفر کرنا یا وہاں قیام کرنا جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے[745]

اس لیے کہ سیر وسیاحت بذات خود ناجائز نہیں ہے، بلکہ عبرت وموعظت کی غرض سے شرعاً محمود ومطلوب ہے، اور اس سے اللہ کی قدرت وحکمت کے بے شمار مظاہر سامنے آتے ہیں، جن سے انسان کے ایمان ویقین میں اضافہ ہوتا ہے، دنیا کی بے ثباتی کا تجربہ ہوتا ہے، اور بسا اوقات سفر سے انسان بہت سے روحانی اور احسانی مدارج ومقامات طے کرلیتا ہے، اسی لیے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا:

------ حواشی--

743 - سورۃ توبہ: ۱۲۲

744 - فتاوی ورسائل للمسافرین علماء کی ایک جماعت ص ۳۹

745 - احکام القرآن لابن العربی ج ۱ ص ۴۸۶، الجامع للاحکام القرآن للقرطبی ج ۵ ص ۳۵۰، الاقلیات المسلمہ، الشیخ محمد العیثمین وابن باز ۶۷

قل سیرو ا فی الارض فانظر واکیف بدأ الخلق[746]

ترجمہ: آپ کہدیں کہ زمین کا سفر کرو، پھر دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیاانجام ہوا؟

اوراس سیر وسیاحت کے عموم میں غیر مسلم ممالک بھی داخل ہیں، اس لیے کہ زمین ساری اللہ کی ہے، جس کوچاہتا ہے اپنی زمین کاوارث بنادیتاہے، ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔البتہ سیر وسیاحت کی غرض سے غیر مسلم ممالک جانے والوں کو درج ذیل امور کی رعایت کرناضروری ہے:

(۱)ایسے دائروں اورعلاقوں میں جایاجائے جہاں شرعی طورپر دانستہ یا نادانستہ ناجائز امور کا ارتکاب نہ کرناپڑے۔

(۲)اسراف اورضیاع وقت سے پرہیز کیاجائے۔

(۳)سیاحت کی غرض درست ہو مثلادعوت الی اللہ، مسلم بھائیوں کی ملاقات، کسی تعلیمی پروگرام میں شرکت یامشاہدۂ آثارالہی وغیرہ مقاصد میں سے کوئی مقصد ہو۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

------ حواشی --

746 ۔ عنکبوت:۲۰

مسلمانوں کے لئے غیر مسلم ملکوں کی شہریت حاصل کرنا

اس ذیل میں ایک اہم ترین بحث غیر مسلم ملک کی شہریت (NATIONALITY) کے حصول کی ہے، کہ آیا شرعی طور پر کسی اسلامی ریاست کے شہری کے لیے جائز ہے، کہ وہ کسی غیر مسلم ریاست میں جا کر وہاں کی شہریت حاصل کرنے کی کوشش کرے، اور وہاں کا شہری بن کر غیر اسلامی قانون کے زیر سایہ زندگی گذارے یہ کسی ملک میں قیام اور اقامت سے آگے کا مرحلہ ہے۔

☆اگر کوئی مسلمان ضرورت و مجبوری کی بنا پر یا محض معاشی فوائد کی غرض سے غیر مسلم ملک کی شہریت حاصل کرنا چاہے تو کیا اس کی اجازت ہوگی؟......

ہمارے قدیم مراجع میں باضابطہ یہ بحث نہیں ملتی، لیکن عصر حاضر میں یہ مسئلہ علماء کے درمیان زیر بحث رہا ہے۔

دونقطۂ نظر

عصر حاضر میں اس موضوع پر علماء اور اہل قلم کی طرف سے جو مباحث پیش کئے گئے ہیں، ان کو پڑھنے سے علماء کے دونقطۂ نظر سامنے آتے ہیں:

(ا) ایک رائے عدم جواز کی ہے، پھر اس میں بھی دو طبقے ہیں:

الف:- ایک طبقہ اس کو خروج عن الاسلام اور صریح ارتداد کے مترادف قرار دیتا ہے اور ایسے تمام حضرات پر مرتدین کے احکام جاری کرنے کا قائل ہے، جو غیر مسلم ملکوں میں مقیم ہیں[747]

اس طبقہ کے مشہور نام عرب علماء میں یہ ہیں، شیخ محمد رشید رضا مصریؒ، شیخ محمد یوسف الدجویؒ، اور شیخ محمد شاکرؒ (یہ ازہر کے اکابر اہل علم میں ہیں) شیخ ادریس شریف محفوظؒ یہ اپنے وقت میں بیروت کے مفتی

------ حواشی ------

747 - فتاویٰ الامام محمد رشید رضا ج۵ ص ۱۷۵۰

تھے[748] اور ڈاکٹر محمد عبد الکریم الجزائریؒ[749] وغیرہ۔

ب:- دوسرا طبقہ اس کو ارتداد نہیں کہتا بلکہ صرف معصیت قرار دیتا ہے اس طبقہ میں شیخ مختار السلامیؒ رکن مجمع الفقہ الاسلامی اور شیخ محمد عبداللہ بن سبیل امام وخطیب مسجد حرام عضو ہیئۃ کبار العلماء السعودیۃ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، ویسے ناموں کی فہرست لمبی ہے[750]

اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء نے بھی یہی فتویٰ جاری کیا ہے[751]

(۲) دوسری رائے جواز کی ہے، پھر جواز کے قائلین میں بھی دو نقطۂ نظر ہو گئے ہیں:

(الف) ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس کی گنجائش صرف بوقت ضرورت ہے،...... عرب علماء میں شیخ احمد بن احمد الخلیلی مفتی عام سلطنت عمان اور رکن مجمع الفقہ الاسلامی کی یہی رائے ہے، مصری دار الافتاء نے بھی اسی کے مطابق فتویٰ دیا ہے[752] وغیرہ

(ب) دوسرا نقطۂ نظر اصلاً جواز کا ہے، البتہ حالات وظروف اور اغراض ومقاصد کے لحاظ سے حکم کی نوعیت میں فرق ہو سکتا ہے۔

عہد حاضر کے جمہور علماء کی رائے یہی ہے، اس رائے کے حامل چند مشہور نام یہ ہیں:

ڈاکٹر یوسف القرضاویؒ (ویب سائٹ پر ان کا فتویٰ موجود ہے، www.qardawi.net)، ڈاکٹر محمد رافت عثمانی عمید الکلیۃ الشرعیۃ والقانون جامعۃ الازہر، ڈاکٹر وہبہ الزحیلیؒ[753] اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب[754] وغیرہ

------ حواشی --

748 ۔ حکم التجنس بجنسیۃ دولۃ غیر اسلامیۃ ص ۷۱-۹۷

749 ۔ تبدیل الجنسیۃ ردۃ وخیانۃ ص ۲۷

750 ۔ مجلۃ الفقہ الاسلامی ج ۲ ص ۱۱۵۶، حکم التجنس بجنسیۃ دولۃ غیر اسلامیۃ ص ۱۱۳

751 ۔ فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ للبحوث والافتاء ج ۱۲ ص ۵۸

752۔ فتویٰ نمبر ۸۸۹، ۲۰۰۰ء

753۔ فقہ الاقلیات المسلمۃ ص ۶۰۹

754۔ بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ ص ۳۲۰

قائلین عدم جواز کے دلائل

جو حضرات عدم جواز کی رائے رکھتے ہیں ان کے موقف کی دلیلیں درج ذیل ہیں:

(۱)الم تر إلی الذین یزعمون أنہم آمنوا بماانزل إلیک و ماانزل من قبلک یریدون أن یتحاکموا إلی الطاغوت وقدامروا أن یکفروا بہ یرید الشیطان أن یضلہم ضلالاً بعیداً[755]

ترجمہ: کیا آپ نے ان لوگوں پر نظر نہیں کی، جو دعویٰ رکھتے ہیں کہ وہ اس (کتاب) پر ایمان لے آئے ہیں، جو آپ پر نازل کی گئی ہے، اور جو آپ سے قبل نازل ہو چکی ہے، لیکن چاہتے یہ ہیں کہ اپنا مقدمہ طاغوت کے پاس لے جائیں، حالانکہ انہیں حکم مل چکا ہے، کہ اس کے مقابلے میں کفر اختیار کریں، اور شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ انہیں بھٹکا کر بہت دور دراز لے جائے۔

طاغوت سے مراد وہ نظام قانون ہے جو اسلامی شریعت کے خلاف ہو، غیر مسلم ملک کی شہریت حاصل کرنا گویا باختیار خود اسلامی نظام قانون سے نکل کر طاغوتی نظام قانون میں داخل ہونا ہے ظاہر ہے کہ یہ اسلام سے انحراف کے مترادف ہے[756]

(۲)ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ وہو فی الآخرۃ من الخاسرین[757]

ترجمہ: جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا وہ اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ شخص آخرت میں تباہ کاروں میں شمار ہو گا۔

------ حواشی ------

755 - سورۃ نساء:۶۰

756 - فتاویٰ محمد رشید رضا مصری ج۵ ص۱۷۵۵

757 - آل عمران:۸۵

علامہ بیضاویؒ نے اسلام کی تفسیر توحید اور اتباع امر اللہ سے کی ہے[758]

ان کے نزدیک جو حضرات اسلامی مملکت، اسلامی نظام قانون اور مسلم بالادستی سے نکل کر غیر اسلامی مملکت میں قیام پذیر ہیں یا قیام کا ارادہ رکھتے ہیں وہ اس آیت کریمہ کے مصداق ہیں۔

(۳) ایک اور مقام پر قرآن نے مومن اور غیر مومن کے درمیان امتیاز کا معیار بیان کیا ہے:

فلاوربک لایومنون حتی یحکموک فیماشجر بینہم ثم لایجدوا فی انفسہم حرجاً مماقضیت ویسلموا تسلیماً[759]

ترجمہ: پس آپ کے پروردگار کی قسم ہے کہ یہ لوگ ایماندار نہ ہونگے، جب تک کہ یہ لوگ اس جھگڑے میں جو ان کے آپس میں ہوں آپ کو حکم نہ بنالیں اور پھر جو فیصلہ آپ کردیں اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اس کو پورا پورا تسلیم کریں۔

ابو بکر جصاصؒ اس آیت کریمہ کے تحت فرماتے ہیں کہ "اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص اللہ یا اس کے رسول ﷺ کے کسی امر کو رد کردے، وہ خارج از اسلام ہے، خواہ شک کی بنیاد پر رد کرے یا اس کو بالقصد قبول کرنے سے انکار کردے[760]

غیر اسلامی مملکت میں قیام دوسرے لفظوں میں احکام الٰہی کو قبول کرنے سے بالارادہ گریز ہے۔

(۴) ان آیات کریمہ سے بھی استدلال کیا گیا ہے جن میں غیر مسلموں سے دوستانہ تعلقات سے اجتناب کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

☆یا أیہا الذین آمنوا لاتتخذوا الیہود والنصاریٰ اولیاء بعضہم اولیاء بعض و من یتولہم منکم فإنہٗ منہم إن اللہ لایہدی القوم

------ حواشی --

[758] ۔بیضاوی مع حاشیۃ الشہاب ج۳ص۴۳

[759] ۔نساء:۶۵

[760] ۔احکام القرآن للجصاص ج۳ص۸۱۸

الظالمین[761]

ترجمہ: اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں، جو ان سے دوستی کرے گا اس کا شمار انہی کے ساتھ ہو گا، بیشک اللہ ظالم لوگوں کو راہ یاب نہیں کرتے۔

☆یاأیہاالذین آمنوا لاتتخذوا آباءکم واخوانکم اولیاءإن استحبوا الکفر علی الایمان ومن یتولہم منکم فاولٰئک ہم الظالمون[762]

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے آباء اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ، اگر وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیں، جو ان سے دوستی کرے گا وہ ظالم قرار پائے گا۔

ان دونوں آیات میں غیر مسلموں کے ساتھ دوستانہ تعلقات اور ان کی اتباع وفرمانبرداری کو صریح ظلم وارتداد قرار دیا گیا ہے...... غیر مسلم ملکوں میں اقامت اختیار کرنا اور بالارادہ ان کی معیت ورفاقت ،ان سے ربط وتعلق اور قانونی اطاعت وفرمانبرداری کے مترادف ہے، اس لئے اس کی گنجائش نہیں ہے۔

(۵) بعض احادیث سے بھی ان حضرات نے استدلال کیا ہے، جن میں صراحت کے ساتھ غیر مسلموں کے درمیان اقامت وسکونت سے منع کیا گیا ہے، اور حضور ﷺ نے ایسے مسلمانوں سے اپنی براءت کا اظہار کیا ہے، جو غیر مسلموں کے درمیان رہائش پذیر ہیں:

أنا بریء من کل مسلم یقیم بین اظہر المشرکین[763]

ترجمہ: میں ہر ایسے مسلمان سے بیزار ہوں جو مشرکین کے درمیان قیام پذیر ہوں۔

(۶) عقلی طور پر یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ غیر مسلم ملکوں میں قیام کا مطلب ان ملکوں کے تمام قانونی تقاضوں کی تکمیل ہے، جن میں بہت سی چیزیں خلاف شرع بھی ہیں، اور کبھی اس سے فوجی خدمات کا

------ حواشی --

761 - سورۂ مائدۃ:۵۱

762 - توبۃ:۲۳

763 - ترمذی کتاب السیر حدیث نمبر ۱۶۵۴

بھی مطالبہ ہو سکتا ہے، اور فوجی ملازمت کے دوران اگر خدانخواستہ کسی اسلامی سلطنت سے جنگ چھڑ جائے تو اس میں غیر مسلم فوجیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں بھی حصہ لینا ہو گا، ان کے علاوہ اور بھی کئی مراحل آسکتے ہیں جن میں خلاف شرع باتوں پر اس کو عمل کرنا پڑے، ظاہر ہے کہ ایک مؤمن کے لئے جائز نہیں کہ وہ جان بوجھ کر دینی طور پر اپنے کو ان شدید خطرات میں مبتلا کرے اور اپنی ہلاکت کا سامان کرے۔

جمہور کے دلائل

لیکن جو علماء جواز کے قائل ہیں، ان کے پیش نظر وہ قرآنی آیات ہیں جن میں اسلام کی آفاقیت اور اس کی دعوت عامہ کا ذکر موجود ہے، مثلاً:

☆ہو الذی أرسل رسولہٗ بالہدیٰ ودین الحق لیظہرہٗ علی الدین کلہٖ ولو کرہ المشرکون(سورۂ توبۃ:۲۳)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو تمام ادیان پر غالب کر دے، چاہے مشرکوں کو ناپسند لگے۔

☆وماأرسلناک إلا رحمۃ للعالمین[764]

ترجمہ: اور ہم نے آپ کو سارے عالم کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا۔

☆ومارسلناک إلاکافۃ للناس بشیراًونذیراًولکن اکثرالناس لایعلمون[765]

ترجمہ: ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لئے صرف بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

------ حواشی --

764۔ سورۂ انبیاء:۱۰۷

765۔ سورۂ سبا:۲۸

☆ادع إلیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلہم بالتی ہی احسن[766]

ترجمہ: راہ خدا کی طرف حکمت اور بہترین انداز سے دعوت دو اور ان کے ساتھ بہتر طریق پر جدال کرو۔

☆قل ہذہ سبیلی أدعوالی اللہ علی بصیرۃ أنا ومن اتبعنی[767]

ترجمہ: آپ کہدیجئے کہ میرا طریق یہی ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، دلیل پر قائم ہوں میں بھی اور میرے پیرو بھی۔

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی دعوت دنیا کے ہر خطہ میں پہونچانا اس امت کا منصبی فریضہ ہے، اس کا تقاضا ہے کہ مسلمان اسلامی ملکوں سے نکل کر غیر مسلم ملکوں میں بھی جائیں، اور اسلام کی دعوت چار دانگ عالم میں پہونچائیں، اگر مسلمان اپنے ہی ملکوں میں سمٹ کر رہ جائیں تو اسلام کی دعوت اور اس کی تعلیمات اسلامی دنیا تک کیسے پہونچیں گی۔

صحابہ کرام نے دنیا کے سامنے جو عملی مثال پیش کی ہے وہ ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے، انہوں نے سخت مشکل حالات میں اپنا وطن چھوڑ کر غیر اسلامی ملکوں کا سفر کیا، وہاں قیام کیا اور دین کی دعوت دنیا کے گوشے گوشے تک پہونچائی، انہوں نے دعوت و تبلیغ کے باب میں جغرافیائی امتیاز نہیں رکھا، اور زمین کے کسی حصہ کو صرف اس لئے نظر انداز نہیں کیا کہ وہاں غیر اسلامی حکومت قائم ہے، اگر صحابہ اپنے آپ کو اسلامی ملکوں تک محدود کرلیتے، تو ان کے ذریعہ وہ عالمی دعوت کا کام انجام نہ پاتا جو ان کا امتیاز سمجھا جاتا ہے۔

قواعد فقہ سے رہنمائی

اس سلسلے میں بعض قواعد فقہیہ سے بھی رہنمائی ملتی ہے:

------ حواشی --

766- سورۂ نحل: ۱۲۵

767 - سورۂ یوسف: ۱۰۸

(ا) مشہور فقہی قاعدہ ہے کہ زمان ومکان اور حالات کی تبدیلی کی وجہ سے حکم بدل جاتا ہے۔

لاینکر تغیر الاحکام بتغیر الازمان[768]

جس دور میں بعض عرب علماء نے غیر مسلم ملک کی شہریت کو حرام قرار دیا تھا وہ فرانسیسی استعمار کا دور تھا، عرب ممالک بالخصوص تونس اور الجزائر کا علاقہ اس استعمار کے زیادہ شکار تھے، اس استعمار کا مقصد اسلام کے خلاف منصوبے بنانا، اس کی بنیادوں کو کمزور کرنا، اس کے خلاف شکوک وشبہات پیدا کرنا، سچے مسلمانوں کے اوپر ظلم وجبر کرنا اور دینی انحراف پھیلانا تھا،

اس دور میں ظاہر ہے کہ اسلام دشمنوں کے ملکوں میں رہنا اور وہاں کا شہری بننا ایک خطرناک عمل تھا، جو عام مسلمانوں کے لئے ناقابل جواز تھا لیکن آج حالات بدل چکے ہیں، مذہبی آزادی کا اصول بین الاقوامی طور پر تسلیم کرلیا گیا ہے، اس لئے آج اس قدیم فتویٰ پر (جو عبوری دور میں دیا گیا تھا) اصرار کرنا مناسب نہیں ہے، آج ضرورت ہے کہ حالات کے تغیر کے مطابق فتویٰ میں بھی تبدیلی لائی جائے۔

(۲) مصالح ومفاسد کے درمیان تعارض ہوجائے تو موازنہ کرنا ضروری ہوجاتا ہے، اور جو پہلو غالب ہو اس کے مطابق حکم شرعی عائد کیا جاتا ہے، یہ اسلام کا بنیادی اصول ہے۔

إذا تعارض مفسدتان روعی اعظمہماضرر أبارتكاب أخفهما

769

ترجمہ: جب دو مفسدوں میں تعارض ہوجائے تو تو بڑی مضرت کی رعایت کی جائے گی اور ہلکے مفسدہ کی اجازت دی جائے گی۔

الاخذ باعظم المصلحتين ودفع أعظم المفسدتين[770]

ترجمہ: دو مصلحتوں میں سے بڑی مصلحت کو اختیار کیا جائے گا اور دو مفسدوں میں سے

------ حواشی--

768 - قواعد الفقہ لعمیم الاحسان المجددی البرکتی ط دار النشر ج اص ۲۳ وکذا فی الفروق للقرافیؒ (م ۶۸۴ھ) ج ۳ ص ۶۸ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۸ء

769 - الاشباہ والنظائر لابن نجیمؒ ج اص ۱۱۱

770 - الاشباہ والنظائر لابن نجیمؒ ج اص ۸۸، الاشباہ والنظائر للسیوطیؒ ص ۸۷

بڑے مفسدہ کو دور کیا جائے گا۔

آج کے دور میں کسی غیر اسلامی ملک کی شہریت میں کچھ نقصانات ضرور متوقع ہیں لیکن ان کی تلافی کی صورتیں بھی موجود ہیں، وہاں دینی ادارے قائم کئے جائیں، مدارس ومکاتب بنائے جائیں، مساجد کی تعمیر ہو، علماء و دعاۃ سے رابطہ رکھا جائے، وغیرہ تو بڑی حد تک جوار کفر کی مضرتوں سے بچا جا سکتا ہے،

اس کے علاوہ اور بھی کئی مصلحتیں ہیں جو مسلمانوں کے وہاں قیام کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ہیں مثلاً:

(الف) غیر مسلم ممالک اپنے شہریوں کو مکمل مذہبی آزادی، فکر وخیال کی آزادی، اظہار کی آزادی اور سیاسی، اقتصادی اور فوجی حقوق دیتے ہیں، جس کے مطابق کوئی بھی شخص باعزت زندگی گذار سکتا ہے، اور اپنے آئینی حقوق کے ذریعہ وہاں کی حکومت پر بھی اثر انداز ہو سکتا ہے۔

آج غیر مسلم طاقتیں بالخصوص مغربی ممالک جس طرح اسلام اور مسلم ممالک کے خلاف محاذ آراء ہیں، یا اس کا ارادہ رکھتے ہیں، اگر مسلمانوں کی قابل لحاظ تعداد وہاں موجود ہو تو ان کے اس قسم کے فیصلوں پر فیصلہ کن طور پر اثر انداز ہو سکتے ہیں، اور خود حکومتوں کو بھی مسلمانوں کے خلاف اس قسم کے فیصلوں میں دس بار سوچنا ہو گا کہ اس کے نتائج خود ان ملکوں میں کیا ظاہر ہوں گے؟......اگر مسلمان وہاں نہ ہوں تو یہ بڑا قومی فائدہ اسلام اور ملت اسلامیہ کو حاصل نہیں ہو سکتا۔

(ب) غیر اسلامی ملکوں میں رہ کر مسلمان اپنے وسائل سے اسلام اور مسلمانوں کی بڑی خدمت کر سکتے ہیں، اور جو علماء، دعاۃ اور مسلمان وہاں پہونچیں ان کے لئے بہتر معاون ومددگار ثابت ہو سکتے ہیں، اگر ان ترقی یافتہ غیر مسلم ملکوں میں مسلمان نہ ہوں تو مسلم اقلیتوں کو وہاں کے وسائل سے استفادہ کی صورت کیا ہوگی؟

(۳) فقہ کا ایک مشہور قاعدہ ہے:

مالایتم الواجب إلابہ فھو واجب[771]

ترجمہ: جس کے بغیر واجب پورا نہ ہوتا ہو وہ بھی واجب ہے،

دعوت الی اللہ اس امت کا منصبی فریضہ ہے، اور اس کی تکمیل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ روئے زمین کے تمام باشندوں تک اسلام کی آواز نہ پہونچ جائے، اور اس کے عملی نمونے ان کے سامنے نہ آجائیں، آج کے دور میں اسلام کی آواز ترقی یافتہ وسائل ابلاغ کے ذریعہ پہونچائی جاسکتی ہے، اور اسلامی تعلیمات سے بھی کسی حد تک روشناش کرایا جاسکتا ہے، لیکن عملی نمونے کے لئے مسلمانوں کے ایک طبقہ کا وجود وہاں ضروری ہے، جو غیر مسلموں کے درمیان اسلامی آئیڈیل کا کام دے،......علاوہ ازیں یہ مسلمان خود بھی اپنے قول و عمل اوراخلاق و کردار سے امت غیر مسلمہ میں دعوت کا کام کریں، اس کے لئے ضرورت ہے کہ مسلمان غیر مسلم ملکوں کی شہریت حاصل کریں اور خود ان کے ملک کا حصہ بن جائیں کیونکہ غیر ملکیوں کا قول و عمل آج کی دنیا میں کوئی وزن نہیں رکھتا۔

(۴) فقہ کا ایک اور مشہور قاعدہ ہے:

الضرورات تبیح المحظورات[772]

ترجمہ: ضرورت کی بنیاد پر بعض ممنوعات کی اجازت دی جاتی ہے،

کبھی مسلمانوں کو اپنے ملک کے بعض مسائل کی بنیاد پر ہجرت کی ضرورت پیش آتی ہے، اور بحالات موجودہ ساری دنیا میں کوئی ایسی مملکت اسلامی موجود نہیں ہے جو پوری وسعت نظری کے ساتھ کسی بیرونی مسلمان کو بحیثیت شہری قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو، جبکہ بہت سے غیر مسلم ملکوں میں شہریت کے معاملے میں زیادہ توسع موجود ہے، ان حالات میں بدرجۂ مجبوری مسلمانوں کو غیر مسلم ملکوں میں قیام و شہریت کی اجازت دینی چاہئے، اور غیر مسلم ملکوں کے توسع سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔

------ حواشی --

771 ۔الاشباہ والنظائر ص ۹۱

772 ۔ قواعد الفقہ لعمیم الاحسانؒ ج ا ص ۹۱ ط دار النشر، فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت ج ا ص ۴۳، الفروق للقرافیؒ ج ۷ ص ۳۸۳

مسلک راجح

مذکورہ مباحث پر تحقیقی نظر ڈالنے سے جمہور کا مسلک زیادہ مضبوط، قابل قبول اور لائق ترجیح محسوس ہوتا ہے، جس کی کئی وجوہ ہیں:

(۱) اس حد تک تمام علماء کا اتفاق ہے (خواہ وہ جواز کی رائے رکھتے ہوں یا عدم جواز کی) کہ غیر مسلموں سے تعلق خاطر اور مسلم ملکوں کے مقابلے میں ان کی عظمت واحترام کی بناپر غیر مسلم ملک کی شہریت حاصل کرنا ناجائز ہے، عدم جواز کے وہ تمام دلائل جو مانعین پیش کرتے ہیں ان میں بآسانی یہ تاویل کی جاسکتی ہے کہ ان کا مصداق یہی قدر مشترک ہے۔

(۲) اور اگر عدم جواز کی رائے علی الاطلاق مان بھی لی جائے تو اس کو استعماری دور یا اصطلاحی الفاظ میں دارالحرب پر محمول کیا جائے گا، جب غیر مسلم ملکوں میں کسی صاحب ایمان کا داخلہ مشکل سمجھا جاتا تھا اور اس کو ارتداد یا تعاون علی الکفر کے مترادف تصور کیا جاتا تھا،...... آج وہ صورت حال باقی نہیں رہی، اب مسلمانوں کی بڑی تعداد وہاں مقیم ہے اور بڑے سکون اور آزادی کے ساتھ دینی زندگی گذار رہی ہے، بڑے بڑے دینی مراکز وہاں قائم ہیں اسلام کی اشاعت کا کام بھی وہاں ہو رہا ہے، اور مسلمان اپنے نو مسلم بھائیوں کی مدد کرتے ہیں اور ان کی تعلیم و تربیت کا معقول انتظام کرتے ہیں، ان مسلمانوں نے اپنی تمام تر توقعات اور صلاحیتیں اسی سرزمین کے لئے مرکوز کر دی ہیں، اور دوبارہ وطن واپسی کا کوئی خیال نہیں رکھتے، ان حالات میں عدم جواز کی رائے یقیناً بعد از وقت اور دشوار کن ہے۔

(۳) عدم جواز کے قائلین نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ اپنے مفہوم و مصداق کے اعتبار سے قطعی نہیں ہے، بلکہ ان میں تاویل کا احتمال موجود ہے مثلاً:

(الف) جن آیات کریمہ کو اس استدلال میں پیش کیا گیا ہے کہ غیر مسلم ملک کی شہریت احکام اسلامی کا بالارادہ ترک اور کفار کے ساتھ دوستانہ تعلقات کا اظہار ہے، اس کا جواب یہ دیا جاسکتا ہے کہ غیر مسلم ملکوں کے جو قوانین اسلامی احکام سے متصادم ہیں، ضروری نہیں کہ مسلمان ان کو من وعن قبول کرلیں، بلکہ ان کو حق ہے (اور ان کو یہ کرنا چاہئے) کہ وہ ان قوانین کے بارے میں اپنے مشترکہ احساسات

ایوان حکومت تک پہونچائیں، ان کو تبدیل یا ان میں مناسب ترمیم کرانے کی متحدہ جدوجہد کریں اور جب یہ ترمیم منظور ہو جائے تو قانون کی اس لچک سے فائدہ اٹھائیں، مثلاً مرنے کے بعد مورث کے ترکہ کا قانون یوروپی ملکوں میں غیر اسلامی ہے، لیکن اس میں یہ گنجائش رکھی گئی ہے، کہ اگر کوئی فرد مرنے سے پہلے اپنے ورثہ کی تقسیم کے لئے کوئی لائحۂ عمل تجویز کردے تو اس کی موت کے بعد ورثہ پر لازم ہوگا کہ وہ اس کے تجویز کردہ طریقۂ کار کے مطابق ترکہ کی تقسیم کریں، قانون کی اس شق سے استفادہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو چاہئے کہ مرنے سے قبل یہ وصیت تحریر کرجائیں کہ اس کی موت کے بعد اس کے ترکہ کی تقسیم اسلامی شریعت کے مطابق ہوگی، مورث کے اس عمل کے بعد ورثہ پر قانونی طور پر لازم ہو جائے گا کہ وہ شریعت کے مطابق ترکہ کی تقسیم کریں۔

اسی طرح ان ملکوں میں نکاح کا رجسٹریشن کرانا قانونی طور پر لازم ہے، اس کے بغیر نکاح غیر قانونی، غیر لازم اور غیر نافذ قرار پاتا ہے، اور نہ اس کے بغیر کسی قسم کے مطالبات ثابت ہوسکتے ہیں، لیکن اگر کوئی مسلمان اسلامی طور پر نکاح کرے اور اس کا رجسٹریشن بھی کرائے تو قانونی طور پر ممنوع نہیں ہے۔

اس طرح ان غیر مسلم ملکوں میں قانونی مشکلات کا حل دریافت کیا جاسکتا ہے، اور وہاں کی شہریت سے ہرگز ضروری نہیں کہ اس شخص نے اپنے دین وایمان کا سودا بھی کرلیا ہو، العیاذ باللہ۔

(ب) بہت سے غیر مسلم ملکوں میں مسلم ممالک کو یہ قانونی اختیار دیا گیا ہے کہ وہاں کا کوئی شخص اگر غیر مسلم ملک کی شہریت حاصل کرلے تو یہاں کی شہریت کے ساتھ اپنے ملک کی شہریت بھی باقی رکھ سکتا ہے، یعنی بیک وقت وہ دو ملکوں کی شہریت کا حامل ہوسکتا ہے، دو پاسپورٹ رکھ سکتا ہے، اس لئے غیر مسلم ملک کی شہریت سے لازم نہیں آتا کہ وہ اسلامی ریاست اور اس کے نظام قانون سے بھی دستبردار ہو گیا ہو۔

(ج) پھر غیر مسلموں کے ساتھ معاملات اور سماجی تعلقات اسلام میں ممنوع نہیں ہیں، صرف ان سے وہ قلبی ارتباط ممنوع ہے، جس سے انسان کی دینی زندگی متاثر ہو اور اس کا ایمانی رسوخ کمزور ہو، اسلام نے صرف ان غیر مسلموں سے قطع تعلق کا حکم دیا ہے، جو ان کے دشمن ہوں، یا ان کے اور ملت اسلامیہ کے لئے نقصان دہ ہوں، لیکن عام امن پسند غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات ومعاملات سے وہ ہرگز نہیں روکتا، قرآن

کریم نے یہ مضمون پوری صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے:

لاینہاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم أن تبروہم وتقسطوا الیہم[773]

ترجمہ: اللہ تم کو ان لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا، جن سے تمہاری دینی جنگ نہیں ہے، اور جو تم کو تمہارے ملکوں سے نکالنا نہیں چاہتے"

(د) دراصل اس موقعہ پر یہ فرق ذہن نشیں رکھنا ضروری ہے، کہ قرآن کا ممنوعہ موالات اور جس ملک میں انسان آباد ہو وہاں کے انتظامی قوانین (جن کا اسلامی احکام سے کوئی تعلق نہ ہو) کا احترام یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

(ہ) جہاں تک غیر مسلم ملکوں میں عسکری ملازمت کا مسئلہ ہے تو اولاً جو ملک ہر قسم کے مطالبات اور جملہ حقوق فراہم کرتا ہے، الغرم بالغنم کے اصول پر اس ملازمت کا مطالبہ بیجا نہیں ہے۔

☆ نیز فوجی ملازمت میں اگر کچھ نقصانات ہیں تو فوائد اس سے زیادہ ہیں، سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ آج بڑی طاقتوں کے پاس جو فنون حرب اور جنگی صلاحیتیں ہیں مسلمان فوج کا حصہ بن کر ان سے کافی استفادہ کرسکتے ہیں، اور اس کی بڑی ضرورت ہے اس لئے کہ بڑی طاقتوں کے مقابلے کے لئے جو ضروری تیاریاں اور جنگی صلاحیتیں ہونی چاہیئے وہ ہماری مسلم افواج اور حکومتوں کے پاس مفقود ہیں، جو حکم الٰہی (أعدوا لہم مااستطعتم من قوۃ الآیۃ[774] کے خلاف ہے، اس لئے غیر مسلم ملکوں میں مقیم مسلمانوں کو اگر ایسے مواقع ہاتھ آتے ہیں تو ان کو ضائع کرنا مناسب نہیں ہے، فقہ کا اہم ترین ضابطہ ہے:

------ حواشی ------

773 - سورۂ ممتحنۃ:۸

774 - سورۃ الانفال:۶۰

المصلحة العامة مقدمة على المصلحة الخاصة[775]

ترجمہ: مصلحت عام مصلحت خاص پر مقدم ہوتی ہے۔

☆ دوسرا بڑا فائدہ یہ ہے کہ اگر غیر مسلم افواج میں مسلمانوں کی قابل لحاظ تعداد موجود ہو تو مسلم ممالک پر فوج کشی اتنی آسان نہ ہو گی جس قدر آج ان کے لئے محسوس ہوتی ہے... اس لئے اخف الضررین[776] کے اصول پر عسکری ملازمت کی وجہ سے مسلمانوں کو بددل نہیں ہونا چاہئے۔

☆ علاوہ ازیں فوجی ملازمت سے کنارہ کشی پر مسلمانوں پر غداری اور دیگر الزامات بھی لگ سکتے ہیں، جو بحیثیت قوم سخت نقصان دہ ہے اور اسلام کی اشاعت کی راہ میں بھی اس سے خلل پڑ سکتا ہے، اس لئے لاضرر ولاضرار[777] کے ضابطہ پر مسلمانوں کو فوجی ملازمت سے گریز نہیں کرنا چاہئے۔

☆ پھر ہر ملک میں فوجی ملازمت کا جبری اصول نہیں ہے، بلکہ زیادہ تر ملکوں میں انسان کے اپنے اختیار تمیزی پر چھوڑا گیا ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے قیام کے لئے ایسے ملک کا انتخاب کریں جہاں فوج کی جبری ملازمت کا قانون نہیں ہے۔

☆ اور فوجی ملازمت کی صورت میں بھی مسلمانوں کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ بعض حالات میں فوجی مہم میں شرکت سے معذرت کر دیں، اس لئے کہ تمام ملکوں نے حریت ادیان کا اصول تسلیم کر لیا ہے، اور فوج میں باقاعدہ مذہبی رہنما رکھے جاتے ہیں، ان کے لئے مساجد اور بنیادی دینی تعلیم کا انتظام کیا جاتا ہے، غرض اس طرح کے جتنے شبہات وخطرات پیش کئے جاتے ہیں ان تمام کا مناسب حل موجود ہے۔

ان تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ غیر مسلم ملکوں میں قیام یا وہاں کی شہریت شجر ممنوعہ ہرگز نہیں

------ حواشی ------

775 - الاشباہ والنظائر لابن نجیمؒ ص ۸۸ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۸۰ء، الاشباہ والنظائر للسیوطیؒ ص ۸۷ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت، درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام ج ۱ ص ۴۱ مادۃ ۲۸

776 - المستصفی للغزالیؒ (م ۵۰۵ھ) ج ۱ ص ۴۲۶ ط مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۹۷ء، کشف الاسرار للبزدویؒ (م ۷۳۰ھ) ج ۴ ص ۱۳۴ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۷ء

777 - الاشباہ والنظائر لابن نجیمؒ ص ۸۵، الاشباہ والنظائر للسیوطیؒ ص ۸۳

ہے، البتہ عام مسلمانوں کے لئے بہتر یہی ہے کہ اگر وہ کسی مسلم ملک میں قیام پذیر ہیں، اور وہاں کے حالات ان کے لئے پریشان کن نہیں ہیں تو اپنے ملکوں میں ہی قیام کریں، اور اسلامی نظام قانون کے تحت زندگی گذاریں اور دوسرے ملکوں کا سفر یا قیام عارضی طور پر محض ضرورت کے بقدر کریں، ان حالات میں غیر مسلم ملکوں میں مستقل قیام یا شہریت کا حصول کراہت سے خالی نہیں ہے، ...... البتہ اگر کسی کے لئے ایسے حالات وظروف پیدا ہو جائیں کہ مسلم ملکوں میں قیام اس کی پریشانیوں کا باعث ہو، اور کسی غیر مسلم ملک میں اس کے لئے بہتر مواقع میسر ہوں تو اس کے لئے غیر مسلم ملک کی شہریت حاصل کرنے کی گنجائش ہوگی بشرطیکہ:

(۱) وہاں رہ کر اس کا دینی تشخص اور اسلامی وجود مجروح نہ ہو، اور مستقبل قریب میں اس کے یا اس کی اولاد یا اس کی عزت ووقار کے لئے دینی اعتبار سے کوئی خطرہ نہ ہو۔

(۲) مسلمان وہاں دین وملت کا صحیح نمائندہ بن کر رہے، اپنے اخلاق و عمل اور خلوص وصداقت سے اسلام کا آئینہ دار ہو جس کے اثرات اس کے غیر مسلم پڑوسیوں پر پڑیں۔

(۳) اس ترک وطن کو وہ ہجرت حبشہ کی طرح پاک مقاصد کے لئے اختیار کرے، اور اپنے احساسات واعمال کے ذریعہ اس نقل مکانی کو اپنے اور ملت اسلامیہ کے لئے ہر طرح مفید اور بامقصد ثابت کرے۔

معاشی مقاصد کے تحت ترک وطن کرنا

اس حکم میں معاشی مجبوریوں کے تحت نقل مکانی بھی شامل ہے:

(الف) بشرطیکہ اس کے اپنے ملک میں معاش کے ضروری وسائل میسر نہ ہوں، اور اس کی بناپر مجبوراً کوئی مسلمان غیر مسلم ملک چلا جائے، اور اپنے دینی تشخصات کی حفاظت کے ساتھ وہاں کی اقامت یا

شہریت اختیار کرے، جمہور فقہاء کے نزدیک اس کی اجازت ہے [778]

اس لئے کہ کسب معاش بھی ایک اہم ترین فریضہ ہے، اور اس کے لئے شریعت نے کسی مکان کی قید نہیں رکھی ہے، قرآن کریم میں ہے:

ہوالذی جعل لکم الارض ذلولاً فامشوا فی مناکبہا وکلوا من رزقہٖ و إلیہ النشور [779]

ترجمہ: وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے تابع بنایا پس اس کے کاندھوں پر چلو اور اس کی دی ہوئی رزق استعمال کرو اور اسی کی طرف پھر اٹھایا جانا ہے۔

(ب) البتہ وسائل معاش میسر ہوں لیکن زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کی غرض سے کوئی شخص کسی غیر اسلامی ملک کی شہریت کا خواہاں ہو تو ظاہر ہے کہ یہ صورت کراہت سے خالی نہیں ہے، اس لئے کہ کفار کی صحبت بد کے اثرات بہر حال مرتب ہوتے ہیں، اور یہ اثرات اس سے زیادہ اس کے اہل وعیال پر پڑتے ہیں، حضرت سمرۃ بن جندبؓ کی اس روایت کی حساسیت ملاحظہ کیجئے:

من جامع المشرک وسکن معہٗ فإنہٗ مثلہٗ [780]

ترجمہ: جو مشرک کے ساتھ اکٹھا ہو اور سکونت رکھے وہ اسی کی طرح ہے،

علامہ خطابیؒ (م ۳۸۸ھ) تشریح حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں:

وفیہ دلالۃ علیٰ کراہۃ دخول المسلم دارالحرب للتجارۃ والمقام فیہا اکثرمن مدۃ اربعۃ ایام [781]

ترجمہ: حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کسی مسلمان کے لئے تجارت کی

------ حواشی ------

778 - المبسوط للسرخسیؒ ج ۱۰ ص ۸۸، احکام القرآن لابن العربیؒ ج ۱ ص ۵۱۵، الجامع لاحکام القرآن للقرطبیؒ ج ۵ ص ۳۵۱، کشاف القناع للبہوتیؒ ج ۳ ص ۱۳۱

779 - سورۃ الملک: ۱۵

780 - سنن ابوداؤد باب الاقامۃ بارض الشرک ج ۳ ص ۴۸ حدیث نمبر ۲۷۸۹ ط دار الکتاب العربی بیروت

781 - معالم السنن للخطابیؒ، کتاب الجہاد باب علیٰ مایقاتل المشرکون ج ۲ ص ۲۷۲ طبع اول المطبعۃ العلمیۃ حلب ۱۹۳۳ء

غرض سے دارالحرب کا سفر کرنا یا وہاں چار دن سے زیادہ قیام کرنا مکروہ ہے۔

ابو داؤدؒ نے مراسیل میں مکحولؒ سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لاتترکوا الذریۃ إزاء العدو[782]

ترجمہ: اپنی اولاد کو دشمن کے بالمقابل مت چھوڑو۔

بعض فقہاء نے مالی اغراض کے تحت دارالحرب کی سکونت اور اہل کفر کی آبادی میں اضافہ کو سقوط عدالت کا سبب قرار دیا ہے[783]

یہ تمام چیزیں اس طرف رہنمائی کرتی ہیں کہ محض دولت کی ہوس اور زیادہ سے زیادہ امیر بننے کی آرزو کے لئے غیر مسلم ملک کی سکونت وشہریت کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

(ج) اگر بنیادی وسائل معاش اپنے ملک میں میسر ہوں جس سے فاقہ کی نوبت تو نہ آتی ہو مگر اپنی یا اپنے خاندان کی اقتصادی پوزیشن بہتر کرنے کے لئے کسی غیر مسلم ملک میں اقامت وسکونت اختیار کرے؟ ......اس صورت میں صرف عارضی قیام وسکونت کی گنجائش نظر آتی ہے، جیسا کہ بعض علماء نے اس کی صراحت کی ہے[784]

☆اس لئے کہ حصول رزق کے لئے مکان کی قید نہیں ہے:

لیس علیکم حرج أن تبتغوا فضلاً من ربکم[785]

ترجمہ: کوئی مضائقہ نہیں اس بات میں کہ تم اپنے رب کی دی ہوئی رزق تلاش کرو۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے:

البلاد بلاد اللہ والعباد عباداللہ فحیثما اصبت خیراً فأقم[786]

------ حواشی ------

782 - مراسیل ابی داؤد ج ۱ ص ۳۸۳ حدیث نمبر ۳۲۲، حاشیۃ ابن قیم علیٰ سنن ابی داؤد ج ۷ ص ۲۱۹ ط دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۵ء

783 - تکملۃ ردالمحتار ج ۱ ص ۱۰۱

784 - احکام القرآن لابن العربیؒ ج ۱ ص ۴۸۶، الجامع لاحکام القرآن للقرطبیؒ ج ۵ ص ۳۵۱

785 - سورۂ بقرۃ: ۱۹۸

786 - مسند احمد بن حنبلؒ ج ۱ ص ۱۶۶ ط مؤسسۃ قرطبۃ الاندلس، الجامع الصغیر للسیوطیؒ ج ۱ ص ۴۹۶ ط دارالفکر بیروت، حدیث ضعیف ہے

ترجمہ: تمام شہر اللہ کے ہیں اور بندے سارے اللہ کے ہیں، اس لئے جہاں سے تم کو خیر کی امید ہو وہاں قیام کرو۔

لیکن مستقل سکونت اور باقاعدہ شہریت کی اجازت دینا اس صورت میں بہت مشکل ہے۔

(د) تجارتی مقاصد کے تحت غیر اسلامی ملکوں کا سفر اور وہاں قیام کرنے کی جمہور علماء کے نزدیک اجازت ہے، لیکن یہ بھی وقتی قیام کی حد تک ہے [787]

امام مالکؒ اور علامہ ابن حزمؒ کو وقتی قیام سے بھی اختلاف ہے، ان کے نزدیک علی الاطلاق دنیوی اغراض کے لئے غیر اسلامی ملک میں قیام کرنا جائز نہیں ہے [788]

دراصل جمہور فقہاء کے پیش نظر عہد نبوی کے بعض واقعات ہیں جن میں بعض صحابہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے مختلف اغراض کے تحت غیر مسلم ملکوں میں اقامت اختیار کی اور حضور ﷺ نے نکیر نہیں فرمائی اس لئے کہ ان کے لئے دینی فتنہ کا اندیشہ نہیں تھا، یا یہ کہ ان کا وہیں قیام کرنا زیادہ مفید تھا، مثلاً:

☆حضرت عباسؓ کا واقعہ مشہور ہے کہ انہوں نے مدینہ ہجرت نہیں کی اور اپنے اسلام پر قائم رہے [789]

☆اسی طرح نجاشی نے بھی قبول اسلام کے بعد ہجرت نہیں کی اور اپنی غیر اسلامی مملکت میں مقیم رہے [790]

☆حضرت نعیم النحامؓ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کے قبیلہ

------ حواشی ------

787 ۔المبسوط للسرخسیؒ ج ۱۰ ص ۸۸

788 ۔البیان والتحصیل لابن رشد ج ۴ ص ۱۷۱ ط دار المغرب الاسلامی بیروت ۱۹۸۴ء، ملحق المدونۃ الکبریٰ ج ۵ ص ۴۶۶ ط دار الکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۹۴ء، المحلیٰ لابن حزم ج ۱۱ ص ۳۴۹

789 ۔المغنی لابن قدامۃ ج ۱۰ ص ۵۰۷

790 ۔فتح الباری شرح صحیح البخاریؒ لابن حجرؒ ج ۷ ص ۱۹۱ ط دار الفکر بیروت

بنو عدی نے آکر ان سے کہا کہ آپ ہم کو چھوڑ کر نہ جائیں، اور اپنے دین پر آزادانہ طور پر عمل کریں، اور اپنی خدمات سے ہمیں محروم نہ کریں اگر کوئی آپ کو تکلیف پہونچائے گا تو ہم آپ کا دفاع کریں گے، دراصل وہ کافی صاحب اثر اور غرباء و مساکین اور بیواؤں اور یتیموں کے بڑے خدمتگار تھے، اس لئے ان کی قوم کو ان کی جدائی شاق گذری، اس طرح ایک مدت تک وہ ہجرت نہ کر سکے، عرصہ کے بعد جب مدینہ ہجرت کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

قومک کانوا خیر ألک من قومی لی قومی اخرجونی وارادوا قتلی وقومک حفظوک ومنعوک،فقال یا رسول اللہ بل قومک اخرجوک إلیٰ طاعۃ اللہ وجهاد عدوہ[791]

ترجمہ: تمہاری قوم میری قوم سے بہتر ہے، میری قوم نے مجھے شہر بدر کیا، اور میرے قتل کا ارادہ کیا، جبکہ تمہاری قوم نے تمہاری حفاظت کی اور تمہیں پناہ دی، حضرت نعیمؓ نے عرض کیا، آپؐ کی قوم نے آپ کو اطاعت الٰہی اور جہاد کی طرف نکلنے پر مجبور کیا۔

☆حضرت فدیکؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ لوگوں کا گمان یہ ہے کہ جس نے ہجرت نہیں کی وہ ہلاک ہو گیا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یافدیک أقم الصلاۃ وآت الزکاۃ واہجر السوء واسکن من دارقومک حیث شئت،قال:وأظنہ قال: تکن مہاجراً[792]

------ حواشی ------

791 - الطبقات الکبریٰ لابن سعدؒج ۴ص ۱۳۸ ط دار صادر بیروت ۱۹۸۵ء، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب للقرطبیؒ ج ۳ص ۵۲۷ ط دار الکتاب العربی بیروت، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ لابن الاثیرؒ ج ۴ ص ۵۷۰ ط دار الفکر بیروت ۱۹۸۹ء، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ لابن حجرؒ ج ۳ ص ۵۳۷ ط دار الکتاب العربی بیروت، روایت میں کچھ ضعف ہے

792 - سنن البیہقی ج ۹ ص ۱۷، صحیح ابن حبان مع الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان لعلاء الدین علی بن بلبان ج ۱۱ ص ۲۰۲ ط مؤسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۸۸ء، رجالہ ثقات

ترجمہ: اے فدیک! نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو، اور برائیوں سے پرہیز کرو اور اپنی قوم کے ملک میں جہاں چاہے رہو، فرماتے ہیں کہ میرا گمان ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم مہاجر کے حکم میں رہو گے۔

بالخصوص آج کے دور میں مسلم ممالک تجارت وصنعت کے میدان میں جس قدر پسماندہ ہیں، ان کا تقاضا ہے کہ مسلم تجار ترقی یافتہ غیر مسلم ملکوں کا دورہ کریں، وہاں قیام کریں اور اعلیٰ صنعتوں سے روشناش ہوں،......یوں بھی تجارتی بنیادوں پر افراد کار کی آمدورفت اور اشیاء کا تبادلہ اس دور میں ملک کی ترقی کے بہترین ذرائع میں سے ہے۔

اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ تجارت اگر پوری دیانت داری اور خلوص کے ساتھ اسلامی اصولوں کے مطابق کی جائے، تو غیر مسلم برادری پر اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے اچھے اثرات پڑیں گے، اور اس سے دعوت کی راہ کھلنے کے بڑے امکانات ہیں......ماضی میں تجارت ہی کے عنوان سے ہمارے اسلامی قافلوں نے مختلف ملکوں کا سفر کیا اور انہی قافلوں کے ذریعہ اسلام دنیا کے مختلف علاقوں میں پہونچا، اس لئے تجارت آج کے دور میں دعوت کا بہترین وسیلہ ہے، اور اس وسیلہ کو کھودینا ہرگز دانشمندی نہیں ہوگی۔

ظاہر ہے کہ یہ ضرورت وقتی قیام سے بھی پوری ہوسکتی ہے، اس کے لئے مستقل شہریت کی ضرورت نہیں ہے......البتہ اگر کوئی شخص تجارت کو محض وسیلۂ دعوت کے طور پر اختیار کرے، اور اصل مقصد دعوت وتبلیغ ہو تو اس کے لئے بلاشبہ غیر مسلم ملکوں کی شہریت نہ صرف جائز بلکہ باعث فضیلت ہوگی۔

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

☆کسی مسلمان کے لئے غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنے کی درج ذیل صورتیں ہیں:

(الف) ایسا غیر مسلم ملک جہاں دین وایمان، جان ومال، اور نسل کے تحفظ کو خطرہ ہو وہاں کی شہریت اختیار کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اس قسم کے خطرات نہ ہوں تو

جائز ہے۔

(ب) کسی ملک کی غیر اسلامی تہذیب وتمدن سے متاثر ہو کر وہاں کی شہریت حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

(ج) محض معیار زندگی بلند کرنے کے لئے مسلم ملک کے کسی شہری کا غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنا ناپسندیدہ ہے۔

(د) معاشی مجبوریوں، طبی ضرورتیوں اور تعلیمی مقاصد کے لئے غیر مسلم ملک کی شہریت کا حصول جائز ہے۔

(ھ) دعوتی اغراض کے لئے غیر مسلم ملک کی شہریت اختیار کرنا مستحب ہے[793]۔

------ حواشی--

793 - جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، حصہ اول ص ۳۰۸،۳۰۹

غیر مسلم ملک میں نظام امارت شرعیہ

شرعی حیثیت، احکام اور حدود[794]

تنظیم واجتماعیت اسلام میں مطلوب ہے

☆اسلام میں تنظیم واجتماعیت کی بڑی اہمیت ہے، اسلام مسلمانوں کو منظم دیکھنا چاہتا ہے، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان روئے زمین کے کسی بھی حصہ پر رہیں، جماعتی زندگی گذاریں، انتشار اور انار کی سے بچیں، اس میں دارالاسلام اور دارالکفر کی تخصیص نہیں ہے، اسلام کی یہ تعلیم اسی طرح امر مطلق ہے جس طرح نماز، روزہ، حج، زکوۃ، ایمان، شہادت، نکاح، طلاق، طہارت، نجاست وغیرہ احکام دارالاسلام اور دار الکفر کے حدود سے بالاتر اور روئے زمین کے تمام مسلمانوں پر نافذ ہوتے ہیں، خواہ وہ حالت غلبہ میں ہوں یا حالت مغلوبیت میں، اگر کسی مقام پر چند مسلمان بھی ہوں تو اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ وہ ایک کو امیر بنالیں، اگر سفر میں بھی چند لوگ ساتھ ہوں تو ان میں بھی ایک کو امیر سفر بنالیا جائے، اور اس کی ماتحتی میں سفر طے کیا جائے، تفرق وانتشار سے بچنا اور مسلمانوں میں ارکان خاندان سے بھی زیادہ اخوت ایمانی قائم کرنا اسلام کا نصب العین ہے، اور اسلام کا یہ نصب العین حالات کے مطابق ہر جگہ قابل عمل ہے، نصرت باہمی اور اتحاد واتفاق کی اساس یہی ہے۔

اجتماعیت ایک کلی تصور ہے، یعنی جہاں جس طرح کی اجتماعیت ممکن ہو قائم کی جائے گی، جب مسلمان مکہ مکرمہ میں مغلوبانہ زندگی گذار رہے تھے، اس زمانے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ[795]

------ حواشی--

794-ماخوذ از حیات ابو المحاسن مؤلفہ اختر امام عادل قاسمی

795 -الشوریٰ :۱۳

ترجمہ: دین کو قائم کرو اور باہم اختلاف نہ کرو۔

اور مدینہ منورہ میں جب غلبہ کا دور آیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُواالآية[796]

ترجمہ: اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی کے ساتھ پکڑلو، اور انتشار سے بچو۔

دونوں آیات کے مضمون میں کوئی فرق نہیں ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جماعتی زندگی ہر حال میں اسلام کو مطلوب ہے، بلکہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ سابقہ نبیوں سے بھی یہ عہد لیا گیا تھا:

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَاإِلَيْكَ وَمَاوَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ[797]

اس کی تفسیر میں علامہ نیشاپوری رحؒ لکھتے ہیں:

{شرع لكم } بيَّن وأظهر لكم { من الدين ما وصَّى به } أمر { نوحاً } ثمَّ بيَّن ذلك فقال:{ أن أقيموا الدين ولاتتفرقوا فيه}والله يبعث الأنبياء كلَّهم بإقامة الدِّين وترك الفرقة[798]

علامہ دمشقیؒ رقمطراز ہیں:

أَنْ أَقِيمُواْ الدين وَلاَ تَتَفَرَّقُواْ فِيهِ } بعث الأنبياء كلهم بإقامة الدين والألفةوالجماعة وترك الفرقة والمخالفة[799]

------ حواشی--

[796] -آل عمران:۳:۱۰۳۔

[797] - الشوریٰ :۱۳

[798] - الوجيز في تفسير الكتاب العزيزج ۱ ص ۸۵۷ المؤلف : أبو الحسن علي بن أحمد بن محمد بن علي الواحدي، النيسابوري، الشافعي (المتوفى : 468هـ)

[799] - تفسيراللباب في علوم الكتاب ج ۱۴ص ۷۴المؤلف:أبوحفص سراج الدين عمربن علي بن عادل الحنبلي الدمشقي النعماني (المتوفى : 775هـ)-

اور بھی کئی مفسرین نے اس مضمون کو نقل کیا ہے[800]

اسلام اجتماعیت کے بغیر اور اجتماعیت امارت کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی

اسی لئے خلیفۂ دوم حضرت عمر بن الخطابؓ نے واضح اعلان فرمایا:

لا إسلام الا بجماعة ولا جماعة الا بإمارة ولا إمارة إلا بطاعة[801]

یعنی اسلام کی بنیاد ہی جماعت پر ہے، اور جماعت کے لئے امارت ضروری ہے، اور امارت بغیر اطاعت کے وجود میں نہیں آسکتی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں جماعت کا ایک خاص اصطلاحی مفہوم ہے، چند لوگوں کا محض جمع ہو جانا کافی نہیں ہے، بلکہ نظام امارت کے تحت جمع ہونے کا نام جماعت ہے، قرآن کریم سے بھی یہی روشنی ملتی ہے کہ قیام جماعت کے لئے اولو الامر کی اطاعت ضروری ہے:

يَاأَيُّهَاالَّذِينَ آمَنُواأَطِيعُوااللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِمِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌوَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا[802]

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان کی جو تم میں سے اولو الامر ہوں، اگر کسی امر میں تمہارے درمیان اختلاف ہو جائے تو اللہ

------ حواشی --

800 - لباب التأويل في معاني التنزيل ج ٥ ص ٣٦٠المؤلف : علاء الدين علي بن محمد بن إبراهيم بن عمر الشيحي أبو الحسن ، المعروف بالخازن (المتوفى : 741هـ) مختصر تفسير البغوي ج ٧ ص ٥٠المؤلف : عبد الله بن أحمد بن علي الزيدالطبعة : الأولى الناشر : دار السلام للنشر والتوزيع – الرياض تاريخ النشر : 1416هـ عدد الصفحات : 1040 عدد الأجزاء : 1 معالم التنزيل ج ٧ ص ١٨٧المؤلف : محيي السنة ، أبو محمد الحسين بن مسعود البغوي (المتوفى : 510هـ)المحقق : حققه وخرج أحاديثه محمد عبد الله النمر – عثمان جمعة ضميرية – سليمان مسلم الحرش الناشر : دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة : الرابعة ، 1417 هـ – 1997 م عدد الأجزاء : 8 ۔

801 - سنن الدارمي ج ١ ص ٩١ حديث نمبر:٢٥١ المؤلف : عبدالله بن عبدالرحمن أبو محمد الدارمي الناشر : دار الكتاب العربي – بيروت الطبعة الأولى ، 1407 تحقيق : فواز أحمد زمرلي , خالد السبع العلمي عدد الأجزاء : 2

802 -النساء:٥٩ ۔

اور رسول کی طرف رجوع کرو، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور اس کا انجام اور بدلہ بھی بہترین ہے۔

ایک حدیث میں بھی اس کی وضاحت کی گئی ہے کہ جماعت کے لئے امام لازم ہے:

حَدَّثَنِى أَبُو إِدْرِيسَ الْخَوْلاَنِىُّ أَنَّهُ سَمِعَ حُذَيْفَةَ بْنَ الْيَمَانِ يَقُولُ كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ – صلى الله عليه وسلم–عَنِ الْخَيْرِ،وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِى . فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا كُنَّا فِى جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ،فَجَاءَنَا اللَّهُ بِهَذَا الْخَيْرِ ، فَهَلْ بَعْدَ هَذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ قَالَ « نَعَمْ » .قُلْتُ وَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ قَالَ «نَعَمْ ، وَ فِيهِ دَخَنٌ » قُلْتُ وَمَا دَخَنُهُ قَالَ « قَوْمٌ يَهْدُونَ بِغَيْرِهَدْيِى تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُقُلْتُ فَهَلْ بَعْدَذَلِكَ الْخَيْرِمِنْ شَرٍّ قَالَ « نَعَمْ دُعَاةٌ إِلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا »قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صِفْهُمْ لَنَا فَقَالَ هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا ، وَيَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا »قُلْتُ فَمَا تَأْمُرُنِى إِنْ أَدْرَكَنِى ذَلِكَ قَالَ « تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ » .قُلْتُ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلاَ إِمَامٌ قَالَ«فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا[803]

ترجمہ: ابو ادریس خولانیؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن الیمانؓ نے فرمایا کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے امور خیر کے بارے میں سوالات کرتے تھے اور میں اکثر آنے والے فتنوں اور شر کے بارے میں دریافت کرتا تھا، تاکہ اپنے آپ کو ان سے بچا سکوں، ایک دن میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم جہالت و شر میں مبتلا تھے ، پھر اسلام ہمارے پاس خیر لے کر آیا، تو کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی شر آنے والا

------ حواشی---

803 - الجامع الصحيح ج ٣ ص ١٣١٩ حدیث نمبر:٣٤١١المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا-

ہے ؟ارشاد ہوا، ہاں، میں نے عرض کیا کہ کیا اس شر کے بعد پھر خیر آئے گا؟ فرمایا ،ہاں، اوراس میں کچھ بگاڑ ہو گا، میں نے عرض کیا، کیا بگاڑ ہو گا؟ فرمایا کچھ ایسے لوگ ہونگے جو میرے طریقے کے خلاف چلیں گے ،اور میری روش سے الگ روش اختیار کریں گے، تم ان میں اچھی بات بھی پاؤگے اور بری بات بھی، میں نے عرض کیا ، پھر اس اچھائی کے بعد برائی آئے گی؟ آپ نے فرمایا، ہاں، بہت سے داعی پیدا ہونگے جو جہنم کی طرف بلائیں گے، جو ان کی بات مانیں گے جہنم رسید ہونگے، میں نے عرض کیا، یارسول اللہ! ان کی صفات بیان فرمایئے، ارشاد فرمایا: وہ ہماری ہی قوم کے ہونگے ،اور ہماری ہی زبان میں بات کریں گے ، میں نے عرض کیا، اگر وہ وقت میری زندگی میں آجائے تو میرے لئے کیا حکم ہے؟ فرمایا مسلمانوں کی جماعت اوران کے امام کو لازم پکڑو، میں نے عرض کیا، اگر مسلمانوں کی جماعت اورامام موجود نہ ہو؟ آپ نے فرمایا، پھر ان تمام فرقوں سے الگ ہو جاؤ۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس گروہ کا امیر نہ ہو وہ محض فرقہ ہے جماعت نہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ جس کی موت اس حالت میں آئے کہ اس کی جماعت کا کوئی امام نہ ہو تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی:

عن ابن عمر:أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال:من خرج من الجماعة قيد شبر فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه حتى يراجعه قال : ومن مات وليس عليه إمام جماعةفإن موتته موتةجاهلية(هذا حديث صحيح على شرط الشيخين وقدحدث به الحجاج بن محمدأيضاعن

الليث ولم يخرجاه تعليق الذهبي قي التلخيص:على شرطهما[804]

ایک روایت میں ارشاد نبوی ہے کہ مؤمن کی کوئی صبح وشام ایسی نہیں گذرنی چاہئے جس میں اس کا کوئی امیر نہ ہو:

مَنْ اسْتَطَاعَ أَنْ لَا يَنَامَ نَوْمًا،وَلَايُصْبِحَ صَبَاحًا،وَلَايُمْسِيَ مَسَاءًإِلَّاوَعَلَيْهِ أَمِيرٌ[805]

اس مضمون کی بے شمار روایات کتب حدیث میں موجود ہیں جن سے نصب امام اور قیام امارت کا صریح اور لازمی حکم نکلتا ہے۔ یہاں تک کہ سفر میں بھی چند لوگ ساتھ ہوں تو حکم ہے کہ ایک کو امیر چن لیا جائے اور سفر اس کی ماتحتی میں کیا جائے:

عَنْ أَبِى سَعِيدٍ الْخُدْرِىِّ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ –صلى الله عليه وسلم– قَالَ« إِذَاخَرَجَ ثَلاَثَةٌ فِى سَفَرٍ فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ[806]

رسول اللہ ﷺ نے مختلف علاقوں کے لئے مختلف امراء مقرر فرمائے اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا:

عَنْ أَبِى هُرَيْرَةَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ–صلى الله عليه وسلم–أَنَّهُ قَالَ«مَنْ أَطَاعَنِى فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ وَمَنْ عَصَانِى فَقَدْ عَصَى اللَّهَ وَمَنْ أَطَاعَ أَمِيرِى فَقَدْ أَطَاعَنِى

------ حواشی--

804 - المستدرك على الصحيحين ج ١ ص ١٥٠ حديث نمبر:٢٥٩ المؤلف : محمد بن عبدالله أبو عبدالله الحاكم النيسابوري الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة الأولى ، 1411 – 1990 تحقيق : مصطفى عبد القادر عطا،عدد الأجزاء : 4 مع الكتاب : تعليقات الذهبي في التلخيص

805 - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ٣ ص ٢٩ حديث نمبر:١١٢٦٥المؤلف : أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى : 241هـ) الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6 الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها

806 - سنن أبي داود ج ٢ ص ٣٤٠حديث نمبر:٢٦١٠المؤلف :أبوداودسليمان بن الأشعث السجستاني الناشر : دار الكتاب العربي . بيروت عدد الأجزاء : 4

وَمَنْ عَصَى أَمِيرِى فَقَدْ عَصَانِى[807]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اطاعت صرف امیر المؤمنین ہی کی نہیں بلکہ نظام امارت کے قیام اور بقا کے لئے اصول کے مطابق ہر چھوٹے بڑے امیر کی اطاعت واجب ہے، خواہ وہ امیر سفر ہی کیوں نہ ہو اور خواہ اس کا تقرر امیر المؤمنین کی جانب سے ہو یا وہ عام مسلمانوں کی طرف سے منتخب کردہ ہو۔

سمعت أبا أمامة يقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه و سلم يخطب في حجة الوداع فقال اتقوا الله [ربكم] وصلوا خمسكم وصوموا شهركم وأدوا زكاة أموالكم وأطيعوا إذا أمركم تدخلوا جنة ربكم قال فقلت لأبي أمامة منذ كم سمعت [من رسول الله صلى الله عليه و سلم] هذا الحديث ؟ قال سمعته وأنا ابن ثلاثين سنة قال أبوعيسى هذا حديث حسن صحيح[808]

نصب امیر کے لئے مملکت کا وجود ضروری نہیں

یہ تصور قطعی درست نہیں کہ قیام جماعت اور نصب امیر کے لئے اسلامی مملکت کا وجود شرط ہے، اس لئے کہ ایک روایت میں ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی جگہ پر رہنے والوں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے لئے امیر کا انتخاب کریں:

ولا يحل لثلاثة نفر يكونون بأرض فلاة الا أمروا عليهم أحدهم[809]

اس میں کوئی قید نہیں کہ وہ خطۂ ارض کہاں واقع ہے، مسلم اقتدار کے علاقے میں یا غیر مسلم اقتدار کے علاقے میں، "ارض فلاة" کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ یہ حکم جغرافیائی حدود کا پابند نہیں ہے، علاقے کے

------ حواشی--

807 - الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم ج ٦ ص ١٣ حديث نمبر: ٤٨٥٤ المؤلف : أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري المحقق : الناشر : دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة ـ بيروت الطبعة :

808 - الجامع الصحيح سنن الترمذي ج ٢ ص ٥١٦ حديث نمبر: ٦١٦ المؤلف : محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر: دار إحياء التراث العربي –بيروت تحقيق: أحمد محمد شاكر وآخرون عدد الأجزاء: 5 الأحاديث مذيلة بأحكام الألباني

809 - مسند الإمام أحمد بن حنبل ج ٢ ص ١٧٦ حديث نمبر: ٦٦٤٧ المؤلف : أحمد بن حنبل أبو عبدالله الشيباني الناشر : مؤسسة قرطبة – القاهرة عدد الأجزاء : 6 الأحاديث مذيلة بأحكام شعيب الأرنؤوط عليها۔

فرق سے امارت کے معیار اور حدود میں تفاوت ہو سکتا ہے، اور امارت کی مختلف قسموں کی تطبیق میں فرق ہو سکتا ہے، لیکن نفس امارت کے حکم پر اس کا اثر نہیں پڑے گا، اگر امارت کی ایک صورت ممکن نہ ہو تو جو صورت ممکن ہو اس کو نافذ کرنا لازم ہو گا۔

مغلوبانہ حالات میں بیعت امارت

جہاں تک خاص مغلوبانہ حالات میں بیعت امارت کا تعلق ہے تو اس کی مثالیں بھی قرآن وحدیث اور تصریحات فقہاء میں موجود ہیں:

دار الکفر میں بحیثیت امیر حضرت طالوت کا تقرر

☆اس کی ایک مثال حضرت شمویلؑ (پیغمبر) کے زیر قیادت حضرت طالوت کا بحیثیت امیر تقرر ہے[810]، قرآن کریم میں اس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَامَلِكًانُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّاتُقَاتِلُواقَالُوا وَمَالَنَاأَلَّانُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ قَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا فَلَمَّاكُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْاإِلَّاقَلِيلًا مِنْهُمْ وَ اللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ(246) وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَاوَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةًمِنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةًفِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَنْ يَشَاءُوَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ[811]

ترجمہ: کیا آپ نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کی اس جماعت کو نہیں دیکھا جس نے اپنے نبی سے فرمائش کی تھی کہ ہمارے لئے کوئی امیر مقرر فرمادیں جن کے

------ حواشی ------

810 ۔ تفسیر جواہر علامہ طنطاویؒ مصری ج ا ص ۵۰۳۔

811 ۔البقرۃ : ۲۴۶،۲۴۷۔

زیر قیادت ہم جہاد فی سبیل اللہ کا فریضہ انجام دے سکیں، نبیؑ نے ارشاد فرمایا: کہیں ایسا تو نہیں ہو گا کہ جب تم پر جہاد فرض کر دیا جائے تو تم جہاد سے مکر جاؤ، انہوں نے کہا: ہم کیوں جہاد سے اعراض کریں گے جب کہ ہمیں اپنے گھروں اور خاندان سے نکال دیا گیا، لیکن جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا تو چند کو چھوڑ کر اکثر لوگوں نے اس سے اعراض کیا، اللہ پاک کو ان ظالموں کی خبر ہے، ان کے نبیؑ نے ان سے کہا کہ طالوت کو تمہارا امیر مقرر کیا گیا ہے تو انہوں نے ان پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہمارا امیر کیونکر ہو سکتا ہے، امارت کے تو ہم زیادہ حقدار ہیں، اس کے پاس تو مالی وسعت بھی نہیں ہے، نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ انتخاب اللہ کی جانب سے ہے، علاوہ طالوت کو علم و وجاہت کی دولت بھی حاصل ہے، اللہ پاک جسے چاہتے ہیں امارت و حکومت سے سرفراز کرتے ہیں، وہی وسعت و علم والا ہے۔

اللہ کے حکم پر نبیؑ کی طرف سے امیر کا یہ تقرر ایسے حالات میں ہوا جب بنی اسرائیل جالوت جیسے ظالم بادشاہ کے زیر اقتدار انتہائی مغلوبانہ حالات سے دوچار تھے، ان کے بیشتر افراد قید و بند کی زندگی گذارنے پر مجبور تھے، ان پر جزیہ عائد کر دیا گیا تھا، بنی اسرائیل کے شاہی خاندان کے چار سو چالیس (۴۴۰) نفوس قید کر لئے گئے تھے، یہاں تک کہ ان کی مذہبی کتاب تورات بھی ان کے ہاتھوں سے چھین لی گئی تھی، ان میں ایک شخص بھی ایسا نہیں چھوڑا گیا تھا جو قومی اور اجتماعی معاملات کے نظم و انتظام کا شعور رکھتا ہو، خاندان نبوت کے تمام لوگ (ایک حاملہ عورت کو چھوڑ کر جس سے بعد میں حضرت شمویلؑ پیدا ہوئے) شہید کر دیئے گئے تھے۔ علامہ بغویؒ لکھتے ہیں:

وهم قوم جالوت كانوايسكنون ساحل بحر الروم بين مصر وفلسطين وهم العمالقةفظهرواعلى 42/أ بني إسرائيل وغلبواعلى كثير من أرضهم وسبواكثيرا من ذراريهم وأسروا من أبناء ملوكهم أربعين وأربعمائة غلاما، فضربواعليهم الجزية وأخذوا توراتهم، ولقي بنو إسرائيل

منهم بلاء وشدة ولم يكن لهم نبي يدير أمرهم ، وكان سبط النبوة قد هلكوا، فلم يبق منهم إلاامرأةحبلى فحبسوهافي بيت رهبة أن تلد جارية فتبدلها بغلام لما ترى من رغبة بني إسرائيل في ولدها وجعلت المرأة تدعو الله أن يرزقها غلاما فولدت غلاما،فسمته أشمويل[812]

مفسر ابو السعود العمادیؒ رقمطراز ہیں:

وذلك أن جالوت رأسَ العمالقةِ وملكهم وهو جبارٌ من أولاد عمليق بن عاد كان هو ومن معه من العمالقةيسكنون ساحلَ بحرِ الرومِ بين مصر و فلسطين وظهرواعلى بني إسرائيلَ وأخذوادیارَهم وسبَوْاأولادهم وأسرُوامن أبناءملوكهم أربعَمائةوأربعين نفساًوضربوا عليهم الجزيةَوأخذوا توراتَهم [813]

اس طرح دارالکفر میں قیام امارت کے حکم پر خدا اور رسول دونوں کی مہر لگ گئی، پھر قرآن کریم نے اس واقعہ کو نقل کرکے اس امت کے لئے بھی اس کو قانونی حیثیت عطا کردی ہے۔

حالت مغلوبی میں بیعت عقبہ

☆دارالکفر میں نصب امیر کی دوسری نظیر خود عہد نبوی میں بیعت عقبہ ہے، جس میں حضور ﷺ نے مکہ مکرمہ میں ہجرت سے قبل قبیلۂ اوس وخزرج کے چند مسلمانوں سے سمع وطاعت کی بیعت لی تھی، یہ بیعت دو مرحلوں میں لی گئی تھی، پہلی بیعت کو بیعۃ عقبۂ اولیٰ کہتے ہیں، جس میں بارہ (۱۲) افراد شریک تھے، اور دوسری بیعت اس کے ایک سال کے بعد لی گئی جس کو بیعت عقبۂ ثانیہ کہا جاتا ہے، اس میں اوس

------ حواشی--

[812] - معالم التنزيل ج ١ ص ٢٩٦المؤلف : محيي السنة ، أبو محمد الحسين بن مسعود البغوي (المتوفى : **510**هـ)المحقق : حققه وخرج أحاديثه محمد عبد الله النمر – عثمان جمعة ضميرية – سليمان مسلم الحرش الناشر : دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة : الرابعة ، **1417** هـ – **1997** م عدد الأجزاء : **8** مصدر الكتاب : موقع مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف -

[813] - إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم ج ١ ص ٣٠٠ المؤلف : أبو السعود العمادي محمد بن محمد بن مصطفى (المتوفى : **982**هـ)مصدر الكتاب : موقع التفاسير-

وخزرج کے تہتر (۷۳) مرد اور دو (۲) عورتیں شامل ہوئیں، بیعت عقبۂ ثانیہ (ذی الحجہ) ہجرت (ربیع الاول) سے چند ماہ پیشتر لی گئی، کتب سیر وحدیث میں اس کی تفصیلات موجود ہیں:

ولم يختلفوا أنهم اثنا عشر رجلا وهم الذين بايعوا رسول الله صلى الله عليه وسلم في العقبة الأولى وكان بينها وبين العقبة الثانية عام أو نحوه وكانوا في بيعة العقبة الثانية ثلاثا وسبعين رجلا فيما ذكرابن إسحاق وامرأتين و كانت العقبة الثانية قبل الهجرة بأشهر يسيرة[814]

جب کہ اس وقت مسلمان انتہائی چھوٹی اقلیت میں تھے، عرب کے صرف چند قبائل نے اسلام قبول کیا تھا، اور وہ بھی یکجا نہیں تھے بلکہ مختلف آبادیوں میں پھیلے ہوئے تھے، مثلاً: یمن میں حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا خاندان اور طفیل بن عمر دوسیؓ کا پورا قبیلہ مسلمان ہو چکا تھا، ازوشنوہ کا پورا قبیلہ حضرت ضماد بن ثعلبہؓ کے ہاتھ پر اور غفار کا نصف قبیلہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے ہاتھ پر مسلمان ہو چکا تھا، اور ان ہی کے اثر سے قبیلۂ اسلم بھی مسلمان ہو گیا تھا جو قبیلۂ غفار سے قربت رکھتا تھا، مہاجرین حبش کے واسطہ سے اسلام کی آواز غیر قوموں اور ملکوں تک پہونچ چکی تھی، مدینہ منورہ کے قبائل اوس وخزرج کے اکثر گھرانے بھی مسلمان ہو چکے تھے[815]۔

لیکن ہر جگہ ان کے لئے رکاوٹوں کا سامنا تھا، ریگستان عرب میں اطمینان کی سانس لینا ان کے لئے مشکل تھا، وہ کلیتاً مغلوبانہ اور محکومانہ زندگی گذار رہے تھے، خود قرآن کریم کا بیان ہے:

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاس[816]

------ حواشی --

[814] - التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد ج ٢٣ ص ٢٧٥المؤلف : أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمري القرطبي (المتوفى : 463هـ)المحقق : مصطفى بن أحمد العلوى و محمد عبد الكبير البكرى الناشر : مؤسسة القرطبه -

[815] -ہندوستان اور مسئلۂ امارت مصنفہ حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی ص ۴۷، ۴۶ ناشر جمعیۃ علماء ہند۔

[816] -الانفال : ٢٦

ترجمہ: یاد کرو جب تم ملک میں تھوڑے تھے اور کمزور تھے اور ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو اچک نہ لیں۔

بلکہ ہجرت کے بعد بھی کافی عرصہ تک یہی صورت حال رہی، انتہائی خوف و دہشت کا ماحول تھا خود ذات رسالت مآب ﷺ بھی شب میں اطمینان کے ساتھ آرام نہیں فرماسکتے تھے، ہتھیار بند سپاہی حجرۂ شریفہ کے باہر تعینات کئے جاتے تھے، بخاری شریف میں حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا گیا ہے:

كان النبي صلى الله عليه وسلم سهرفلما قدم المدينة قال(ليت رجلامن أصحابي صالحا يحرسني الليلة[817]

نسائی شریف میں ہے:

عن عائشة قالت كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في أول ماقدم المدينةيسهر من الليل[818]

عن أبي بن كعب رضي الله عنه قال:لماقدم رسول الله صلى الله عليه وسلم وأصحابه المدينةوآوتهم الأنصاررمتهم العرب عن قوس واحدة كانوا لا يبيتون إلابالسلاح ولايصبحون إلافيه[819]

لیکن ان حالات میں بھی رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اجتماعی زندگی گذارنے کی تلقین فرمائی ،اوران سے سمع وطاعت کی بیعت لی، آپ نے ان کو یہ بھی ہدایت فرمائی کہ امارت کے معاملے میں کوئی اختلاف پیدا نہ کریں بلکہ اجتماعی وحدت کا ثبوت دیں:

------ حواشی--

817 - الجامع الصحيح المختصرج ۳ص۱۰۵۷حدیث نمبر:۲۷۲۹المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، **1407 – 1987**

818 - السنن الكبرى ج ۵ ص ۶۱المؤلف : أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (المتوفى : **303**هـ)مصدر الكتاب : موقع يعسوب[ترقيم الكتاب موافق للمطبوع]

819 - المستدرك على الصحيحين ج ۲ ص ۴۳۴حدیث نمبر:۳۵۱۲المؤلف : محمد بن عبدالله أبو عبدالله الحاكم النيسابوري الناشر : دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة الأولى ، **1411 – 1990** تحقيق : مصطفى عبد القادر عطا

عن عبادة بن الصامت قال:بايعنا رسول الله صلى الله عليه و سلم على السمع و الطاعة في المنشط والمكره وأن لاننازع الأمرأهله وأن نقوم أو نقول بالحق حيثماكنالانخاف في الله لومة لائم[820]۔

عہد نبوت میں دوسرے غیر مسلم علاقوں میں تقرر امیر

☆دوسرے غیر مسلم علاقوں میں بھی آپ ﷺ کے ارشاد عالی کے مطابق امراء کا تقرر عمل میں آیا، مثلاً: مہاجرین حبش کے امیر حضرت جعفر طیارؓ مقرر کئے گئے، جب کہ حبشہ دار الکفر تھا، اور وہاں کا بادشاہ نصرانی تھا، سیرت ابن ہشام میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

☆دارالکفر میں تقرر امیر کی ایک نظیر خود عہد نبوت میں شام کی سرزمین پر (جو اس وقت تک اسلامی مفتوحات میں شامل نہیں ہوا تھا) غزوۂ موتہ کے موقعہ پر قوم کی طرف سے حضرت خالد بن الولیدؓ کا بحیثیت امیر تقرر ہے، جس پر نبی کریم ﷺ نے کوئی نکیر نہیں فرمائی، بلکہ پیرایۂ مدح میں آپ نے امت کے سامنے یہ پورا واقعہ بیان فرمایا، صحیح بخاری میں ہے:

عن أنس رضي الله عنه:أن النبي صلى الله عليه و سلم نعى زيداو جعفرا وابن رواحة للناس قبل أن يأتيهم خبرهم فقال(أخذ الراية زيدفأصيب ثم أخذ جعفر فأصيب ثم أخذابن رواحة فأصيب).وعيناه تذرفان(حتى أخذ الرايةسيف من سيوف الله حتى فتح الله عليهم)[821]

نسائی شریف میں اس روایت کے ساتھ یہ استدلال بھی نقل کیا گیاہے کہ عام مسلمانوں

------ حواشی ------

820 - الجامع الصحيح المختصر ٦ص٢٦٣٣حديث نمبر:٦٧٧٤المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987 تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء :6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا۔

821 - الجامع الصحيح المختصر ٤ص١٥٥٤حديث نمبر:٤٠١٤المؤلف : محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر : دار ابن كثير ، اليمامة – بيروت الطبعة الثالثة ، 1407 – 1987تحقيق : د. مصطفى ديب البغا أستاذ الحديث وعلومه في كلية الشريعة – جامعة دمشق عدد الأجزاء : 6 مع الكتاب : تعليق د. مصطفى ديب البغا۔

کے انتخاب سے بھی امارت قائم ہو جاتی ہے:

عن أنس بن مالك : أن رسول الله صلى الله عليه و سلم بعث زيدا و جعفرا وعبد الله بن رواحة ودفع الراية إلى زيد فأصيبوا جميعا قال أنس فنعاهم رسول الله صلى الله عليه و سلم إلى الناس قبل أن يجيء الخبر قال أخذالراية زيد فأصيب ثم أخذ جعفر فأصيب ثم أخذ عبد الله بن رواحة فأصيب ثم أخذ الراية بعد سيف من سيوف الله خالد بن الوليدقال فجعل يحدث الناس وعيناه تذرفان رواه البخاري في الصحيح عن سليمان بن حرب وأحمد بن واقد عن حماد وفيه دلالة على أن الناس إذا لم يكن عليهم أمير ولاخليفةأميرفقام بإمارتهم من هوصالح للأمارةوانقادوا له انعقدت ولايته حيث استحسن رسول الله صلى الله عليه وسلم مافعل خالدبن الوليدمن أخذه الرايةوتأمره عليهم دون أمرالنبي صلى الله عليه و سلم ودون استخلاف من مضى من أمراء النبي صلى الله عليه و سلم إياه والله أعلم[822]

حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس حدیث سے یہی استدلال کیا ہے:

ثم أخذاللواءخالدبن الوليدولم يكن من الأمراء وهوأميرنفسه ثم قال رسول الله صلى الله عليه و سلم اللهم انه سيف من سيوفك فأنت تنصره فمن يومئذ سمى سيف الله وفي حديث عبد الله بن جعفر ثم أخذها سيف من سيوف الله خالدبن الوليدففتح الله عليهم وتقدم حديث الباب في الجهاد من وجه آخر عن أيوب فأخذها خالد بن الوليد من غير إمرة والمراد نفي

------ حواشی --

[822] - سنن البيهقي الكبرى ج ۸ص ۱۵۴حديث نمبر:۱۶۳۷۴المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر : مكتبة دار الباز – مكة المكرمة ، **1414 – 1994** تحقيق : محمد عبد القادر عطا

كونه كان منصوصا عليه وإلا فقد ثبت أنهم اتفقوا عليه[823]

دارالحرب یمامہ میں انتخاب امیر

☆زمانۂ نبوت کے ایک اورواقعہ سے بھی اس پر روشنی پڑتی ہے جس کا تذکرہ ابن خلدون وغیرہ نے بہت تفصیل کے ساتھ کیاہے کہ "عہد رسالت کے آخری زمانہ میں جب یمامہ میں اسود عنسی نے نبوت کا دعویٰ کیا، اور بہت سے لوگ اس کے متبع ہوگئے، تورسول اللہ ﷺ کے مقرر کردہ عامل شہید کردیئے گئے، بہت سے مسلمان ڈرکر وہاں سے بھاگ نکلے، لیکن بہت سے لوگ ایمان کوچھپاکر وہیں رہے، یمامہ دارالاسلام سے دار الحرب ہوگیا، یہاں تک کہ اذانیں بند ہوگئیں اور علی الاعلان کوئی شخص اللہ کانام لینے والانہ رہا، ایک دن انہی پوشیدہ مسلمانوں میں سے کسی نے رات میں مدعی نبوت کو قتل کردیا، اور صبح کووہاں موجود مسلمانوں نے حضرت معاذؓ کواپناامیر منتخب کیااور مرتدین سے مقابلہ کیا، اللہ پاک کی نصرت سے وہ کامیاب ہوئے اور یمامہ پھر دارالاسلام میں تبدیل ہوگیا، دربار رسالت میں اس بشارت کولے کر قاصد بھیجاگیا، مگر وہ ایسے وقت مدینہ منورہ پہونچاجب سرکاردوعالم ﷺ رفیق اعلیٰ کواختیار فرماچکے تھے، اور حضرت صدیق اکبرؓ مسند خلافت پر متمکن تھے، کسی صحابی سے اس واقعہ پر کوئی نکیر منقول نہیں ہے، یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ دارالحرب میں امیر کاانتخاب اجماع صحابہ سے بھی ثابت ہے[824]۔

فقہی تصریحات

علاوہ کتب فقہ میں یہ تصریحات موجودہیں کہ مسلمانوں کے لئے بے امیر رہناکسی مقام پر درست نہیں، خواہ وہ دارالاسلام ہو یادارالحرب، امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

لا يجوز ترك المسلمين سدى ليس عليهم من يدبرأمورهم في دار الإسلام

------ حواشی --

[823] - فتح الباري شرح صحيح البخاري ج ٧ص ٥١٣ المؤلف : أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي الناشر:دار المعرفة–بيروت، 1379 تحقيق:أحمد بن علي بن حجرأبو الفضل العسقلاني الشافعي

[824] -ہندوستان اور مسئلۂ امارت مصنفہ مولاناعبدالصمد رحمانی ص ۵۰۔

ولا في دارالحرب[825]

یہی بات مبسوط میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

ففي القول بما قالوا يؤدي إلى أن يكون الناس سدى لا والي لهم[826]

جن علاقوں پر کفار کا غلبہ ہو جائے، اور وہاں کوئی مسلم حاکم موجود نہ ہو تو وہاں کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ اتفاق باہم سے اپنا مسلم امیر منتخب کریں، تا کہ جمعہ وعیدین اور قضا کا نظام متاثر نہ ہو ، امیر کوئی قاضی مقرر کرے یا خود کار قضا سنبھالے، یعنی اس حالت میں بھی اجتماعیت کے تحفظ کے لئے نصب امیر کا حکم مر تفع نہیں ہوتا، البتہ فقہاء نے یہ تصریح بھی کی ہے کہ جب تک یہ صورت ممکن نہ ہو ان پر لازم ہے کہ باہمی مشورہ سے جمعہ وعیدین کا نظام قائم کریں، اور قاضی کا تعین کریں، تا کہ بہت سے عائلی اور اجتماعی مسائل جن میں قضائے قاضی کی ضرورت ہوتی ہے، کے حل میں دشواری پیدا نہ ہو، فقہاء نے یہ صراحت بھی کی ہے کہ مسلمانوں کے باہمی اتفاق سے جو قاضی مقرر ہوتا ہے شرعاً اس کا بھی اعتبار ہے اور وہ شرعی قاضی قرار پاتا ہے:

امام سرخسیؒ نے امام کی عدم موجودگی میں قوم کی طرف سے نصب امام کا اعتبار کیا ہے، اور اس کی نظیر حضرت عثمانؓ کی عدم موجودگی (حالت محاصرہ) میں حضرت علیؓ کی امامت جمعہ ہے:

لَوْمَاتَ مَنْ يُصَلِّي الْجُمُعَةَ بِالنَّاسِ فَاجْتَمَعُوا عَلَى رَجُلٍ فَصَلَّى بِهِمْ الْجُمُعَةَ هَلْ يُجْزِئُهُمْ ؟ وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يُجْزِئُهُمْ فَقَدْ ذَكَرَ ابْنُ رُسْتُمَ عَنْ مُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى أَنَّهُ لَوْمَاتَ عَامِلُ إفْرِيقِيَّةَ فَاجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَى رَجُلٍ فَصَلَّى بِهِمْ الْجُمُعَةَ أَجْزَأَهُمْ لِأَنَّ عُثْمَانَ رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى لَمَّا حُصِرَ اجْتَمَعَ النَّاسُ عَلَى عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فَصَلَّى بِهِمْ الْجُمُعَةَ وَلِأَنَّ الْخَلِيفَةَ إنَّمَا يَأْمُرُ بِذَلِكَ نَظَرًامِنْهُ

------ حواشی --

[825] - شرح السير الكبيرج ٢ص٢٢٧

[826] -المبسوط للسرخسي ج ٩ص ١٣٨تأليف:شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي دراسة وتحقيق:خليل محي الدين الميس الناشر:دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، 1421هـ 2000م-

لَهُمْ فَإِذَانَظَرُوالِأَنْفُسِهِمْ وَاتَّفَقُوا عَلَيْهِ كَانَ ذَلِكَ بِمَنْزِلَةِ أَمْرِالْخَلِيفَةِ إِيَّاهُ[827]

علامہ ابن ہمامؒ رقمطراز ہیں:

وإذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كما هو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة في بلاد المغرب الآن وبلنسية وبلاد الحبشة وأقرواالمسلمين عندهم على مال يؤخذمنهم يجب عليهم أن يتفقواعلى واحدمنهم يجعلونه واليافيولى قاضياأويكون هوالذي يقضي بينهم وكذا ينصبوا لهم إماما يصلي بهم الجمعة[828]

علامہ ابن نجیمؒ لکھتے ہیں:

وَأَمَّا في بِلَادٍ عليها وُلَاةُ الكفارة(الكفار) فَيَجُوزُ لِلْمُسْلِمِينَ إقَامَةُالْجُمَعِ وَالْأَعْيَادِوَيَصِيرُالْقَاضِي قَاضِيًا بِتَرَاضِي الْمُسْلِمِينَ وَيَجِبُ عليهم طَلَبُ وَالٍ مُسْلِمٍ ا هـ[829]

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:

وأمابلادعليهاولاة كفارفيجوزللمسلمين إقامة الجمع والأعيادو يصير القاضي قاضيابتراضي المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسواواليا مسلما منهم اهـ وعزاه مسكين في شرحه إلى الأصل ونحوه في جامع الفصولين مطلب في حكم تولية القضاء في بلاد تغلب عليها الكفار وفي الفتح و إذا لم يكن سلطان ولا من يجوز التقلد منه كماهو في بعض بلاد المسلمين

------ حواشی --

827 - المبسوط للسرخسي ج ٢ ص ٦٢تأليف:شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي دراسة وتحقيق:خليل محي الدين الميس الناشر:دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، 1421هـ 2000م-

828 -شرح فتح القديرج ٧ص ٢٦۴كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي سنة الولادة / سنة الوفاة 681هـ الناشر دار الفكر مكان النشر بيروت -

829 -البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ٦ ص ٢٩٨ زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت-

غلب عليهم الكفاركقرطبة الآن يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولي قاضيا ويكون هو الذي يقضي بينهم وكذا ينصبوا إماما يصلي بهم الجمعة ا ه وهذا هو الذي تطمئن النفس إليه تأمل ثم إن الظاهرأن البلادالتي ليست تحت حكم سلطان بل لهم أمير منهم مستقل بالحكم عليهم بالتغلب أوباتفاقهم عليه يكون ذلك الأميرفي حكم السلطان فيصح منه تولية القاضي عليهم[830]

حاشیۂ مراقی الفلاح میں ہے:

وفي مفتاح السعادةعن مجمع الفتاوي غلب على المسلمين ولاةالكفاريجوز للمسلمين إقامة الجمع و الأعياد و يصيرالقاضي قاضيابتراضي المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسواواليا مسلماه ولو مات الخليفة وله ولاة على أمورالعامة كان لهم أن يقيمواالجمعة لأنهم أقيمواالأمور المسلمين فكانوا على حالهم ما لم يعزلواحلبي[831]

قوت قاہرہ کے بغیر بھی امارت قائم ہو سکتی ہے

ظاہر ہے کہ غیر مسلم اقتدار میں رہنے والے مسلمانوں کی طرف سے جو امیر مقرر ہو گا اسے قوت قاہرہ حاصل نہ ہو گی، یعنی وہ طاقت کے بل پر کوئی حکم نافذ کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا اس لئے کہ وہ سیاسی اور فوجی اقتدار سے محروم ہے، اس کے باوجود علماء اور فقہاء کا قیام امارت پر اصرار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ امارت کے بھی درجات ہیں، اور اجتماعیت کے تحفظ اور ملی وعائلی مسائل کے حل کے لئے ہمیشہ امارت کاملہ ہی ضروری نہیں ہے بلکہ بعض حالات میں اس کی جگہ پر امارت ممکنہ بھی کافی ہوتی ہے، یہ بات مذکورہ بالا

------ حواشی--

830 -حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ٥ ص ٣٦٩ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

831 -حاشية على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ج ١ ص ٣٢٨ أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحاوي الحنفي سنة الولادة / سنة الوفاة 1231هـ الناشر المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق سنة النشر 1318هـ مكان النشر مصر-

واقعات وروایات اور فقہی تصریحات کے تناظر میں نکھر کر سامنے آتی ہے، بعض علماء نے بڑی صراحت کے ساتھ بھی یہ بات لکھی ہے مثلاً:

علامہ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں:

الفصل الثامن :[وجوب اتخاذ الإمارة]يجب أن يعرف أن ولاية الناس من أعظم واجبات الدين بل لاقيام للدين إلابها،فإن بني آدم لا تتم مصلحتهم إلا بالاجتماع لحاجة بعضهم إلى بعض، ولا بد لهم عند الاجتماع من رأس،حتى قال النبي صلى الله عليه وسلم:"إذاخرج ثلاثةفي سفرفليؤمرواأحدهم رواه أبو داود،من حديث أبي سعيد وأبي هريرة.[2608، أحمد 176/2]وروى الإمام أحمدفي المسند عن عبد الله بن عمرو،أن النبي قال: "لا يحل لثلاثةيكونون بفلاة من الأرض إلاأمرواعليهم أحدهم"[أحمد:177/2]. فأوجب صلى الله عليه وسلم تأمير الواحد في الاجتماع القليل العارض في السفر، تنبيها على سائر أنواع الاجتماع--------------- فالواجب على المسلم أن يجتهد في ذلك بحسب وسعه، فمن ولي ولاية يقصد بها طاعة الله،وإقامة ما يمكنه من دينه، ومصالح المسلمين، وأقام فيها ما يمكنه من ترك المحرمات، لم يؤاخذ بمايعجز عنه، فإن تولية الأبرار خير للأمة من تولية الفجار.ومن كان عاجزا عن إقامة الدين بالسلطان والجهاد، ففعل مايقدرعليه،من النصيحة بقلبه، والدعاء للأمة،ومحبة الخير،وفعل مايقدرعليه من الخير،لم يكلف مايعجزعنه،فإن قوام الدين الكتاب الهادي[832]

حضرت مولانا عبد الصمد رحمانیؒ نے اس نظریہ کی تائید میں مختلف مسالک وادوار کے اکابر علماء ومفتیان کے فتاویٰ بھی نقل فرمائے ہیں تفصیل کے لئے ان کی کتاب "ہندوستان اور مسئلہ امارت" کی طرف

------ حواشی---

832 -السياسة الشرعية فى اصلاح الراعى والرعية لابن تيميةؒ،القسم الثانى الحدودوالحقوق ص ج 4 ص 21- 26 الناشردارابن حزم 1424ھ م 2003ء-

رجوع کیا جائے[833]۔

البتہ خاص ہندوستانی تناظر میں انگریزی تسلط کے بعد نصب امیر اور نظام قضا کے قیام کا پہلا فتوی حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ نے دیا، ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۳ء میں حضرت شاہ صاحبؒ نے ہندوستان کے دار الحرب ہونے کا فتویٰ جاری کیا[834]، اور اپنے فتاویٰ میں اس بات پر زور دیا کہ مسلمان خود اپنا امیر منتخب کریں، جس کی ماتحتی میں وہ تمام ملی اور اجتماعی امور انجام دیئے جائیں جو امیر و قاضی کے بغیر روبہ عمل نہیں آسکتے ہیں:

"اقامت جمعہ در دار الحرب اگر از طرف کفار والی مسلمان در مکانے منصوب باشد باذن او درست است ، والا مسلمانان رابا ید کہ یک کس را کہ امین و متدین باشد رئیس قرار دہند کہ باجازت و حضور او اقامت جمعہ و اعیاد و انکاح من لا ولی من الصغار ، و حفظ مال غائب ، و ایتام و قسمت ترکات متنازع فیہا علیٰ حسب السہام می نمودہ باشد ، بے آنکہ در امور ملکی تصرف کند و مداخلت نماید[835]۔

------ حواشی --

833 - ملاحظہ فرمائیں ص ۶۳ تا ۷۳۔

834 - حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے دار الحرب کی تعریف اور شرائط نقل کرنے بعد ہندوستان کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ:

"دریں شہر حکم امام المسلمین اصلاً جاری نیست، وحکم روسائے نصاریٰ بے دغدغہ جاری است ۔۔۔ اگر بعض احکام اسلام را مثل جمعہ و عیدین و ذبح بقر تعرض نکنند نکردہ باشد لیکن اصل الاصول ایں چیزہا نزد ایشاں ھباءً وہدر است، زیرا کہ مساجد را بے تکلف ہدم می نمائند ۔۔۔ ازیں شہر تا کلکتہ عمل نصاریٰ ممتد است (مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص ۱۶، ۱۷، فارسی ایڈیشن مطبع مجتبائی دہلی، سن طباعت ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء)

ترجمہ: اس شہر میں امام المسلمین کا حکم بالکل جاری نہیں ہے، اور نصرانی حکمرانوں کے احکام بے دغدغہ جاری ہیں، اگر بعض اسلامی احکام مثلاً جمعہ و عیدین اور ذبح بقر سے یہ لوگ تعرض نہیں کرتے ہیں تو نہ کریں، لیکن اصلاً ان کے نزدیک ان چیزوں کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے، اس لئے کہ جب چاہتے ہیں مسجدوں کو بے تکلف شہید کر دیتے ہیں، دہلی سے کلکتہ تک نصاریٰ کا عمل دخل اسی طرح جاری ہے۔

835 - مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص ۳۲، ۳۳ فارسی ایڈیشن مطبع مجتبائی دہلی، سن طباعت ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۹۰۴ء۔

ترجمہ: اگر دارالحرب میں کفار کی طرف سے کسی مقام پر مسلمان والی مقرر ہو تو اس کی اجازت سے جمعہ قائم کرنا درست ہے ورنہ مسلمانوں کو چاہئے کہ کسی معتبر اور دیندار شخص کو اپنا امیر منتخب کرلیں، اور اس کے حکم سے جن نابالغوں کا کوئی ولی نہ ہو ان کا نکاح کریں اور غائب و یتیم کے اموال کی حفاظت کی جائے، اور حصۂ شرعی کے مطابق ان ترکات کی تقسیم کی جائے جن میں نزاع ہو، البتہ یہ امیر ملکی معاملات میں مداخلت سے گریز کرے۔

ملکی معاملات میں مداخلت سے گریز کی تلقین بطور مصلحت کے ہے اس لئے کہ اس دور میں انگریزی استبداد کے بالمقابل یہ ایک پر خطر چیز تھی، لیکن اگر جمہوری حکومتوں میں اظہار رائے کی آزادی میسر ہو اور امیر کی مداخلت سے مسلمانوں کا نفع متوقع ہو تو ملکی اور سیاسی معاملات میں مداخلت میں کچھ حرج نہیں[836]۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کے بعد حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلیؒ نے بھی اسی مضمون کا فتویٰ جاری کیا تھا[837]۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کے اضطراری حالات میں امارت شرعیہ کی فکر کوئی بدعت یا ایجاد بندہ نہیں تھی بلکہ یہ شریعت اسلامیہ کی فقہ الاقلیات کا ایک حصہ ہے، جس سے امت مسلمہ نے ہمیشہ ایسے وقت میں استفادہ کیا ہے جب وہ سیاسی اعتبار سے ادبار و تنزل کی شکار ہوئی، اور یہ تنہا ہندوستان کا قصہ نہیں بلکہ تاریخ اسلامی میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں:

------ حواشی --

836 - مولانا عبد الصمد رحمانی صاحبؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کی اس قید کی یہی تاویل کی ہے (ہندوستان اور مسئلۂ امارت ص ۷۰، ۶۹ حاشیۂ کتاب)

837 - مجموعۂ فتاویٰ مولانا عبد الحیؒ کتاب القضاء ج ۲ ص ۱۶۱۔

اسلامی تاریخ میں مغلوبانہ امارت کے نظائر

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے اپنے خطبۂ صدارت اجلاس ہفتم جمعیۃ علماء ہند کلکتہ میں کتب تاریخ سے ایسی کئی مثالیں پیش کی ہیں، مثلاً:

☆سلیمان تاجر نے اپنے تیسری صدی ہجری کے سفر نامہ میں غیر اسلامی ملک چین کے شہر "خانفو" کا حال لکھا ہے جہاں مسلمان تاجروں (جو زیادہ تر عراق سے آئے تھے) کی نو آبادی تھی، وہاں شاہ چین نے ان کی عید اور جمعہ نیز فصل احکام کے لئے انہی میں سے ایک شخص کو امیر اور فیصل مقرر کر دیا تھا، مسلمان تاجر اس کے حکم سے سر تابی نہیں کر سکتا تھا:

"ان بخانفو وھومجمع التجار رجلاً مسلماًیولیہ صاحب الصین الحکم بین المسلمین الذین یقصدون الیٰ تلک الناحیۃ یتوخی ملک الصین ذلک واذاکان فی العیدصلی بالمسلمین وخطب ودعا لسلطان المسلمین و ان التجارالعراقیین لاینکرون من ولایتہ شیئا فی احکام وبما فی کتاب اللہ عزوجل واحکام الاسلام [838]

ترجمہ: شہر خانفو (چین) میں مسلمان تاجروں کا ایک مرکز ہے، ایک مسلمان ہے جس کو شاہ چین ان مسلمانوں کے درمیان فصل احکام کے لئے مقرر کرتا ہے، جو اس ملک میں جاتے ہیں، شاہ چین اس چیز کو پسند کرتا ہے اور عید جب آتی ہے تو والی مسلمانوں کی نماز کی امامت کرتا ہے، اور خطبہ پڑھتا ہے، اور بادشاہ اسلام کے لئے دعا کرتا ہے، اور عراقی تاجر مسلم والی کی ولایت کے کسی حکم اور عمل بالحق کا انکار نہیں کرتے اور نہ ان حکموں سے سر تابی کرتے ہیں جو اس والی نے کتاب الٰہی اور احکام اسلام کے موافق جاری کیا ہو"

------ حواشی--

838 ۔ص ۱۴ مطبوعہ پیرس ۱۸۱۱ء بحوالہ خطبۂ صدارت علامہ سید سلیمان ندویؒ اجلاس کلکتہ ص ۵۸۔

قدیم فارسی میں والی و قاضی کے لئے ہنر مند (یاہنر من) کی اصطلاح

☆عراقیوں کی فارسی زبان میں والی اور قاضی کو ہنر مند کہا جاتا تھا جو عام استعمال میں ہنر من بولا جاتا تھا، خود ہندوستان کے مختلف ساحلی شہروں میں جہاں جہاں مسلمان آبادیاں تھیں، غیر اسلامی سلطنتوں میں اسلامی تنظیم و قضا کے ذمہ دار افراد کو ہنر مند کہا جاتا تھا۔

☆چوتھی صدی ہجری کے جہازراں بزرگ ابن شہریار نے اپنے سفر نامہ "عجائب الہند" میں صیمور (مدراس کے قریب) میں عباس بن ہامان سیرافی ہنر مند کا ذکر کیا ہے:

انہ كان بصيمورر جل من اهل سيراف يقال لہ العباس ابن هامان و كان هنر من للمسلمين بصيمورذووجہ البلد و المنضوى اليہ من المسلمين(ص۴۲)

ترجمہ: صیمور میں سیراف کا ایک شخص تھا، جس کو عباس بن ہامان کہا جاتا تھا، اور جو وہاں کے مسلمانوں کا ہنر مند تھا، اور شہر کا ذی وجاہت شخص اور وہاں کے پناہ گزیں مسلمانوں کا مرکز تھا۔

☆اسی مقام پر ۳۰۴ھ میں مشہور سیاح مسعودی بھی پہونچا تھا، اس نے اس دور کی صورت حال بیان کرتے ہوئے تحریر کیا:

على الهنرمنۃ يومئذابوسعيدمعروف ابن زكرياو الهنرمنۃ يرادبہ رئيس المسلمين وذلک ان الملک يملک على المسلمين رجلاًمن رؤسائهم تكون احكامهم مصروفۃ اليہ[839]

☆چھٹی صدی ہجری میں جب کافر تاتاریوں نے ایران و خراسان و ترکستان پر قبضہ کر لیا، تو وہاں کے علماء وقت نے اپنے لئے مسلم والی کا مطالبہ پیش کیا تھا، جو ہماری کتب فتاویٰ کا ایک باب ہے۔

☆خود ہندوستان میں سلاطین کے عہد میں صدر جہاں کے نام سے اس قسم کا عہدہ قائم تھا، جس

------ حواشی --

839 - مروج الذہب ج ۲ ص ۶۶ یورپ۔

کے ماتحت تمام قضاۃ و محتسب ائمہ ہوتے تھے، تاتاری کافروں کے استیلاء کے زمانہ میں اس عہد کے علماء نے اسی بناپر مسلمان والی کے پہلوپر زور دیا تھا۔

☆ بولشویک روس کے مسلمان قازان کی مجلس دینیہ اسلامیہ کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہیں۔

☆ فلپائن، اسٹریا، ہنگری، بلگیریا، ازیکوسلیویا، اور یونان میں مسلمان بے حد اقلیت میں ہیں، تاہم ان کے تمام قومی و مذہبی صیغے مفتی اعظم کے ماتحت منظم اور باقاعدہ ہیں۔

☆ دسمبر (۱۹۲۶ء) کے اخیر ہفتہ کی رپورٹ ہے کہ پولینڈ کے تمام مسلمانوں نے جمع ہو کر ترپن (۵۳) ارکان کی ایک مجلس ترتیب دی ہے، اور اس میں چند کارکن منتخب کئے گئے ہیں، اور ایک صدر کا انتخاب کیا گیا ہے، تاکہ وہ اس وحدت تنظیمی کے سایہ میں اپنی اسلامی زندگی کو قائم رکھ سکیں[840]۔

☆ مولانا مسعود عالم ندویؒ لکھتے ہیں:

"فلسطین میں "مسلم سپریم کونسل" (المجلس الاسلامی الاعلیٰ) اسی قسم کی دوسری شکل تھی، چند صدی پہلے صقلیہ میں اور آج کل یوگوسلاویہ میں اس قسم کے اسلامی نظام کے اداروں کا کامیاب تجربہ ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے"[841]

مذکورہ مثالیں یہ سمجھنے کے لئے کافی ہیں کہ کسی غیر اسلامی ملک میں امارت شرعیہ کا تصور کا کوئی نیا نہیں ہے کہ اس کو بدعت سئیہ قرار دے کر مسترد کر دیا جائے۔

شریعت میں قیام امارت کے لئے قوت قاہرہ شرط نہیں ہے

نیز ان فقہی و تاریخی نظائر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیر اسلامی ملک میں جو امارت شرعی یا ولایت دینی قائم ہوتی ہے اس میں قوت قاہرہ شرط نہیں ہے، اس لئے کہ مقہوریت کے ساتھ قاہریت جمع نہیں ہو سکتی، جب مسلمان غیر اسلامی اقتدار میں خود محکوم و مغلوب ہیں تو ان سے غالبیت کا مطالبہ کرنا ایک

------ حواشی --

840 ۔خطبۂ صدارت اجلاس ہفتم جمعیۃ علماء ہند کلکتہ ص ۵۲ تا ۵۸ علامہ سید سلیمان ندویؒ۔

841 ۔محاسن سجاد ص ۹۶۔

بے معنیٰ سی بات ہے، اسلام کا مقصد اس امارت سے جبر و قہر نہیں بلکہ مسلمانوں کی تنظیم ہے، یعنی مسلمان جہاں بھی رہیں اجتماعیت کے ساتھ مربوط رہیں اور یہ تنظیمیت مسلم اقتدار میں قوت و قہر سے حاصل ہوتی ہے جبکہ غیر اسلامی نظام میں دینی اور اخلاقی بنیادوں پر، اسلام ایک آفاقی مذہب ہے اور اس کے اصول و نظریات بھی آفاقی ہیں، روئے زمین کے ہر حصہ میں یہ قابل عمل ہیں، البتہ جہاں جو صورت ممکن ہوگی اس کو اختیار کرنا لازم ہوگا، امارت و ولایت کا اصل مقصود تنظیم ہے، اگر قوت و قہر میسر نہ ہو تو اس کے انتظار میں گوہر مقصود ضائع نہیں کیا جائے گا، بلکہ وحدت و اجتماعیت کے لئے دوسری ضروری بنیادیں تلاش کی جائیں گی۔

اہلیت امارت کے لئے مطلوبہ معیار

اس باب میں قرآن وحدیث کے مطالعہ سے اسلام کا مزاج یہ معلوم ہوتا ہے کہ ولایت کے لئے اصل معیار قوت و امانت ہے، جیسا کہ آیات ذیل سے مستفاد ہوتا ہے:

☆إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ[842]۔

☆إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ أَمِينٌ[843]

☆إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ، ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ، مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ[844]

قوت سے مراد قوت فیصلہ، انسان کے پاس علم اور قوت ارادی دونوں موجود ہوں تو قوت فیصلہ بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

اور امانت سے مراد خوف خداوندی اور احساس ذمہ داری ہے۔

یہ دونوں باتیں کسی شخص میں موجود ہوں تو اس کو امارت کا اہل قرار دیا جا سکتا ہے، علامہ ابن تیمیہؒ

------ حواشی --

842۔ القصص:26۔

843 -یوسف:54

844 -التکویر:19-21

نے انہی آیات کریمہ کے تناظر میں ولایت کے لئے مذکورہ بالا دونوں چیزوں کو رکن قرار دیا ہے، اوران کی یہی تشریح کی ہے جو اوپر ذکر کی گئی:

فإن الولايةلهاركنان:القوة والأمانة.----والقوة في كل ولاية بحسبها،----والقوةفي الحكم بين الناس،ترجع إلى العلم بالعدل الذي دل عليه الكتاب والسنة،وإلى القدرة على تنفيذالأحكام----والأمانة ترجع إلى خشية الله،---- اجتماع القوةوالأمانةفي الناس قليل[845]

مشہور حنفی فقیہ علامہ ابوالشکورالسالمیؒ نے بھی تصریح کی ہے کہ اگر امام کے پاس قہر وغلبہ باقی نہ رہے تو اس کی امامت ساقط نہیں ہوتی، اس لئے کہ ابتدائے اسلام میں رسول اللہ ﷺ کو بھی قہر وغلبہ حاصل نہیں تھا، اسی طرح حضرت عثمان غنیؓ بھی آخری دور میں مغلوب ہوگئے تھے لیکن ان کی امامت زائل نہیں ہوئی تھی، نیز حضرت علیؓ کو بھی تمام مسلمانوں پر قوت وغلبہ حاصل نہیں تھا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قوت وغلبہ ولایت کے لئے لازمۂ ذات نہیں ہے:

قال بعض الناس بان الامام اذالم یکن مطاعاًفانہ لایکون اماماًلانہ اذالم یکن لہ القہروالغلبۃ لایکون اماماًلیس کذلک لان طاعۃالامام فرض علی الناس فلولم یطیعواالامام فالعصیان حصل منهم و عصیانهم لایضر بالامامۃ ثم ان لم یکن القہرفذلک یکون من تمردالناس وتمردهم لایعزلہ عن الامامۃالاتری ان النبی ﷺ ماکان مطاعاً فی اول الاسلام و کان لایمکنہ القہرعلیٰ اعدائہ من طریق العادة و الکفرة قد تمردواعن امدادہ ونصرة دینہ وقدکان هذالایضرولایعزلہ عن النبوة وکذلک الامامۃ لان الامام خلیفۃالنبی لامحالۃو کذلک علیؓ ماکان مطاعاً من جمیع المسلمین و مع ذلک ما

------ حواشی --

[845] - السياسة الشرعية في إصلاح الراعي والرعية ج ٣ ص ٧،٨ تأليف:أحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني الناشر:دار ابن حزم 1424ھ–2003م

صار معزولاً[846]

حدیث میں امام ضعیف سے مراد

بعض لوگوں کو اس روایت سے اشتباہ ہوا جو بعض کتب حدیث میں آئی ہے کہ:

الإمام الضعيف ملعون(الطبرانی عن ابن عمر)أخرجه الطبرانی كما فی مجمع الزوائد(209/5)،وقال الهيثمی:سقط من إسناده رجل بين عبد الكريم بن الحارث وبين ابن عمر،وفيه جماعة لم أعرفهم.وأخرجه أيضًا:الديلمی (121/1،رقم 410)[847]

یعنی کمزور امام ملعون ہے۔

☆لیکن اولاً یہ روایت محدثین کے نزدیک سند کے لحاظ سے ناقابل اعتبار ہے،

☆ثانیاً یہاں امام ضعیف سے قوت وغلبہ سے محروم امام نہیں، بلکہ صلاحیت تنفیذ سے محروم شخص مراد ہے، امام سیوطیؒ نے جامع صغیر میں اس کی یہی تشریح کی ہے:

الإمام الضعيف ملعون[هو الضعيف عن إقامة الأحكام الشرعية، فعليه التخلي (عن الإمامة][848]

نیز امام شعرانیؒ نے بھی "کشف الغمۃ" میں یہی مطلب بیان کیا ہے:

قال ابن عباسؓ کان رسول اللہ ﷺ یقول"الامام الضعیف

------ حواشی--

[846] - تمہید ابی الشکور السالمی ص ۱۸۶ بحوالہ ہندوستان اور مسئلۂ امارت مرتبہ: مولانا عبد الصمد رحمانیؒ ص ۱۰۶، ۱۰۵۔

[847] - جمع الجوامع أوالجامع الكبيرللسيوطي ج ۱ ص۲۰۸ حديث نمبر:۱۱۴المصدر : موقع ملتقى أهل الحديث ☆ مسند الفردوس للديلمیج۱ ص ۲۸ حديث نمبر۴۱۰ ☆كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال ج ۶ص۲۲حديث نمبر: ۱۴۶۶۵المؤلف : علاء الدين علي بن حسام الدين المتقي الهندي البرهان فوري (المتوفى : 975هـ)المحقق : بكري حياني – صفوة السقاالطبعة : الطبعة الخامسة ،1401هـ/1981م مصدر الكتاب : موقع مكتبة المدينة الرقمية۔

[848] - الجامع الصغير من حديث البشير النذيرالمؤلف : الإمام جلال الدين عبدالرحمن بن أبي بكر بن محمد بن سابق الدين السيوطي ج ۱ ص ۲۷۴ حديث نمبر :۳۰۷۸ -

ملعون و ھو الذی یضعف من تنفیذ الامور الشرعیۃ و اقامتھا[849]

قوت تنفیذ کا مطلب

تنفیذ کا مفہوم صحیح شرعی بنیادوں پر کیا گیا فیصلہ ہے، جس میں قطعیت کے ساتھ حکم صادر کیا گیا ہو، ضروری نہیں کہ طاقت کے زور پر اس کو جاری بھی کیا جائے، فقہاء نے اس کی صراحت کی ہے، علامہ شامیؒ تحریر فرماتے ہیں:

مطلب في التنفيذ وأما التنفيذ فالأصل فيه أن يكون حكما إذ القضاء قوله أنفذت عليك القضاء قالوا وإذا رفع إليه قضاء قاض أمضاه بشروطه وهذا هو التنفيذ الشرعي ومعنى رفع اليد حصلت عنده فيه خصومة شرعية[850]

و المراد من النفاذ الصحۃ و من عدمہ عدمھا الا الصحۃ مع التوقف[851]

عقود الدریۃ میں ہے:

التنفیذ احکام الحکم الصادر من الحاکم و تقریرہ علیٰ موجب ما حکم بہ و بہ یکون الحکم متفقا علیہ[852]

☆ نیز تمام کتب تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ اپنے عہد خلافت میں حضرت عثمانؓ کا قصاص لینے پر قادر نہ تھے، اور نہ اپنا فرمان تمام مسلمانوں پر بزور نافذ کر سکتے تھے، کئی اہم لوگوں نے علانیہ آپ سے بیعت نہیں کی تھی، اس کے باوجود آپ خلیفۂ راشد تھے، بلکہ انہی کمزور حالات میں آپ مسند خلافت پر متمکن ہوئے، علامہ ابن تیمیہؒ رقمطراز ہیں:

------ حواشی --

849 - کشف الغمۃ للشعرانیؒ ج ۲ ص ۱۱۷۔

850 - **حاشية رد المحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ٥ ص ٣٥٣ ابن عابدين. الناشر دار الفكر للطباعة والنشر. سنة النشر 1421هـ – 2000م. مكان النشر بيروت. عدد الأجزاء 8 -**

851 - شرح الاشباہ ج ۱ ص ۱۴۳۔

852 - عقود الدریۃ ج ۱ ص ۳۰۳ بحوالہ ہندوستان اور مسئلۂ امارت مرتبہ: مولانا عبد الصمد رحمانیؒ ص ۱۱۰۔

فالخلافة التامة التي أجمع عليها المسلمون وقوتل بها الكافرون و ظهر بهاالدين كانت خلافةأبي بكروعمروعثمان وخلافةعلي اختلف فيها أهل القبلة و لم يكن فيها زيادة قوة للمسلمين ولا قهر ونقص للكاقرين ولكن هذالايقدح في أن علياكان خليفة راشدامهدياولكن لم يتمكن كماتمكن غيره ولا أطاعته الأمة كما أطاعت غيره فلم يحصل في زمنه من الخلافةالتامةالعامةما حصل في زمن الثلاثة مع أنه من الخلفاء الراشدين المهديين[853]

وأما علي فمن حين تولى تخلف عن بيعته قريب من نصف المسلمين من السابقين الأولين من المهاجرين والأنصاروغيرهم ممن قعد عنه فلم يقاتل معه ولا قاتله مثل أسامة بن زيد وابن عمر ومحمد بن مسلمة ومنهم من قاتله ثم كثيرمن الذين بايعوه رجعواعنه منهم من كفره واستحل دمه ومنهم من ذهب إلى معاوية كعقيل أخيةوأمثاله[854]

توجب امامت عظمیٰ میں اس کی گنجائش ہے تو امارت شرعیہ میں کیا کلام ہو سکتا ہے،

☆حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ ارشاد فرماتے ہیں:

"خلیفہ عبد المجید تو بالکل مقہوریت کی حالت میں خلیفہ بنائے گئے،اور خلیفۂ سابق نے ان کو قائم مقام بھی نہیں بنایا، پھر بھی سب لوگوں نے ان کو خلیفہ تسلیم کیا، علماء اسلام کی رائے تو یہ ہے کہ عدم سے وجود بہر حال بہتر ہے،اور سقوط وجوب کے لئے کافی ہے، جیسا کہ علامہ تفتازانیؒ کے کلام سے سمجھا جاتا ہے، کہ خلیفۂ غیر

------ حواشی--

853 -منهاج السنةالنبوية ج٦٣ص٢٧ تأليف:أحمد بن عبد الحليم بن تيميةالحراني728ھ دراسة وتحقيق: محمد رشاد سالم الناشر:جامعة الإمام محمد بن سعود، الرياض، المملكة العربية السعودية الأولى، 1406ھ/1986م -

854 - منهاج السنة النبوية ج ١٣٤ ص ٥تأليف:أحمد بن عبد الحليم بن تيمية الحراني 728ھ دراسة وتحقيق: محمد رشاد سالم الناشر:جامعة الإمام محمد بن سعود، الرياض، المملكة العربية السعودية الأولى، 1406ھ/1986م -

مطاع کا وجود سقوط وجوب کے لئے کافی ہے"[855]۔

مولانا عبد الصمد رحمانیؒ نے بھی لکھا ہے کہ:

"پس مسلمانوں کا والی دار الاسلام میں ہو یا دار الکفر میں استطاعت سے باہر کہیں بھی اس کی ولایت کے لئے مادی طاقت شرط اور لازم نہیں قرار دی جاسکتی ہے بلکہ ہر جگہ استطاعت سامنے ہو گی، اور وہی مناط کار ہو گی"[856]

امارت شرعیہ کے لئے بیعت کی ضرورت

بعض حضرات کو ایک شبہ یہ ہوا کہ اگر یہ امامت کبریٰ نہیں ہے بلکہ محض ولایت و گورنری یا قضا کے ہم پلہ ہے تو پھر اس کے لئے بیعت کی کیا ضرورت ہے؟ بیعت تو امامت کبریٰ کے لئے لی جاتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے بیعت دراصل معاہدہ کا نام ہے، حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں:

والمبايعة عبارة عن المعاهدة[857]

اور معاہدہ کے بغیر کوئی چیز لازم نہیں ہوتی، خلیفہ اور امام المسلمین سے قوم بیعت کرتی ہے تو امام شریعت پر عمل کرنے کا عہد کرتا ہے اور قوم اس کی اطاعت کا، اور اسی معاہدہ کے نتیجہ میں امیر شرعی احکام کا پابند ہوتا ہے اور قوم پر اس کی اطاعت لازم ہوتی ہے، اگر یہ معاہدہ وجود میں نہ آئے تو لزوم بھی پیدا نہیں ہو سکتا، تو جس صورت میں مملکت میں امیر المؤمنین موجود ہو اور والی و قاضی کا تقرر اس کی جانب سے ہو تو ظاہر ہے کہ والی و قاضی سے جداگانہ بیعت کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ جملہ معروفات کے لئے امیر المؤمنین سے پہلے بیعت ہو چکی ہے اس لئے اس کے جملہ تقررات کی تعمیل و اطاعت بھی واجب ہو گی، لیکن

------ حواشی ------

855 - امارت شرعیہ کی شرعی حیثیت - شبہات و جوابات، ص ۳۷ مصنفہ حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ۔ ناشر امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ ۱۴۱۹ھ۔

856 - ہندوستان اور مسئلۂ امارت مرتبہ: مولانا عبد الصمد رحمانیؒ ص ۱۲۸۔

857 - فتح الباري بشرح صحيح البخاري ج ۱ ص ۲۸ المؤلف : أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني (المتوفى : 852هـ)

جہاں امیر المؤمنین موجود نہ ہو، وہاں قاضی ووالی کی اطاعت کے لئے مستقل معاہدہ وبیعت کی ضرورت ہے، اس لئے کہ بیعت پہلے سے موجود نہیں ہے، اور یہی وہ صورت ہے جس کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ تراضی مسلمین (جس کا اظہار بیعت سے ہوگا) سے قاضی ووالی کا تقرر درست ہے، اس مضمون کی کئی عبارتیں پہلے بھی آچکی ہے، ایک عبارت شرح مواقف سے یہاں پیش کی جاتی ہے، جو اسلامی عقائد کے موضوع پر مستند کتاب ہے۔

علماء متقدمین میں قاضی عبدالرحمن بن احمد الایجیؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب "المواقف" میں تحریر فرماتے ہیں:

"لانسلم عدم انعقادالقضاءبالبیعۃ للخلاف فیہ،وان سلم فذلک عند وجود الامام لامکان الرجوع الیہ فی ھذاالمھم واما عند عدمہ فلا بد من القول بانعقادہ بالبیعۃ تحصیلاً للمصالح المنوطۃ بہ ودرءاً للمفاسد المتوقعۃ دونہ ای دون القضاء[858]۔

اس طرح کی تصریحات فقہاء حنابلہ اور شافعیہ کے یہاں بھی موجود ہیں[859]۔

فقہاء حنفیہ میں علامہ ابن ہمامؒ تحریر فرماتے ہیں:

یجب علیھم ان یتفقواعلیٰ واحدمنھم یجعلونہ والیا فیولی قاضیاًاویکون ھوالذی یقضی بینھم[860]

اسی حقیقت کو ہندستان میں فکر امارت کے سب سے بڑے علمبردار حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ نے اس طرح بیان فرمایا:

"ظاہر ہے کہ ازخود کوئی قاضی بن بیٹھے اس سے کوئی قاضی نہیں ہوسکتا، اور سلطان اوروالی سے تقرر ہوا نہیں، پھر سوا اس کے کوئی صورت ہی نہیں کہ مقامی ارباب

------ حواشی ------

858 - المواقف فی علم الکلام ص ۳۹۹ طبع عالم الکتب بیروت۔

859 - الاحکام السلطانیۃ للقاضی ابی یعلیٰ ص ۷۳ ☆ الاحکام السلطانیہ للامام ابی الحسن الماوردیؒ (متوفی ۴۵۰ھ) ص ۶۴، ۶۳ مطبعۃ السعادۃ مصر ☆ الفتاویٰ الکبریٰ لابن حجر مکی الہیثمی الشافعی ج ۴ ص ۳۲۶۔

860 - فتح القدیر شرح الہدایہ ج ۵ ص ۴۶۱، مطبوعہ دار صادر بیروت۔

حل وعقد کسی شخص کو باتفاق رائے یابکثرت آراء قاضی بنالیں اوراس کے قضایاکے تسلیم کاعہد کرلیں اوریہی بیعت ہے اوراس صورت میں لزوم بیعت ظاہر ہے، کیونکہ شرعاًثبوت ولایت کی تین ہی صورتیں ہیں(اول) تسلط، جس کو شریعت مجبوراً جائز کہتی ہے،(دوم)تقرر از جانب والی اعظم (سوم)بیعت ارباب حل وعقد، قضاۃ کی بیعت کوجس صورت میں علماء نے لکھاہے لزوم ہی پر محمول ہے،یعنی امام اعظم کی طرف سے تقرر نہ ہونے کی صورت میں۔اور جن لوگوں نے جوازوعدم جواز کولکھاہے وہ دیگر صورت پر محمول ہے یعنی جب کہ امام اعظم کی طرف سے تقرر رہواہو[861]۔

دارالاستیلاء میں امارت کبریٰ کے بارے میں مولاناسجادؒ کاموقف

بعض بزرگوں کوامارت شرعیہ کے معاملے میں اس لئے تأمل تھاکہ انگریزوں نے اسلامی ہندوستان پر قبضہ کرلیاہے،فی الوقت اس استیلاء کاخاتمہ کرنے کی ضرورت ہے،امامت کبریٰ کے بجائے چھوٹی امارت شرعیہ کے قیام کامطلب تو یہ ہوگاہم موجودہ نظام حکومت پر راضی ہیں،اورہم اس جنگ کوموقوف کردیں جس کوڈیڑھ سوسال سے ہمارے اسلاف نے اس ملک کوآزاد کرانے کے لئے شروع کر رکھاہے،مثلاًحضرت مولاناعبدالباری فرنگی محلیؒ نے امیر شریعت اول کواپنے مکتوب میں تحریر فرمایا:

"فقیر تواس کودارالاستیلاء سمجھتاہے،اوردارالاستیلاء کے ازالہ کولازم جانتاہے[862]"

یہ اعتراض مختلف حلقوں کی طرف سے اٹھایاگیاتھا،اور سنجیدہ وجارحانہ دونوں لب ولہجہ میں اٹھایا گیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اعتراض حاملین امارت کے نظریات سے بے خبری پر مبنی تھا، وہ بھی بنیادی

------ حواشی --

861 -امارت شرعیہ کی شرعی حیثیت -شبہات وجوابات،ص ۵۴ مصنفہ حضرت مولاناابوالمحاسن محمد سجادؒ۔ناشر امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۱۴۱۹ھ۔

862 -امارت شرعیہ کی شرعی حیثیت -شبہات وجوابات،ص ۴۰ مصنفہ حضرت مولاناابوالمحاسن محمد سجادؒ۔ناشر امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۱۴۱۹ھ۔

طور پر حکومت الٰہی کے قیام کے خلاف نہیں تھے، لیکن جب تک اس کوشش میں کامیابی نہیں ملتی، محض انتظار فردا میں انتشار وپراگندگی کی زندگی گذارنا وہ مناسب نہیں سمجھتے تھے،اس لئے کہ اس سے مسلمانوں کی صلاحیتیں اور بھی زیادہ کمزور ہوتی جائیں گی،علاوہ ایک شرعی فریضہ کے ترک کا گناہ بھی لازم آئے گا[863]۔

------ حواشی--

863 ۔حقیر راقم الحروف کی کتاب "حیات ابوالمحاسن" سے ماخوذ

غیر اسلامی ملک میں نظام قضا-شرعی حیثیت وافادیت

قضا اسلامی معاشرہ کالازمی عنصر ہے، اس کو فریضۂ محکمہ قرار دیا گیا ہے، امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے نام اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:

فإن القضاء فريضة محكمة وسنة متبعة[864]

ترجمہ: قضا فریضہ محکمہ (غیر منسوخ) ہے، اور ایسی سنت ہے جس کی ہمیشہ اتباع کی جائے گی۔

اسی لئے فقہاء نے بالاتفاق قیام قضا کو واجب قرار دیا ہے:

معین الحکام میں ہے:

لاخلاف بين الامة ان القيام بالقضاء واجب[865]

امام سرخسیؒ لکھتے ہیں:

أعلم بأن القضاء بالحق من أقوى الفرائض بعدالإيمان بالله تعالى وهو من أشرف العبادات[866]

علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں:

(أَمَّا)الْأَوَّلُ فَنَصْبُ الْقَاضِي فَرْضٌ؛لِأَنَّهُ يُنْصَبُ لِإِقَامَةِ أَمْرٍمَفْرُوضٍ،وَهُوَ

------ حواشی --

[864]- سنن البيهقي الكبرى ج ١٠ ص ١٣٥ حديث نمبر:٢٠٢٤٧المؤلف : أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي الناشر : مكتبة دار الباز – مكة المكرمة ، 1414 – 1994تحقيق:محمد عبد القادر عطاعدد الأجزاء :10

-* سنن الدارقطني ج ۴ ص ٢٠٦ حديث نمبر: ١٥ المؤلف : علي بن عمر أبو الحسن الدارقطني البغدادي الناشر : دار المعرفة – بيروت ، 1386 – 1966 تحقيق : السيد عبد الله هاشم يماني المدني عدد الأجزاء : 4

[865] -معين الحكام ،الباب الاول فى بيان حقيقة القضاء -ص ٧ طبع مصطفىٰ البابى الحلبى مصر،١٣٩٣ء۔

[866] -المبسوط للسرخسي ج ١٦ص١١۴تأليف:شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي دراسة وتحقيق:خليل محي الدين الميس الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، 1421هـ 2000م -

الْقَضَاءُ قَالَ اللَّهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى{:يَادَاوُدإِنَّاجَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ }وَقَالَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى لِنَبِيِّنَا الْمُكَرَّمِ عَلَيْهِ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ:{ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاأَنْزَلَ اللَّهُ}وَالْقَضَاءُ هُوَ :الْحُكْمُ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ،وَالْحُكْمُ بِمَاأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ،فَكَانَ نَصْبُ الْقَاضِي؛ لِإِقَامَةِ الْفَرْضِ ،فَكَانَ فَرْضًاضَرُورَةً[867]

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

نَصْبُ الْقَاضِي فَرْضٌ كَذَافِي الْبَدَائِعِ وهو من أَهَمِّ أُمُورِ الْمُسْلِمِينَ وَأَقْوَى وَأَوْجَبُ عليهم[868]

علامہ موصلیؒ لکھتے ہیں:

القضاء بالحق من أقوى الفرائض وأشرف العبادات[869]

مجمع الانہر میں ہے:

لهذاقال القضاء بالحق من أقوى الفرائض وأفضل العبادات بعدالإيمان بالله تعالى[870]

امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ یہ انبیاء کی بعثت کے مقاصد میں شامل تھا،انبیاء کرام علیہم الصلوات

------ حواشی--

867 - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ١٥ ص ٢تأليف: علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني الحنفي 587هـ دار الكتب العلمية – بيروت – لبنان الطبعة الثانية 1406هـ – 1986م محمد عارف بالله القاسمي

868 -الفتاوى الهنديةالفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج ١ ص ٢٥٠ الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند سنة الولادة / سنة الوفاة تحقيق:الناشر دار الفكرسنة النشر 1411هـ – 1991م عدد الأجزاء 6-

869 - الاختيار لتعليل المختارج ٢ ص ٨٧المؤلف : عبد الله بن محمود بن مودود الموصلي الحنفي دار النشر : دار الكتب العلمية – بيروت / لبنان – 1426 هـ – 2005 م الطبعة : الثالثة تحقيق : عبد اللطيف محمد عبد الرحمن عدد الأجزاء / 5

870 - مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحرج ٣ ص ٢١١ عبد الرحمن بن محمد بن سليمان الكليبولي المدعو بشيخي زاده سنة الولادة / سنة الوفاة 1078هـ تحقيق خرج آياته وأحاديثه خليل عمران المنصورالناشر دار الكتب العلميةسنة النشر 1419هـ – 1998م مكان النشر لبنان/ بيروت عدد الأجزاء 4

والتسلیمات کے بعد خلفاء راشدین اور دیگر خلفاء اسلام کے ادوار میں بھی یہ تسلسل جاری رہا:

ولأجله بعث الأنبياءوالرسل صلوات الله عليهم وبه اشتغل الخلفاء الراشدون رضوان الله عليهم[871]

قضا کا مفہوم اور معیار – قضا کے لئے قوت تنفیذ شرط نہیں

قضا قانون الٰہی کے مطابق لوگوں کے درمیان حق فیصلہ کرنے کا نام ہے:

وَالْقَضَاءُهُوَ:الْحُكْمُ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ،وَالْحُكْمُ بِمَاأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ[872]

اس میں قوت جبر اور پولیس کی شرط نہیں ہے، یہ امر زائد ہے، اگر ہو تو بہتر ہے ورنہ یہ لوازم قضا میں شامل نہیں ہے، بعض حضرات کو عالمگیری وغیرہ کی اس عبارت سے شبہ ہوا جس میں قضا کو قول ملزم قرار دیا گیا ہے:

وَالْقَضَاءُلُغَةًبِمَعْنَى الْإِلْزَامِ وَبِمَعْنَى الْإِخْبَارِوَبِمَعْنَى الْفَرَاغِ وَبِمَعْنَى التَّقْدِيروَفِي الشَّرْعِ قَوْلٌ مُلْزِمٌ يَصْدُرُعن وِلَايَةٍ عَامَّةٍكَذَافِي خِزَانَةِالْمُفْتِينَ[873]

لیکن فقہاء امت نے صراحت کی ہے کہ مادی طاقت لازمۂ قضا نہیں ہے، علامہ ابن فرحونؒ لکھتے ہیں:

قَالَ ابْنُ رَشِيدٍ : حَقِيقَةُ الْقَضَاءِ الْإِخْبَارُ عَنْ حُكْمٍ شَرْعِيٍّ عَلَى سَبِيلِ الْإِلْزَامِ.قَالَ غَيْرُهُ:وَمَعْنَى قَوْلِهِمْ قَضَى الْقَاضِي أَيْ أَلْزَمَ الْحَقَّ أَهْلَهُ،وَالدَّلِيلُ عَلَى ذَلِكَ قَوْله تَعَالَى{فَلَمَّا قَضَيْنَاعَلَيْهِ الْمَوْتَ } أَيْ أَلْزَمْنَاهُ وَحَتَّمْنَا بِهِ

------ حواشی --

871 - المبسوط للسرخسي ج ١٦ص١١٤تأليف:شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي دراسة وتحقيق:خليل محي الدين الميس الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة الأولى، 1421هـ 2000م -

872 - بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ٧ ص ٢علاء الدين الكاساني سنة الولادة / سنة الوفاة 587 الناشر دار الكتاب العربي سنة النشر 1982 مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 7

873 -الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج ١ ص ٢٤٦الشيخ نظام وجماعة من علماء الهندسنة الولادة / سنة الوفاة تحقيق الناشر دار الفكر سنة النشر 1411هـ – 1991م مكان النشرعدد الأجزاء 6

عَلَيْهِ ، وقَوْله تعَالَى { فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ } أَيْ أَلْزِمْ بِمَا شِئْت وَاصْنَعْ مَا بَدَا لَك .وَفِي الْمَدْخَلِ لِابْنِ طَلْحَةَ الْأَنْدَلُسِيِّ الْقَضَاءُ مَعْنَاهُ الدُّخُولُ بَيْنَ الْخَالِقِ وَالْخَلْقِ لِيُؤَدِّيَ فِيهِمْ أَوَامِرَهُ وَأَحْكَامَهُ بِوَاسِطَةِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ.- قَالَ الْقَرَافِيُّ حَقِيقَةُالْحُكْمِ إنْشَاءُإلْزَامٍ أَوْإطْلَاقٍ وَالْإِلْزَامُ كَمَا إذَا حَكَمَ بِلُزُومِ الصَّدَاقِ أَوْ النَّفَقَةِأَوْ الشُّفْعَةِ وَنَحْوِ ذَلِكَ ، فَالْحُكْمُ بِالْإِلْزَامِ هُوَ الْحُكْمُ ، وَأَمَّا الْإِلْزَامُ الْحِسِّيُّ مِنْ التَّرْسِيمِ وَ الْحَبْسِ فَلَيْس بِحُكْمٍ ؛ لِأَنَّ الْحَاكِمَ قَدْ يَعْجِزُعَنْ ذَلِكَ،وَقَدْيَكُونُ الْحُكْمُ أَيْضًابِعَدَمِ الْإِلْزَامِ[874]

کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں:

أَمَّا وِلَايَةُ الْقَضَاءِ فَقَالَ الْقَرَّاءُ هَذِهِ الْوِلَايَةُ مُتَناوِلَةٌ لِلْحُكْمِ لَا يَنْدَرِجُ فِيهَا غَيْرُهُ.وَ قَالَ أَيْضًا فِي مَوْضِعٍ آخَرَ وَلَيْسَ لِلْقَاضِي السِّيَاسَةُ الْعَامَّةُ لَا سِيَّمَا الْحَاكِمُ الَّذِي لَاقُدْرَةَ لَهُ عَلَى التَّنْفِيذِ،كَالْحَاكِمِ الضَّعِيفِ الْقُدْرَةِ عَلَى الْمُلُوكِ الْجَبَابِرَةِ فَهُوَيُنْشِئُ الْإِلْزَامَ عَلَى الْمَلِكِ الْعَظِيمِ وَلَا يَخْطُرُ لَهُ تَنْفِيذُهُ لِتَعَذُّرِ ذَلِكَ عَلَيْهِ،بَلْ الْحَاكِمُ مِنْ حَيْثُ هُوَحَاكِمٌ لَيْسَ لَهُ إلَّا الْإِنْشَاءُ ،وَ أَمَّا قُوَّةُ التَّنْفِيذِ فَأَمْرٌ زَائِدٌ عَلَى كَوْنِهِ حَاكِمًافَقَدْ يُفَوَّضُ إلَيْهِ التَّنْفِيذُوَقَدْ لَا يَنْدَرِجُ فِي وِلَايَتِهِ[875]

علامہ علی بن خلیل طرابلسیؒ تحریر فرماتے ہیں:

وَقَالَ الْقَرَافِيُّ:حَقِيقَةُ الْحُكْمِ إنْشَاءُ إلْزَامٍ أَوْ إطْلَاقٍ.فَالْإِلْزَامُ : كَمَا إذَا حَكَمَ بِلُزُومِ الصَّدَاقِ أَوْالنَّفَقَةِ أَوْالشُّفْعَةِ وَنَحْوِذَلِكَ.فَالْحُكْمُ بِالْإِلْزَامِ هُوَالْحُكْمُ .وَأَمَّاالْإِلْزَامُ الْحِسِّى مِنْ التَّرْسِيمِ وَالْحَبْسِ فَلَيْسَ بِحُكْمٍ؛لِأَنَّ الْحَاكِمَ قَدْ يَعْجِزُ

------ حواشی--

[874] -تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام ج ١ ص ١٢المؤلف : إبراهيم بن علي بن محمد، ابن فرحون، برهان الدين اليعمري (المتوفى : 799هـ)

[875] - تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام ج ١ ص ١٢٦المؤلف : إبراهيم بن علي بن محمد، ابن فرحون، برهان الدين اليعمري (المتوفى : 799هـ)

عَنْ ذَلِكَ ،وَقَدْ يَكُونُ الْحُكْمُ أَيْضًا بِعَدَمِ الْإِلْزَامِ ، وَذَلِكَ إِذَا كَانَ مَا حُكِمَ بِهِ هُوَعَدَمُ الْإِلْزَامِ وَأَنَّ الْوَاقِعَةَ يَتَعَيَّنُ فِيهَاالْإِبَاحَةُ وَعَدَمُ الْحَجْرِ[876]-

عام مسلمان بوقت ضرورت قاضی کا تقرر کر سکتے ہیں

اسی لئے فقہاء اسلام نے صراحت کی ہے کہ اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے زمان ومکان کی قید نہیں ہے، بلکہ ہر جگہ کے مسلمان اس فریضہ کے پابند ہیں، خواہ وہ اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں، ان کا اپنا اقتدار ہو جہاں مسلم حاکم قاضی کا تقرر کر سکتا ہو، یا کسی غیر اسلامی طاقت کے محکوم ہوں، جہاں مسلم حکمراں موجود نہ ہو۔۔۔البتہ جہاں مسلم حکومت ہو وہاں حکومت کی ذمہ داری ہے کہ قاضی کا تقرر کرے یا حاکم (بشرط اہلیت) خود کار قضا انجام دے، اور جہاں اسلامی حکومت موجود نہ ہو اور نہ حکومت کی طرف سے نظم قضا کی امید ہو تو عام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ باہمی اتفاق سے خود قاضی مقرر کریں، اس پر بہت سی فقہی تصریحات موجود ہیں مثلاً:

علامہ ابن الہمامؒ لکھتے ہیں:

وإذالم يكن سلطان ولامن يجوزالتقلدمنه كماهوفي بعض بلادالمسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة في بلادالمغرب الآن وبلنسية وبلاد الحبشة وأقروا المسلمين عندهم على مال يؤخذ منهم يجب عليهم أن يتفقوا على واحدمنهم يجعلونه واليافيولى قاضياأويكون هوالذي يقضي بينهم وكذاينصبوالهم إماما يصلي بهم الجمعة[877]

البحر الرائق میں ہے:

وفي فَتْحِ الْقَدِيرِ مايُخَالِفُهُ قال وإذالم يَكُنْ سُلْطَانٌ وَلَا من يَجُوزُ التَّقْلِيدُ

------ حواشی--

[876] -معين الحكام فيما يتردد بين الخصمين من الأحكام ج ١ ص ١٠المؤلف : علي بن خليل الطرابلسي، أبو الحسن، علاء الدين (المتوفى : 844هـ)

[877] -شرح فتح القديرج ٧ ص٢٦٤كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي سنة الولادة / سنة الوفاة 681هـ الناشر دار الفكر مكان النشر بيروت عدد الأجزاء-

منه كماهوفي بَعْضِ بِلَادِالْمُسْلِمِينَ غَلَبَ عليهم الْكُفَّارُفِي بِلَادِ الْمَغْرِبِ كَقُرْطُبَةَالْآنَ وبالنسية (((وبلنسية))) وَبِلَادِ الْحَبَشَةِ وَأَقَرُّوا الْمُسْلِمِينَ عِنْدَهُمْ على مَالٍ يُؤْخَذُ منهم يَجِبُ عليهم أَنْ يَتَّفِقُوا على وَاحِدٍ منهم يَجْعَلُونَهُ وَالِيًافيولي قَاضِيًا وَيَكُونُ هو الذي يَقْضِي بَيْنَهُمْ وَكَذَا ينصبوا((ينصبون) إمَامًا يُصَلِّي بِهِمْ الْجُمُعَةَ ا هـ------- -- وَأَمَّا في بِلَادٍ عليها وُلَاةُ الكفرة(((الكفار)) فَيَجُوزُ لِلْمُسْلِمِينَ إقَامَةُ الْجُمَعِ وَالْأَعْيَادِ وَيَصِيرُ الْقَاضِي قَاضِيًابِتَرَاضِي الْمُسْلِمِينَ وَيَجِبُ عليهم طَلَبُ وَالٍ مُسْلِمٍ ا هـ[878]

علامہ ابن عابدین ؒ رقمطراز ہیں:

مطلب في حكم توليةالقضاء في بلاد تغلب عليها الكفار وفي الفتح وإذالم يكن سلطان ولامن يجوزالتقلدمنه كماهو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليافيولي قاضياويكون هو الذي يقضي بينهم وكذا ينصبواإماما يصلي بهم الجمعة ا هـ وهذاهوالذي تطمئن النفس إليه فليعتمد نهر[879]

طحطاوی میں ہے:

وفي مفتاح السعادة عن مجمع الفتاوي غلب على المسلمين ولاة الكفاريجوزللمسلمين إقامةالجمع والأعيادويصيرالقاضي قاضيا بتراضي

------ حواشی--

[878] -البحر الرائق شرح كنز الدقائق ج ٦ ص ٢٩٨ زين الدين ابن نجيم الحنفي سنة الولادة 926هـ/ سنة الوفاة 970هـ الناشر دار المعرفة مكان النشر بيروت-

[879] -حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ٥ ص ٣٦٩ ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسوا واليامسلما اه[880]

شاہ عبد العزیزؒ غیر اسلامی ہندوستان میں نظام قضا کے اولین داعی

یہی وہ ذمہ داری تھی جس نے اسلامی ہند کے سقوط کے بعد علماء اسلام کو بے چین کر دیا تھا، جس کے ہر اول دستہ میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کی ذات گرامی تھی، ہندوستانی علماء میں سب سے پہلے شاہ صاحبؒ ہی نے برطانوی ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا اور مسلمانوں کو یہاں بطور خود نظام امارت اور نظام قضا قائم کرنے کی تجویز پیش کی[881]۔

جب کہ ابھی ہندوستان میں نظام قضا بالکلیہ معطل نہیں ہوا تھا، اور مسلم عہد حکومت کے قاضیوں اور مفتیوں کا سلسلہ برقرار تھا، لیکن آپ نے خطرہ کی گھنٹی محسوس فرمالی تھی کہ یہ سلسلہ کبھی بھی موقوف ہو سکتا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ کے فتویٰ کے تقریباً چالیس (۴۰) سال کے بعد ۱۸۶۲؁ء (۱۲۷۸؁ھ) میں انگریزوں نے پہلے اسلامی تعزیرات منسوخ کر کے تعزیرات ہند کا نفاذ کیا، پھر ۱۸۶۴؁ء (۱۲۸۰؁ھ) میں اسلامی قاضیوں کی تقرری موقوف کر دی، اور ۱۸۷۲؁ء (۱۲۸۹؁ھ) میں اسلامی قانون شہادت بھی منسوخ کر دی گئی۔

فقہ اسلامی کے مذکورہ بالا ضابطہ اور حضرت شاہ صاحبؒ کے اس فتویٰ کے مطابق غیر اسلامی ہندوستان میں سب سے پہلے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند نے اپنے دور میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ اول صدر المدرسین دار العلوم دیوبند کو قاضی مقرر فرمایا، پھر حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب سابق مہتمم دار العلوم دیوبند نے بلا لحاظ اختلاف مسلک مختلف مسالک کے پانچ سو (۵۰۰) سے زیادہ علماء کرام سے نظام قضا کے مسئلہ پر تائیدی دستخط حاصل فرمائے۔

------ حواشی --

880 -حاشية على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ج ١ ص٣٢٨ أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحاوي الحنفي سنة الولادة / سنة الوفاة 1231ه الناشر المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق سنة النشر 1318ه مكان النشر مصر

881 - مجموعہ فتاویٰ عزیزی ص ۳۲، ۳۳ فارسی ایڈیشن مطبع مجتبائی دہلی، سن طباعت ۱۳۲۲؁ھ مطابق ۱۹۰۴؁ء۔

یہ تائیدی تحریرات اور دستخط آج بھی محافظ خانہ دارالعلوم دیوبند میں محفوظ ہیں[882]۔

حضرت مولانا سجادؒ نے اس فکر کو عملی قالب عطا کیا

حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحبؒ نے اسی فکری تسلسل کو آگے بڑھایا، اور غیر مسلم ہندوستان میں امارت شرعیہ کے لئے پہلی بار باقاعدہ جدوجہد کا آغاز فرمایا، بقول حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ:

> "اس مسئلے کو متأخرین علماء میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ نے پوری قوت کے ساتھ اٹھایا اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس اللہ سرہ صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند نے اس کی بھرپور تائید کی"[883]۔

حضرت مولانا محمد سجادؒ اولاً تحریک خلافت میں پیش پیش رہے، پھر انجمن علماء بہار قائم کی، جس کی توسیع بعد میں جمعیۃ علماء ہند کے طور پر ہوئی، لیکن ان تمام کوششوں کے پیچھے ان کا نصب العین حضرت شاہ عبد العزیزؒ کے مذکورہ فتویٰ کی روشنی میں نظام امارت وقضا کا قیام تھا، مولانا سجاد صاحبؒ نے اپنے متعدد فتاویٰ اور مقالات میں اس فتویٰ کا حوالہ دیا ہے، اور اس کو دلیل راہ کے طور پر اپنے سامنے رکھا ہے[884]۔

اس باب میں حضرت مولانا محمد سجاد صاحبؒ کی حساسیت اور فکر مندی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ جب مسٹر مانٹیگو وزیر ہند ہندوستان آئے تو ہندوستان کی مختلف تنظیمیں اور سیاسی شخصیات اپنے اپنے مختلف مقاصد کے تحت ان سے ملنے کے لئے حاضر ہوئیں، لیکن مولانا سجادؒ نے ان سے ہندوستان میں محکمۂ قضا کے

------ حواشی ------

882 - نظام قضاء کا قیام ص ۱۰ مصنفہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، شائع کردہ: مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ دہلی، طبع چہارم ۲۰۱۶ء۔

883 - نظام قضاء کا قیام ص ۱۱ مصنفہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، شائع کردہ: مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ دہلی، طبع چہارم ۲۰۱۶ء۔

884 - دیکھئے: مقالات سجاد ص ۱۳۲ شائع کردہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ ☆ ومتفقہ فتویٰ علماء ہند تحریر کردہ حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ ص ۳، ۴ مطبوعہ مطبع ہاشمی میرٹھ سن طباعت ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء۔

قیام کا مطالبہ کیا، مولانا کے اولین تذکرہ نگار مولانا عظمت اللہ ملیح آبادیؒ لکھتے ہیں:

"جب مسٹر مانٹیگو وزیر ہند (۱۹۱۷ء میں) اعلان (حکومت خود اختیار) کے لئے ہندوستان آئے تو ہندوستان کی تمام جماعتوں نے اپنے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق عرضداشتیں پیش کیں مگر مولانا نے ان کے پاس محکمۂ قضاء کے متعلق ایک عرضداشت بھیجی کہ گورنمنٹ مسلمانوں کے خالص مذہبی معاملات اور مقدمات کے فیصلے کے لئے جن میں مسلمان حاکم شرط ہے محکمۂ قضا قائم کیا جائے اور اس کو ان مقدمات کے متعلق ڈسٹرکٹ جج کے برابر اختیارات دیئے جائیں۔ مولانا کی اس عرضداشت پر کوئی توجہ نہ کی گئی۔ مگر مولانا اپنے اس مطالبہ سے کسی وقت بھی غافل نہ ہوئے"[885]۔

دارالقضاء یا جماعۃ المسلمین العدول (شرعی پنچایت)؟

اسی دور میں جب کہ بہار میں امارت شرعیہ اور دارالقضاء کا نظام کامیابی کے ساتھ جاری ہو چکا تھا مجبور عورتوں کے مسائل کے حل کے لئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی شاہکار کتاب "الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ" شائع ہوئی، جو ہندوستان کے علماء حنفیہ اور حجاز مقدس کے علماء مالکیہ سے مراسلت اور تبادلۂ خیالات کے بعد تیار کی گئی تھی، اس کتاب میں امارت اسلامیہ کی عدم موجودگی میں جن مسائل میں قضائے قاضی کی ضرورت ہے ان میں "نظام قضا" کے بجائے مسلک مالکی سے " جماعۃ المسلمین العدول" (شرعی پنچایت) کا نظریہ اختیار کیا گیا تھا۔

حضرت مولانا تھانویؒ نے اپنی یہ کتاب "الحیلۃ الناجزۃ" علماء ہند کے پاس استصواب رائے کے لئے بھیجی تو حضرت مولانا محمد سجادؒ نائب امیر شریعت بہار کو بھی اس کا ایک نسخہ ارسال فرمایا، یہ تقریباً ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق اگست ۱۹۳۴ء کی بات ہے، (یعنی امارت شرعیہ کے قیام کے تقریباً تیرہ (۱۳) سال کے بعد)

------ حواشی ------

885 - حیات سجاد مصنفہ مولانا عظمت اللہ ملیح آبادی ص ۳۔

حضرت مولانا محمد سجادؒ نے کتاب کے بنیادی مندرجات سے اتفاق کرتے ہوئے شرعی پنچایت والے نظریہ سے اختلاف کیا، اوراس کے لئے اختصار کے ساتھ دواہم نکتوں کی طرف اشارہ فرمایا:

"اس وقت جزودوم کامقدمہ سرسری طور پر دیکھا، دارالکفر میں قضابین المسلمین کی ضرورت کو پوری کرنے کے لئے فقہاء حنفیہ رحمہم اللہ نے جوصورت تجویز فرمائی ہیں وہ نہ معلوم کیوں اس رسالہ میں مذکورنہ ہوئیں،یعنی: یصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین اوران یتفقوا علیٰ واحد یجعلونہ والیاًفیولی قاضیاًالخ۔

اور جب یہ صورت موجود ہے توپنچایت کی صورت اختیار کرنابلاضرورت مسئلۂ غیر کا اختیار کرنا ہوگا۔۔۔۔ اس مسئلہ کی ضرورت واہمیت کے علاوہ پنچایت کی عملی دقتیں بہت زیادہ ہیں اوران شرائط کی نگہداشت بھی بہت مشکل ہوگی [886]

(۱)حضرت مولاناسجادؒ نے جن نکات کی نشاندہی کی ہے وہ اپنی جگہ بے حد اہم ہیں، دارالقضاء کا نظریہ مسلک حنفی کے مطابق ہے،حنفیہ کے نزدیک ایسے مواقع پر اصل نظام قضاہے، جماعۃ المسلمین یاشرعی پنچایت کانظریہ مسلک مالکی سے لیاگیاہے، اصول کے مطابق جب تک مسلک حنفی پر عمل کرنا ممکن ہو، حنفی مسلمانوں کے لئے کسی دوسرے مسلک پر عمل یافتویٰ کی گنجائش نہیں ہے، مولاناسجادؒ نے انجمن علماء بہاریا امارت شرعیہ کی نگرانی میں نظام قضاکاجوبرسوں کامیاب تجربہ کیاتھا،اس کی روشنی میں یہ کہنا بھی درست نہ ہوگاکہ یہ نظریہ قابل عمل نہیں تھا،اس لئے مسلک غیر کواختیار کیاگیا۔۔۔اس کااعتراف حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ ارشد حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ان الفاظ میں فرمایا:

> "اس باب میں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ امارت اوراس کے تحت محکمۂ دارالقضاء کاملک میں قیام کوئی دشوارامر نہیں اورنہ ہی اس میں کوئی خاص رکاوٹ

------ حواشی --

886 -الحیلۃ الناجزۃ ص ۳۷۷ تا ۳۷۹ مطبوعہ مکتبہ رضی دیوبند، سن طباعت ۱۹۹۳ء، مکاتیب سجاد ص ۱۸،۱۷ شائع کردہ: مکتبہ امارت شرعیہ پٹنہ، سن اشاعت ۱۹۹۹ء

ہے اس کا ایک صوبائی نظام پچاس (۵۰) سال سے صوبۂ بہار واڑیسہ میں قائم ہے، صوبہ میں متعدد مقامات پر دارالقضاء قائم ہیں، جہاں امارت کی طرف سے قضاۃ مقرر ہیں، اور ہر سال سینکڑوں کی تعداد میں مقدمات آکر فیصل ہوتے رہتے ہیں۔ مسلمان ان دارالقضاؤں میں اپنے ہر طرح کے مقدمات لاتے ہیں، اور آسانی سے انصاف حاصل کرتے ہیں، اور سالہاسال کا تجربہ ہے کہ ان دارالقضاؤں کے فیصل شدہ مقدمات بے چون وچرا مسلمانوں میں مانے جاتے ہیں، اس پورے پچاس سال میں غالباً صرف گیارہ (۱۱) مقدمات ہیں جن کی اپیل سرکاری عدالت میں کی گئی ، مگر یہ بات خوشی کی ہے کہ سرکاری عدالت نے ان ہی فیصلہ جات کو برقرار رکھا جو قاضیوں نے کئے تھے[887]"

(۲) دوسری بات یہ ہے شرعی پنچایت میں عملی طور پر دشواریاں زیادہ ہیں، جس کی تائید حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر اول آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے بھی فرمائی، حضرت حکیم الاسلامؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"یہاں یہ بات بھی واضح کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت تھانویؒ نے شرعی کمیٹی کے نام سے فقہ مالکی کی روسے جو حل پیش فرمایا ہے، وہ اپنے زمانے کے اعتبار سے اہم اقدام ہے، لیکن اس میں بڑی دشواری یہ ہے کہ فقہ مالکی کی روسے تمام ارکان کمیٹی کا اتفاق فیصلہ میں ضروری ہے، اگر یہ اتفاق حاصل نہ ہوسکے تو دعویٰ خارج کردیا جائے گا۔۔۔

------ حواشی --

887 ۔ نظام قضاء کا قیام ص ۱۴، ۱۵ مصنفہ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ شائع کردہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ۔۔۔ واضح رہے کہ حضرت حکیم الاسلامؒ نے یہ رسالہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام سے قبل تحریر فرمایا تھا (پیش لفظ کتاب ص ۵)

قلت: فلوأنهمااختلفا فطلق أحدهما ولم يطلق الآخر؟ قال: إذالايكون ذلك هناك فراق؛ لأن إلى كل واحدمنهماماإلى صاحبه باجتماعهاعليه[888]

اس طرح ایک عجیب الجھن پیدا ہو جاتی ہے اور اصل میں اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ فقہ مالکی کی رو سے تحکیم کی صورت نظام قضاء کے تحت معاملہ کو سلجھالینے کی ایک راہ ہے اگر تحکیم کسی ضابطہ کے نقص کی وجہ سے ناکام ہو جائے، تو اس کا موقع رہتا ہے کہ قاضی اس معاملے کو ہاتھ میں لے کر فیصلہ کر دے، اب موجودہ صورت حال میں تحکیم تو ہو لیکن قضاء نہ ہو تو ایسی صورت میں ضابطۂ تحکیم کی ضروری شرائط کے فقدان کی بناپر تحکیم مسئلہ کے حل سے عاجز رہتی ہے، اور قاضی ہے نہیں جو مسئلے کو اپنے ہاتھ میں لے لے ، اس طرح وہ (مخمصہ) پھر لوٹ آتا ہے جس کے حل کے لئے فقہ مالکی کی طرف عدول کیا گیا تھا[889]

(۳) علاوہ اس کے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ ہندوستان میں اس فکر کے اولین داعی حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ بھی نظام قضاہی کے قائل تھے، اپنے اس فتویٰ میں جس میں انہوں نے ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا ہے، اور مسلمانوں کو خود اپنا امیر و قاضی منتخب کرنے کی ہدایت دی ہے، اس کے استدلال میں آپ نے جو فقہی عبارتیں نقل کی ہیں اس میں فتاویٰ عالمگیری کی یہ عبارت بھی شامل ہے:

"بلادعليهاو لاةكفار يجوز للمسلمين اقامةالجمعةويصير القاضى قاضيا بتراضى المسلمين ويجب عليهم ان يلتمسوا والياً مسلماً كذافى معراج الدراية "[890]

ہندوستان میں جو حضرات نظام قضا کے قائل ہیں وہ بھی اپنے استدلال میں اسی طرح کی عبارتیں پیش کرتے ہیں، اس کا مطلب ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے نزدیک بھی اس عبارت کا وہی مفہوم

------ حواشی ------

[888] - المدونة الكبرى ج ٢ ص٢٦٨المؤلف : مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (المتوفى : 179هـ)المحقق : زكريا عميرات،الناشر : دار الكتب العلمية بيروت . لبنان-

[889] - نظام قضاء کا قیام ص ۱۶،۱۵ شائع کردہ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ۔

[890] - فتاوی عزیزی فارسی ص ۳۳۔

ہے جو نظام قضا کے قائلین نے سمجھا ہے، اوران کی رائے میں بھی غیر مسلم ہندوستان میں حنفیہ کا نظام قضا ہی زیادہ لائق قبول ہے، اسی لئے ان کا ذہن مسلک غیر کی طرف نہیں گیا۔

غیر اسلامی ہندوستان میں تقرر قاضی کا مسئلہ

☆رہی یہ بات کہ کیا غیر اسلامی ہندوستان میں مسلمان خود براہ راست نظام قائم کرسکتے ہیں؟ یا اس کے لئے امیر و حاکم کا وجود ضروری ہے بایں معنٰی کہ یہ انتظامی مسئلہ ہے، اور انتظام کے لئے پہلے منتظم کا وجود ضروری ہے، توگو کہ بعض علماء کے نزدیک یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے، لیکن خروج عن الخلاف کے لئے اس دشواری کا حل حضرت مولانا سجادؒ نے امیر شریعت کے انتخاب کے ذریعہ دریافت کرلیا تھا، اوراس کے بعد سے آج تک قاضیوں کا تقرر بہار یا دیگر ریاستوں میں امیر شریعت ہی کے توسط سے ہوتا ہے، اس صورت میں تو نظام قضا کے قابل قبول ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہونا چاہئے، اور مسلک حنفی سے عدول کی اجازت نہیں ہونی چاہئے، اس لئے کہ جو حضرات عام مسلمانوں کی طرف سے براہ راست نظام قضا کے قیام کے قائل نہیں ہیں، وہ بھی تراضی مسلمین سے امیر کے انتخاب کے قائل ہیں، ان کے خیال میں مسلمانوں کی پہلی ضرورت نصب امیر کی ہے اور امیر کے فرائض میں نصب قضا شامل ہے، عہد حاضر میں اس مسئلہ کے مضبوط وکیل حضرت مولانا مفتی عبد القدوس رومی صاحبؒ سابق مفتی شہر آگرہ تحریر فرماتے ہیں:

"بلاد کفر میں مسلمانوں پر صرف یہی ذمہ داری ہے کہ وہ اتفاق رائے سے اپنا کوئی والی وامیر مقرر کرلیں اس کے بعد مسلمانوں کے لئے قاضی کا تقرر تو یہ ذمہ داری اس والی وامیر کی ہے والی کے بغیر محض تراضی مسلمین سے کوئی شخص قاضی شرعی نہیں ہوسکتا"[891]

اسی طرح کی بات اسی فکر کے حامل ایک دوسرے عالم دین حضرت مولانا افضال الحق جوہر قاسمیؒ نے بھی لکھی ہے:

------ حواشی ------

891 -ہندوستان میں شرعی پنچایت ہی کیوں دار القضا کیوں نہیں؟ص ۶۰ افادات: حضرت مفتی عبد القدوس رومیؒ، جامع: مفتی مجد القدوس خبیب رومی صدر مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور یوپی، ناشر مجمع الفقہی الحنفی الہند، سن اشاعت ۲۰۱۸ء۔

"مسلم عوام والی تو بنا سکتے ہیں مگر قاضی نہیں منتخب کر سکتے"[892]۔

☆ حالانکہ محققین علماء کی بڑی تعداد اس خیال سے اتفاق نہیں رکھتی کہ مسلمان باہم رضامندی سے نظام قضا قائم نہیں کر سکتے، اکثر محققین کی رائے یہ ہے کہ تقرر قاضی کے دو طریقے ہیں:

قَالَ الْمَازِرِيُّ فِي شَرْحِ التَّلْقِينِ الْقَضَاءُ يَنْعَقِدُ بِأَحَدِ وَجْهَيْنِ أَحَدُهُمَا عَقْدُ أَمِيرِالْمُؤْمِنِينَ أَوْأَحَدِ أُمَرَائِهِ الَّذِينَ جَعَلَ لَهُمْ الْعَقْدَ فِي مِثْلِ هَذَا،وَالثَّانِي عَقْدُ ذَوِي الرَّأْيِ وَأَهْلِ الْعِلْمِ وَالْمَعْرِفَةِ وَالْعَدَالَةِ لِرَجُلٍ مِنْهُمْ كَمُلَتْ فِيهِ شُرُوطُ الْقَضَاءِوَ هَذَاحَيْثُ لَا يُمْكِنُهُمْ مُطَالَعَةُ الْإِمَامِ فِي ذَلِكَ وَلَا أَنْ يَسْتَدْعُوا مِنْهُ وِلَايَتَهُ ،وَيَكُونُ عَقْدُهُمْ لَهُ نِيَابَةً عَنْ عَقْدِ الْإِمَامِ الْأَعْظَمِ أَوْ نِيَابَةً عَمَّنْ جَعَلَ الْإِمَامُ لَهُ ذَلِكَ لِلضَّرُورَةِ الدَّاعِيَةِ إلَى ذَلِكَ[893]

مسلم حکمراں کی موجودگی میں عام مسلمان قاضی کا تقرر نہیں کرسکتے

ا–والی اور امیر کے ذریعہ نامزدگی عمل میں آئے، مسلم والی وامیر کی موجودگی میں (عام حالات میں) عام مسلمانوں کو خود سے قاضی مقرر کرنے کی اجازت نہیں ہے، اگر کیا جائے گا تو غیر معتبر اور غیر شرعی قرار پائے گا اور امیر سے بغاوت متصور ہوگی۔۔۔ اور یہی ان عبارتوں کا محمل ہے جن میں کہا گیا ہے کہ محض عام مسلمانوں کی تراضی سے قاضی مقرر نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ اس صورت میں عام مسلمانوں کی طرف سے اس پیش قدمی کی کوئی حاجت نہیں ہے (یہ ذمہ داری امیر کی ہے)

دراصل کچھ لوگوں کو بعض ان عبارتوں سے غلط فہمی ہوئی جن میں کہا گیا ہے کہ اہل شہر اگر اپنی مرضی سے قاضی مقرر کرلیں تو شرعاً اس کا اعتبار نہیں ہوگا:

------ حواشی--

892 -ہندوستان میں شرعی پنچایت ہی کیوں دارالقضا کیوں نہیں؟ ص ۴۸ افادات: حضرت مفتی عبدالقدوس رومیؒ، جامع: مفتی مجد القدوس خبیب رومی صدر مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور یوپی، ناشر مجمع الفقہی الحنفی الہند، سن اشاعت ۲۰۱۸ء۔

893 -تبصرة الحكام في أصول الأقضية ومناهج الأحكام ج ۱ ص ۱۴۱ المؤلف : إبراهيم بن علي بن محمد، ابن فرحون، برهان الدين اليعمري (المتوفى : 799هـ)

وَإِذَااجْتَمَعَ أَهْلُ بَلْدَةٍعَلَى رَجُلٍ وَجَعَلُوهُ قَاضِيًايَقْضِي فِيمَابَيْنَهُمْ لَايَصِيرُ قَاضِيًاوَلَوْاجْتَمَعُواعَلَى رَجُلٍ وَعَقَدُوامَعَهُ عَقْدَالسَّلْطَنَةِ،أَوْعَقْدَ الْخِلَافَةِ يَصِيرُ خَلِيفَةًوَ سُلْطَانًاكَذَافِي الْمُحِيطِ[894]

حالانکہ ان عبارتوں کا محمل وہ صورت ہے جب اسلامی حکمراں موجود ہو،اوروہ قاضی کا تقرر کرسکتا ہو، ظاہر ہے کہ پھر مسلمانوں کو خود سے قاضی مقرر کرنے کی ضرورت نہیں ہے،ایسے موقعہ پر عام مسلمانوں کو تقرر قاضی کی اجازت دینا فتنہ اور بغاوت کا باعث ہے۔

۲۔لیکن جہاں مسلم حکمراں موجود نہ ہو اور نہ سر دست اس کا انتخاب ممکن ہو، جبکہ نظام قضاء کے فقدان سے مسلمانوں کو بہت سے مسائل میں دشواریوں کا سامنا ہو،تو ایسی ضرورت کی صورت میں خود مسلمان بھی قاضی کا انتخاب کرسکتے ہیں، جس طرح کہ امیر کے نہ ہونے کی صورت میں امیر کا انتخاب کرنے کی ان کو اجازت ہے،اس مضمون کی بہت سی صریح فقہی عبارتیں موجود ہیں۔

علامہ شامیؒ نے بہت تفصیل سے اس پر روشنی ڈالی ہے:

قوله(ويجوزتقلدالقضاء من السلطان العادل والجائز)أي الظالم وهذا ظاهرفي اختصاص توليةالقضاء بالسلطان ونحوه كالخليفة حتى لو اجتمع أهل بلدة على تولية واحد القضاء لم يصح بخلاف ما لو ولوا سلطانا بعد موت سلطانهم كما في البزازية نهر وتمامه فيه قلت وهذا حيث لا ضرورة وإلا فلهم توليةالقاضي أيضا كمايأتي بعده-----وأما بلاد عليها ولاة كفار فيجوزللمسلمين إقامة الجمع والأعياد ويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين فيجب عليهم أن يلتمسوا واليا مسلما منهم ا ﻫ وعزاه مسكين في شرحه إلى الأصل و نحوه في جامع الفصولين مطلب في حكم تولية القضاء في بلادتغلب عليها الكفار وفي الفتح وإذا لم يكن

------ حواشی--

894 -الفتاوى الهندية في مذهب الإمام الأعظم أبي حنيفة النعمان ج ۱ ص ۲۶۹الشيخ نظام وجماعة من علماء الهند سنة الولادة / سنة الوفاة ،الناشر :دار الفكرسنة النشر 1411ھ – 1991م مكان النشرعدد الأجزاء 6

سلطان ولا من يجوز التقلدمنه كماهو في بعض بلاد المسلمين غلب عليهم الكفار كقرطبة الآن يجب على المسلمين أن يتفقوا على واحد منهم يجعلونه واليا فيولي قاضيا ويكون هو الذي يقضي بينهم وكذا ينصبوا إماما يصلي بهم الجمعةاه وهذاهوالذي تطمئن النفس إليه فليعتمد[895]

اس کا خلاصہ وہی ہے جو اوپر عرض کیا گیا، دیگر فقہاء نے بھی ضرورت کے وقت عام مسلمانوں کو تقرر قاضی کی اجازت دی ہے اور اس کو شرعی قاضی قرار دیا ہے۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے:

اجتمع اهل البلدةوقدموارجلاًعلى القضاءلايصح لعدم الضرورةوان مات سلطانهم واجتمعواعلىٰ سلطنة رجل جاز للضرورة[896]

فتاویٰ بزازیہ ہی کی کتاب السیر میں ہے:

واماالبلادالتى عليهاولاة كفارفيجوزفيهاايضاًاقامة الجمع والاعيادوالقاضى قاض بتراضى المسلمين ويجب عليهم طلب وال مسلم[897]

علامہ ابن ہمامؒ تحریر فرماتے ہیں:

يجب عليهم ان يتفقواعلىٰ واحدمنهم يجعلونه واليافيولى قاضياًاويكون هوالذى يقضى بينهم[898]

جامع الفصولین میں ہے:

------ حواشی ---

[895] -حاشية رد المختار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار فقه أبو حنيفة ج ٥ ص ٣٦٩ ابن عابدين.الناشر دار الفكر للطباعة والنشر.سنة النشر 1421هـ – 2000م.مكان النشر بيروت.عدد الأجزاء 8

[896] -الفتاوىٰ البزازية على بامش الهندية ،كتاب ادب القاضى ج ٥ ص ١٣٠ ،المطبعة الكبرىٰ الاميرية ،بولاق مصر،١٣١٠ھ۔

[897] -الفتاوىٰ البزازية على بامش الهنديةكتاب ادب القاضى ج ٦ ص ٣١١،المطبعة الكبرىٰ الاميرية،بولاق مصر،١٣١٠ھ۔

[898] -فتح القدیر شرح الہدایہ ج۵ ص۴۶۱، مطبوعہ دارالصادر بیروت۔

اهل البلدةلو تبایعوا علیٰ سلطنۃاحدیصیر سلطاناًبخلاف القاضی للضرورة فی الاول لافی الثانی[899]

طحطاویؒ میں ہے:

وفي مفتاح السعادة عن مجمع الفتاوي غلب على المسلمين ولاة الكفار يجوز للمسلمين إقامةالجمع والأعيادويصير القاضي قاضيا بتراضي المسلمين ويجب عليهم أن يلتمسواواليا مسلماه[900]

علماء متقدمین میں قاضی عبدالرحمن بن احمد الایجیؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب "المواقف "میں تحریر فرماتے ہیں:

"لانسلم عدم انعقادالقضاء بالبیعۃللخلاف فیہ،وان سلم فذلک عندوجودالامام لامکان الرجوع الیہ فی ھذاالمھم واماعند عدمہ فلابدمن القول بانعقادہ بالبیعۃ تحصیلاً للمصالح المنوطۃ بہ ودرءاًللمفاسدالمتوقعۃدونہ[901]۔

اسی طرح کی تصریحات فقہاء حنابلہ اور شافعیہ کے یہاں بھی موجود ہیں[902]۔

خود حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے الحیلۃ الناجزۃ کی تصنیف کے زمانہ میں علماء مالکیہ کے سامنے جب یہ سوال رکھا تھا کہ اگر مسلمان غیر مسلم حکومت کے تحت ہوں اور وہاں حکومت کی طرف سے کوئی قاضی مقرر نہ ہو، تو کیا عام مسلمانوں کی جانب سے قاضی کا تقرر درست ہو گا؟ جب کہ قاضی کو قوت تنفیذ حاصل نہیں ہو گی۔

------ حواشی --

899 - جامع الفصولین ج ا ص ۱۹، مطبوعہ اسلامی کتب خانہ کراچی۔

900 - حاشية على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحاوي الحنفي سنة الولادة / سنة الوفاة **1231**ھ الناشر المطبعة الكبرى الأميرية ببولاق سنة النشر **1318**ھ مكان النشر مصرعدد الأجزاء-

901 - المواقف فی علم الکلام ص ۳۹۹ طبع عالم الکتب بیروت۔

902 - الاحکام السلطانیۃ للقاضی ابی یعلیٰ ص ۷۳، ☆الاحکام السلطانیۃ للامام ابی الحسن الماوردیؒ (متوفی ۴۵۰ھ) ص ۶۴، ۶۳ مطبعۃ السعادۃ مصر، ☆الفتاویٰ الکبریٰ لابن حجر مکی الہیثمی الشافعی ج ۴ ص ۳۲۶ ☆فتح المعین ص ۲۱۱، ۲۱۰۔

اس کا جواب حرم نبوی کے مالکی عالم شیخ عبد اللہ الموتی نے ان الفاظ میں تحریر کیا:

لامانع من ذلک اذااضطر الناس الیٰ ذلک بمادل علیہ ظاھر کلام اھل المذھب[903]

یعنی اگر لوگوں کو واقعی اس کی ضرورت ہو تو مذہب میں بظاہر اس کی ممانعت نہیں ہے۔

اس سے فقہائے مالکیہ کے رجحان پر روشنی پڑتی ہے۔

قوت واختیار کا اصل سرچشمہ

دراصل ان فقہاء کے پیش نظر یہ بات ہے کہ قوت واختیار کا اصل سرچشمہ کون ہے؟ عام مسلمان یا حاکم وقت؟ علامہ کاسانیؒ نے اس پر بڑی اصولی بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قوت واختیار کا اصل سرچشمہ عام مسلمان ہیں اور حاکم کو جو اختیارات حاصل ہوتے ہیں وہ انہی مسلمانوں کے عطا کردہ ہوتے ہیں ،اس کے اعمال وتصرفات مسلمانوں کے نائب کی حیثیت سے انجام پاتے ہیں، اسی لئے حاکم کی موت یا علٰحدگی سے اس کے مقرر کردہ قضاۃ وحکام معزول نہیں ہوتے، لہذا جس جگہ مسلم حاکم موجود نہ ہو عام مسلمانوں کا اختیار مسلوب نہیں ہوگا اس لئے کہ انہوں نے یہ اختیار کسی کے حوالے نہیں کیا ہے، پس انہیں بوقت ضرورت تقرر قاضی کا اختیار بھی حاصل ہوگا جیسے کہ تقرر امیر کا اختیار انہیں حاصل ہے:

وَالْقَاضِي لَا يَعْمَلُ بِوِلَايَةِ الْخَلِيفَةِ وَفِي حَقِّهِ بَلْ بِوِلَايَةِ الْمُسْلِمِينَ وَفِي حُقُوقِهِمْ وَإِنَّمَا الْخَلِيفَةُ بِمَنْزِلَةِ الرَّسُولِ عَنْهُمْ ؛ لِهَذَالَمْ تَلْحَقْهُ الْعُهْدَةُ كَالرَّسُولِ فِي سَائِرِالْعُقُودِ وَالْوَكِيلِ فِي النِّكَاحِ،وَإِذَا كَانَ رَسُولًا كَانَ فِعْلُهُ بِمَنْزِلَةِ فِعْلِ عَامَّةِ الْمُسْلِمِينَ ،وَوِلَايَتِهِمْ بَعْدَ مَوْتِ الْخَلِيفَةِ بَاقِيَةٌ ، فَيَبْقَى الْقَاضِي عَلَى وِلَايَتِهِ؛وَهَذَا بِخِلَافِ الْعَزْلِ ، فَإِنَّ الْخَلِيفَةَ إذَا عَزَلَ الْقَاضِي أَوْ الْوَالِي يَنْعَزِلُ بِعَزْلِهِ،وَ لَا يَنْعَزِلُ بِمَوْتِهِ؛لِأَنَّهُ لَايَنْعَزِلُ بِعَزْلِ الْخَلِيفَةِ أَيْضًا حَقِيقَةً ، بَلْ بِعَزْلِ

------ حواشی ------

903 - الحیلۃ الناجزۃ ص ۲۵۵ مکتبہ رضی دیوبند، ۲۰۰۵ء۔

الْعَامَّةِ؛لِمَاذَكَرْنَاأَنَّ تَوْلِيَتَهُ بِتَوْلِيَةِ الْعَامَّةِ ، وَالْعَامَّةُ وَلَوْهُ الِاسْتِبْدَالَ دَلَالَةً؛ لِتَعَلُّقِ مَصْلَحَتِهِمْ بِذَلِكَ،فَكَانَتْ وِلَايَتُهُ مِنْهُمْ مَعْنًى فِي الْعَزْلِ أَيْضًا، فَهُوَ الْفَرْقُ بَيْنَ الْعَزْلِ وَالْمَوْتِ[904].

جمعیۃ علماء ہند نے ہر دور میں نظام قضا کی حمایت کی

اسی لئے جمعیۃ علماء ہند نے ہر دور میں دارالقضاء کی حمایت کی اوراس کے متعدد جلسوں کے اسٹیج سے قیام دارالقضاء کی دعوت پیش کی گئی، "جمعیۃ علماء ہند کے اساسی اصول وآئین وضوابط (جو دہلی کے اجلاس منعقدہ ۹،۸،۷/ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹، ۲۰، ۲۱/ نومبر ۱۹۲۰ء میں منظور ہو کر شائع ہوئے) میں دفعہ ۴ شق واؤ کے تحت اغراض ومقاصد کے ذیل میں شرعی ضرورتوں کے لحاظ سے فصل خصومات کے لئے محکمۂ دارالقضاء قائم کرنا بھی داخل ہے"[905]

یہ اس موقف کی مضبوطی اور ہندوستان جیسے غیر مسلم ملکوں میں مسلک حنفی کے مطابق نظام قضا کے قابل عمل ہونے کی علامت ہے، مثلاً:

☆جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس چہارم گیا(۱۹۲۲ء) میں صدر اجلاس حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی (متوفیٰ: رجب ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۳۰ء) سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے خطبۂ صدارت میں ارشاد فرمایا:

> "ایسی حالت میں کہ مسلمان ایک غیر مسلم طاقت کے زیر حکومت ہیں، اوران کو اپنے معاملات میں مذہبی آزادی حاصل نہیں ہے ضروری ہے کہ مسلمان اپنے لئے

------ حواشی--

904 -بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع ج ۷ ص ۱۶علاء الدين الكاساني سنة الولادة / سنة الوفاة 587 الناشر دار الكتاب العربي سنة النشر 1982 مكان النشر بيروت عدد الأجزاء 7 -

905 -امارت شرعیہ دینی جدوجہد کا روشن باب ص ۶۲ تالیف: حضرت مفتی محمد ظفیر الدین صاحب مفتاحیؒ شائع کردہ مکتبہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ مطبوعہ ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء-

والی اور امیر مقرر کریں، دار القضا قائم کر کے قضاۃ اور مفتیین کا تقرر کریں، جمعیۃ علماء میں یہ تجویز منظور ہو چکی ہے"[906]

☆حضرت علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ (متوفیٰ ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء) نے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاس ہشتم (۱۹۲۷ء) میں اپنے خطبۂ صدارت میں فرمایا:

"مسلمان جب کہ باہمی اتفاق سے اپنے امیر اور قاضی منتخب کرلیں گے تو ان پر ان کے احکام اور فیصلوں کا تسلیم کرنا بھی لازم ہو گا اور ان امیروں اور قاضیوں کو فیصلے دینے کا شرعی حق ہو جائے گا اور اس طرح مسلمانوں کے شرعی معاملات قضاء شرعی کے ماتحت انجام پذیر ہوتے رہیں گے، جمعیۃ علمائے ہند نے اپنے گذشتہ اجلاسوں میں بھی اس مسئلہ پر متعدد مرتبہ زور دیا ہے اور اس نے دارالامارۃ اور دارالقضاء کے اصول و قواعد بنانے کے لئے ایک خاص کمیٹی مقرر کر کے مسودے بھی تیار کرالئے ہیں"[907]

ان تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان جیسے غیر اسلامی ملکوں میں شرعی پنچایت کے بالمقابل نظام قضا ہی زیادہ مطابق احوال اور لائق قبول ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

------ حواشی

906 ۔خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند گیا، حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانیؒ (۱۹۲۲ء) ص ۴۴۔

907 ۔خطبۂ صدارت اجلاس جمعیۃ علماء ہند پشاور، ص ۵۹۔

جمہوری انتخابات - احکام اور مسائل[908]

موجودہ دَور جس میں مسلمان کئی ممالک میں اقتدار سے محروم اور اقلیتی زندگی گذار رہے ہیں، مسلمانوں کے لئے ان کی سماجی اور سیاسی زندگی میں متعدّد مسائل پیدا ہوگئے ہیں، ان مسائل میں ایک اہم ترین مسئلہ جمہوری ممالک میں انتخابات کا ہے، جہاں کسی ایک قوم، خاندان، یا مذہب کی نہیں بلکہ اکثریت کے ووٹ سے کامیاب ہونے والی سیاسی جماعت کی حکومت ہوتی ہے، اور ان انتخابات میں بحیثیت اُمیدوار اور بحیثیت رائے دہندہ ہر قوم ومذہب کے افراد کو حصّہ لینے کی اجازت ہوتی ہے گویا یہ پُرامن سیاسی مسابقت کا دور ہے اور اس میں جو پیچھے رہ جائے گا وہ بہت سے حقوق وترقیات سے محروم رہ جائے گا۔

عہدہ کی طلب

اگرچہ کہ عام حالات میں اسلامی مزاج کے مطابق عہدہ واقتدار کی طلب پسندیدہ چیز نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن سمرہ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

یاعبدالرحمٰن بن سمرة ! لتسأل الامارةفانک اعطیتهامن غیرمسئلةٍ اعنت علیها وان اعطیتها عن مسئلةٍ وکلت الیها[909]

ترجمہ: اے عبدالرحمن بن سمرۃ! عہدہ کی طلب مت کرو، اگر تم کو بلا طلب عہدہ مل جائے تو اللہ کی نُصرت تم پر نازل ہوگی، اور طلب کے بعد کوئی عہدہ حاصل کرو تو اس کے ذمّہ دار تم خود قرار پاؤ گے"

حضرت ابوہریرۃؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

انکم ستحرصُون علی الامار ة وستکون ندامۃ یوم القیٰمۃ

------ حواشی --

908 ۔ تحریر بمقام جامعہ ربانی منورواشریف، بتاریخ محرم الحرام ۱۴۲۴ھ

909 ۔ متفق علیہ، مشکوٰۃ کتاب الامارۃ، صفحہ ۳۲۰

فنعم المرضعۃ وبئست الفاطمۃ[910]

ترجمہ: ''عنقریب تم عہدوں کی مسابقت میں کود پڑوگے۔ حالاں کہ یہ قیامت کے دن ندامت کا باعث ہوگا۔ دودھ دینے والا اور لذت بخش عہدہ بہت اچھا لگتا ہے، لیکن جب عہدہ چھن جاتا ہے اور دودھ کا تھن مُنہ سے نکل جاتا ہے، تو اتنا ہی بُرا لگتا ہے، پھر کیا حاصل ایسی لذّتوں کا جن کے بعد حسرتوں کا سامنا کرنا پڑے''۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں اور میرے دو چچازاد بھائی خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے، اور دونوں نے یکے بعد دیگرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی عہدہ کی درخواست کی اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اناواللہ لانولّی علیٰ ھذاالعمل احدًامسألۃولااحداحرص علیہ[911]

ترجمہ '': ہم اللہ کی قسم یہ ذمّہ داری ہرگز کسی ایسے شخص کے حوالے نہیں کرتے جو اس کا طلب گار یا اُمیدوار ہو''۔

اسلامی معاشرہ میں ہمیشہ وہ لوگ اچھے مانے جاتے رہے ہیں جو اپنے کو عہدوں کی دوڑ اور سیاسی مسابقت سے دُور رکھتے ہیں، ایک موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تجدون من خیر الناس اشدھم کراھیۃ لھذا لامرحتی یقع فیہ[912]

ترجمہ: تم ہمیشہ دیکھوگے کہ اچھے لوگ اس دوڑ سے دور بھاگتے ہیں جب تک کہ اس میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

------ حواشی--

910 ۔ رواہ البخاری، مشکوۃ: ص ۳۲۰

911 ۔ متفق علیہ، مشکوٰۃ: ۳۲۰

912 ۔ متفق علیہ، مشکوٰۃ: ۳۲۰

اجتماعی مفادات کے تحفّظ کے لئے آگے بڑھنا

لیکن وہیں یہ بھی حقیقت ہے کہ بسا اوقات قومی اور اجتماعی مفادات کے تحفظ کے لئے اچھے لوگوں کو بھی اس کام کے لئے آگے بڑھنا پڑتا ہے، اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو خراب لوگ ان عہدوں پر قابض ہو جائیں گے اور اس سے پوری قوم بحیثیت اجتماع متاثر ہو گی، جس کی ذمّہ داری کسی نہ کسی درجے میں ان لوگوں پر بھی عائد ہو گی جو اس سیاسی مسابقت سے اہلیت کے باوجود کنارہ کش رہے، حضرت عائشہؓ کا ایک ارشاد اس سلسلے میں ہماری بڑی حد تک رہنمائی کرتا ہے:

"ابو سلمہ بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ میں اور چند مہاجرین کے صاحب زادے ایک جگہ جمع ہوئے، اور ہم لوگوں نے ارادہ کیا کہ امیر المومنین حضرت معاویہؓ سے ملاقات کریں، پیشِ نظر اپنی معاشی مشکلات تھیں، مگر اس سے قبل ہم لوگوں نے اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ سے مشورہ کرنا مناسب سمجھا، ہم لوگ اُمّ المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اپنی معاشی مُشکلات اور قرض وغیرہ کا ذِکر کیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ اپنے سلطان سے دُور دُور رہتے ہیں، ہم نے عرض کیا ہمیں ڈر ہے کہ کہیں وہ کوئی عہدہ ہمیں نہ دے دیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا:

سبحان الله فاذا لم يستعمل خياركم يستعمل شراركم[913]

سبحان اللہ! اگر تم میں اچھے لوگ کام میں نہ لگیں گے تو بُرے لوگوں کو یہ کام دے دیا جائے گا"

اُسوۂ یُوسفیؑ

اس سلسلے میں اصل بنیاد حضرت یوسف علیہ السلام کا طرزِ عمل ہے، جس کو قرآن کریم نے نقل کیا ہے، حضرت یوسفؑ نے سلطانِ مصر سے مطالبہ کیا تھا کہ:

------ حواشی --

913 ۔ التلخیص الحبیر: لابن حجر، جلد ۲، ص ۴۰۲

اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم[914]

ترجمہ : مجھے زمینی خزانوں کا ذمّہ دار بنادیجئے، میرے پاس عِلم و عقل بھی ہے، اور نگرانی کا سلیقہ بھی رکھتا ہوں۔

حضرت یوسفؑ کی اس طلب کے پیچھے بالیقین کسی حظِ نفس کا دَخل نہیں تھا، وہ معصوم پیغمبر تھے ، ان کے بارے میں اس طرح کا تصوّر بھی گناہ ہے، بلکہ ان کی اس طلب کے پیچھے محض انسانیت کا دَرد، اور مفاداتِ عامہ کے تحفّظ کا جذبہ کار فرما تھا، اور حضرت یوسفؑ جانتے تھے کہ اگر میں یہ اَہم ترین ذمّہ دارانہ مَنصب حاصل نہ کروں تو مصر کو قحط کے عذاب سے (بحکم الٰہی) کوئی بچا نہیں سکتا۔

حضرت یوسفؑ کے اس عملی نمونے سے علماء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ انسان اپنے آپ کو کسی ایسے عمل کے لئے پیش کر سکتا ہے، جس کی اَہلیت اس کے اندر موجود ہو، اور اگر اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اس کام کے لائق نہ ہو۔ تو اس پر لازم ہے کہ اس کام کے لئے اپنی خدمات پیش کرے۔ اسی طرح اس سے یہ نتیجہ بھی اَخذ کیا گیا ہے کہ بوقتِ ضرورت انسان اپنی بعض ان صفات کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہے جو مطلوبہ کام کے لئے ضروری ہوں، اگرچہ کہ بظاہر اس میں خود ستائی محسوس ہوتی ہو[915]

اسوۂ سلیمانیؑ

اس باب میں ایک اور اہم ترین نمونہ حضرت سلیمانؑ کی دعا بھی ہے، حضرت سلیمانؑ نے رب العالمین سے مانگا تھا کہ:

”رب ھب لی ملکا لاینبغی لاحدٍ من بعدی انک انت الوھاب[916]

ترجمہ: پرورد گار! مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو میسر نہ ہوسکے یقینا

------ حواشی--

[914] ۔یوسف:۵۵

[915] ۔احکام القرآن للقرطبی:۹/ ۱۴۲، روح المعانی ۱۳/ ۵، احکام القرآن للجصاص:۳/ ۱۷۴

[916] ۔ص:۳۴

آپ بخشنے والے ہیں"

یہ روئے زمین پر سب سے بڑے منصب کی طلب تھی لیکن اس کا مقصد بھی بس انسانوں کو صحیح فائدہ پہونچانا، خلقِ خدا کو جبر و ظلم سے نجات دِلانا اور روئے زمین پر خدائی حکومت قائم کرنا تھا، اور ظاہر ہے کہ ان عظیم مقاصد کی تکمیل کے لئے اس دور میں حضرت سلیمانؑ سے بہتر شخصیت کون ہو سکتی تھی۔

علماء نے اس واقعہ سے بھی وہی نتائج اخذ کئے ہیں، جو حضرت یوسفؑ کے ذیل میں مذکور ہوئے[917]

علامہ ابن قدامہؒ نے اس سلسلے میں بہت اچھا تجزیہ کیا ہے، فرماتے ہیں :

"لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں، اور تینوں کے احکام مختلف ہیں:

(۱) ایسا شخص جس میں مطلوبہ عہدہ کی اَہلیت موجود نہ ہو، ایسے شخص کے لئے وہ عہدہ قبول کرنا جائز نہیں۔

(۲) ایسا شخص جس میں اہلیت موجود ہو اور قابلِ اعتماد اور لائق شخص ہو، مگر وہ اپنے میدان میں تنہا شخص نہ ہو، بلکہ مطلوبہ معیار کے متعدد لوگ معاشرہ میں موجود ہوں، ایسے شخص کے لئے عہدہ قبول کرنا جائز ہے، واجب نہیں، اس لئے کہ اہلیت کے لحاظ سے وہی شخص متعین نہیں ہے، البتہ امام احمدؒ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں عہدہ قبول کرنا اگر چہ کہ جائز ہے، مگر اس جنجال میں نہ پڑنا بہتر ہے، اس لئے کہ یہ پر خطر وادی ہے، اپنے آپ کو بچاتے ہوئے تمام متعلقہ لوگوں کے حقوق ادا کرنا آسان کام نہیں ہے، البتہ بعض لوگوں نے ضرورت مند اور غیر ضرورت مند کا فرق کیا ہے، کہ اگر اہل شخص ضرورت مند ہو تو اس کے لئے عہدہ قبول کر لینا مستحب ہے۔

(۳) ایسا شخص جس میں عہدہ کی اہلیت موجود ہو، اور اس کے سوا کوئی دوسرا شخص اس معیار کا موجود نہ ہو، ایسی صورت میں اس شخص پر عہدہ قبول کرنا واجب ہے، امام احمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ اس صورت میں بھی عہدہ قبول کرنا واجب نہیں ہے[918]

------ حواشی --

917 - احکام القرآن لابن العربی: ج ۲/ ص ۱۹۹

918 - المغنی: ج ۱۱، ص ۳۷۶

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں عہدۂ قضاء قبول کرنے کو فرض کفایہ قرار دیا ہے، اس لئے کہ اگر تمام لوگ اس سے بھاگنے لگیں تو اس اہم ترین ذمّہ داری کو کون ادا کرے گا، جبکہ بڑے بڑے صحابہ نے یہ ذمّہ داری قبول کی ہے، عہدِ صدیقی میں حضرت فاروقِ اعظمؓ قاضی تھے، عہدِ فاروقی میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو منصبِ قضا دیا گیا، حضرت عمرؓ نے اپنے گورنروں کو فرمان جاری کیا کہ عہدۂ قضا ڈھونڈ ڈھونڈ کر صرف صالحین کو دیا جائے، وغیرہ، اس طرح کی بہت سی مثالیں عہدِ صحابہ میں موجود ہیں، البتّہ اگر اہل شخصیتیں کئی موجود ہوں تو کسی ایک متعین شخص پر وجوب عائد نہیں ہو گا، اسی طرح اگر کوئی صاحبِ علم و تحقیق شخص محسوس کرتا ہو کہ عہدۂ قضا یا اور کوئی ذمّہ دارانہ منصب قبول کرنے کے بعد اس کا علمی اور تحقیقی سفر سست ہو جائے گا، تو ایسے شخص کے لئے بہتر ہے کہ وہ عہدہ سے دُور رہ کر علم و تحقیق کے کاموں میں مصروف رہے [919]

فقہاء حنفیہؒ میں علامہ ابن نجیم مصریؒ لکھتے ہیں:

عہدہ کی طلب ہر صورت میں ممنوع نہیں ہے، بلکہ اس صورت میں ممنوع ہے جبکہ اس عہدہ کے لائق دوسرے افراد موجود ہوں، اگر اس عہدہ کے لائق دوسرے افراد موجود نہ ہوں اور تنہا وہی شخص اس عہدہ کے لئے موزوں ہو تو اس پر واجب ہے کہ مفاداتِ عامہ کے تحفظ کے لئے عہدہ حاصل کرے، اور لوگوں کو شُرور وفِتن میں پڑنے سے بچائے [920]

سلفِ صالحین کی ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ حقوقِ عامّہ کے تحفظ کے لئے عہدہ کی طلب اور اس کے لئے تگ و دو ممنوع نہیں ہے، بشرطیکہ اس میں اَہلیت موجود ہو اور اس کے آگے نہ بڑھنے کی صورت میں وہ چیز کسی غلط ہاتھ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔

البتہ بہتر یہ ہے کہ خود پرچہ اُمیدواری داخل نہ کرے بلکہ اس کی طرف سے دوسرے لوگ پرچہٗ

------ حواشی --

919 ۔ فتح الباری: ج ۱۳/ ص ۱۰۸

920 ۔ بحر الرائق کتاب القضاء: ج ۶ ص ۴۵۹، کذا فی فتح القدیر: ج ۷، ص ۲۴۴، فتاویٰ ھندیہ: ج ۵، ص ۱۳۱، الاحکام السلطانیہ للماوردی: ص ۷۵

نامزدگی داخل کریں، تاکہ طلب عہدہ کی بناپر لوگوں کی نگاہ میں متہم نہ ہو، بعض فقہاء نے اس کالحاظ کیاہے:

علامہ کاسانیؒ کتاب ادب القاضی میں لکھتے ہیں:

”عہدۂ قضا کے طالب کو منصبِ قضا دینا ناجائز نہیں ہے، اگر اس میں اس عہدہ کی واقعی اہلیت موجود ہو تو باتفاق فقہاء ایسے شخص کو عہدہ قضا دینا دُرست ہے، البتہ بہتر ہے کہ ایسے شخص کے بجائے کسی ایسے شخص کو تلاش کیا جائے جس میں عہدہ کی طلب نہ ہو اس لئے کہ طلب کی بناپر انسان اپنے حق میں متہم ہو جاتا ہے[921]

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی بھی یہی رائے ہے، تحریر فرماتے ہیں:

”اگر واقع میں وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہے یعنی قابلیت بھی رکھتا ہے اور امانت و دیانت کے ساتھ قوم کی خدمت کے جذبہ سے اس میدان میں آیا ہے تو اس کا یہ عمل کسی حد تک درست ہے، اور بہتر طریق اس کا یہ ہے کہ کوئی شخص خود مدعی بن کر کھڑا نہ ہو، بلکہ مسلمانوں کی کوئی جماعت اس کو اس کام کا اہل سمجھ کر نامزد کر دے۔[922]

جمہوری پارلیامنٹ جب کوئی قانون خلافِ شَرع پاس کرے

رہی یہ بات کہ جمہوری ممالک میں جو پارلیامنٹ وجود میں آتی ہے اس کو اسلامی قانون سے کوئی غرض نہیں ہوتی اور کبھی وہ ایسا قانون بھی بنا سکتی ہے جو شریعت کے خلاف ہو جبکہ پارلیمنٹ کے تمام اراکین کو ملک کے دستور سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے۔

یہ صورتِ حال بظاہر دُشوار نظر آتی ہے لیکن غور کیا جائے تو اس میں کوئی پیچیدگی نہیں ہے اس لئے کہ جمہوری ممالک میں پارلیامنٹ کے اَراکین کو ملک کے جس دستور سے وَفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے، وہ مُلک کا وہ دستور ہے جس پر پورے قانون کی اساس ہے، اور جو اُصولی طور پر ناقابلِ ترمیم مانا جاتا ہے اور

------ حواشی--

921 - بدائع الصنائع کتاب ادب القاضی: ج۵، ص۴۳۹

922 - جواہر الفقہ: ج۲، ص۲۹۱۔ مطبوعہ دیوبند ۱۹۹۷ء

ایک تہائی اکثریت سے جن قوانین میں تبدیلی ہوتی ہے ان سے حزب اختلاف کو اختلاف کرنے کا حق ہوتا ہے، اور اگر مان لیا جائے کہ زبردست اکثریت سے دستور میں بھی تبدیلی ممکن ہو، تو مخالف اقلیت اظہار اختلاف کا حق رکھتی ہے، اور کم از کم پارلیامنٹ کی سطح تک اپنی رائے کا اظہار کر سکتی ہے۔ اور اس حد تک اختلافِ رائے کے بعد میرے خیال میں متعلقہ ممبران پر حکومت کے اعمال کی ذمہ داری عائد نہیں ہو گی۔

کافرانہ قیادت کے تحت عہدہ قبول کرنا

اور میرے اس خیال کی بنیاد علماء وفقہاء کی وہ گفتگو ہے جو انہوں نے کافرانہ یافاسقانہ قیادت کے تحت کوئی ذمّہ دارانہ مَنصب قبول کرنے کے تعلق سے کی ہے، علاوہ ازیں بعض آیات و اَحادیث سے بھی رہنمائی ملتی ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے فرعونِ مصر سے ایک ذمّہ دارانہ عہدہ طلب فرمایا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کافرانہ قیادت کے تحت ذمّہ داری قبول کی جاسکتی ہے، علامہ ابن العربیؒ نے ایک پیغمبر کے لیے کافرانہ قیادت کے تحت مَنصب کے سوال کو بڑی اَہمیت سے اٹھایا ہے اور پھر اس کا پُر تکلف جواب بھی دیا ہے۔[923]

لیکن اصحابِ تحقیق علماء نے اس سوال وجواب سے قطعِ نظر اسوۂ یوسفیؑ سے یہ حکم مُستنبط کیا ہے کہ کافرانہ قیادت کے تحت منصب قبول کرنا جائز ہے[924]

اسی طرح متعدد صحابہ اور تابعین کے طرزِ عمل سے ثابت ہوتا ہے کہ ظالمانہ یافاسقانہ قیادت کے تحت کام کرنا یا کوئی عہدہ قبول کرنا جائز ہے۔

صاحبِ ہدایہ نے اس ذیل میں حضرت امیر معاویہؓ کے قاضیوں کی مثال دی ہے جبکہ وہ حضرت علیؓ سے بر سرِ پیکار تھے اور یقیناً حق پر نہیں تھے، لیکن اس کے باوجود ان کی خواہش پر متعدد صحابہؓ نے

------ حواشی ---

923 - احکام القرآن لابن العربی: ج ۱، ص ۴۴۳

924 - اعلاء السُنن علامہ ظفر احمد تھانوی: ج ۱۵، ص ۵۴

منصبِ قضا قبول کیا، مثلاً حضرت ابو الدرداءؓ اور حضرت فضالہ بن عبیدہؓ وغیرہ[925]

لیکن اس کی اچھی مثال حجاج کے دَور کے عہدیداران ہیں، امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ الوسط میں نقل کیا ہے کہ حجاج نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے صاحبزادے حضرت ابو بردہؓ کو قاضی بنایا تھا اور حضرت سعید بن جبیرؒ کو ان کا معاون قرار دیا تھا، بعد میں اس ظالم نے حضرت سعید بن جبیرؒ کو قتل کر دیا، اور اس کے چھ (٦) ماہ بعد خود بھی موت سے ہمکنار ہوا۔ حضرت سعید بن جبیرؒ کے بعد حجاج کو کسی اور کو قتل کرنے کا موقع نہیں ملا، گویا حضرت سعید حجاج کے آخری مقتول تھے[926]

حافظ ابو نعیمؒ تاریخ اصبہان میں لکھتے ہیں، کہ حجاج کے دَور میں وہ اصبہان کے قاضی تھے بعد میں حجاج نے ان کو معزول کر دیا[927]

ابن القطانؒ کا بیان ہے کہ ابو محمد طلحہ بن عبد اللہ بن عوفؒ، یزید بن معاویہؒ کے عہدِ حکومت میں مدینہ کے قاضی تھے، جبکہ طلحہؒ مشہور تابعی ہیں اور حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابو ہریرۃؓ اور حضرت ابو بکرؓ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں[928]

جب قضا جیسا نازک منصب قبول کرنا جائز ہے تو دوسرے نسبتاً کمتر درجہ کے مناصب قبول کرنے کی بدرجہ اولیٰ اجازت ہونی چاہئے، احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض کام ایسے ہیں جن کو ہر حال میں انجام دینا ضروری ہے خواہ اس کو انجام دینے والی قیادت صالح ہو یا غیر صالح، اور امت پر ضروری ہے کہ اس حد تک وہ اپنی قیادت کی اطاعت کرے، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کے تعلق سے فرمایا:

الجہاد واجب علیکم مع کل امیر برا کان اوفاجرا[929]

ترجمہ: جہاد ہر حال میں واجب ہے خواہ امیر الجہاد نیک ہو یا بد۔

------ حواشی ---

925 - ہدایہ کتاب القضاء: ج۳، ص۱۱۷

926 - زیلعی: ج۲، ص۲۰۳

927 - زیلعی: ج۲، ص۲۰۳

928 - زیلعی: ج۲، ص۲۰۳

929 - رواہ ابو دؤد و سکت منہ، اعلاء السنن: ج۱۵/۵۵

بخاری و مسلم میں حضرت عمرو بن النعمانؓ کی روایت ہے:

ان الله ليويد هذا الدين بالرجل الفاجر[930]

ترجمہ: بیشک اللہ اس دین کو فاسق شخص کے ذریعہ قوت پہونچائے گا۔

جہاں تک خلافِ شرع امور میں اطاعت کا معاملہ ہے تو ان امور میں اطاعت نہ کرے اور اظہارِ رائے کے بعد ان امور سے اپنے آپ کو غیر متعلق کرلے اور میرے خیال میں رد عمل کے اظہار، اور قلبی ناپسندیدگی کی صورت میں اس شخص پر شرعاً کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی، اللہ کی ذات سے اُمید ہے کہ وہ اس کو معاف فرمادے گا۔

اس مسئلہ پر مسلم شریف کی ایک روایت سے کافی روشنی ملتی ہے:

حضرت عوف بن مالک الاشجعیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الامن ولی علیہ والٍ فراٰہ یاتی شیئا من معصیۃ اللہ فلیکرہ مایاتی من معصیۃ اللہ ولا ینزعن یداً من طاعتہ[931]

ترجمہ: "سنو! جس پر کوئی والی مقرر کیا جائے پھر اس کو کسی معصیت میں مرتکب پائے، تو اس کی اس حرکت کو دل سے ناپسند کرے، لیکن اس کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے"۔

اسی طرح حضرت امِ سلمہؓ روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

یکون علیکم امراء تعرفون وتنکرون فمن انکر فقد بری ومن کرہ فقد سلم ولکن من رضی وتابع قالوا افلا نقاتلھم قال لا ماصلوا الا ماصلوا ای من کرہ بقلبہ وانکر بقلبہ[932]

ترجمہ: تم پر ایسے امراء مسلط ہوں گے جو معروف ومنکر ہر طرح کا کام کریں گے جو

------ حواشی --

930 - اعلاء السنن: ج۱۵/ ۵۵

931- رواہ مسلم، مشکوۃ: ۳۱۹، کتاب الامارۃ

932 - رواہ مسلم، مشکوۃ : ۳۱۹

ان کے منکرات پر نکیر کرے گا وہ بَری ہو گا، اسی طرح جو کم از کم دل سے ان کے خلاف شرع حرکتوں کو ناپسند کرے وہ بھی نجات پائے گا۔ البتہ جو ان سے راضی ہو اور ان کی اتباع کرے (اس پر اس کا وبال آئے گا) صحابہ نے عرض کیا، کیا ہم ان سے جنگ کر سکتے ہیں حضور نے فرمایا نہیں جب تک وہ نماز پر قائم ہیں۔

یہاں کرہ وانکر سے مراد یہ ہے کہ زبان سے ردِ عمل کا اظہار ضروری نہیں ہے بلکہ دلی نفرت نجات کے لئے کافی ہے۔

اسی طرح فتنہ کے ایام میں جب حضرت عثمانؓ اپنے مکان میں محصور تھے، اور مسجد نبوی پر باغیوں کا قبضہ تھا، کسی نے حضرت عثمان سے دریافت کیا کہ کیا ہم ان کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں، حضرت عثمان نے فرمایا:

اذااحسن الناس فاحسن معهم واذااساءوافاجتنب اساء تهم[933]

ترجمہ: اگر ان لوگوں کا سلوک بہتر ہو تو ان کے ساتھ تم بھی حسن سلوک کرو، اور اگر سلوک خراب ہو یعنی خلافِ شرع کام کریں تو ان کے اس عمل سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھو"

قواعد فقہیہ سے رہنمائی

اس سلسلے میں بعض قواعد فقہیہ سے بھی روشنی ملتی ہے:

(۱) ایک فقہی ضابطہ ہے جس کو متعدد فقہاء اور اصولیین نے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے:

مالایتم الجواب الابہ فهوواجب[934]

ترجمہ: جس چیز پر واجب کی تکمیل موقوف ہو وہ بھی واجب ہوتی ہے"۔

جمہوری ممالک میں اگر مسلمان انتخابی عمل میں حصہ نہ لیں، اور بعض خلاف شرع امور کے

------ حواشی--

933 - اعلاء السنن: ج ۱۵، ص ۵۱

934 - الاشباہ والنظائر لابن نجیم الحنفی ص ۹۱، القواعد والفوائد لابن مکی العاملی ج ا ص ۱۹۲، الاشباہ والنظائر للسیوطی الشافعی ۹۷

ارتکاب یا شرعی طور پر ناپسندیدہ صورت حال سے دوچار ہونے کے خوف سے اپنے آپ کو بالکلیہ الگ تھلگ کرلیں، تو بہت سے قومی واجبات کی تکمیل ممکن نہ ہوگی، اور بحیثیت مجموعی مسلمانوں کا بہت بڑا نقصان ہوگا، مثلاً:

پارلیامنٹ اور اسمبلیاں جو ملکی یا بین الاقوامی تجاویز منظور کرتی ہیں، کوئی مسلم نمائندہ نہ ہونے کی صورت میں وہ ان کو منظور کرنے میں آزاد ہوں گی، خواہ وہ مسلم مفادات کے موافق ہوں یا مخالف، لیکن اگر پارلیامنٹ میں مسلم نمائندگی موجود ہو تو اس قسم کے خطرات بڑی حد تک کم ہوسکتے ہیں۔

پارلیامنٹ میں مسلم نمائندگی نہ ہو تو اسلام اور ملت اسلامیہ کی صحیح صورت حال کا علم ملک کی پارلیامنٹ اور غیر مسلم ارکان کو کس طرح ہوگا، اسی طرح مسلمانوں کے خلاف پھیلائے جانے والے پروپیگنڈوں کا دفاع کون کرے گا؟ مسلمانوں کی ضروریات اور قومی مسائل پارلیامنٹ میں کون رکھے گا، اور حکومت کے رفاہی منصوبوں سے مسلمان کس طرح استفادہ کریں گے؟ ان تمام سوالات کا جواب صرف ایک ہے، کہ پارلیامنٹ اور اسمبلیوں میں مسلمانوں کی مناسب نمائندگی ضروری ہے اس کے بغیر مسلمانوں کے قومی مسائل حل نہیں ہوسکتے اور ان کے اجتماعی مفادات کی تکمیل ممکن نہیں، اس طرح مذکورہ قاعدہ فقہیہ کی رو سے مسلمانوں کا انتخابات میں حصہ لینا اور پارلیامنٹ تک پہونچنے کی کوشش کرنا واجب ہے۔

(۲) دوسرا قاعدہ ہے:

الضرر الاشدیزال بالاخف[935]

ترجمہ: بڑے نقصان سے بچنے کے لیے چھوٹا نقصان گوارا کیا جائے گا۔

انتخاب میں حصہ لینے میں یہ اندیشہ ضرور ہے کہ قومی اسمبلیاں عددی اکثریت کے بل پر بعض ایسے قوانین بھی منظور کریں گی جو خلاف شرع ہوں، لیکن یہ اندیشہ تو ہر صورت میں ہے خواہ مسلمان انتخابات میں حصہ لیں یا نہ لیں، لیکن اگر اسمبلی میں مسلم ممبران موجود ہوں تو اسلام اور مسلمانوں سے

------ حواشی--

935 - الاشباہ والنظائر لابن نجیم الحنفی ص ۸۹-۸۸/، الاشباہ للسیوطی ص ۹۶/، الموافقات للشاطبی ج ۲ ص ۱۴۱/، شرح القواعد الفقہیہ للزرقاء ۱۴۵

متعلق پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کا وہ دفاع کر سکیں گے، بحیثیت اقلیت مسلمانوں کو ملنے والے حقوق کے لیے آواز اٹھا سکیں گے، اور خلاف شرع پاس ہونے والے بلوں کے خلاف احتجاج کر سکیں گے، لیکن حصہ نہ لینے کی صورت میں ان میں سے کوئی بات حاصل نہ ہو سکے گی، اور بڑے بڑے قومی نقصانات کو برداشت کرنا پڑے گا، اس لیے یہ کوئی دانشمندی نہیں کہ چھوٹے خطرات سے بچنے کے لیے امت کو بڑے خطرات میں ڈال دیا جائے۔

(۳) ایک تیسرا قاعدہ ہے :

اعتبار الذرائع النظر فی المآلات

ترجمہ : ذرائع اور مسائل میں نتائج کا اعتبار ہوتا ہے۔

یہ قاعدہ فقہیہ کتب اصول میں مذکور نہیں ہے لیکن فقہاء کی آراء، فقہی مباحث اور حضرت عمرؓ کی ایک رائے سے ماخوذ ہے جس میں حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت حذیفہ بن الیمانؓ کو نو عروس یہودیہ کو طلاق دینے کا حکم دیا، جب کہ کتاب وسنت سے یہودیہ سے نکاح کا جواز ثابت ہے، مگر نتائج کا لحاظ کر کے حضرت عمرؓ نے یہ حکم فرمایا[936]

حضرت ابن تیمیہؒ کی ایک تحریر سے اس قاعدہ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے:

اذاخیر الامام بین قائد للجیوش ذی خبرة بالحرب وشجاعة فی الاقدام لکنه فاسق وآخرورع تقی لا خبرة له بالحرب لوجب علی الامام ان یختار الاول لان قوته فی الحرب للمسلمین وفسقه علی نفسه[937]

ترجمہ: اگر امام دو فوجی رہنماؤں میں سے ایک کو منتخب کرنا چاہے، جن میں ایک ذاتی زندگی میں فاسق ہو، مگر امور حرب میں زیادہ تجربہ و معرفت رکھتا ہو، اور بہادر ہو، جب کہ دوسرا شخص متقی اور دیندار ہو، مگر امور حرب سے اتنی واقفیت نہ رکھتا ہو،

------ حواشی ------

936 - الفاروق شبلی ص ۸۶

937 - السیاسة الشرعیة لابن تیمیہ ص ۵

توامام پر لازم ہے کہ وہ پہلے شخص کا انتخاب کرے، اس لیے کہ اس کا فسق اس کی ذاتی زندگی تک محدود ہے، جب کہ اس کی جنگی مہارت سے تمام مسلمانوں کو نفع پہونچے گا"۔

علامہ عزالدین بن عبد السلامؒ کی تحریر اس سلسلے میں کافی اہم ہے:

تجوز الاعانة على المعصية لا لكو نها معصية بل لكو نها وسيلة لتحصيل المصلحة الراجحة اذا حصل بالاعانة مصلحة تربوعلى تفويت المفسدة كماتبذل الاموال فى فداء الاسرى الاحرارمن المسلمين من ايدى غيرهم[938]

ترجمہ: بعض حالات میں معصیت کا تعاون کرنا جائز ہو جاتا ہے، اس کی معصیت ہونے کی بنیاد پر نہیں بلکہ نیک مصالح کے حصول کا وسیلہ ہونے کی بنیاد پر، بشرطیکہ اس مفسدہ کو گوارا کرنے کے بعد کوئی بڑی مصلحت حاصل ہونے کی امید ہو، جس طرح کہ مسلم قیدیوں کی رہائی کے لیے مال خرچ کرنے کی اجازت ہے، (حالانکہ بظاہر اس میں کفار کا مالی تعاون ہے لیکن مسلم قیدیوں کی رہائی جیسے بڑے نفع کے حصول کے لیے یہ نقصان برداشت کرنے کی اجازت ہے)

اس کی ایک دوسری مثال علامہ عزالدین بن عبد السلام نے یہ دی، کہ اگر کوئی شخص جان بچانے کے لیے ظالم کو مال دے تو اس کی گنجائش ہے اس لیے کہ اعتبار نتیجہ کا ہے وسیلہ کا نہیں، مال خرچ کرنا محض وسیلہ ہے،[939]

اسی طرح انتخابات میں حصہ لینا گو معصیت کا سبب بنتا ہو لیکن اس کو عظیم قومی مفادات کے حصول کے لیے وسیلہ کے طور پر اختیار کیا جائے، تو ایسی حالت میں اعتبار نتائج کا ہو گا، وسائل کا نہیں۔

(۴) ایک مشہور فقہی ضابطہ ہے:

------ حواشی --

938 ۔ قواعد الاحکام للعزبن عبد السلام ج ۱ ص ۸۷

939 ۔ قواعد الاحکام للعزبن عبد السلام ج ۱ ص ۱۲۹

الامور بمقاصدھا[940]

ترجمہ: امور میں مقاصد کا اعتبار ہے۔

اس کے مطابق انتخاب میں حصہ لینے کا مقصد اس معصیت میں شراکت داری نہیں ہوتی جن کی قومی یا ریاستی اسمبلیاں مرتکب ہوتی ہیں بلکہ اس کا مقصد مسلمانوں کی نمائندگی اور ان کے حقوق و مسائل کے لیے جدوجہد ہوتا ہے، اس لیے اعتبار مقاصد کا ہوگا، ضمنی معصیتوں کا نہیں۔

اسی طرح مسلم قیدیوں کی رہائی کے لیے جو ہدایات اسلام میں دی گئی ہیں، ان سے بھی اس باب میں رہنمائی ملتی ہے کہ مسلمانوں کے عمومی مفادات کی اہمیت بعض جزوی مسائل سے زیادہ ہے جہاں مسئلہ بحیثیت اجتماع یا بحیثیت قوم درپیش ہو وہاں یہ دیکھنا درست نہ ہوگا کہ مالی طور پر یا کسی اور ذیلی قسم سے کیا نقصان پیش آسکتا ہے۔

بخاری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اطعموا الجائع وعودوا المریض[941]

ترجمہ: بھوکے کو کھانا کھلاؤ، بیمار کی عیادت کرو۔

حضرت امام ابو یوسفؒ نے حضرت فاروق اعظمؓ کا قول نقل کیا ہے کہ:

لان استنقذ احدا من المسلمین من ایدی الکفار احب الی من جزیرة العرب[942]

ترجمہ: کفار کے قبضہ سے کسی ایک مسلمان قیدی کو رہائی دلانا میرے نزدیک پورے جزیرۃ العرب سے زیادہ عزیز ہے۔

------ حواشی ------

940 - **الْأَشْبَاهُ وَالنَّظَائِرُ عَلَى مَذْهَبِ أَبِيْ حَنِيْفَةَ النُّعْمَانِ ج 1 ص 23 المؤلف: زين الدين بن إبراهيم بن محمد، الشهير بابن نجيم (ت ٩٧٠ هـ)وضع حواشيه وخرج أحاديثه: الشيخ زكريا عميرات الناشر:دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان الطبعة: الأولى، ١٤١٩ هـ - ١٩٩٩ م عدد الصفحات: ٣٧٣**

941 - بخاری، کتاب الجهاد، باب فکاک الاسیر رقم، ۳۰۴۶

942 - الخراج لابی یوسف ص ۱۹۶

اسی لیے تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ مسلم قیدیوں کی رہائی کی جدوجہد کرنا فرض ہے، خواہ اس کے لیے سرمایہ بیت المال سے حاصل کیا جائے یا عام مسلمانوں سے لیا جائے[943]

اب اگر اس ذیل میں مال لینے والا کسی خیانت یا معصیت کا مرتکب ہو تو اس کی بنا پر اس عظیم کام کے لیے مالی تعاون، یا سیاسی جدوجہد ترک نہیں کی جائے گی، بلکہ عظیم تر مقاصد پر نگاہ کرتے ہوئے غلطیوں اور نقصانات کو نظر انداز کیا جائے گا[944]

معاصر علماء کی رائے

یہی وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر عصر حاضر کے بہت سے عرب علماء نے غیر اسلامی ملکوں کے جمہوری انتخابات میں بحیثیت امیدوار حصہ لینے کے جواز کا فتوی دیا ہے، بشرطیکہ امیدوار صاحب ایمان ،صاحب اثر، صاحب رائے اور معتبر شخصیت کا حامل ہو، اور اس انتخابی عمل کے ذریعہ مسلم اقلیت کی خیر خواہی، اور اس کے حقوق کا حصول اس کے پیش نظر ہو[945]

ان احادیث و آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے وقت جبکہ اچھے لوگ مناسب عہدوں کے لئے نہ ملیں زوال و انتشار کا دور ہو، اور اچھے لوگوں کے آگے نہ بڑھنے سے قومی مفادات کے نقصان کا اندیشہ ہو تو اچھے لوگ جن کے اندر سیاسی شعور بھی ہو، اور قومی خدمت کی ہمت رکھتے ہوں ان کو چاہئے کہ وہ آگے بڑھیں اور اپنے جمہوری حقوق سے استفادہ کرتے ہوئے خلافِ شرع امور پر نکیر بھی کرتے رہیں۔

------ حواشی --

943 - ملاحظہ ہو: القواعد لابن رجب الحنبلی ۱۳۷/۱، قاعدہ ۷۵/۱ المغنی لابن قدامہ ج ۸ ص ۲۴۵/۱، مجموع الفتاوی لابن تیمیہ ج ۲۹ ص ۱۸۳-۱۸۴/۱، کشف القناع للبھوتیج ۳ ص ۱۳۹/۱، نہایۃ المحتاج للرملی ج ۸ ص ۱۰۲-۱۰۱/۱، الاشباہ والنظائر للسیوطی ص ۹۶/۱، اور العقد المنظم للحکام لابن سلمون الکتانی المالکی ج ۲ ص ۱۸۶-۱۸۵

944 - کمافی قواعد الاحکام للعزبن عبد السلام ج ۱ ص ۱۲۹

945 - دیکھئے: مجلہ: الازہر: شمارہ: دسمبر، جنوری، ۶۱۸/۱، مقالہ الدیمقراطیہ ومشارکتہ المسلم فی الانتخابات، للدکتور عبد الکریم زیدان ص ۳۸-۳۶/۱، یہ مقالہ رابطہ عالم اسلامی کے ایک مؤتمر منعقدہ ۲۱ شوال ۱۴۲۲ھ میں بمقام مکہ مکرمہ پیش کیا گیا تھا۔

ووٹ کی شرعی حیثیت

یہ تو خواص کی ذمّہ داری ہے جو قومی قیادت کی اہلیت رکھتے ہیں، عام لوگ جو حق رائے دہی کا استعمال کرسکتے ہیں ان حالات میں ان پر بھی کچھ ذمّہ داریاں آتی ہیں، سب سے اول تو یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ جن ہاتھوں میں ملک کے اقتدار کی باگ ڈور دینے جارہے ہیں یا جن کو اپنا نمائندہ چن رہے ہیں وہ فی الواقع اس منصب کے اہل ہیں یا نہیں، وقتی مفادات یا ذاتی رنجشوں کی بنا پر قومی سطح کے اس اہم ترین مرحلے پر ناانصافی برتنا ایک بدترین جرم ہے۔

قرآن کریم نے بار بار عدل اور توازن کی تلقین کی ہے، اور اس کو معیار تقویٰ قرار دیا ہے۔

اعدلوا هو اقرب للتقوىٰ[946]

ترجمہ :عدل کا معاملہ کرو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے "

علامہ ابن تیمیہؒ نے حضرت عمر بن الخطابؓ کی ایک حدیث نقل کی ہے جو موقوفاً اور مرفوعاً دونوں طرح مروی ہے:

من قلد رجلا على عصابة وهو يجد فى تلك العصابة من هوارضىٰ منه فقدخان الله وخان رسوله وخان المؤمنين فالواجب انما هو الارضىٰ من الموجود[947]

ترجمہ :جو شخص کسی جماعت پر کسی ایسے شخص کو ذمّہ دار بنادے جس سے بہتر لوگ اس جماعت میں موجود ہوں تو اس نے اللہ، رسول، اور اہلِ ایمان کے ساتھ خیانت کی، اس لئے واجب ہے، کہ موجودہ لوگوں میں جو سب سے بہتر شخص ہو اس کا انتخاب عمل میں آئے"۔

اس موقعہ پر ووٹ یا حقِ رائے دہی کی شرعی حیثیت بھی پیشِ نظر رہنی چاہئے، حضرت مولانا

------ حواشی ------

946 -مائدہ :۷

947 - وظیفۃ الحکومۃ الاسلامیۃ، لابن تیمیہ:۱۲

مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ووٹ کی تین حیثیتیں متعین کی ہیں:

(۱) ایک حیثیت شہادت کی ہے، یعنی ووٹ دینے والا شخص متعلقہ شخص کے بارے میں اس کی اہلیت و قابلیت، دیانت وامانت اور صدق وخلوص کی شہادت دیتا ہے۔

اس لحاظ سے اس پر شہادت کے احکام مرتب ہوں گے اور اصولِ شہادت کے مطابق جھوٹی شہادت دینا بدترین جرم ہے، اس کو شرک کے ساتھ گناہِ کبائر میں شمار کیا گیا ہے[948]

(۲) ووٹ کی دوسری حیثیت سفارش کی ہے، یعنی ووٹر اس کی نمائندگی کی سفارش کرتا ہے، اس لحاظ سے قرآن نے سفارش کا جو اصول بیان کیا ہے اس کی رعایت ضروری ہوگی۔

من يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها ومن يشفع شفاعةسيئة يكن له كفل منها[949]

ترجمہ: ”جو اچھی سفارش کرے گا اس کو اس میں سے حصہ ملے گا، اور جو بُری سفارش کرے گا وہ بھی اس میں حصہ دار ہوگا“۔

اچھی سفارش یہ ہوگی کہ قابل اور دیانتدار آدمی کی سفارش کرے، جو خلقِ خدا کے حقوق صحیح طور پر ادا کرے اور بُری سفارش یہ ہے کہ نااہل، نالائق، فاسق، ظالم شخص کی سفارش کر کے خلقِ خدا پر اس کو مسلط کرے۔ اس اعتبار سے ہمارے ووٹوں سے کامیاب ہونے والا اُمیدوار اپنے پنج سالہ دور میں جو نیک یا بد عمل کرے گا ووٹر بھی اس کا شریک سمجھا جائے گا۔

(۳) ووٹ کی تیسری حیثیت وکالت کی ہے کہ ووٹ دینے والا اس امیدوار کو ملک و قوم کے حقوق عامہ میں اپنا نمائندہ اور وکیل قرار دیتا ہے، اور اصول وکالت کے مطابق وکیل کے تمام اچھے اور بُرے تصرفات مؤکل کی طرف لوٹتے ہیں، اس لحاظ سے کامیاب ہونے والے امیدوار کے ہر اچھے اور بُرے کام کا

------ حواشی --

948 ۔ متفق علیہ، نیل الاوطار: ۸/ ۵۶۵

949 ۔ النساء: ۸۵

ذمّہ دار خود ووٹر بھی قرار پائے گا۔[950]

(۴) اور میرے نزدیک ایک چوتھی حیثیت رائے اور مشورہ کی بھی ہے، جیسا کہ حق رائے دہی کی اصطلاح سے مترشح ہوتا ہے یعنی انتخابی کمیشن جس کو ملک کا سربراہ اور اس کے رفقاء کار چننے کا اختیار دیا جاتا ہے، وہ سارے ملک کے عوام سے اس بارے میں مشورہ لیتا ہے، اور ان کو اختیار دیتا ہے کہ وہ مختلف امیدوار جو میدان میں موجود ہیں، ان میں سے کسی ایک کے بارے میں اپنی رائے دیں کہ کون شخص ملک کے لئے بحیثیت حاکم یا بحیثیتِ معاون حکومت زیادہ موزوں ہے؟ اور ووٹرز بلیٹ پیپر یا ای وی ایم مشین پر اپنے اس حق رائے دہی کا استعمال کرتے ہیں، اور انتخابی بورڈ کو رازدارانہ طور پر اپنی رائے سے آگاہ کرتے ہیں، اس اعتبار سے مشورہ اور رائے کا جو ضابطہ ہے اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا، احادیث میں مشورہ اور رائے کو امانت قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ابوہریرۃؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المستشار مؤتمن[951]

ترجمہ: یعنی جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المجالس بالامانۃ[952]

مجلسیں امانت ہوتی ہیں یعنی جس مجلس میں کسی موضوع پر نجی گفتگو کی جائے، تبادلۂ خیال کیا جائے، یا مشورہ کیا جائے وہ امانت ہوتی ہیں۔

اور امانت کے بارے میں قرآن کا حکم ہے:

ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا[953]

------ حواشی --

950 - جواہر الفقہ: ج ۲ / ص ۲۹۱ تا ۲۹۳

951 - رواہ الترمذی، مشکوٰۃ: ۴۳۰

952 - رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ: ۴۳۰

953 - النساء: ۵۷

ترجمہ : بیشک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے حوالہ کرو۔

اس لحاظ سے ووٹر کو اپنی اہلیت امانت بھی ثابت کرنی ہوگی اور جس کے حق میں رائے دے رہا ہے وہ فی الواقع اس کے نزدیک اس لائق ہے اس کا بھی لحاظ رکھنا ہوگا اسی طرح جس بوتھ پر اس نے اپنے حق کا استعمال کیا ہے، اس کو امانت تصور کرے اور اس کا علم ضروری حد تک دوسروں کو نہ ہونے دے، اس لئے کہ مجلسیں امانت ہوتی ہیں اور الیکشن کے دوران اپنی رائے کی تشہیر سے فتنہ کا اندیشہ ہے، اور مجلسوں کو اسی مقصد سے امانت کہا گیا ہے۔

ووٹ دینے کا حکم

گویا ووٹ کی شرعی طور پر چار حیثیتیں ممکن ہیں: ۱- شہادت، ۲- شفاعت، ۳- وکالت، ۴- اور مشورہ۔

شہادت کے نقطۂ نظر سے ووٹ دینا واجب ہے اس لئے کہ قرآن نے سچی شہادت کو لازم قرار دیا ہے:

کونو قوامین للہ شہداء بالقسط[954]

دوسری جگہ ارشاد ہے:

کونوا قوامین بالقسط شہداء للہ[955]

ان دونوں آیتوں میں مسلمانوں پر فرض کیا گیا ہے کہ وہ سچی شہادت سے جان نہ چرائیں، تیسری جگہ سورۂ طلاق میں ارشاد ہے:

واقیموا الشہادۃ للہ[956]

اور اللہ کے لئے سچی شہادت کو چھپانا گناہ قرار دیا گیا ہے۔

------ حواشی --

954 - مائدہ:۷

955 - نساء:۱۲۵

956 - طلاق

ولا تکتموا الشهادة ومن یکتمها فانه آثم قلبه[957]

یعنی شہادت کو نہ چھپاؤ جو شہادت کو چھپائے گا اس کا دل گناہ گار ہے۔

اس طرح قرآن کے اصول شہادت کے مطابق اگر ووٹر پر کسی ایک امید وار کی اہلیت اور صداقت و دیانت منکشف ہو جائے اور اسے شرح صدر ہو کہ دوسروں کے مقابلے میں یہ زیادہ بہتر صلاحیت کا حامل ہے، تو اس کی شرعی ذمّہ داری ہے کہ وہ اس ادائیگی شہادت میں پیچھے نہ ہٹے اور ایسی صورت میں ووٹ نہ دینے پر وہ گناہ گار ہو سکتا ہے، البتہ کسی ایک طرف رجحان قائم نہ ہو، اور کسی کے بارے میں شرح صدر نہ ہو تو اس کے لئے گنجائش ہے کہ وہ مزید غور کرے اور کسی جانب رجحان ہونے تک اپنے آپ کو ادائیگی شہادت سے باز رکھے۔

یہ حکم اس صورت میں ہے جب ووٹ کو شہادت تصور کیا جائے لیکن اس کی دوسری حیثیتوں (شفاعت و کالت اور مشورہ) کے لحاظ سے کسی اچھے امیدوار کے حق میں ووٹ دینا زیادہ سے زیادہ امرِ مستحب قرار پاتا ہے۔ مگر اس سے جو نتائج مرتب ہوتے ہیں، اور ان سے جو عظیم تر قومی اور اجتماعی مفادات متعلق ہوتے ہیں، ان کے پیشِ نظر ووٹر پر یہاں بھی یہ ذمّہ داری عائد ہوتی ہے، کہ وہ اپنے ووٹ کا استعمال ضرور کرے، البتہ یہ حکم چوں کہ ووٹ کی اصل حیثیت کے لحاظ نہیں ہے بلکہ اس کے نتیجہ کے لحاظ سے ہے، اس لئے اس لزوم کا درجہ شہادت کے مقابلے میں کمتر ہو گا۔

غرض ووٹ کی چار حیثیتوں میں ایک حیثیت کے لحاظ سے ووٹ دینا واجب معلوم ہوتا ہے، خواہ اس کے ثمرات کچھ بھی ہوں، اور باقی تین حیثیتوں کے لحاظ سے اصلاً ووٹ دینا واجب نہیں ہے، بلکہ زیادہ سے زیادہ مستحب ہے، لیکن ثمرات کے لحاظ سے اس کی اہمیت بڑھ سکتی ہے، یعنی اس پر وجوب یا عدمِ وجوب کا حکم اس کے ثمرات پر مبنی ہے، لیکن بطور قدر مشترک یہ حکم بہر حال مستنبط ہوتا ہے کہ جمہوری انتخابات میں ووٹ دینے والا شخص نہ دینے والے کے مقابلے میں شریعت کے نزدیک زیادہ بہتر اور لائق تحسین ہے۔

------ حواشی --

[957] - آل عمران : ۲۸۲

امیدوار کے انتخاب کا معیار

البتہ یہاں اس فرق کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ انتخاب لڑنے والے دو طرح کے امیدوار ہوتے ہیں بعض وہ ہوتے ہیں جو کسی سیاسی جماعت کے پلیٹ فارم سے انتخاب میں اترتے ہیں، اور بعض آزاد امیدوار ہوتے ہیں، آزاد امیدواروں میں فیصلہ ان کی ذاتی زندگی، عادات و اطوار اور مسلمانوں کے حق میں ان کے نظریات وخیالات سے کیا جائے گا، جو امیدوار مجموعی طور پر بہتر نظر آئے اس کو ووٹ دیا جائے گا۔

البتہ جو لوگ کسی سیاسی جماعت کے نمائندہ کی حیثیت سے میدان میں اترتے ہیں، ان میں بنیادی طور پر اس سیاسی جماعت کی پالیسی، انتخابی منشور، اور اس کے ہائی کمان کے خیالات و نظریات کا اعتبار ہو گا، جس کے نمائندہ کی حیثیت سے وہ میدان میں اترے ہیں، اس لئے کہ اس صورت میں شخصی کامیابی در اصل پارٹی کی کامیابی متصود ہوتی ہے، اور تشکیلِ حکومت کے وقت شخصی خیالات سے زیادہ پارٹی کے منشور اور اس کے اصولوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے، اس لئے اس صورت میں کسی فرد کا اپنا کوئی وجود نہیں ہوتا، فرد صرف آلۂ کار ہوتا ہے اور وہ پابند ہوتا ہے کہ جماعت کے اصولوں اور اس کے خیالات سے انحراف نہ کرے، کسی بھی انحراف کی صورت میں ممبر کا پارٹی میں وجود مشکل ہو جاتا ہے، اس لئے ایسی صورت میں کسی ایسی سیاسی جماعت کا نمائندہ جو مسلمانوں کے ساتھ متعصبانہ نظریات رکھتی ہو، خواہ کتنا ہی شریف النفس اور صاف ذہن محسوس ہو اور خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو اس کو ووٹ دینا ہر گز روانہ ہو گا، اور نہ اس قسم کی جماعتوں میں کسی مسلمان کو شمولیت کی اجازت دی جاسکتی ہے۔

بلکہ اس کے بالمقابل کسی ایسے امیدوار کو ووٹ دینا ضروری ہو گا، جو کسی ایسی سیاسی جماعت کا نمائندہ ہو جو مسلمانوں کے حق میں نسبۃً معتدل نظریات کی حامل ہو، یا کسی ایسے آزاد امیدوار کو جو اپنے عادات و اطوار اور نظریات وخیالات کے لحاظ سے بہتر شخص ہو خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو۔ اس پر فقہی لحاظ سے دو طرح سے غور کیا جاسکتا ہے۔

(۱) ایک اس طور پر کہ وہ مسلمان امیدوار جو کسی متعصب جماعت کا نمائندہ بن کر آیا ہے اس کا اپنا کوئی وجود نہیں ہے، فقہاء نے نمائندہ یا وکیل کو متعلقہ معاملات میں موکل اور اصیل کا پابند بنایا ہے، اور

اس کی اجازت سے کئے جانے والے تمام تر تصرفات کا ذمّہ دار موکل و اصیل کو قرار دیا ہے، کتاب البیوع، کتاب النکاح اور کتاب الصلح وغیرہ میں اس نوع کی بہت سی جزئیات موجود ہیں۔

وکالت کی تعریف ہی فقہاء نے ان الفاظ میں کی ہے:

الوکالۃ ھی تفویض احد امرہ لآخر واقامتہٗ مقامہ[958]

یعنی اپنا کام دوسرے کے حوالہ کر دینے اور دوسرے کو اپنا قائم مقام بنا دینے کا نام وکالت ہے۔

(۲) دوسرے اس طور پر کہ فقہاء نے امان کی بحث کے تحت لکھا ہے کہ عبد مجور اگر حربی کو امان دے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس کے امان کا اعتبار نہ ہو گا، اگر چیکہ وہ دارالاسلام میں آنے کے بعد مسلمان ہو چکا ہو، البتہ آزاد ہو جائے اور دارالاسلام ہی میں اقامت اختیار کر لے تو اس کے امان کا اعتبار ہو گا، اس لئے کہ آزادی ملنے کے بعد باوجود قدرت دارالحرب نہ جانا اور دارالاسلام میں اقامت اختیار کرنا بظاہر مسلمانوں کے ساتھ اس کی محبت و خیر خواہی کی دلیل ہے، چاہے فی الواقع اس کے اندر محبت و خیر خواہی نہ ہو، اور اس نے در حقیقت کافروں کے نمائندہ اور جاسوس کی حیثیت سے یہاں رہنا منظور کیا ہو، اور اس کا اسلام محض دکھاوا ہو، لیکن شریعت میں ظاہر کا اعتبار کیا جاتا ہے، جب تک کہ اصلیت پر معتبر ثبوت نہ مل جائے، اس کے بر خلاف جو عبد مجور حالتِ غلامی میں اسلام قبول کرے، اور کسی حربی کو پناہ دے، اس کی حالت بظاہر مشتبہ ہے اس لیے کہ اس کے نسلی اور برادرانہ روابط دار الحرب سے قائم ہیں اس لیے اس سے یہ توقع رکھنا غلط ہے کہ وہ اپنے دارالحرب کے مفادات پر مسلمانوں کے مفادات کو ترجیح دے گا، قبولِ اسلام ایک ظاہری علامت اس بات کی بن سکتا تھا کہ بحیثیت مذہب وہ مسلمانوں کے مفادات کو ترجیح دے گا، لیکن حجر اور غلامی کی حالت میں قبول اسلام کا درجہ بخوشی قبول اسلام کی طرح نہیں ہے، زیادہ امکان اس کا ہے کہ اس نے حالات کے دباؤ میں محض اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے اسلام قبول کیا ہو، اس لئے حربیوں کو امان دینے کے معاملہ میں اس اسلام کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ اس باب میں وہ تہمت و شک کے دائرہ سے باہر نہیں ہے۔

------ حواشی --

958 - در مختار کتاب الوکالۃ: ج ۲، ص ۱۰۳

قاضی ابوزید دبوسیؒ لکھتے ہیں:

ان امان العبد المحجور لایجوز عنده... لانہ متهم فی الامان فلا یجوز قیاسا علی الذمی و وجہ التهمۃ ان العبد لہ قرابۃ وعشیرۃ فی دار الحرب فیؤثرهما علی المسلمین فصار کالذمی ولایلزم علی هذا مالوا عتق ثم آمن لانہ اعتق واطلق وزالت یدالمولیٰ عنہ و اختیار المقام فی دارنا مع قدرتہ علی العودالی دارالحرب فقد ارتفعت التهمۃ ...-------فان قیل فیستدل باسلامہ علی انہ یؤثرمنفعۃ المسلمین علی الکفار قیل لہ بنفس الاسلام لایستدل لانہ مکره علی ذلک والاکراه یمنع تحقیق ما اکره علیہ[959]

یہاں سیاسی پارٹیوں کے مسلم امیدواروں پر اگرچہ حجر کا اصطلاحی اطلاق نہیں ہوسکتا، لیکن پارٹی کے ساتھ حلف وفاداری اور اکثریتی دباؤ کی بنا پر وہ جس نوع کی وفاداری کے پابند ہوتے ہیں، اس حالت میں ان کے اندر کا اسلام پارٹی کی سطح پر جذبہ کے لحاظ سے اتنا کمزور ہو جاتا ہے، کہ وہ مسلمانوں کے مفادات کے لئے کچھ نہیں کرسکتے، اور وہ مسلمان ہونے کے باوجود مسلمانوں سے زیادہ پارٹی کے مفادات کو عزیز رکھنے پر مجبور ہیں، اس لئے کسی امیدوار کی شرافت نفس یا اس کی مسلمانی پارٹی کے اصولوں سے ہرگز اس کو الگ نہیں کرسکتی۔ اور اگر بالفرض اس کے بیچ کوئی مضبوط مسلم یا شریف النفس امیدوار اپنی وجاہت ورسوخ کی بنا پر پارٹی پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت بھی رکھے تو متہم تو وہ بہرحال ہے، اور دلیل ظاہر کے لحاظ سے پارٹی میں رضاکارانہ شمولیت اس تہمت کو تقویت دیتی ہے، اور امام ابوحنیفہؒ کے اصول پر متعصبانہ یا حربی نظریات رکھنے والی جماعت کے معاملے میں تہمت بھی حقیقت کا درجہ رکھتی ہے، اور کسی کی ذاتی شرافت یا مسلمانی اس تہمت کو اس سے رفع نہیں کرسکتی۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصل اعتبار اس سیاسی جماعت کا ہے جس کا کوئی شخص امیدوار بنتا ہے نہ کہ امیدوار کی ذاتی زندگی اور خیالات کا۔

------ حواشی --

959 - تاسیس النظر:۲۱، مطبوعہ المطبعۃ الادبیۃ مصر

انتخابات کے موقعہ پر سیاسی جماعتوں سے اتحاد کا اصول

انتخابات کے موقعہ پر مختلف سیاسی پارٹیاں مختلف مفادات کے تحت ایک دوسرے سے معاہدات کا سلسلہ بھی شروع کرتی ہیں، ایسے موقع پر اگر کوئی مسلم سیاسی جماعت کسی غیر مسلم سیاسی جماعت سے ملّی مفادات کے تحت بعض معاہدات کرنا چاہے تو اس کی اجازت دی جاسکتی ہے، خواہ وہ غیر مسلم سیاسی جماعت سخت گیر اور متعصبانہ نظریات ہی کی حامل کیوں نہ ہو، بشرطیکہ مسلم جماعت یا مسلم امیدواروں کا سیاسی تشخص اور ملی وقار مجروح نہ ہو، اور معاہد جماعت اپنے انتخابی منشور سے ان سخت گیر، اور متعصبانہ نظریات کو خارج کرنے پر آمادہ ہو جو مسلمانوں کے مفادات سے متصادم ہوں، اور مشترکہ بنیادوں پر انتخاب لڑنے کے لئے تیار ہو۔ اسی طرح اگر کوئی سیکولر (یعنی مسلمانوں کے حق میں نسبتۃً معتدل نظریات کی حامل سیاسی) جماعت بعض سخت گیر غیر مسلم جماعتوں سے مشترکہ بنیادوں پر باہم اتحاد قائم کرے اور سخت گیر جماعت اپنے اعلامیہ سے اپنے منفی نظریات سے دستبرداری کا اعلان کرے، تو ایسی صورت میں اس اتحاد کی حمایت کی جاسکتی ہے، اور اس سطح سے انتخاب لڑنے کی بھی اجازت دی جاسکتی ہے، بشرطیکہ اس کے بالمقابل کوئی خالص مسلم یا سیکولر جماعت موجود نہ ہو اور اس اتحاد سے سخت گیر جماعت کو بحیثیت جماعت تقویت نہ ملتی ہو۔

اس سلسلے میں یہ آیتِ کریمہ بنیاد بن سکتی ہے:

قل یٰا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الآیۃ[960]

ترجمہ: اے اہلِ کتاب آؤ ایک ایسی بنیاد پر جمع ہو جاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے"۔

اس آیتِ کریمہ میں یہودیوں کو ایک مشترکہ بنیاد پر جمع ہونے کی دعوت دی گئی ہے، جب کہ مسلمانوں کے حق میں یہودیوں سے بڑھ کر سخت گیر تنظیم نہ اس دور میں تھی اور نہ آج ہے، خود قرآن نے

------ حواشی ------

960 - آل عمران: ٦٣

ان کی عداوت وشدت کا ذکر کر کے ان کی عصبیت وتنگ نظری پر دائمی مہر لگادی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لتجدنّ اشد الناس عداوة للذین آمنوا الیھود والذین اشرکوا[961]

ترجمہ ” : یقیناتم کو(عملی زندگی میں)مسلمانوں کے سب سے بدترین دشمن یہود اور مشرکین ملیں گے“

لیکن اس کے باوجود ایک مشترکہ بنیاد پر ان کو متحد ہونے کی دعوت دی گئی، اس سے یہ اشارہ ملتا ہے، کہ اگر مسلمانوں پر ایسے حالات آئیں جن میں ملی مفادات کے تحفظ کے لئے سخت عناصر سے مشترکہ بنیادوں پر معاہدہ کی ضرورت پڑے تو اس کی گنجائش ہوگی۔

اور اس قسم کے اتحاد کی بعض عملی مثالیں عہدِ نبویؐ میں ملتی ہیں، جو مختلف حالات کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمائے (جن کا تفصیلی گذشتہ صفحات میں آچکا ہے)

غیر مسلموں سے جنگی اتحاد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض جنگی مواقع پر غیر مسلموں سے دفاعی اتحاد قائم فرمایا، مثلاً بنو قریظہ کے مقابلے میں یہود بنو قینقاع سے فوجی مدد لی، صفوان بن اُمیّہ نے حُنین وطائف میں مسلمانوں کے ساتھ ملکر جنگ کی جبکہ وہ مشرک تھا، اگرچہ کہ بعض مواقع پر آپ نے مشرکین سے فوجی مدد لینے سے انکار بھی فرمایا ہے[962]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دونوں طرح کے طرزِ عمل سے فقہاء نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کفار سے فوجی اتحاد صرف اس صورت میں قائم کیا جاسکتا ہے جب کہ اس میں درج ذیل باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہو:

ا - اسلام اور مسلمان اس اتحاد میں بالادست قوت کی حیثیت میں ہوں۔

۲ - مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلموں کا اشتراک ایسے معاملات تک محدود رہے جو فوجی رازوں

------ حواشی

961 - المائدۃ:۸۲

962 - نیل الاوطار: ج۷، ص۱۲۷، بحوالہ احمد ومسلم

سے متعلق نہ ہوں۔

۳ -ان کا اشتراک مسلمانوں کے قومی مصالح کے خلاف نہ ہو۔

۴ - مسلمانوں پر آئندہ ان کے احسان جتلانے کا اندیشہ نہ ہو۔

۵-مسلمانوں کے اندر غیر مسلموں کے اشتراک سے فاتحانہ قوت کا احساس بیدار نہ ہو بلکہ سارا توکل اللہ پر ہو۔

۶-مسلمانوں کو فی الواقع اس قسم کے اتحاد کی ضرورت ہو۔

ان شرائط کے ساتھ غیر مسلموں سے فوجی اتحاد قائم کرنا امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور ایک روایت کے مطابق امام احمدؒ کے نزدیک جائز ہے [963]

انتخاب بھی اس دور میں ایک طرح کی جنگ ہے، اگر کسی سخت گیر متعصب ذہنیت رکھنے والی جماعت کو پیچھے ڈھکیلنے یا خود اس کو اپنے سخت گیر نظریات سے دستبردار کرنے کے لئے کسی صاف ذہن سیکولر سیاسی جماعت سے اتحاد قائم کیا جائے یا اس کے اتحاد کا تعاون کیا جائے تو مذکورہ بالا شرائط کے مطابق اس کی اجازت معلوم ہوتی ہے"۔

کسی غیر مسلم سیاسی جماعت کا تعاون

البتہ مشکل اس وقت پیش آئے گی جب مسلمانوں کے پاس کوئی مضبوط سیاسی جماعت نہ ہو جس سے غیر مسلم سیاسی جماعتیں اتحاد کرنے کے لئے تیار ہوں، یا اگر بمشکل تیار ہو بھی جائیں تو مسلم سیاسی جماعت ایک کمزور رفیق کی حیثیت سے اس میں شامل ہو اور بالادستی غیر مسلم سیاسی جماعت کو حاصل ہو، یا یہ کہ سرے سے مسلمانوں کے پاس کوئی سیاسی جماعت ہی نہ ہو جس کے پلیٹ فارم سے مسلمان امیدوار انتخاب لڑ سکیں، بلکہ میدان میں ساری جماعتیں غیر مسلموں کی ہوں، اور مسلمان ان میں سے کسی ایک جماعت سے سیاسی اتحاد کرنا چاہیں بایں طور کہ کچھ مسلمان امیدواروں کو وہ سیٹ دے، اور مسلمان اس کو ووٹ دیں، اس

------ حواشی --

963 - شرح السیر: ج۳، ص۱۸۶، رد المحتار ج۶، ص۲۴۲، کتاب الام: ج۴، ص۸۹-۹۰

صورت میں بھی مسلمانوں کی بالادستی کی شرط پوری نہیں ہوتی ہے، جب کہ ہندوستان جیسے غیر اسلامی ملکوں میں مسلمانوں کو زیادہ تر اسی قسم کے سمجھوتے یا اتحاد کی ضرورت پڑتی ہے، جہاں چند علاقوں کا استثناء کرکے مسلمانوں کی کوئی قابلِ ذکر سیاسی جماعت موجود نہیں ہے، فقہاء کے یہاں اس سلسلے میں بہت زیادہ صراحت تو نہیں ملتی البتہ عہدِ نبویؐ کے چند واقعات اور بعض فقہی اشارات سے اس سلسلے میں رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے، مثلاً:

حبشہ میں حضرت زبیرؓ کا میدان جنگ کی طرف نکلنا

مسلمانوں کے قیام حبشہ کے دَور میں نجاشی کے کسی دشمن نے حبشہ پر چڑھائی کردی، نجاشی بہت متفکر ہوا اور جنگ کے لئے نکلا، ادھر جو مسلمان حبشہ میں مقیم تھے وہ اور بھی زیادہ متفکر تھے، ان کو فکر اپنے ملی وجود اور تشخص کی تھی کہ نجاشی کے عہدِ حکومت میں ان کو جو مذہبی مراعات حاصل تھیں، وہ دوسری حکومت میں باقی رہیں کہ نہ رہیں، اس وقت کی کیفیت اُم المومنین حضرت اُمِّ سلمہؓ بیان کرتی ہیں جو اس وقت اپنے سابق شوہر حضرت ابو سلمہ کے نکاح میں تھیں اور اپنے شوہر کے ساتھ ہجرت کرکے حَبشہ چلی گئی تھیں، فرماتی ہیں۔

> ’’فواللہ ماعلمنا حزنا قط کان اشد من حزن حزناہ عند ذلک تخوفا ان یظہر ذلک الرجل علی النجاشی فیاتی رجل لا یعرف من حقنا ما کان النجاشی یعرف منہ
>
> ‘ ترجمہ: اللہ کی قسم ایسا شدید غم ہمیں کبھی نہیں ہوا، جیسا اس موقع پر ہوا، سب سے زیادہ خطرہ اس بات کا تھا، کہ نجاشی کے دشمن کا سلوک ہمارے ساتھ اتنا اچھا نہ ہوگا جتنا اچھا نجاشی کا ہے۔

پھر مسلمانوں نے باہم مشورہ کے بعد طے کیا کہ مقامِ جنگ پر ہم میں سے کسی کو جانا چاہئے، تاکہ نمائندگی بھی ہو اور ہمیں جنگ کی صحیح صورتِ حال کا بھی علم ہوتا رہے، حضرت زبیر بن العوامؓ جو اس قافلۂ حبشہ میں سب سے کم عمر تھے، جانے کے لئے تیار ہوئے، اور دریائے نیل تیر کر کے میدانِ جنگ میں پہونچے

، ادھر جو لوگ یہاں موجود تھے وہ اللہ سے نجاشی کی فتح کے لئے دعاؤں میں مصروف ہوگئے، بالآخر نجاشی کو فتح ہوئی اور حضرت زبیرؓ کی اس شرکت سے نجاشی کے نزدیک ان کا اعتبار بڑھ گیا[964]

اس واقعہ کی سند صحیح ہے البتہ بعض علماء نے اس واقعہ کے ذیل میں یہ کلام کیا ہے کہ حضرت زُبیرؓ کی شرکت جنگ کے ارادہ سے نہیں تھی بلکہ صرف حالات کا علم حاصل کرنے کے لئے تھی، اور اگر قتال کے ارادہ سے بھی ہو تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ملی یا نہیں؟ اور آپ نے اس پر کیا فرمایا اس کا کوئی علم نہیں ہے، پھر اس کا بھی امکان ہے کہ نجاشی اس وقت تک مسلمان ہو چکا ہو اس لئے اس واقعہ میں یہ طے نہیں ہے کہ حضرت زُبیرؓ نے کافر کے جھنڈے تلے جنگ میں حصہ لیا، کافروں کی دو جماعتوں میں سے ہر ایک حزب الشیطان ہے، اس لئے کسی کی مدد کرنا حزب الشیطان کی مدد کرنا ہے، اور مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں[965]

واقعہ ٔحبشہ سے استدلال کی صحیح نوعیت

لیکن اس واقعہ میں کئی لحاظ سے مزید غور کرنے کی ضرورت ہے:

الف:- حضرت زُبیر کی شرکت اگر محض حالات کی جانکاری کے لئے تھی، اور انہوں نے میدانِ جنگ میں پہونچ کر جنگی مُہم میں بالکل حصہ نہیں لیا تو پھر مؤرخین کے اس بیان کی کیا توجیہ ہوگی؟ کہ اس جنگ میں شرکت کی وجہ سے نجاشی کی نگاہ میں حضرت زُبیر کی وقعت بڑھ گئی، اس لئے ایسا لگتا ہے کہ وہ خواہ جنگ کے لئے نہ گئے ہوں مگر میدانِ جنگ میں پہونچ کر کچھ ایسی حکمت عملی انہوں نے اختیار کی ہو جس کو نجاشی نے محسوس کیا ہو، اور اس کی وجہ سے حضرت زُبیر کی قدر اس کی نگاہ میں بڑھ گئی ہو۔ ورنہ محض تماشائی بن کر کھڑے رہنے کو نہ کوئی بادشاہ محسوس کر سکتا ہے اور نہ اس کی وجہ سے کسی کی اہمیت میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

(ب) حالات کا علم حاصل کرنے کی جہاں تک بات ہے تو یہ بات صرف مسلمانوں کی حد تک

------ حواشی ------

964 - سیرت ابن ہشام: ۱/۱۸۳، البدایۃ والنہایۃ: ۳/۸۷ مطبوعہ قاہرہ

965 - السیر الکبیر للامام محمد: ۳/۱۸۷، بحوالہ اعلاء السنن: ۱۳/۶۱، ۶۰

معلوم تھی کہ اپنا ایک آدمی میدانِ جنگ میں جائے جو حالات کا صحیح علم حاصل کرے لیکن جو شخص میدانِ جنگ میں جائے گا اس کے بارے میں عام نگاہیں یہ نہیں سمجھیں گی کہ یہ محض خبر لینے کے لئے آیا ہے، بلکہ اس کو کسی جماعت کا جنگی نمائندہ تصوّر کیا جائے گا، اس لئے ممکن ہے کہ حضرت زُبیرؓ نے اپنے آپ کو میدانِ جنگ میں کچھ اس طرح پیش کیا ہو کہ نجاشی کو ان کی نمائندگی کا احساس ہوا ہو اور اس کو یقین ہوا ہو کہ مسلمان اس کے وفادار ہیں۔

آج کے حالات میں اس حکمت عملی کی بڑی اہمیت ہے۔

(ج) پھر شرکتِ جنگ کے لئے ضروری نہیں کہ عملاً قتال میں ہی حصہ لیا جائے، جنگ میں جو صَف بندی کی جاتی ہے جنگ کے دوران اس ترتیب کالحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے، اس لئے کہ بسااوقات پوری فوج جنگ میں استعمال نہیں ہو پاتی اور جنگ کا فیصلہ ہو جاتا ہے، اس لئے عام اصطلاح میں جنگ میں شرکت، میدانِ جنگ کی شرکت ہے، نہ کہ عملاً قتال میں شرکت، اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من کثر سواد قوم فھو منھم ومن رضی عمل قوم کان شریک من عملہ بہ[966]

ترجمہ: جو شخص کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کرے وہ انہیں میں سے ہے اور جو کسی قوم کے عمل سے راضی ہو وہ بھی گویا شریکِ عمل ہے۔

بالخصوص جنگوں میں عددی کثرت بڑی اہمیت رکھتی ہے اور یہ بھی ایک مستقل ہتھیار ہے دشمن کو مرعوب کرنے کا، غزوۂ بدر اس کی واضح مثال ہے۔

(د) پھر مسئلہ یہاں محض جنگ میں شرکت کا نہیں تھا، مسلمانوں کے ملی وجود وبقاء کا تھا، اور یہی وہ احساس تھا جس نے کچھ دیر کے لئے مسلمانوں کو بہت زیادہ پریشان کر دیا تھا، اسی فکر نے حضرت زُبیر کو ایک اسلامی نمائندہ کی حیثیت سے دریائے نیل عبور کرنے پر مجبور کیا تھا، اور اسی خطرہ نے مسلمانوں کو دعاء کے لئے سربسجود کر دیا تھا، اور جس وقت مسلمانوں کے وجود وبقاء کا مسئلہ درپیش ہو اور بغیر جنگ میں شرکت کے

------ حواشی ------

966 ۔ مسند ابی یعلیٰ، نصب الرایہ ۴/ ۳۴۶

یہ مسئلہ حل نہ ہو، تو فقہاء نے بھی اس کی اجازت دی ہے کہ کفر کی بالادستی کے باوجود مسلمان اپنی بقا اور تشخص کے لئے یا اپنی وفاداری کا یقین دلانے کے لئے اپنی فوجی خدمات پیش کر سکتے ہیں۔

شرح السیر میں مسلم قیدیوں کے بارے میں ایک جزئیہ ہے اس سے یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے:

ولوقال اہل الحرب لاسراءفیھم قاتلوامعناعدونامن المشرکین وھم لایخافون علی انفسھم ان لم یفعلوا فلیس ینبغی ان یقاتلوامعھم لان فی ھذا القتال اظہار الشرک والمقابل یخاطر بنفسہ فلا رخصۃ فی ذلک الا علی قصد اعزاز الدین او الدفع عن نفسہ فاذاکانوایخافون اولئک المشرکین الآخرین علی انفسھم فلا باس بان یقاتلوھم لانھم یدفعون الآن شر القتل عن انفسھم ۔۔ و لو قالوا للاسراء قاتلوا معنا عدونا من اھل حرب آخرین علی ان نخلی سبیاکم اذاانقضت حربنا لو وقع فی قلوبھم انھم صادقون فلا بأس بان یقاتلوامعھم یدفعون بھذا الامر عن انفسھم[967] ترجمہ : اگر اہلِ حرب مسلم قیدیوں سے کہیں کہ ہمارے مشرک دشمنوں سے ہمارے ساتھ مل کر جنگ کرو اور ان قیدیوں کو جنگ میں حصہ نہ لینے پر اپنے اوپر کوئی خطرہ نہ ہو تو ان کے لئے جنگ میں حصہ لینا درست نہیں، اس لئے کہ اس جنگ سے کفر ہی کو غلبہ حاصل ہو گا، اور جنگ کرنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے، اس لئے اس قسم کی جنگ میں حصہ لینے کی اجازت اس وقت تک نہیں دی جاسکتی جب تک کہ دینِ اسلام کی عزت یا اپنے دفاع کا معاملہ در پیش نہ ہو۔ البتہ اگر ان قیدیوں کو دوسرے دشمن مشرکوں سے اپنے لئے خطرہ ہو تو جنگ میں حصہ لینے کی اجازت ہو گی، اس لئے کہ یہ جنگ در اصل اپنی دفاع کے لئے ہو گی ... اور اگر اہلِ حرب یہ کہیں کہ ہمارے دشمنوں سے جنگ کرو جنگ ختم ہونے کے بعد تم کو رہائی دے دی جائے گی، اس صورت میں اگر ان مسلمانوں کو ان

------ حواشی --

967 ۔ شرح السیر الکبیر: ۳/ ۲۴۱، ۲۴۲۔ ۲۴۳

کے قول کی صداقت کا یقین ہو تو ان کے ساتھ اپنی دفاع کی امید پر جنگ میں حصہ لے سکتے ہیں۔

اس اصول کو مدِ نظر رکھا جائے تو جن علاقوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں، اور خود اتنی عددی قوت نہیں رکھتے کہ انتخابی جنگ میں مستقل طور پر حصہ لے سکیں، لیکن کسی سیاسی جماعت کا ساتھ دینے سے بہت سے ملی اور قومی مفادات کے حصول کی امید ہو، اور بصورتِ دیگر قومی ترقی کی شاہراہ پر بچھڑ جانے کا اندیشہ ہو یا کسی سخت گیر اور متعصب ذہنیت رکھنے والی جماعت کے حاوی ہو جانے کا خطرہ ہو، نیز ووٹنگ سسٹم میں حصہ نہ لینے سے وفاداری مشکوک ہو سکتی ہو، ایسی صورت میں مسئلہ مسلمانوں کے لئے محض انتخاب میں شرکت کا نہیں رہ جاتا بلکہ ان کے وجود وبقا اور ملی تشخص کا ہو جاتا ہے۔

اگر اس روشنی میں حبشہ کے واقعہ کو بھی دیکھیں تو کسی تاویل کی ضرورت نہیں رہ جاتی، اور نہ یہ کہنے کی ضرورت رہتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ واقعہ آیا یا نہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ صحابہ کا اجتہاد (جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نکیر منقول نہ ہو) خود بھی ایک وزن رکھتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس واقعہ کی سب سے معتبر راوی حضرت امِ سلمہ ہیں، جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئی ہوں گی تو حبشہ کے اس عظیم ترین واقعہ کو کیسے فراموش کر گئی ہوں گی، اس لئے اس سلسلے میں حضرت اُمِ سلمہؓ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کسی نکیر کا نقل نہ کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سکوت کی دلیل ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

فارس وروم کی جنگ کے موقع پر مسلمانوں کا ردِ عمل

مکی دَور میں فارس وروم دونوں غیر مسلم تھے اور دونوں ایک عرصہ تک باہم برسرِ پیکار رہے فارس کی فتح پر مسلمانوں میں غم کا ماحول پیدا ہوا، اور روم کی آئندہ فتح کی خبر سن کر ان میں خوشی کی فضا پیدا ہوئی، یہاں تک کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اس پر اُبی بن خَلف سے شرط بھی لگالی، خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعلق سے صدیقِ اکبرؓ کو ضروری مشورے دیئے، روم کی فتح کی خبر حضور ﷺ کو مدینہ میں ملی تو آپ بے

پناہ مسرور ہوئے، واقعہ کی پوری تفصیل تفسیر کی کتابوں میں موجود ہے [968]

علامہ ابن تیمیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی مسرت کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و قد كان النبی صلی الله علیہ وسلم و اصحابہ یفرحون بانتصار الروم والنصاریٰ علی المجوس و کلاهما کافر لان احدالصنفین اقرب الی الاسلام [969]

ترجمہ: یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ مجوسیوں پر روم اور نصاریٰ کی فتح سے مسرور ہوئے حالاں کہ دونوں فریق کافر تھے مگر اس لئے کہ ان میں سے ایک فریق اسلام کے قریب تھا۔

اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ غیر مسلموں کی دو متحارب جماعتوں میں سے نسبتاً کسی ایک بہتر جماعت کے ساتھ اخلاقی ہمدردی رکھنا اس کی فتح وشکست سے دلچسپی رکھنا، اور ممکن حد تک اس کی مدد کرنا جائز ہے، حضور ﷺ اور صحابہؓ مکہ جیسے دارالحرب میں تھے، عملاً اہلِ روم کے لئے کچھ نہیں کر سکتے تھے، مگر حضور ﷺ کے ذریعہ آئندہ فتح کی پیش گوئی یہ خود اہلِ روم کی بہت بڑی مدد تھی، کسی نبی کی آسمانی طاقت سے اس سے بڑی مدد کسی قوم کو کیا مل سکتی ہے کہ سات سال آئندہ آنے والی فتح کی خبر ابھی دے دی گئی، اگر اہلِ روم تک یہ خبر پہونچ سکتی تو یہ ان کا حوصلہ بڑھانے کے مترادف تھا، اس سے مشرکین مکہ میں کافی بے چینی پیدا ہوئی، حضور ﷺ اور صحابہ مکہ میں جس صورتِ حال سے دوچار تھے اس میں اس سے زیادہ کسی جماعت و قوم کی مدد نہیں کی جا سکتی تھی۔

غزوۂ احزاب کا ایک واقعہ

غزوہ احزاب کے موقعہ پر پورا عرب مسلمانوں کے خلاف ٹوٹ پڑا تھا، اور کفر اپنی پوری عددی طاقت کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوا تھا، یقینا مسلمان اس وقت جس مشکل ترین صورتِ حال سے دوچار تھے

------ حواشی ------

968 ۔دیکھئے تفسیر مظہری: ۲۱۹/۷، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان

969 ۔الحسبۃ فی الاسلام لابن تیمیہ: ۱۳ مطبوعہ دارالفکر لبنان

اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قسم کی جنگی حکمتِ عملی اختیار فرمائی اسی میں سے ایک کام یہ بھی تھا کہ آپ نے قریش کے اتحادی قبیلہ غطفان کو مدینہ کی پیداوار کا ایک تہائی حصہ دینے کی پیش کش فرمائی تاکہ وہ اتحاد سے الگ ہو جائے، آپ نے اس تجویز کے ساتھ اپنا ایک قاصد غطفان کے دو سردار عیینہ بن حِصن، اور حارث بن ابی عوف المزنی کے پاس بھیجا، اور معاہدہ تقریباً طے ہو گیا، معاہدہ نامہ بھی تیار ہو گیا... لیکن فیصلہ کے نفاذ سے قبل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس و خزرج کے سردار حضرت سعد بن معاذ اور حضرت سعد بن عبادہ سے مشورہ کر لینا مناسب سمجھا، ان حضرات کو بلوایا اور ساری صورتِ حال سامنے رکھی ان حضرات نے عرض کیا اگر یہ آپ وحی کی روشنی میں کرنا چاہ رہے ہیں، تو سوائے سمع و طاعت کے چارہ نہیں اور اگر اپنی رائے سے کر رہے ہیں تو آپ کی رائے مقدم ہے، لیکن ہم نے اسلام سے قبل مجبور ہو کر آج تک ان کو کبھی مدینہ کی ایک کھجور بھی نہیں دی، ہاں خوشی سے یا بطورِ مہمانی کے وہ کھا سکتے تھے، آج جب اللہ نے ہمیں اسلام کی عزت سے مالا مال کیا اور آپ جیسی نعمت سے سرفراز کیا ہے، ہم ان کو اپنا مال کیوں دیں؟ سوائے تلوار کے ہم ان کو کچھ نہیں دیں گے یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دیں، حضور ﷺ ان دونوں باعزیمت اصحاب کے عزم و ہمت سے بہت مسرور ہوئے اور معاہدہ نامہ چاک کروا دیا[970]

اس واقعہ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ مسلمان اگر نازک صورتِ حال سے دوچار ہوں، تو غیر مسلموں سے کسی چیز کے بدلہ ایسی مصالحت کی جا سکتی ہے، جس میں سخت گیر متعصب اور دشمن جماعت کا زور ٹوٹ جائے بشرطیکہ اس میں اسلام اور مسلمانوں کی ہتک عزت لازم نہ آتی ہو، شرح السیر میں ہے:

ففی هذا الحديث بيان ان عند الضعف لاباس بهذه الموادعة فقد رغب فيهارسول الله صلى الله عليه وسلم حين احس بالمسلمين ضعفا و عند القوة لايجوز فانه لما قالت الانصار ماقالت علم رسول الله صلى الله عليه وسلم منهم القوة فشق

------ حواشی --

970 - التلخیص الحبیر: ۲/ ۳۸۱، تاریخ طبری: ۴۷/ ۱۴، سیرت ابن ہشام: ۶۷۶، طبقات ابن سعد: ۲/ ۵۲، ۵۳، امتاع الاسماع للمقریزی: ۱/ ۲۳۵، الوثائق السیاسیۃ: ۴۷

الصحیفۃ وفیہ دلیل ان فیھا معنی الاستذ لال ولا جلہ کرھت الانصار دفع بعض الثمار والاستد لال لایجوز ان یرض بہ المسلمون الاعند تحقق الضرورۃ[971]

ترجمہ: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی کمزوری کی صورت میں اس قسم کا معاہدہ کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں کمزوری محسوس کرنے کے بعد ارادہ فرمایا، البتہ کمزوری نہ ہو تو جائز نہیں، یہی وجہ ہے کہ انصار کی گفتگو سننے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کی قوت کا اندازہ ہوا، اور آپؐ نے معاہدہ نامہ چاک فرمادیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس طرح کی صورت ذلت آمیز ہے اسی لئے انصار نے اس کو ناپسند کیا، اس سے یہ استدلال ہوتا ہے کہ بلاضرورت مسلمانوں کے لئے اس قسم کا معاہدہ کرنا جائز نہیں ہے۔

یعنی سخت ضرورت کی صورت میں جب کہ مسلمان بے حد ضعف میں مبتلا ہوں کفار کے سیاسی یا فوجی اتحاد کو کمزور کرنے کے لئے بعض سیاسی یا فوجی جماعتوں کو مالی یا اخلاقی تعاون پیش کرنے کی اجازت ہے

ووٹ اس دور میں سیاسی جماعتوں کے لئے سب سے بڑی طاقت ہے کبھی اس کی قیمت لاکھوں اور کروڑوں میں لگتی ہے، اس لئے اگر مسلمان غیر مسلموں کی کسی ایک سیکولر جماعت کو اقتدار میں لا کر اس کے ذریعہ ملّی مفادات حاصل کریں، یا کسی ایک جماعت کی حکومت بننے کے بجائے مختلف جماعتوں کی مخلوط حکومت بننے کے اسباب فراہم کریں تاکہ مسلمانوں کی عزت و آبرو، دولت و طاقت اور ملّی اثاثے ان کے شرور وفتن سے محفوظ رہیں، تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، بلکہ بعض حالات میں اس میں ثواب کی بھی امید ہے۔

سنتِ یوسفی

نیز حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کی غیر مسلم حکومت کی بالا دستی میں جس طرح قومی

------ حواشی ------

971 - شرح السیر: ۶/۴، بحوالہ اعلاء السنن: ج ۱۲ ص ۵۵

خدمات انجام دیں، اور اسی کے ساتھ دعوت و تبلیغ کا بھی کام کرتے رہے یہ بھی ایک بہترین نظیر ہے کہ بعض مرتبہ مسلمانوں کے ضعت کی صورت میں غیر مسلم سیاسی جماعت کی بالادستی میں رہ کر بھی اپنے حصے کا کام کیا جاسکتا ہے

علامہ ابن تیمیہ رقمطراز ہیں:

وکذلک یوسف الصدیق کان نائبالفرعون مصروھو وقومہ مشرکون و فعل من العدل والخیر ما قدر علیہ ودعاھم الی الایمان بحسب الامکان[972]

ترجمہ : یعنی حضرت یوسف علیہ السلام فرعونِ مصر کے نائب تھے، جبکہ فرعون اور اس کی قوم مشرک تھی اور اس کی نیابت میں رہتے ہوئے حضرت یوسفؑ حتی المقدور عدل وخیر کے کام انجام دیتے اور ان کو ایمان کی دعوت بھی دیتے رہے۔

ان تفصیلات سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت ملّی اور قومی مفادات کے حصول کے لئے غیر مسلم سیاسی جماعتوں سے اتحاد قائم کرنا درست ہے، البتہ اس میں پہلی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ مسلمان اپنا وزن اس اتحاد میں قائم کریں، اور ایک بالادست قوت کی حیثیت سے ان کے درمیان کام کریں، اگر یہ صورت ممکن ہو تو ذلت کے ساتھ کفر کی بالادستی تسلیم کرتے ہوئے اتحاد میں شامل ہونا جائز نہ ہوگا، البتہ اگر ایسی صورت ممکن نہ ہو تو اپنے دفاع اور تحفظ، ملّی مفادات کے حصول اور قومی ترقیاتی دوڑ میں شرکت کے لئے کفر کی بالادستی کے باوجود ان کے اتحاد میں شامل ہونے یا اس کی تائید وحمایت کرنے کی اجازت ہوگی۔

اسی طرح اس کی بھی گنجائش ہے کہ معاشرہ میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا بنانے اور مثبت اقدار وروایات کی ترویج واشاعت کے لئے غیر مسلم جماعتوں کے اتحاد کے ساتھ مل کر کام کیا جائے، بشرطیکہ اس میں کوئی بات خلافِ شرع نہ ہو، اور اسلام اور مسلمانوں کی ہتک عزت نہ لازم آتی ہو، جیسا کہ معاہدۂ حلف الفضول، معاہدۂ خزاعہ اور میثاق مدینہ سے ثابت ہوتا ہے۔

------ حواشی --

972 -وظیفۃ الحکومۃ الاسلامیۃ لابن تیمیۃ صفحہ ۱۳

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

☆اسلام کا اپنا ایک مستقل نظام حکمرانی ہے، لیکن موجودہ عالمی حالات میں دوسرے غیر اسلامی نظامہائے حکومت کے مقابلہ میں مروج جمہوری نظام ہی مسلم اقلیتوں کے لئے قابل ترجیح ہے، لہذا اس نظام کے تحت مسلمانوں کا الیکشن میں حصہ لینا، امیدوار بننا، ووٹ دینا اور کسی امیدوار کے لئے انتخابی مہم چلانا جائز ہے۔

☆مسلمانوں کے ملی اور مذہبی مفادات کا تقاضا ہے کہ وہ ووٹ دینے کا قانونی حق بھرپور طریقہ سے استعمال کریں۔

☆جن سیاسی جماعتوں نے اعلانیہ، اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کو اپنی جماعت کا مقصد بنالیا ہو، ان میں مسلمانوں کی شمولیت جائز نہیں، اور ان کے کسی امیدوار کو ووٹ دینا بھی جائز نہیں ہے، خواہ وہ ذاتی طور پر نیک خصلت ہو۔

☆جمہوری سیکولر سیاسی پارٹیوں سے ملی مفادات کے تحت معاہدات کئے جاسکتے ہیں۔

☆ملک اور انسانیت کے نفع اور معاشرہ میں عدل وانصاف اور امن وسلامتی کی فضا قائم کرنے کے لئے غیر مسلموں کے ساتھ مل کر کام کیا جاسکتا ہے، اور ان کے اشتراک سے تنظیمیں بھی قائم کی جاسکتی ہیں[973]۔

☆جمہوری نظام میں ووٹ کی غیر معمولی اہمیت ہے، اس اہمیت کے پیش نظر مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس حق کا بھرپور استعمال کریں۔

☆الیکشن میں باصلاحیت اور اہل افراد کا اپنے آپ کو بحیثیت امیدوار پیش کرنا جائز و بہتر ہے۔

------ حواشی ------

973 - جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، حصہ اول ص ۲۱۷، ۲۱۸

☆ قانون سازاداروں میں ملی مفادات کے تحت مسلمانوں کی نمائندگی ضروری ہے ،البتہ اگر کوئی قانون ایسابنایاجائے جو شرعی احکام یاانسانی مصالح کے خلاف ہو تواس کوروکنے کی ہر ممکن کوشش کرنا مسلم ممبران کادینی وملی فریضہ ہے۔

☆ مسلم ممبران کا یہ بھی دینی وملی فریضہ ہے کہ شرعی احکام یاانسانی مصالح کے خلاف جو قوانین پہلے سے بنے ہوں ان میں تبدیلی کرانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

☆ منتخب ممبران کے لئے دستور سے وفاداری کاحلف اٹھانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

☆ ہندستان جیسے جمہوری ملک میں مسلمانوں کے لئے الیکشن میں حصہ لیناایک ناگزیر ضرورت ہے، لہذاایسی سیاسی پارٹیوں میں شرکت درست ہے جن کامنشور فرقہ واریت پر مبنی نہ ہو۔

☆ مسلم خواتین کے لئے شرعی احکام کی رعایت کے ساتھ ووٹ دینادرست ہے[974]۔

جھنڈے کو سلامی دینا

غیر مسلم ممالک میں اقلیتیں بعض ایسے مسائل سے دوچار ہوتی ہیں، جن کو دوسری قومیں محض سیاسی اور قومی مسئلہ سمجھتی ہیں، لیکن مسلمانوں کے لیے وہ مذہبی نوعیت کی ہوتی ہیں، مثلاً:

(الف) آج کل اکثر ملکوں میں جھنڈے کو سلامی دینے کارواج ہے اور اسے جھنڈے کا احترام کہاجاتاہے، جھنڈے کی سلامی کے وقت کسی شخص کا بیٹھارہنا خلافِ ادب اور قومی جرم ماناجاتاہے، شرعی نقطۂ نظر سے ہمارے علمائے دیوبند میں اس سلسلے میں دو رجحانات پائے جاتے ہیں۔

(ا) ایک نقطۂ نظر مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب ؒکا ہے، مفتی صاحب موصوف کا فتویٰ ''نقیب'' پھلواری شریف پٹنہ میں شائع ہوا تھا، فتویٰ کی عبارت درج ذیل ہے :

------ حواشی --

974 - جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، حصہ اول ص ۲۹۲، ۲۹۳

''جھنڈے کی سلامی مسلم لیگ بھی کرتی ہے، اور اسلامی ملکوں میں بھی ہوتی ہے وہ ایک فوجی عمل ہے، اس میں اصلاح ہو سکتی ہے، مگر مطلقاً اس کو مشرکانہ عمل قرار دینا صحیح نہیں ہے [975]

بعض معاصر اہلِ علم نے بھی اس رائے کو قبول کیا ہے۔ (فتاوی رحیمیہ)

البتہ بعض حضرات نے سیدھے کھڑے رہنے کو جائز قرار دیا ہے، اور ہاتھ جوڑنے یا سر جھکا کر تعظیم کرنے کو ناجائز کہا ہے [976]

مگر اس نقطۂ نظر کی طرف سے کوئی معقول دلیل نہیں دی گئی ہے کہ جواز کی بنیاد کیا ہے؟ مسلم لیگ یا اسلامی ملکوں کے ذریعہ کسی کام کا انجام پانا حجت شرعیہ نہیں بن سکتا، اس کو فوجی عمل کہنے سے بھی حکم شرعی کے اطلاق سے خارج نہیں کیا جا سکتا، اس میں کیا خرابی ہے؟ جس کی اصلاح ہو سکتی ہے؟ اور اصلاح کا طریقہ کیا ہو گا؟ اور اصلاح کے بعد جھنڈا کو سلامی دینے کا صحیح اسلامی طریقہ کیا ہو گا؟ ان سوالات میں سے کسی سوال کا کوئی تشفی بخش جواب اس نقطۂ نظر میں نہیں ملتا ہے۔

(۲) دوسرا نقطۂ نظر حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ہے، حضرت کا مفصل فتوی ''امداد الفتاوی،، میں ''عجالۃ کشف الحجاب عن مسئلہ تعظیم بعض الانصاب،، کے نام سے موجود ہے، حضرت نے اس عمل کو ناجائز اور غیر اسلامی قرار دیا ہے، اور اپنے موقف کی دلیلیں بھی ذکر کی ہیں غور کیا جائے تو یہ دوسرا نقطۂ نظر دلائل کے لحاظ سے، زیادہ مضبوط ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں:

(۱) جھنڈے کو قومی شعار، اور ملکی وقار کی علامت مانا جاتا ہے، اسی لیے ہر ملک کا جھنڈا الگ الگ ہوتا ہے، اس کو تقریباً معبودیت کا مقام حاصل ہوتا ہے، اسی لیے اس کے اردگرد لوگ کھڑے ہو کر قومی ترانے گاتے ہیں اور اس کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں، سرزمین وطن کی عزت کی علامت سمجھ کر غلامی وبندگی کے جذبات اس پر نچھاور کیے جاتے ہیں بوقت سلامی، جھنڈے کے پاس کسی کو بیٹھنے، کی اجازت نہیں ہوتی، سلامی کا وقت اور دن مقرر کیا جاتا ہے، ان تمام چیزوں پر پوری باریکی اور حساسیت کے ساتھ غور کیا

------ حواشی ------

975 - نقیب جلد ۷ پھلواری شریف پٹنہ، ۲۶؍ جمادی اول ۱۳۵۸ھ، ۹ جولائی ۱۹۳۹ء یکشنبہ

976 - موجودہ زمانہ کے مسائل کا شرعی حل: صفحہ ۱۳۵ مولانا برہان الدین سنبھلیؒ

جائے تو یہ جھنڈا اس دور کا سب سے بڑا سیاسی بت ہے، جس کو ہم قرآن کی زبان میں ”الانصاب“ سے تعبیر کر سکتے ہیں ”الانصاب“ کی تعریف مفسرین نے یہ کی ہے:

”الانصاب “وھی الاصنام المنصوبۃ للعبادۃ، ویذبحون عندھا والاصنا م:ماصور وعبد من دون اللہ[977]

”یعنی، انصاب“ سے مراد وہ بت ہیں جو بندگی کے لئے نصب کیے گیے ہوں، اور ان کے پاس لوگ اپنا ذبیحہ پیش کرتے ہوں، اور بت سے مجسمہ بھی مراد ہو سکتا ہے، اور اللہ کے علاوہ کوئی بھی چیز جو اس غرض سے نصب کی جائے۔

اسی جھنڈے کے ارد گرد ”وندے ماترم“ پڑھا جاتا ہے ”وندے ماترم،، کے معنی ہی ہیں ”نذرانہ عبادت،، اس نظم میں اس جھنڈے کو عظمت وطن کا مظہر تصور کر کے غلامی و بندگی کا نذرانہ پیش کیا گیا ہے، اس طرح جھنڈے پر،، انصاب،، کی تعریف صادق آتی ہے، اور انصاب کے بارے میں قرآن کا حکم صریح ہے۔

”یا ایھا الذین آمنوا انما الخمر والمیسر، والانصاب، والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون،،)مائدہ:۸۹

ترجمہ : اے اہلِ ایمان! شراب، جوا، اور انصاب وازلام شیطان کے گندے اعمال ہیں، ان سے اجتناب کرو، تاکہ تم کامیابی حاصل کرو، اس حکم کی روشنی میں جھنڈے کی تعظیم واحترام اور اس کے پاس کھڑا ہونا یا اس کی پرارتھنا کرنا گناہ ہے۔

(۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ غیر اسلامی ملکوں کا جھنڈا بھی غیر اسلامی ہوتا ہے، اور سلامی، غیر اسلامی جھنڈے کو دی جاتی ہے، یقینا یہ سلامی، تعظیم واحترام کے اظہار کے لیے ہوتی ہے، ہمارے فقہاء نے غیر مسلم کو سلام کرنے کا جو اصول بیان کیا ہے، اس کو سامنے رکھا جائے تو اس کا حکم بھی دریافت کیا جا سکتا ہے، غیر مسلم کو اس کی عزت افزائی کے لیے سلام کرنا جائز نہیں، بعض فقہاء نے اس کو کفر تک کہا ہے البتہ

------ حواشی--

977 - روح المعانی: ج۷ر ص۱۵

کسی ضرورت کے تحت اس کو سلام کیا جاسکتا ہے، اس میں بھی سلام کے ایسے الفاظ استعمال کرے جس سے براہ راست اس کی تعظیم نہ ہو، مثلاً ''سلام علی من اتبع الھدی،، وغیرہ[978]

اس پر قیاس کرتے ہوئے کسی غیر اسلامی جھنڈے کو تعظیم کے لیے سلامی پیش کرنا جائز نہیں ہونا چاہیے، اور نہ اس کے لیے سدا سلامتی کی دعا کرنا جائز ہے، اس لیے کہ ذمی کی درازئی عمر اور سدا سلامتی کی دعاء کرنا جائز نہیں[979]

رہ گئے وہ غیر اسلامی ممالک جن کے جھنڈے میں کوئی خاص رنگ مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے بھی رکھا گیا ہو، مثلاً ہندوستان، اور سلامی کے وقت نیت صرف اس حصہ کی ہو، مگر حضرت تھانویؒ نے اس ذیل میں ایک باریک نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ یہ کہ اگر بالفرض مان لیا جائے کہ اس کے رنگوں میں ایک رنگ 'اسلامی ہے، مگر غیر اسلامی رنگوں کے ساتھ مل جانے کی وجہ سے وہ بھی غیر اسلامی ہی کے حکم میں ہو گا، جس طرح کوئی شخص جانور ذبح کرتے وقت اللہ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام بھی شامل کر دے تو پورا ذبیحہ ما اھل لغیر اللہ (یعنی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور) بن جاتا ہے۔

وإن ذکر مع اسمہ تعالیٰ غیرہ...فالاوجہ ان لا یعتبر الاعراب بل یحرم مطلقا... لانہ اھل بہ لغیر اللہ[980]

ترجمہ: اگر اللہ کے نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام شامل کر دیا جائے تو زیادہ راجح قول یہ ہے کہ اعراب کا اعتبار کیے بغیر وہ مطلقاً حرام ہو جائے گا، اس لیے کہ وہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ جھنڈے کے ارد گرد اس قیام کی حیثیت کیا ہے، خواہ سر جھکایا جائے یا نہیں؟ اور ہاتھ جوڑا جائے یا نہیں؟ علماء نے قیام پر کافی مفصل بحثیں کی ہیں جن کا یہ موقع نہیں، خلاصہ یہ ہے

------ حواشی ------

978 - دیکھئے: ردالمحتار علی الدر المختار، کتاب الحظر والاباحۃ: ج۹/ص ۵۹۰ ''البحر الرائق، کتاب الکراھیۃ'' ج۸/ص ۳۷۴/، فتاوی بزازیہ علی الھندیہ، کتاب الکراھیۃ ج۶/ص ۳۵۵/ فتاوی ہندیہ، کتاب الکراھیۃ ج۵، ص ۳۲۵، وغیرہ ذلک من الکتب الفقہیۃ

979 - فتاوی بزازیہ، کتاب الکراھیۃ ج۶/ص ۳۵۵

980 - فتاوی شامی، کتاب الذبائح: ج۹ص ۴۳۵-۴۳۶

کہ: قیام کی کئی صورتیں ہیں:

(۱) قیام لہ: یعنی کسی شخص کی آمد پر اس کے اکرام کے لیے اپنی جگہ پر کھڑا ہو جایا جائے، اور ایک قدم بھی آگے نہ بڑھایا جائے۔

(۲) قیام الیہ: یعنی کسی کی آمد پر اس کے لیے آگے بڑھ کر اس کا اکرام کیا جائے، یہ دونوں صورتیں اگر تعظیم کے لیے نہ ہوں بلکہ اکرام کے لیے ہوں تو جائز ہیں۔

(۳) قیام علیہ: یعنی کسی بیٹھے ہوئے شخص کے پیچھے کھڑا رہا جائے، اگر حفاظت مقصد ہو تو یہ صورت بھی جائز ہے، اور اگر تعظیم مقصود ہو جیسا کہ عجمیوں کے یہاں کا دستور ہے تو جائز نہیں۔

(۴) قیام بین یدیہ: کسی بیٹھے ہوئے شخص کے سامنے غلامانہ کھڑا رہا جائے، یہ عجمیوں کا دستور تھا، یہ صورت ہر حال میں ناجائز ہے۔

ہر صورت پر دلیلیں اور تفصیلی بحثیں مطول کتابوں میں موجود ہیں، یہاں صرف وہ صورتیں میں نے لکھی ہیں جو بحث و تمحیص کے بعد منقح ہو چکی ہیں [981]

یہ تقسیم قیام کی ہیئت کے لحاظ سے تھی ایک تقسیم قیام کے حکم کے لحاظ سے بھی کی گئی ہے:

(۱) قیام ناجائز: کسی متکبر و مغرور کے احترام میں کھڑا رہنا، جو چاہتا ہو کہ لوگ اس کے پاس کھڑے رہیں۔

(۲) قیام مکروہ: ایسے شخص کے لیے قیام جو مغرور و متکبر نہ ہو، لیکن اندیشہ ہو کہ کھڑا نہ ہونے کی صورت میں آئندہ کبھی اس سے ضرر پہنچ سکتا ہے۔

(۳) قیام جائز: کسی کے ساتھ اکرام یا حسن سلوک کے طور پر کھڑا ہونا۔

(۴) قیام مستحب: کسی مسافر کی آمد پر خوشی کے اظہار کے لیے کھڑا ہونا، اور اس کے استقبال کے لیے آگے بڑھنا یا کسی مصیبت زدہ کی تعزیت، یا کسی شخص کے کسی خاص عمل، یا نعمت کی تحسین کے لیے

------ حواشی --

981 - دیکھئے اعلاء السنن ج ۱۷/ ص ۴۲۲، تا ۴۲۴ اور فتح الباری ج ۱۱/ ص ۴۱-۴۶

کھڑا ہونا۔[982]

یہ تمام تفصیلات علماء نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول، مختلف روایات کی روشنی میں طے کی ہیں، جھنڈے کی سلامی کے لیے کھڑا ہونا پہلی تقسیم کے لحاظ سے بالیقین "قیام بین یدیہ" میں شامل ہے، یا زیادہ سے زیادہ "قیام علیہ" "برائے تعظیم میں شامل ہو گا، نہ کہ قیام برائے حفاظت میں، اور ان دونوں معنی کے لحاظ سے قیام ناجائز ہو گا۔

دوسری تقسیم کے لحاظ سے یہ یقینا "قیامِ ناجائز" یا کم از کم "قیام مکروہ" میں شامل ہو گا، اور قیام برائے اکرام کی اجازت بھی فقہاء نے صرف اس صورت میں دی ہے جب کہ جس کے لیے قیام کیا جائے وہ مستحق تعظیم ہو اور اہلِ فضل و کمال میں سے ہو۔ در مختار میں ہے:

"يجوز بل يندب القيام تعظيماً للقادم الخ أى ان كان ممن يستحق التعظيم[983]

آنے والے شخص کی تعظیم و اکرام کے لیے کھڑا ہونا جائز بلکہ مستحب ہے بشر طیکہ وہ مستحق تعظیم ہو۔

اور جھنڈے کا مستحق تعظیم ہونا ثابت نہیں، اس لیے کہ "انصاب" اور "غیر اسلامی" دونوں لحاظ سے وہ تعظیم کا مستحق نہیں بنتا، اس لیے اس کے واسطے قیام جائز نہ ہو گا۔

البتہ ایسا شخص جو سرکاری ملازم ہو، یا وہ جھنڈے کے پاس قیام کرنے پر مجبور ہو، اور نہ کرنے کی صورت میں مالی یا بدنی نقصان کا اندیشہ ہو، ایسے شخص کے لیے "ذمّی" کو سلام کرنے کے ضابطہ کے مطابق، طبعی کراہت کے ساتھ جھنڈے کو سلامی دینے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

مسئلہ کی یہ تفصیل جھنڈے کو سلامی دینے، اور اس کے پاس تعظیماً کھڑے ہونے سے متعلق ہے۔

------ حواشی --

982 -) فتح الباری: ج ۱۱/ ص ۴۳

983 - در مختار مع رد المحتار: ج ۹/ ص ۵۵۱

وندے ماترم" یا اس قسم کے دیگر قومی ترانوں کا حکم

جہاں تک ایسے قومی ترانوں کا مسئلہ ہے جن میں مشرکانہ مضامین شامل ہوں، ایسے ترانے خواہ جھنڈے کے پاس ہوں یا کسی دوسرے مقام پر کسی جگہ پڑھنا یا گانا جائز نہیں، خود ہندوستان کے قومی ترانہ "وندے ماترم" میں بعض مشرکانہ مضامین شامل ہیں، "وندے ماترم" کے معنی ہیں، میں مادرِ وطن کی عبادت کرتا ہوں، "بندے" فارسی زبان کا لفظ ہے جو سنسکرت میں لیا گیا ہے چوں کہ دونوں زبانیں خاندانی طور پر متحد ہیں، دونوں "آرین" خاندان سے تعلق رکھتی ہیں، اس لیے لب ولہجہ کے فرق کے باوجود کئی مقامات پر لفظی اور معنوی طور پر متحد ہیں مثلاً اسی بمعنی اسپ، اشٹی بمعنی ہشتم وغیرہ۔۔۔اس کے علاوہ ہندوؤں کے یہاں ارضِ وطن کی عبادت کا تصور پایا جاتا ہے مثلاً "دھرتی پوجا یا بھومی پوجا" ایک مخصوص عبادت ان کے یہاں معروف ہے، یہ تمام شواہد یہ ثابت کرتے ہیں کہ "وندے ماترم" کے معنی ہیں "اے" ارضِ وطن! میں تیری عبادت کرتا ہوں" یہ مشرکانہ مفہوم ہے جس کو زبان پر لانا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں۔ اور اسی لیے آزادی کے بعد سے ہر دور میں علماء نے اس کی مخالفت کی ہے اور حکومت سے مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ قرار دینے کا مطالبہ کیا ہے۔

علاوہ ازیں اس نظم میں کئی الفاظ ایسے نامانوس ہیں جن کے معنی معلوم نہیں، اور ایسے الفاظ زبان پر لانا جائز نہیں جس کے معنی معلوم نہ ہوں، کہ ممکن ہے ان میں شرک وکفر کے معنی ہوں[984]

حضرت تھانویؒ نے بھی اس پہلو کے اعتبار سے قومی ترانہ کو ناجائز قرار دیا ہے جب کہ ان کے دور کا قومی ترانہ موجودہ دور کے ترانے سے مختلف تھا[985] نیز یہ غیر مسلموں کا شعار بن چکا ہے، ان کے ساتھ تشبہ بھی اس میں موجود ہے، اس اصول پر بھی اس کا پڑھنا ناجائز معلوم ہوتا ہے۔

البتہ ایسا شخص جو اس کے لیے مجبور ہو، اور ترانہ نہ پڑھنے کی صورت میں شدید نقصانات کا اندیشہ

------ حواشی--

984 ۔شرح مسلم للنووی: ج ۲ / ص ۲۱۹

985 - امداد الفتاویٰ: ج ۴ / ص ۶۴۷

ہو ایسے شخص کے لیے بادل ناخواستہ یہ کلمات زبان سے دہرانے کی اجازت ہو گی، قرآن پاک کی اس آیت کی روشنی میں،

'' الامن اکرہ وقلبہ،مطمئن بالایمان''

مگر جن پر زبردستی کی جائے،اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو،

اگرچہ کہ اس صورت میں بھی عزیمت یہ ہے کہ زبان سے یہ کلمات ادانہ کرے، لیکن اپنے تحفظ کے لیے مذکورہ کلمات زبان سے ادا کرنے کی رخصت ہے۔

تجویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

وندے ماترم جیسے گیت میں شرکیہ الفاظ ہیں ،اورہندستان کی سرزمین کو معبود کادرجہ دیئے جانے کاتصور پایاجاتاہے ،اس لئے مسلمانوں کے لئے اس جیسے گیت کاپڑھناشرعاً حرام ہے ،اوران پر اس سے احتراز کرنالازم ہے[986]۔

باہمی نزاعات میں غیر اسلامی عدالتوں کے فیصلے

☆غیر مسلم ممالک میں ایک اہم ترین مسئلہ باہمی نزاعات میں عدالتوں سے ملنے والے فیصلوں کا ہے ، عدالتیں یہاں مروج قانون شہادت یا دیگر قوانین کو بنیاد بنا کر فیصلے کرتی ہیں، اس لیے ممکن ہے کہ عدالت نے اپنے فیصلہ کی بنیاد جس چیز پر رکھی ہو وہ فی الواقع فرضی ہو، یا اسلامی اصولوں کی روشنی میں غلط ہو، اور فریقین جانتے ہوں کہ فیصلہ غلط ہوا ہے۔ ایسی صورت میں اگر مقدمہ کے دونوں فریق مسلمان ہوں، تو ان کے لیے اس فیصلہ سے استفادہ کرنا شرعی طور پر جائز ہو گا یا نہیں؟

------ حواشی ------

986 -جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، حصہ اول ص ۲۱۸

اس سلسلے میں حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ کے اصول پر ایسے معاملات جن کو وجود میں لانے کا قاضی کو اختیار ہے، ان میں عدالتی فیصلہ سے استفادہ کرنا جائز ہے، اور جو معاملات اس کے دائرۂ اختیار سے باہر ہوں، ان میں عدالتی فیصلہ سے استفادہ درست نہیں ہے۔

اسی طرح ایسے معاملات جن میں سببِ ملک کی وضاحت نہ ہو کہ کس ذریعہ سے مدعی کو ملکیت یا حق ملکیت حاصل ہوئی ہے، مثلاً کسی زمین، جائداد، یا سامان پر ملکیت کا دعویٰ کرنے جیسے معاملات میں عدالت، حقیقت کے خلاف فیصلہ کر دے تو فیصلہ سے وہ چیز مدعی کے لیے فی الواقع حلال نہیں ہو گی، بلکہ اگر وہ مسلمان ہے تو اس پر فرض ہے کہ وہ حقیقت کے مطابق اللہ سے ڈرتے ہوئے، حق، حقدار کو پہنچائے، البتہ ایسے معاملات جن میں سببِ ملک کی وضاحت کی گئی ہو، مثلاً یہ چیز میری ہے اور میں نے اس کو فلاں سے خریدا ہے وغیرہ، یا نکاح و طلاق کے معاملات، ایسے معاملات میں عدالت کا فیصلہ نافذ ہو گا، اگرچہ کہ فیصلہ خلاف واقعہ صادر ہو لیکن فیصلہ کے بعد وہ چیز اس فریق کے لیے جائز ہو جائے گی جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے۔ اسی کو فقہی اصطلاح میں اس طرح بھی تعبیر کیا جاتا ہے کہ قضائے قاضی معاملات میں ظاہری اور باطنی دونوں طور پر نافذ ہوتا ہے یا صرف ظاہری طور پر، یہ مسئلہ قدیم سے فقہاء کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے حضرت امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک کسی بھی معاملہ میں عدالتی فیصلہ اگر خلافِ واقعہ صادر ہو، اور فریقین اس سے واقف ہوں تو یہ فیصلہ صرف ظاہری طور پر نافذ ہو گا، مگر حقیقی طور پر جیتنے والے فریق کے لیے اس سے استفادہ جائز نہ ہو گا، لیکن حضرت امام ابو حنیفہؒ کے یہاں مسئلہ کی وہی تفصیل ہے جو اوپر ذکر کی گئی، علامہ کاسانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

> وأُمابیان ما یحلہ القضاء ومالایحلہ،فالاصل ان قضاء القاضی بشاھدی الزور فیمالہ ولایۃ انشائہ فی الجملۃ یفید الحل عندابی حنیفۃؒوقضاؤہٗ بھمافیما لیس لہ ولایۃ انشائہ اصلاً، لایفیدالحل بالاِجماع،وعندابی یوسف ومحمد،والشافعی رحمھم اللہ لایفید الحل فیھماجمیعا [987]

------ حواشی --

[987] - بدائع الصنائع: ج ۵ ص ۵۸۴ کتاب القضاء

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اس موقف کی بنیاد دو روایات ہیں:

(۱) ایک روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

: انکم تختصمون الیّ ولعل بعضکم الحن بحجتہ من بعض،و اِنما انا بشر فمن قضیت لہ من مال اخیہ شیئا بغیر حق فانما اقطعۂ لہ قطعۃ من النار[988]

ترجمہ : تم لوگ میرے پاس مقدمات لے کر آتے ہو، اور کبھی ایک فریق دوسرے سے زیادہ چرب زبان ہوتا ہے تو سنو، میں ایک انسان ہوں، اگر کسی کی چرب زبانی اور دلائل کی قوت سے متاثر ہو کر اس کے لیے ناحق اس کے بھائی کے مال کا فیصلہ کر دوں تو سمجھو کہ میں اس کے لیے آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں، یعنی کسی کے لیے فیصلہ صادر ہو جانے سے، ناحق چیز فی الواقع حق نہیں بن سکتی۔

(۲) دوسری روایت حضرت علیؓ کی ہے:

ذکرابو یوسف عن عمرو بن ابی المقدام عن ابیہ ان رجلامن الحیی خطب امراۃ و ھو دونھا فی الحسب، فابت ان تزوجہ فادعی انہ تزوجھا واقام شاھدین عند علیِ، فقا لت:انی لم اتزوجہ،فقال:قدزوجک الشاھدان فامضی علیھاالنکاح۔[989]

ترجمہ : کسی قبیلہ کے ایک شخص نے کسی عورت کو پیغام نکاح دیا، حسب ونسب کے لحاظ سے وہ عورت سے کم تر تھا، عورت نے رشتہ مسترد کر دیا، مرد نے حضرت علیؓ کے پاس دعویٰ پیش کر دیا کہ اس عورت سے اس کا نکاح ہو چکا ہے اور دو گواہ بھی گزار دیے، حضرت علیؓ نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا، اس عورت نے عرض کیا کہ حقیقت یہ ہے کہ میرا نکاح نہیں ہوا ہے، تو حضرت علیؓ نے فرمایا تمہارے

------ حواشی--

988 - بخاری شریف، باب اثم من خاصم فی باطل وھو یعلمہ، کتاب المظالم:۲۴۵۸

989 - احکام القرآن للجصاص الرازی ج ۱ ص ۲۵۳

گواہوں نے تمہارا نکاح کر دیا، حضرت علیؓ نے اس نکاح کو نافذ فرمایا۔

حضرت علیؓ سے اس قسم کا فیصلہ تفریق نکاح کے سلسلہ میں بھی منقول ہے [990]

ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ کا یہ فیصلہ "مدرک بالقیاس،، نہیں ہے اس لیے علماء نے اسکو حدیث مرفوع کے درجہ میں رکھاہے علاوہ ازیں حضرت علیؓ کے اس فیصلے سے کسی صحابی کا اختلاف منقول نہیں ہے، اس طرح یہ اجماع سکوتی کے قائم مقام ہو جاتا ہے [991]

ان دونوں روایت کو سامنے رکھتے ہوئے امام صاحبؒ نے مذکورہ بالا موقف اختیار کیاہے، حضرت علیؓ کی حدیث کو نکاح وطلاق اور ایسے معاملات سے متعلق کیا، جن میں سبب ملک کی وضاحت موجود ہو، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا فرمان کو عام معاملات سے متعلق قرار دیاہے، اس طرح دونوں روایات میں تطبیق بھی پیدا ہو جاتی ہے اور ایک معتدل، معقول اور شاندار نقطۂ نظر بھی سامنے آجاتا ہے، موجودہ دور میں اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔

تجویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

"اگر غیر اسلامی قانون شہادت یادوسرے قوانین کی بنیاد پر کسی مسلمان کے حق میں خلاف شرع فیصلے ہوجائیں ،تواس کے لئے اس سے استفادہ جائز نہیں ہے، یہ سیمینار تمام مسلمانوں سے اپیل کرتاہے کہ اپنے تنازعات دارالقضاہی میں لے جائیں ،اوروہاں جو فیصلہ ہو اس کو قبول کریں، اوراس کے مطابق عمل کریں، یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ بعض مقدمات میں مسلمان قاضی کا فیصلہ ہی شرعاً معتبر ہے [992]۔

------ حواشی--

990 - احکام القرآن للجصاص الرازی ج ۱ ر ص ۲۵۳

991 - اعلاء السنن: ج ۱۵ ر ص ۱۱۳

992 - جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، حصہ اول ص ۲۱۸

غیر مسلموں کے ساتھ سماجی تعلقات

جن علاقوں میں مسلمان غیر مسلم اقوام کے درمیان رہتے ہیں وہاں سماجی زندگی میں ایک دوسرے کی قربت کی وجہ سے مختلف مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

تہذیبی اختلاط اسلام کے مزاج کے خلاف ہے

سب سے پہلا مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سماجی قربت ایک دوسرے کی تہذیبی اور اخلاقی زندگی پر کس حد تک اثر انداز ہوتی ہے۔

مسلمانوں کو ہر ممکن حد تک غیر مسلموں کے طور وطریق اور ان کے رسم وروایات سے دور رہنے کی تاکید کی گئی ہے، ان کی مشابہت اور نقل اتارنے سے سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، عبادات اور معاشرت کے تمام ممکنہ مسائل میں ایسی راہ منتخب کی گئی جس میں کسی قسم کے غیر اسلامی اثرات نہ پائے جائیں، اس موضوع پر متعدد حدیثیں موجود ہیں۔ جن میں اسلامی معاشرہ کو غیر اسلامی تہذیب سے پاک رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے، مثلاً

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من تشبہ بقوم فھو منھم[993]

ترجمہ: جو کسی قوم کی نقل اُتارے اس کا شمار اسی کے ساتھ ہوگا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اوپر دو زعفرانی رنگ کے کپڑے دیکھے تو ارشاد فرمایا:

ان ھذہ من ثیاب الکفار فلا تلبسھما[994]

------ حواشی --

993 ۔رواہ احمد وابو داؤد، مشکوٰۃ:۳۷۵، کتاب اللباس

994 ۔رواہ مسلم، مشکوٰۃ:۳۷۴

ترجمہ : یہ کفار کا لباس ہے اس کو مت پہنو۔

حضرت رُکانہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

فرق مابيننا و بين المشركين العمائم على القلانس[995]

ترجمہ : ہمارے اور مشرکین کے عماموں میں فرق یہ ہے کہ ہمارا عمامہ ٹوپیوں پر ہوتا ہے ان کا نہیں۔

حضرت بریدہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو پیتل کی انگوٹھی پہنے دیکھا تو فرمایا میں تمہارے اندر بتوں کی بو محسوس کر رہا ہوں، اس نے وہ انگوٹھی پھینک دی اور پھر لوہے کی انگوٹھی پہن کر حاضر ہوا تو حضورؐ نے فرمایا میں تم پر اہلِ جہنم کا زیور دیکھ رہا ہوں، اس نے اس کو بھی پھینک دیا، اور دریافت کیا کہ کس چیز کی انگوٹھی بناؤں، آپ نے فرمایا چاندی کی اور اس کا وزن ایک مثقال سے کم رہے [996]

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اليهود والنصارىٰ لايصبغون فخالفوهم متفق عليه[997]

ترجمہ: یہود و نصاریٰ بالوں میں خضاب نہیں لگاتے تم ان کی مخالفت کرو۔

حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی روایت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

غيروا الشيب ولا تشبهوا اليهود[998]

ترجمہ : سفیدی کو بدلو اور یہود کی نقل نہ اتارو۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشوراء کا روزہ رکھا اور مسلمانوں کو اس کا حکم دیا، تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ! یہود و نصاریٰ اس دن کا بہت

------ حواشی ------

995 - ترمذی شریف کتاب اللباس: ج ا ص ۳۰۸، حدیث غریب و قال الترمذی اسنادہ لیس بقائم

996 - رواہ الترمذی وابو داؤد والنسائی مشکوٰۃ: ۳۷۸

997 - مشکوٰۃ باب الرجل: ۳۸۰

998 - حدیث حسن صحیح ترمذی کتاب اللباس: جلد ا/ ۳۰۵

احترام کرتے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لئن بقيت الى قابل لاصمن التاسع[999]

ترجمہ: آئندہ سال اگر زندہ رہا تو نویں محرم کا بھی روزہ رکھوں گا۔

حضرت ابن عباسؓ ہی کی روایت ہے آپ نے ارشاد فرمایا:

اللحد لنا والشق لغيرنا[1000]

ترجمہ: لحد ہمارے لئے اور شق ہمارے غیروں کے لئے ہے،

حضرت ام سلمہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہفتہ اور اتوار کے دن بطورِ خاص روزہ رہتے تھے اور فرماتے کہ:

انها يوما عيد للمشركين فاحب ان اخالفهم[1001]

ترجمہ: یہ دونوں دن مشرکوں کی عید کے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ان کی مخالفت کروں۔

حضرت شداد بن اوسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

خالفوا اليهود فانهم لايصلون فى نعالهم ولاخفافهم[1002]

ترجمہ: یہود کی مخالفت کرو وہ اپنے جوتوں اور خف میں نماز نہیں پڑھتے۔

حضرت علیؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں ایک عربی کمان تھی، آپ نے ایک شخص کے ہاتھ میں فارسی کمان دیکھی تو آپ نے فرمایا اس کو پھینک دو اور اس طرح کی کمان لو[1003]

------ حواشی --

999 - رواہ مسلم، مشکوٰۃ باب صیام التطوع: ۱۷۹

1000 - ترمذی، ابواب الجنائز: ج ۱/ ۲۰۲

1001 - رواہ ابو داؤد والنسائی وصحح، ابن حبان فتح الباری: ج ۴/ ۳۰۵

1002 - رواہ ابو داؤد مشکوٰۃ باب السترۃ ۷۳

1003 - رواہ ابن ماجہ، مشکوٰۃ: / ۳۳۸

حضرت عائشہ روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تقطعوا اللحم بالسكين فانه من صنع الاعاجم[1004]

ترجمہ: گوشت کو چھری سے نہ کاٹو اس لئے کہ یہ عجمیوں کا طریقہ ہے۔

حضرت ابو ریحانہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی باتوں سے منع فرمایا ان میں سے ایک بات یہ تھی کہ آدمی اپنے کپڑے کے نیچے ریشم لگائے اس لئے کہ یہ عجمیوں کا طرز ہے، یا یہ کہ اپنے مونڈھے پر ریشم لگائے اس لئے کہ یہ بھی عجمیوں کا طریقہ ہے[1005]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان كدتم لتفعلوا فعل الفارس يقومون على ملوكهم و هم قعودفلا تفعلو[1006]

ترجمہ: قریب ہے کہ تم لوگ فارس و روم والوں کی طرح کرنے لگو وہ لوگ بھی اپنے بادشاہوں کے ارد گرد کھڑے رہتے تھے۔ اور وہ بیٹھے ہوتے" ایسا نہ کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے تہذیبی اختلاط کا شدید اندیشہ تھا، ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

لتتبعن سنن من قبلكم شبرا بشبر و ذراعا بذراع حتى لو دخلوا حجرضب تبعتموهم قيل يارسول الله اليهودوالنصارىٰ قال فمن متفق عليه[1007]

ترجمہ: تم اپنے سے پہلے والوں کی پوری طرح پیروی کروگے بالشت در بالشت ہاتھ در ہاتھ، یہاں تک کہ اگر وہ کسی گوہ کے بل میں داخل ہوں گے تو ان کی دیکھا دیکھی

------ حواشی --

1004 - رواہ ابو داؤد والبیہقی فی شعب الایمان و قالا لیس ھو بالقوی، مشکوٰۃ کتاب الاطعمۃ:۳۶۶(

1005 - رواہ ابو داؤد والنسائی، مشکوٰۃ کتاب اللباس:۳۷۶

1006 - اعلاء السنن:۱۷/۴۲۳

1007 - مشکوٰۃ باب تغیر الناس:۴۵۸

تم بھی اس بل میں گھس پڑو گے ، لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی مراد پہلے والوں سے یہود و نصاریٰ ہیں ؟ تو آپ نے فرمایا پھر اور کون ؟۔

کتبِ احادیث میں اس طرح کی بہت سی روایات موجود ہیں جن میں مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ تہذیبی اور تمدنی اختلاط سے منع کیا گیا ہے، قطعِ نظر اس سے کہ ان میں کون سا حکم کس درجہ کا ہے ؟ ان احادیث میں جو بنیادی روح ہے وہ ہے مسلمانوں کی تہذیبی اور سماجی تطہیر کا حکم۔

اس طرح کی روایات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان روئے زمین کے جس حصہ پر بھی آباد ہوں، اپنی تہذیب و ثقافت، اسلامی اقدار و روایات اور اپنی پوری شناخت کے ساتھ آباد ہوں اور غالباً یہی وجہ تھی کہ یہود و نصاریٰ سے جزیرۃ العرب کے تخلیہ کا عمل خود عہدِ نبوی ہی میں شروع کر دیا گیا تھا، جس کی تکمیل حضرت فاروق اعظمؓ کے ذریعہ عمل میں آئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے سامنے جو خطاب فرمایا اس سے اس کی طرف صاف اشارہ ملتا ہے آپ نے ان کو مخاطب کر کے فرمایا:

یامعشر یہود اسلموا تسلموا اعلموا ان الارض للہ ولرسولہٖ وانی اریدان اجلیکم من ھذہٖ الارض[1008]

ترجمہ: اے جماعت یہود ! مسلمان ہو جاؤ سلامتی پاؤ گے، جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے اور میں تم کو اس سرزمین سے جلاوطن کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا :

لئن عشت ان شاء اللہ لاخرجن الیھود والنصاری من جزیرۃ العرب حتی لاادع فیھا الا مسلما[1009]

ترجمہ : اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ میں یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب سے ضرور باہر کر دوں گا، اور یہاں مسلمان کے سوا کسی کو رہنے نہ دوں گا۔

------ حواشی --

1008 ۔ متفق علیہ: مشکوٰۃ:۳۵۵

1009 ۔ رواہ مسلم، مشکوٰۃ:۳۵۵

اگر چہ کہ یہ حکم جزیرۃ العرب کے لئے خاص ہے، اور ساری روئے زمین کو جزیرۃ العرب کا مقام نہیں مل سکتا، لیکن اس سے جو رجحان سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء یہ تھی کہ مسلمان روئے زمین پر ایک مکمل اسلامی زندگی گذاریں، جہاں غیر اسلامی قوم یا تہذیب کے اثرات موجود نہ ہوں،

اس موقع پر حضرت جریر بن عبد اللہؓ کی اس روایت سے بھی رہنمائی ملتی ہے جو ابو داؤد اور ترمذی میں آئی ہے۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ قبیلہ خثعم کی طرف روانہ کیا تو کچھ لوگ اپنے ایمان کے اظہار اور قتل سے بچنے کے لئے سجدہ میں چلے گئے، لیکن مسلم فوجیوں نے اس کی رعایت نہیں کی، اور ان کو قتل کر دیا، اس کی اطلاع حضور ﷺ کو ملی تو آپ نے ان کی نصف دیت ادا کرنے کا حکم فرمایا، اور ارشاد فرمایا:

انا برئ من کل مسلم مقیم بین اظہر المشرکین قالوا یا رسول اللہ لم قال لا تترای نارا ھما[1010]

ترجمہ : میں ہر ایسے مسلمان سے بَری ہوں جو مشرکین کے درمیان قیام پذیر ہو، لوگوں نے عرض کیا، کیوں؟ آپ نے فرمایا اتنی دُور رہیں کہ دونوں ایک دوسرے کی آگ نہ دیکھ سکیں۔

ترمذی میں حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

لاتساکنواالمشرکین ولاتجامعوھم فمن ساکنھم اوجامعھم فھومثلھم[1011]

ترجمہ : مشرکین کے درمیان نہ رہو اور نہ ان کے ساتھ ایک جگہ جمع ہو جو ان کے درمیان رہے یا ان کے ساتھ اکٹھا ہو وہ انہیں کے مثل ہے۔

------ حواشی --

1010 - ابو دواؤد کتاب الجہاد باب النہی عن قتل من اعتصم بالسجود: ۳۵۵، ترمذی باب ماجاء فی کراہیۃ المقابلین المشرکین: ج ۱/ ۲۸۹

1011 - ترمذی: ۱/ ۲۸۹

ان احادیث کا مصداق کیا ہے؟ ان کے مخاطب دار الحرب میں رہنے والے مسلمان ہیں یا وہ مسلمان جو غیر مسلموں کی مخلوط آبادی میں رہتے ہیں، یہ بحث اپنی جگہ پر ہے، لیکن علماء نے ان کی جو تشریحات اور توجیہات کی ہیں ہمارے مسئلہ سے ان کا خاص تعلق ہے۔

علامہ طیبیؒ لکھتے ہیں کہ مسلمان کے لئے کافروں کے ساتھ سکونت اختیار کرنا درست نہیں اور حضور ﷺ نے ایسے ہی مسلمانوں سے اپنی برأت کا اظہار کیا ہے، علماء نے اس کی کئی توجیہات کی ہیں، مثلاً:

(۱) ابو عبیدؒ کا کہنا ہے کہ اس کا تعلق سفر سے ہے کہ اگر مسلمان کو دورانِ سفر قیام کی نوبت آئے تو مسلمانوں کی بستی میں کرے غیر مسلموں کی بستی میں نہیں، اس لئے کہ ان سے اس قسم کا کوئی معاہدہ نہیں ہے۔ وہاں جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔

(۲) ابو الہیثمؒ کہتے ہیں کہ یہ ممانعت اس لئے ہے کہ غیر مسلموں کے تہذیبی اور فکری اثرات مسلمانوں کے اندر منتقل نہ ہوں، "نار" کا اطلاق سیرت و اخلاق اور عادات و اطوار پر بھی ہوتا ہے۔

(۳) تور بشتیؒ نے اس کو فرقہ وارانہ کشیدگی کا سبب بتایا ہے، غرض اس کی کئی توجیہات کی گئی ہیں، البتہ جو لوگ اس کے لئے مجبور ہوں، مثلاً مسلم قیدی وغیرہ تو ان کے لئے کوئی ممانعت نہیں ہے [1012]

علامہ ابن حزمؒ تو اس باب میں مبالغہ کی حد تک متشدد ہیں ان کے نزدیک جو لوگ بلا عذر غیر مسلم ممالک میں مقیم ہیں ان کا ایمان ہی معتبر نہیں ہے، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اپنی براء ت کا اعلان کیا ہے [1013]

لیکن ان کا یہ تشدد درست نہیں، علامہ جصاص رازیؒ نے ان کا جواب دیا ہے کہ یہ برأت مومن کی جان و مال سے ہے ان کے ایمان سے نہیں، یہی وجہ ہے کہ اس میں شہید ہو جانے والے مسلمانوں کی طرف سے آپ نے نصف دیت ادا کرنے کا حکم فرمایا اور ان کو مسلم کا لقب عنایت فرمایا" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ حکم ارشادی ہے، یعنی غیر مسلموں کے درمیان اقامت سے دین و ایمان میں نقصان نہیں آتا

------ حواشی --

1012 - شرح الطیبی کتاب القصاص باب قتل اھل الرد: ۷/ ۱۱۱-۱۱۰، وکذا فی المرقات لعلی القاری: ج ۴/ ۵۵

1013 - المحلی لابن حزم: ج ۱۱/ ۲۰۰

لیکن جان ومال کو خطرہ رہتا ہے[1014]

مخلوط آبادی میں قیام کا حکم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایات وتعلیمات ثابت کرتی ہیں کہ مسلمانوں کی سماجی اور اخلاقی تطہیر، اور غیر اسلامی تہذیب وثقافت سے اسلامی معاشرہ کا تحفظ زیادہ مقدم اور ضروری ہے، اس لئے اگر مسلمانوں کو غیر اسلامی ممالک میں ایسی گنجائش میسر ہو کہ وہ اپنی خالص آبادیاں بنا سکیں تو اسلامی معاشرہ اور نسلوں کے تحفظ کے لئے اس کو اولین ترجیح حاصل ہونی چاہئے، البتہ اگر یہ ممکن نہ ہو تو حالتِ ضرورت میں جہاں سہولت ہو رہنے کی اجازت ہے۔

جہاں تک مخلوط آبادی میں رہ کر غیر مسلموں کو اپنے اسلامی اخلاق وکردار سے متاثر کرنے کی بات ہے تو عمومی طور پر اب ایسے اقدار وروایات کے حامل مسلمان نہیں رہے، جن کو دیکھ کر غیر مسلموں پر اسلام کے تعلق سے مثبت اثرات مرتب ہوں، اب تو شاعر مشرق کی زبان میں مسلمانوں کا حال یہ ہو گیا ہے کہ

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

اس لئے ایسی سیرت واخلاق کے مسلمانوں سے اسلام کی علمی دعوت وتبلیغ کی امید نہیں ہے بلکہ ان حالات میں مزید ضروری ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کو علیٰحدہ آبادیوں میں منتقل کیا جائے تاکہ ان کی وجہ سے اسلام اور سلف صالحین کا نام بدنام نہ ہو۔

دوسرے اسلامی اخلاق وتہذیب سے غیر مسلموں کو متاثر کرنے کی اہمیت سب سے زیادہ عہدِ صحابہ میں ہو سکتی تھی، لیکن اس دَور میں بھی اس پر خاص توجہ دی گئی کہ مسلم معاشرہ غیر مسلم معاشرہ سے قطعاً مختلف رہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ شرعی اصول ہے کہ دفع مضرت جلب منفعت سے مقدم ہے، مخلوط

------ حواشی --

1014 - احکام القرآن للجصاص الرازی: ج ۲/ ۳۴۲

آبادی میں اسلامی اخلاق و کردار سے غیر مسلموں کے متأثر ہونے کی اگر کسی درجہ میں امید ہے، تو اس سے کہیں زیادہ اسلامی معاشرے میں غیر اسلامی تہذیبی وفکری اثرات کے داخل ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

نیز مخلوط آبادی میں ہندوستان جیسے ملکوں میں فسادات کے موقعہ پر مسلمانوں کا تحفظ ایک نازک مسئلہ بن جاتا ہے۔

اس کے علاوہ کشید گی کی صورت میں بعض ان قومی رازوں کو چھپانا مشکل ہو جاتا ہے جن کی اس وقت بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔

سب سے اہم ترین مسئلہ آج کے دَور میں انتخابات کے موقعہ پر مسلم نمائندگی کا سامنے آتا ہے، مخلوط آبادی میں کسی مسلم نمائندہ کا کامیاب ہونا بلکہ انتخاب کے لئے بحیثیت امیدوار کھڑا ہونا بھی مشکل ہوتا ہے اور اگر علیٰحدہ آبادیاں ہوں تو مسلمانوں کی نمائندگی کا تناسب بہتر ہو سکتا ہے۔

مذکورہ بالا وجوہات کے پیشِ نظر میرے خیال میں مسلمانوں کی علحدہ آبادی کی صورت اگر ممکن ہو تو اس کو اولین ترجیح دی جانی چاہئے، بصورتِ دیگر مسلمانوں کے لئے مخلوط آبادی میں قیام کرنا ناجائز نہیں ہے، بلکہ ایسے مسلمان جن کی زندگیاں صحیح اسلامی نمونوں پر استوار ہوں، ایسے لوگوں کے لئے مخلوط آبادی میں قیام اسلام اور مسلمانوں کے حق میں زیادہ مفید ہو گا۔ اور انہی لوگوں سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ان کے اسلامی اخلاق و سیرت سے غیر مسلم متأثر ہوں گے اور اس سلسلے میں سب سے بڑا نمونہ صحابہ کرام کی زندگی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اکثر صحابہ روئے زمین کے مختلف حصوں میں اسلام اور علوم اسلامیہ کی تبلیغ واشاعت کے لئے پھیل گئے، اور غیر مسلموں کے درمیان قیام پذیر ہوئے، اور اپنی دعوت و تبلیغ نیز اپنی اسلامی زندگیوں سے اسلام کے تعلق سے ان کے اندر مثبت تبدیلیاں پیدا کیں، صحابہ کے بعد اولیاء اللہ اور مشائخ بھی اس طریق پر گامزن رہے، اور یقیناً یہ اس معیار کے لوگوں کے لئے ایک قابلِ تقلید نمونہ ہے، لیکن عام مسلمانوں کے حق میں یہ مفید نہیں ہو گا۔

غیر مسلموں سے سماجی تعلقات کا معیار

جہاں تک غیر مسلموں سے سماجی تعلقات، ایک دوسرے کی خوشی و غم میں شرکت اور مالی لین

دین کے مسائل کا تعلق ہے، تو اسلام اس سے منع نہیں کرتا، اسلام ایک انسانیت دوست، انسانیت نواز اور امن پرست مذہب ہے، وہ مذہبی مسائل میں جبر کا قائل نہیں ہے، اور اسی لئے جو لوگ اسلام قبول نہیں کرتے نہ ان کا سماجی بائیکاٹ کرتا ہے نہ لوگوں کو ان سے عداوت و دشمنی پر بھڑکاتا ہے، نہ ان کی حق تلفی کی اجازت دیتا ہے، بلکہ وہ تمام انسانی اور شہری حقوق جو کسی انسان کو مل سکتے ہیں ان کو عطا کرتا ہے۔

بعض لوگوں کو قرآن پاک کی ان آیات سے غلط فہمی ہوتی ہے جن میں غیر مسلموں سے دوستانہ تعلق رکھنے سے روکا گیا ہے، مثلاً:

لایتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المومنین و من یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شئی الا ان تتقوا منهم تقة[1015]

ترجمہ : ایمان والے مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں، جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کچھ بھی تعلق نہ ہو گا، مگر یہ کہ تم ان سے بچاؤ چاہو۔

یاایھاالذین آمنوا لاتتخذوا آباء کم واخوانکم اولیاء ان استحبوا الکفر علی الایمان و من یتولھم فاولئک ھم الظالمون[1016]

ترجمہ : اے ایمان والو! اپنے باپ اور بھائیوں کو اگر وہ ایمان کے برخلاف کفر سے محبت رکھیں اپنا دوست نہ بناؤ اور تم میں سے جو لوگ ان سے دوستی رکھیں گے تو وہی حد سے گذرنے والے ہوں گے۔

حالاں کہ اس قسم کی آیات کو ان کے نزول کے پس منظر میں دیکھا جائے تو یہ حکم جنگ اور کشیدگی کے حالات کے لئے ہے، اور ان غیر مسلموں کے لئے ہے جو اسلام اور مسلمانوں سے مختلف محاذوں پر مصروف پیکار ہیں، ان حالات میں تو ہر مذہب اور ہر قوم اپنے دشمن سے قطع تعلق کو ضروری قرار دیتی ہے، قرآن کریم کی بعض آیات میں ان حالات اور دشمن کے سازشی منصوبوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، مثلاً:

یاایھا الذین لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء

------ حواشی --

[1015] ۔ آل عمران: ۳۰

[1016] ۔ توبہ: ۳۰

بعض و من یتولهم منکم فانہ منهم ان الله لایهدی القوم الظالمین فتری الذین فی قلوبهم مرض یسارعون فیهم یقولون نخشی ان تصیبنادائرۃ فعسی الله ان یاتی بالفتح اوامر من عنده فیصبحوا علی ماسروا فی انفسهم ندمین[1017]

ترجمہ : اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو رفیق نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں، اور جو کوئی تم میں سے ان سے رفاقت کرے وہ انہی میں ہے، اللہ بے انصاف لوگوں کو راہ نہیں دیتا، اب تو ان کو دیکھتا ہے جن کے دل میں بیماری ہے، کہ وہ دوڑ کر ان سے جا ملتے ہیں کہتے ہیں ہم کو ڈر ہے کہ ہم پر کوئی گردش نہ آجائے، تو اللہ شاید جلد (مسلمانوں کی) فتح یا (ان کی کامیابی کی) کوئی اور بات اپنے پاس سے بھیجے تو پھر وہ اپنے دل کی چھپی بات پر پچھتانے لگیں، (ترجمہ علامہ سید سلیمان ندویؒ)

یایها الذین آمنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم هزواولعبا من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم والکفار اولیاء واتقوا الله ان کنتم مؤمنین[1018]

ترجمہ : اے ایمان والو! اہلِ کتاب اور کفار میں سے ان کی جو تمہارے دین کو ہنسی مذاق بناتے ہیں اپنا رفیق نہ بناؤ اور خدا سے ڈرو اگر یقین رکھتے ہو۔

ان آیات میں پوری وضاحت ہے کہ کن لوگوں کو اور کن حالات میں اپنا رفیق کار، محرم اسرار، اور مددگار بنانے سے روکا گیا ہے، اور اس کا مقصد کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی باغیرت قوم یا فرد اپنا یا اپنے دین و مذہب کا استہزاء کرنے والے لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنا کو گوارا نہیں کر سکتا۔ قرآن پاک میں اس طرح کی متعدد آیات موجود ہیں۔ جن میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت اور حدود پر روشنی

------ حواشی --

1017 - مائدہ:۸

1018 - مائدہ:۹

ڈالی گئی ہے، ایک آیت اس سلسلے میں بہت ہی زیادہ واضح ہے:

لا ینهكم الله عن الذين لم يقاتلوكم فى الدين و لم يخرجوكم من دياركم ان تبروهم و تقسطواالیهم ان الله يجب المقسطين ، انما ينهكم الله عن الذين قاتلو كم فى الدين اخرجوكم من دياركم وظاہرواعلى اخراجكم ان تولوهم ومن يتولهم فاولئک هم الظالمون[1019]

ترجمہ: خدا تم کو ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جو تم سے مذہب میں لڑائی نہیں کرتے، اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالتے ہیں، خدا انصاف والوں کو پیار کرتا ہے، وہ صرف ایسے لوگوں کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے سے منع کرتا ہے ، جو تم سے تمہارے مذہب کے بارے میں جنگ کریں، اور تم کو تمہارے گھروں سے نکالیں اور تمہارے نکالنے پر ایک دوسرے کے مدد گار ہیں، جو ان سے دوستی کا دم بھر کریں گے وہی بے انصاف ہوں گے۔

قرآن نے یہ خبر بھی دے دی ہے کہ یہ حالات ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ بلکہ ایسے حالات بھی آنے والے ہیں جب یہ لوگ تمہارے بالکل دوست بن جائیں گے۔

عسى الله ان يجعل بينكم و بين الذين عاد يتم منهم مودّة و الله قدير[1020]

ترجمہ : اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے دشمنوں کے درمیان دوستی پیدا کردے اور اللہ بڑی قدرت والا ہے۔

جس شخص کے سامنے قرآن پاک کی یہ تمام آیات ان کے پورے تاریخی پسِ منظر کے ساتھ ہوں وہ کبھی اسلام کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہو سکتا۔

اسلام ساری انسانیت کا دوست ہے اور ہر ایک سے اس کے حدود کے مطابق تعلقات رکھنے کی

------ حواشی --

1019 ۔الممتحنۃ:۲۰

1020 ۔ ممتحنہ:۳۰

اجازت دیتاہے، البتہ ہر تعلق میں یہ لحاظ رکھنا ضروری ہو گا کہ اسلام اور مسلمانوں کی غیرت و وقار پر سوالیہ نشان نہ لگے۔ اور وہ اسلام کے مزاج یااس کے بنیادی اصولوں میں سے کسی اصول سے متصادم نہ ہو۔

غیر مسلموں کی خوشی و غم میں شرکت

باہم سماجی اور انسانی تعلقات کی بنیاد پر ایک دوسرے کی خوشی و غم میں شرکت کرنی پڑتی ہے، اسلام اس کی اجازت دیتاہے، بشرطیکہ خلاف شرع کسی امر کا ارتکاب کرنا نہ پڑے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ غیر مسلم کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، بخاری و ابو داؤد میں حضرت انسؓ کی روایت ہے۔

قال کان غلام یھودی یخدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمرض فاتاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعودہ فقعد عند رأسہ فقال لہ اسلم فنظر الی ابیہ۔ وھو عندہ۔ فقال لہ اطع ابا القاسم فاسلم فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقول الحمد اللہ الذی انقذہ بی من النار[1021]

ترجمہ : ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتا تھا، وہ بیمار ہوا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، اور اس کے سرہانے میں تشریف فرماہوئے پھر آپ نے اس سے کہا مسلمان ہو جا! وہ اپنے باپ کی طرف دیکھنے لگا جو وہیں پر موجود تھا، اس کے باپ نے کہا ابو القاسم کی بات مان لے، چنانچہ وہ مسلمان ہو گیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے یہ کہتے ہوئے نکلے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے میرے ذریعہ اس کو آگ سے نجات مرحمت فرمائی۔

بعض علماء نے اس حدیث کی شرح کے ذیل میں کہاہے کہ اگر اسلام کی دعوت دینے کا ارادہ ہو اور

------ حواشی --

1021 - رواہ احمد والبخاری وابو داؤد، نیل الاوطار: ج ۷/ ۲۷۹، اعلاء السنن: ج ۱۲/ ۵۳۴

امید ہو کہ وہ یہ دعوت قبول کرلے گا تو عیادت کر سکتے ہیں، یہ ارادہ یا امید نہ ہو تو عیادت جائز نہیں، ابن بطال وغیرہ کی یہی رائے ہے، لیکن حافظ منذری نے ان حضرات کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ حدیث میں ایسی کوئی قید نہیں ہے بلکہ مختلف مقاصد اور مصالح (جن میں سماجی اور انسانی تعلقات بھی شامل ہیں) کے تحت عیادت کرنے کا جواز ہے[1022]

الاشباہ والنظائر میں ہے کہ اپنے غیر مسلم پڑوسی کی عیادت اور ضیافت مکروہ نہیں ہے۔ اس کے حاشیہ میں علامہ حمویؒ رقمطراز ہیں کہ جامع الصغیر کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ پڑوسی کی قید محض اتفاقی ہے اس لئے کہ امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ وہ نصاریٰ کی عیادت کو جائز قرار دیتے تھے اسی طرح بہت سے فقہاء حنفیہ نے مجوسی کی عیادت کی اجازت دی ہے۔ بعض کو اس سے اختلاف بھی ہے[1023]

امام ابو یوسفؒ کی کتاب "الخراج" میں ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا کہ کسی یہودی یا نصرانی کا لڑکا یا کوئی رشتہ دار مر جائے تو اس کی تعزیت کن الفاظ میں کی جائے، امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اس سے یہ الفاظ کہنے چاہئیں "بیشک موت برحق ہے، اللہ آپ کو اس سے بہتر چیز عطا کرے، انا اللہ وانا الیہ راجعون مصیبت پر صبر کیجئے۔

ہم کو یہ خبر ملی ہے کہ ایک نصرانی شخص حضرت حسن بصری کے پاس آتا تھا، اور آپ کی مجلس میں بیٹھتا تھا اس کی موت ہوئی تو حضرت حسنؒ اس کے گھر تعزیت کے لئے تشریف لے گئے[1024]

غیر مسلم کی تجہیز و تکفین میں شرکت

رہا یہ کہ غیر مسلم کے جنازہ یا اس کی تجہیز و تکفین میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ تو اس سلسلے میں علماء کی عبارتوں سے حکمِ شرعی یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مرنے والا غیر مسلم کسی مسلمان کا قریبی رشتہ دار ہو، اور اس

------ حواشی --

1022 - نیل الاوطار: ۲۸/۷

1023 - الاشباہ والنظائر احکام الذمی: ۳۵۱

1024 - کتاب الخراج: ۲۵۷

سے زیادہ کوئی قریب ترین اہلِ تعلق موجود نہ ہو جو اس کی تجہیز و تکفین کی ذمّہ داری اٹھا سکے، تو ایسے شخص کے لئے اپنے غیر مسلم رشتہ دار کی تجہیز و تکفین میں شرکت کرنا اور اس ذمّہ داری کو نبھانا جائز ہے، اور اس حکم کا اصل ماخذ حضرت ابو طالب کا واقعۂ انتقال ہے۔

حضرت ابو طالب کا انتقال ہوا اور حضرت علیؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چچا کی موت کی خبر دی تو آپ نے حضرت علیؓ کو ان کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا، اس لئے کہ حضرت علیؓ بحیثیت بیٹا ان سے زیادہ قریب تھے، یہ روایت مختلف طرق سے مختلف کتابوں میں آئی ہے[1025]

ایک روایت دارقطنی میں حضرت کعب بن مالکؓ کے حوالے سے آئی ہے، فرماتے ہیں کہ ثابت بن قیس بن شماسؓ خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور اپنی نصرانی ماں کی موت کی خبر سنائی اور عرض کیا کہ میں اس کے جنازہ میں شریک ہونا چاہتا ہوں، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ارکب دابتک وسرا مامها فانک اذا کنت امامها لم تکن معها[1026]

کہ اپنی سواری پر سوار ہو کر جنازہ سے آگے آگے چلو، آگے چلنے کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اس جنازہ کے ساتھ نہیں ہو، (جبکہ لوگ تم کو ساتھ سمجھ رہے ہوں گے) یعنی اس حکمتِ عملی سے صورۃً تمہاری شرکت ہو جائے گی اور حقیقت میں نہیں ہوگی۔

امام احمد کا نقطۂ نظر اسی حدیث کے مطابق ہے کہ غیر مسلم رشتہ دار کی موت میں شرکت جائز نہیں لیکن علامہ زیلعی نے اس حدیث کو ضعیف اور نا قابلِ استدلال قرار دیا ہے[1027]

فقہاء حنیفہ اور اکثر علماء نے حضرت ابو طالب کی تجہیز و تکفین والی روایت کو اس باب میں ماخذ قرار

------ حواشی --

1025 - نصب الرایہ: ج ۲ ص ۲۸۱، اعلاء السنن: ج ۸ / ص ۲۸۲ بروایت ابو داؤد، نسائی، طبرانی، مسند احمد ابویعلیٰ، بزار اور بیہقی، التلخیص الحبیر لابن حجر: ج ۱ / ص ۱۵۷، ۱۵۸

1026 - سنن الدارقطني ج 2 ص 75 حديث نمبر : 6 المؤلف : علي بن عمر أبو الحسن الدارقطني البغدادي الناشر : دار المعرفة – بيروت ، 1386 – 1966 تحقيق : السيد عبد الله هاشم يماني المدني عدد الأجزاء : 4

1027 - نصب الرایہ: ۲/ ۲۸۱

دیا ہے اور اس حدیث کے مطابق یہ حکم بیان کیا ہے کہ قریب ترین رشتہ داروں کی تجہیز و تکفین میں شرکت کی جاسکتی ہے البتہ اگر کوئی دوسرا قریبی متبادل شخص موجود ہو تو شرکت سے احتیاط کرنا اولیٰ ہے، مگر ظاہر ہے کہ بعض مرتبہ مختلف مصالح کے تحت احتیاط پر عمل نہ کرنا خود احتیاط بن جاتا ہے، در مختار میں ہے۔

ویغسل المسلم ویکفن ویدفن قریبہ الکافر الاصلی عند الاحتیاج فلولہ قریب فاولیٰ ترکہ لھم[1028]

ترجمہ: مسلمان اپنے قریب ترین کافر رشتہ دار کی تجہیز و تکفین اور تدفین وغیرہ میں بوقتِ ضرورت شریک ہو سکتا ہے البتہ اگر کوئی اور رشتہ دار ہو تو چھوڑ دینا بہتر ہے۔

واضح رہے کہ فقہاء نے یہ مسئلہ دار الاسلام کے پس منظر میں لکھا ہے غیر مسلم ملکوں کے لئے یہ بات اتنی آسانی سے نہیں لکھی جاسکتی تھی ۔

اور اگر کوئی غیر مسلم مر جائے اور اس کا کوئی رشتہ دار موجود نہ ہو نہ مسلمانوں میں اور نہ غیر مسلموں میں اور کوئی غیر مسلم اس ذمّہ داری کو اٹھانے کے لئے موجود یا تیار نہ ہو، تو ایسی صورت میں مسلمانوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اس کی تجہیز و تکفین کریں اور اس حکم کا ماخذ بدر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے تمام غیر مسلم مقتولین کو خود اپنی نگرانی میں دفن کروایا اس لئے کہ کفارِ مکہ شکست کے بعد میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے[1029]

عہدِ حاضر کے علماء میں شیخ عبد العزیز بن بازؒ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔[1030]

البتہ وہ غیر مسلم جن سے محض سماجی یا انسانی تعلق ہو اور ان کی تجہیز و تکفین کرنے والے

------ حواشی--

1028 - در مختار علی ہامش رد المحتار صلوٰۃ الجنازہ: ج ۳ ص ر ۱۳۴، کذا فی البحر الرائق: ج ۲ ر ص ۳۲۵، وکذا فی الھندیہ کتاب الجنائز: ج ۱ ص ر ۱۶۰ ر وغیرہ ذلک من الکتب لفقھیۃ

1029 - روض الانف بحوالہ سیرۃ النبی علامہ شبلی نعمانی: ج ۱ ص ر ۳۱۹

1030 - فتاوی اسلامیہ: ج ۲ ر ص ۲۰ بیروت

دوسرے لوگ موجود نہیں ایسے لوگوں کی تجہیز و تکفین میں شرکت کے لئے عبد اللہ بن اُبی کے جنازہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت کو ماخذ بنایا جا سکتا تھا۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (عبد اللہ بن عبد اللہ کی خواہش پر) عبد اللہ بن ابی کی قبر کے پاس تشریف لائے جبکہ اس کو قبر کے گڑھے میں رکھا جا چکا تھا اس کو نکالنے کا حکم دیا اور اس کا سر اپنے گھٹنے پر رکھ کر اپنا لعاب مبارک اس کے کفن پر ڈالا اور اپنی قمیص اس کو پہنائی، اور پھر اس کو دفن کیا گیا۔[1031]

ایسا آپ نے کیوں فرمایا، حضرت جابر بن عبد اللہؓ کا خیال ہے کہ اُحد کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کو کپڑا عبد اللہ بن اُبی نے دیا تھا یہ اسی کا بدلہ تھا۔[1032]

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے یہ عمل ایک دینی مصلحت کے تحت فرمایا، حضرت عمرؓ نے جب آپ سے اس کی وجہ دریافت کی تو آپ نے فرمایا میرا کفن یا لعاب اس کو نفع تو نہیں دے گا لیکن میں نے سوچا کہ اس کے ساتھ میرا حسن سلوک شاید اسکی قوم کے اسلام لانے کا سبب بن جائے۔

چنانچہ روایتوں میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حسنِ سلوک سے متاثر ہو کر قبیلہ خزرج کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہوئے[1033]

لیکن ان تمام مصالح کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل کو باقی رہنے نہ دیا اور آیت کریمہ نازل فرما کر آپ کو کسی بھی مشرک کی قبر پر جانے یا اس کے جنازہ میں شرکت سے منع فرما دیا۔

ولا تصل علی احد منهم مات ابدا ولا تقم علی قبره[1034]

------ حواشی --

1031 ۔ متفق علیہ، مشکوٰۃ، کتاب الجنائز :۱۴۴

1032 ۔ متفق علیہ، مشکوٰۃ:۱۴۴

1033 ۔ تفسیر کبیر امام رازی: ج ۸ / ص ۱۲۱، احکام القرآن لابن العربی: ج ۲ / ص ۹۹۲، جامع البیان للطبری: ج ۱، ص ۱۴۲، تفسیر مظہری: ج ۴ / ص ۲۷۷ سورۂ توبہ

1034 ۔ التوبۃ: ۸۴

ترجمہ: کسی غیر مسلم پر آپ کبھی نمازِ جنازہ نہ پڑھیں اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہوں۔

صاحب جلالین لکھتے ہیں :

ولا تقم على قبره لدفن او زيارة[1035]

ترجمہ: آپ ان کی قبر پر کھڑے نہ ہوں نہ دفن کی غرض سے اور نہ زیارت کے لئے۔

علامہ جصاص رازیؒ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

قال علماؤنا هذا نص فى الامتناع من الصلوٰة على الكفار[1036]

ترجمہ :ہمارے علماء نے کہاہے کہ اس آیت میں صراحت کے ساتھ کفار پر نمازِ جنازہ پڑھنے سے ممانعت کر دی گئی ہے۔(تو پھر ان کے لئے ایصال ثواب کا کیا جواز بنتا ہے)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بلا ضرورت غیر مسلم کے جلوسِ جنازہ یا اس کی تجہیز و تکفین میں شرکت کی اجازت نہیں ہے، بالخصوص اس وقت جب کہ تمام رسوم و اعمال غیر اسلامی طریقے پر انجام دیئے جائیں، اور بہت سی منکرات بھی اس میں موجود ہوں، اس لئے عام حالات میں عام مسلمانوں کے لئے بلا ضرورت اس کی اجازت نہیں ہو گی۔

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

☆مسلمانوں کو ایسی جگہ رہائش اختیار کرنی چاہئے، جہاں وہ اپنے دین وایمان اور اپنے تشخص کو بر قرار رکھ سکیں اور تعلیم و تربیت کا ایسا انتظام کرنا چاہئے جس سے اپنے دینی وملی تشخص کی حفاظت کر سکیں۔

☆اسلام میں غیر مسلم پڑوسیوں اور اہل تعلق کے بھی حقوق ہیں، اس لئے ان کی

------ حواشی

1035 ۔جلالین: ج ا/ ص ۱۶۴

1036 ۔الجامع لاحکام القرآن: ج ۸/ ص ۱۴۰/ دار الکتب العلمیۃ

بیماری و غم کے موقعوں پر ان کی عیادت و تعزیت کی جائے۔[1037]

غیر مسلموں کے تہواروں میں مسلم قصابوں کی خدمات

غیر مسلم حضرات اپنے تہواروں کے موقع پر مسلمان قصاب سے جانور ذبح کرنے کی خواہش کرتے ہیں، اس صورت میں اگر یہ جانور بتوں کے سامنے ذبح نہ کئے جائیں، بلکہ بتوں سے دُور الگ مَقام پر ذبح کئے جائیں تو مسلمان قَصاب کے لئے گنجائش ہوگی کہ وہ غیر مسلموں سے تعلقات کی بنا پر ان کے جانور ذبح کر دے اور چاہے تو اس پر اُجرت بھی لے سکتا ہے عالمگیری میں ہے۔

اذا استاجر طبلا ليس بلهو و ذكر مدة يجوز و رجلا يحمل الجيفة اويذبح شاة او ظبيا يجوز[1038]

ترجمہ :اگر کوئی غیر مسلم شخص کوئی طبلہ کرایہ پرلے جو آلۂ لہوولعب نہ ہو، اور مدّت کا ذکر کردے تو یہ معاملہ جائز ہے، یا کسی شخص سے کوئی مردار اٹھا کر لیجانے کا معاملہ کرے، یا بکری یا ہرن ذبح کرنے کا معاملہ کرے تو جائز ہے۔

اگر چہ کہ اس جزئیہ میں کسی مذہبی تہوار کا ذکر نہیں ہے لیکن بتوں کے سامنے ذبح نہ ہو اور بتوں کے نام پر نہ ہو تو اس کے عموم میں اس کی گنجائش نکلتی ہے، البتہ اگر بتوں کے سامنے ذبح کرنے کی فرمائش ہو تو میرے خیال میں اس کی گنجائش نہ ہوگی، اس لئے کہ یہ صریح طور پر انماالخمر والمیسر و الانصاب الآیۃ کے تحت داخل ہوگا، اور یہ بدترین معصیت ہے اور کسی معصیت میں تعاون جائز نہیں بالخصوص اس میں جو غیر مسلموں کے مذہبی شعائر میں داخل ہو۔

الانصاب کی تفسیر روح المعانی میں یہ کی گئی ہے۔

والانصاب وهى الاصنام المنصوبة للعبادة ويذبحون عندها

------ حواشی ---

1037 - جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، حصہ اول ص ۲۱۸

1038 - فتاویٰ عالمگیری کتاب الاجارۃ ج ۴ ص ۴۵۰، المطبعۃ الامیریۃ بولاق مصر، ۱۳۱۰ھ

والاصنام ماصور اوعبد من منع دون الله عزوجل[1039]

ترجمہ : انصاب سے مراد بت ہیں، جو عبادت کے لئے نصب کئے گئے ہوں اور مشرکین اس کے پاس جانور ذبح کرتے ہوں، اور بت سے مراد تراشا ہوا مجسمہ ہے یا اللہ کے سوا کوئی مخلوق جس کے ساتھ بت والا معاملہ کیا جائے۔

غیر مسلموں سے تحائف کا تبادلہ

غیر مسلموں سے جائز مقاصد کے تحت عام حالات میں ہدیوں اور تحفوں کا تبادلہ جائز ہے، البتہ مخصوص حالات میں اس سے احتیاط کی جائے تو بہتر ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں دونوں طرح کا عمل منقول ہے، آپ نے کئی غیر مسلموں کا ہدیہ قبول فرمایا ہے، اور بعض کو خود بھی ہدیہ دیا ہے، جبکہ کئی غیر مسلموں کا ہدیہ آپ نے رد فرمادیا ہے۔

مثلاً ۵ھ میں جب اہلِ مکہ مسلمانوں پر حملہ کے لئے اپنی فوجی مہم نہ بھیج سکے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دلجوئی کے لئے حضرت عمرو بن اُمیہ ضمریؓ کے ہمراہ ابوسفیان کو عجوہ کھجوریں بطورِ ہدیہ ارسال فرمائیں، اور ایک مکتوب کے ذریعہ خود ان سے بھی کچھ ہدیہ طلب فرمایا، چنانچہ حضرت ابوسفیانؓ نے آپ کو وہ چیز بطورِ ہدیہ ارسال کی[1040]

قبطی رئیس مقوقس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو اچھی باندیاں، اور ایک خچر بطورِ ہدیہ بھیجا، اور اس کا ذکر اس نے اپنے مکتوب میں بھی کیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام اس نے تحریر کیا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی تردید منقول نہیں ہے[1041]

------ حواشی --

1039۔ روح المعانی: ۷/ ۱۵

1040 ۔ کتاب الاموال لابی عبید فصل نمبر ۶۳۱، شرح السیر الکبیر للسرخسی باب ۱۳ ج ۱/ ص ۷۰، مبسوط سرخسی: ج ۱۰/ ص ۹۲، الوثائق / ۷۶

1041 ۔ فتوح مصر لابن عبد الحکم / ۴۸، قسطلانی: ج ۲/ ص ۲۹۲-۲۹۳، قلقشندی: ج ۶/ ص ۴۶۷، الزیلعی: ج ۱/ ص ۲، الوفاء لابن الجوزی / ۷۱۷، الزرقانی: ج ۲/ ص ۳۴۹/ الوثائق السیاسیۃ: ۱۳۶

بحرین میں کسریٰ کے گورنر اُسَیبُخت بن عبد اللہ نے غالباً حضور ﷺ کو لکھا تھا کہ آپ کسی چیز کی فرمائش کریں تو ارسال کروں گا، اس کے جواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا:

اما بعد فانی لااستھدی احداً فان تھدالی اقبل ھدیتک[1042]

ترجمہ : میں کسی سے ہدیہ طلب نہیں کرتا اگر تم کوئی ہدیہ بھیجوگے تو قبول کرلوں گا۔

بعض ہدیے آپ نے رد بھی فرمائے ہیں مثلاً ابو براء عامر بن مالک بن جعفر ملاعب الاسنۃ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک گھوڑا بطورِ ہدیہ بھیجا آپ نے اس کا گھوڑا یہ کہہ کر واپس فرمادیا کہ

انی نھیت عن زبد المشرکین۔۔۔۔[1043]

مجھے مشرکین کے ہدیہ سے روکا گیا ہے۔

بعض تحفے آپ نے واپس تو نہیں کئے لیکن خود بھی استعمال نہیں کئے بلکہ لوگوں میں تقسیم کرادیئے مثلاً ہرقل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ دینار بطور ہدیہ بھیجے تھے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا تھا، جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں قیام فرماتھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جھوٹا قرار دیا اور اس کے بھیجے ہوئے دینار لوگوں میں تقسیم کرادیئے[1044]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ان روایات کے درمیان علماء نے دو طرح سے تطبیق دی ہے:

(ا) ایک یہ کہ جس شخص کے بارے میں آپ کو احساس ہوا کہ اس کے گمان میں آپ کی تمام تر جنگی جدوجہد کا مقصد مال و دولت کا حصول ہے، اس کے ہدیہ کو آپ نے رد فرمادیا، اور جس کے بارے میں خلوص کا یقین ہوا اس کو قبول فرمالیا۔

------ حواشی --

1042 - طبقات ابن سعد ج ۱، ص ۲۷، معجم البلدان لیاقوت مادۃ "البحرین" الوثائق السیاسیۃ ۱۵۳-۱۵۴

1043 - روض الانف ج ۲، ص ۳۲۱، کتاب الاموال لابی عبید ص ۶۳۰، الوثائق السیاسیۃ ص ۳۱۴

1044 - - تاریخ دمشق لابن عساکر: ۴۲۰، مسند احمد بن حنبل: ج ۳ ر ص ۴۴۱، ۴۴۲، ج ۴ ر ۷۵-۷۴، کتاب الاموال لابی عبید فصل ر ۶۲۴، ۶۲۵، الوثائق السیاسیۃ : ۱۱۴-۱۱۵

(۲) دوسری تطبیق یہ دی گئی ہے کہ جس غیر مسلم کا ہدیہ قبول کرنے میں دینی اور ملی صلابت وغیرت کی کمی کا احساس ہوتا اس کو رد فرمادیتے اور جہاں یہ احساس نہ ہوتا اس کو قبول فرمالیتے۔[1045]

فقہاء نے انہی روایات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ:

ولا يقبل هدية الكفار ان كان يقل صلابته معهم بقبولها[1046]

ترجمہ: اگر غیر مسلموں کا ہدیہ قبول کرنے میں غیرت ایمانی اور کفر کے بالمقابل صلابت میں کمی آنے کا اندیشہ ہو توان کا ہدیہ قبول نہ کرے۔

اسی طرح یہ مسئلہ بھی اسی سے مستنبط کیا گیا ہے کہ اگر غیر مسلم کا ہدیہ قبول کرنے کا مقصد ان کی دلجوئی اور پھر اس کے نتیجہ میں اسلام اور مسلمانوں سے قربت کی امید ہو تو ہدیہ قبول کرنا جائز ہے ورنہ جائز نہیں[1047]

یہ حکم عام حالات کے لئے ہے، یعنی غیر مسلموں کے ایسے تحفے جو ان کے مذہبی تہواروں سے متعلق نہ ہوں ان کا قبول کرنا مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق جائز ہے۔

غیر مسلموں کی دعوت

اسی طرح غیر مسلموں کی دعوت کرنا یا ان کی دعوت قبول کرنے کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر شرح صدر ہو، اپنی صلابت ایمانی کے کمزور ہونے کا اندیشہ نہ ہو، اور اس کی عادت نہ بنالی جائے، تو غیر مسلموں کی دعوت قبول بھی کی جاسکتی ہے، اور ان کی ضیافت بھی کی جاسکتی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے موقعہ پر ایک یہودیہ عورت کی دعوت قبول کی اور اس کا بھیجا ہوا گوشت تناول فرمایا، یہ بھی دریافت نہیں فرمایا کہ یہ کس کا ذبیحہ ہے۔[1048]

------ حواشی --

1045 - المحیط: ج ٦ / ص ٢٣٢، بحوالہ امداد الفتاویٰ: ج ٣، ص ٤٨١ - ٤٨٢

1046 - فتاویٰ ہندیہ کتاب الکراہیۃ: ج ٦ / ص ٣٥٩

1047 - شرح السیر الکبیر ج ٣ / ص ٢٧، فتح الباری لابن حجر: ج ٥ / ص ١٧١، اعلاء السنن: ج ٦ / ص ١٥٢

1048 - احکام القرآن للجصاص: ج ٢ / ص ٣٩٤

فتاویٰ ہندیہ میں ہے۔

واکل مع الکفاراوابتلیٰ بہ المسلم لاباس لومرۃ او مرتین واماالدوام علیہ فیکرہ[1049]

ترجمہ : مسلمانوں کو اگر غیر مسلموں کے ساتھ کھانے کی نوبت آجائے تو ایک دوبار میں کچھ حرج نہیں، البتہ عادت بنالینا مکروہ ہے۔

اس طرح گاہے گاہے عام حالات میں غیر مسلم کو دعوت بھی دی جاسکتی ہے، ہندیہ میں ہے:

لاباس بان یضیف کافرا لقرابۃ اولحاجۃ کذا فی التمرتاشی[1050]

ترجمہ : قرابت یاحاجت کی بنیاد پر کسی غیر مسلم کی ضیافت کرنا جائز ہے۔

یہ تمام گفتگو عام حالات کے لئے ہے۔

غیر مسلموں کے تہواروں کا تحفہ

البتہ مذہبی تہوار میں مثلاً دیوالی یاہولی یاکرسمس وغیرہ کے موقع پر جو تحفے یادعوتیں دی جاتی ہیں ان میں تھوڑی سی تفصیل ہے۔

صحابہ اور سَلفِ صالحین سے اس سلسلے میں دوقسم کے رجحانات منقول ہیں، مثلاً:

حضرت علی بن ابی طالبؓ سے منقول ہے کہ کسی غیر مسلم نے ان کی خدمت میں نیروز کا ہدیہ پیش کیاتو آپ نے قبول کرلیا۔[1051]

مصنف بن ابی شیبۃ میں روایت ہے کہ ایک عورت نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیاکہ مجوسیوں سے ہمارے تعلقات ہیں اوراس کی وجہ سے وہ اپنے تہوار کے موقعہ پر ہمیں ہدیہ دیتے ہیں، حضرت عائشہ نے

------ حواشی--

1049 - فتاویٰ ہندیہ کتاب الکراہیۃ:ج۵/ص۳۵۹

1050 -ہندیہ کتاب الکراہیۃ:ج۵/ص۳۴۷

1051 -الاقتضاءلابن تیمیہ:۱۲۰

فرمایا اس دن جو ذبیحے ہوتے ہیں ان میں سے اگر گوشت وغیرہ دیں تو نہ کھاؤ، البتہ پھل وغیرہ کھا سکتی ہو[1052]

حضرت ابو برزہ اسلمیؓ سے منقول ہے کہ مجوسیوں سے ان کے بعض روابط تھے، ان کے پڑوس میں وہ لوگ آباد تھے نیروز اور مہرجان کے موقعہ پر وہ لوگ تحفے وغیرہ بھیجا کرتے تھے تو وہ اپنے گھر والوں سے فرماتے کہ پھل وغیرہ تو کھالو اور باقی چیزیں واپس کر دو۔

ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ:

ان آثار سے ثابت ہوتا ہے کہ ہدایا اور تحائف کے باب میں تہوار سے کوئی فرق نہیں پڑتا، اور نہ اس سے غیر مسلموں کی اعانت لازم آتی ہے، اس لئے غیر حربی کافروں کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے، خواہ وہ تہوار کے موقعہ پر ہو یا کسی اور موقع پر۔[1053]

ہمارے اکابر میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی بھی یہی رائے ہے، تحریر فرماتے ہیں:

> ”صرف دو جزو خاص قابل تعرض کے باقی رہ گئے، ایک یہ کہ ہدیہ دیوالی کا شاید اس تہوار کی تعظیم کے لئے ہو جس کو فقہاء نے سخت ممنوع لکھا ہے، دوسرا یہ کہ اس میں تصاویر بھی ہوتی ہیں، ان کا اقتناء واحترام مستلزم للتقوم والشمال لازم آتا ہے اور بعض فروع میں تصاویر کے تقوم کی نفی کی گئی ہے، تو اس میں اس حکم شرعی کا بھی معارضہ ہے، جواب اول کا یہ ہے کہ یہ عادت سے معلوم ہے کہ اس ہدیہ کا سبب مہدی لہ کی تعظیم ہے نہ کہ تہوار کی تعظیم، اور جواب ثانی کا یہ ہے کہ مقصود اہداء میں صورت نہیں بلکہ مادہ ہے، البتہ یہ واجب ہے کہ مہدی لہ فوراً تصاویر کو توڑ ڈالے۔[1054]

اس کے بالمقابل حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلیؒ نے ذخیرۃ الفتاویٰ کی ایک عبارت نقل کی ہے

------ حواشی --

1052 - الاقتضاء لابن تیمیہ: ۱۲۰

1053 - اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ: ۱۲۰

1054 - امداد الفتاویٰ: ج ۳/ ص ۴۸۲

، اس سے تہوار کے موقعہ پر غیر مسلموں کے تحائف قبول کرنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے، ذخیرہ کی عبارت ہے :

لاینبغی للمومن ان یقبل ہدیۃ کافرفی یوم عیدولوقبل لایعطیھم ولایرسل الیھم[1055]

ترجمہ: مسلمان کے لئے مناسب نہیں کہ کافر کا ہدیہ تہوار کے موقع پر قبول کرے، اور اگر قبول کرے تو ان کو ہر گز کوئی تحفہ بدلہ میں نہ دے اور نہ کسی کے ہاتھ بھیجے۔

"فی یوم عید" کا اطلاق مسلم اور غیر مسلم دونوں کے تہوار پر ہو سکتا ہے۔

تھوڑی گنجائش تو ذخیرہ کی عبارت میں بھی موجود ہے۔ دونوں رجحانات کے درمیان تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے، کہ مذہبی تہواروں کے موقع پر دو طرح کے تحفے آتے ہیں، بعض وہ ہوتے ہیں جو بتوں اور دیوتاؤں پر چڑھائے جاتے ہیں، جن کو برادران وطن "پرشاد" کہتے ہیں، ان کا قبول کرنا جائز نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ مااھل بہ لغیر اللہ کا اطلاق اس پر بھی ہوتا ہے، اور ذخیرہ کی عبارت کا محمل غالباً یہی صورت ہے، اور بعض وہ ہوتے ہیں جو اس موقعہ پر لوگوں میں تقسیم کرنے یا بچوں کے کھانے کے لئے بنائے جاتے ہیں، اس قسم کے تحفے قبول کرنے کی گنجائش ہے اور علامہ ابن تیمیہؒ اور حضرت تھانویؒ کے فتاویٰ کا محمل غالباً یہی شکل ہے۔

اس طرح سابقہ تفصیلات سے حکم شرعی یہ منقح ہو کر سامنے آتا ہے کہ غیر مسلموں کے غیر مذہبی تحائف قبول کرنا شرح صدر اور حالات کے مطابق جائز ہے، اور اگر حالات اجازت نہ دیں یا غیر مسلم کی نیت و عمل پر اطمینان نہ ہو تو قبول کرنا مناسب نہیں، اور مذہبی تحائف اگر بتوں پر چڑھائے ہوئے ہوں تو قبول کرنا جائز نہیں اور اگر بتوں پر چڑھائے ہوئے نہ ہوں تو قبول کرنا جائز ہے۔

------ حواشی --

1055 - فتاویٰ عبدالحی اردو: ج ۱ ر ص ۴۰۳

غیر مسلموں کو ان کے تہواروں میں تحفے دینا

ذخیرۃ الفتاویٰ کے مذکورہ بالا جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کو ان کے مذہبی تہواروں کے موقعہ پر ہدیہ دینے کا کوئی جواز نہیں ہے، نہ ہدیہ کے بدلے میں ہدیہ دینا درست ہے اور نہ اپنی طرف سے اس میں پہل کرنا درست ہے، علامہ ابن تیمیہ نے "اقتضاء الصراط المستقیم" میں جو بحث کی ہے اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے ابن تیمیہ لکھتے ہیں کہ:

> "ابن القاسم نے نصرانی کو اس کے تہوار کے موقعہ پر ہدیہ بھیجنے کو مکروہ کہا ہے، چاہے بدلہ کے طور پر ہی ہو، بلا بدلہ دینا تو اور بھی زیادہ مکروہ ہے، اس لئے کہ اس میں ان کے تہوار کی تعظیم اور مصالح کفر میں ان کی یک گونہ مدد ہے، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے لئے غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں کے موقعہ پر ان کے لئے ان کے تہوار کی مناسبت سے کوئی چیز بنا کر مثلاً گوشت، سالن وغیرہ بیچنا یا اپنی سواری ان کو بطورِ عاریت دینا وغیرہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں ان کے کفر و شرک کی تعظیم اور مصالح کفر کا تعاون ہوتا ہے، مسلم بادشاہوں کو چاہئے کہ غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کی اس قسم کی شرکت پر پابندی لگائیں، امام مالکؒ اور دیگر علماء کی رائے یہی ہے اور میرے علم میں اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔[1056]

غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات میں شرکت

اسی سے اس کا حکم بھی نکلتا ہے کہ غیر مسلموں کے مذہبی میلوں اور تقریبات میں مسلمانوں کی شرکت یا ان کے عبادت خانوں میں مسلمانوں کا جانا تفریح یا نمائندگی کی نیت سے جائز نہیں ہے، البتہ تجارت کی نیت سے جانا جبکہ وہاں معصیت نہ ہو اور عذر و غیرہ میں داخل ہونے کی نوبت نہ آئے تو اس کی گنجائش ہے۔

------ حواشی ------

1056 - اقتضاء الصراط المستقیم: ۱۱۱

علامہ ابن تیمیہ نے جامع خلال کے حوالہ سے لکھا ہے :

کہ امام احمدؒ سے شام میں غیر مسلموں کے بعض مذہبی تہوار مثلاً طوریابور، اور دیر ابواب وغیرہ میں مسلمانوں کی شرکت کے بارے میں سوال کیا گیا کہ مسلمان وہاں خریداری وغیرہ کے لئے جائیں تو کیا حکم ہے ؟ تو امام احمدؒ نے جواب دیا کہ صرف خریداری مقصد ہو، ان کے عبادت گھروں میں داخل نہ ہوں تو حرج نہیں، امام احمدؒ نے حضرت عمرؓ کے حوالہ سے بیان فرمایا کہ وہ تہوار کے موقعہ پر غیر مسلموں کے عبادت خانوں میں جانے سے منع فرماتے تھے۔[1057]

ابن القاسمؒ سے سوال کیا گیا کہ جو کشتیاں غیر مسلموں کے مذہبی میلوں کی طرف جارہی ہوں ان میں سوار ہونا کیسا ہے، انہوں نے جواب دیا کہ مکروہ ہے اس لئے کہ ان کے ساتھ اجتماع پر اللہ کے غضب کا اندیشہ ہے۔[1058]

حضرت عمرو بن مرةؒ "لایشھدون الزور" کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

لا یمالئون اھل الشرک علی شرکھم ولا یخالطونھم[1059]

ترجمہ : یعنی اہلِ شرک کے شرکیہ افعال کی طرف متوجہ نہ ہو اور نہ ان کے ساتھ کسی مقام پر جمع ہو۔

حضرت عطاء بن یسارؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا :

ایاکم وان تدخلوا علی المشرکین یوم عیدھم فی کنائسھم[1060]

ترجمہ : مشرکین کے تہواروں میں ان کے عبادت خانوں میں داخل ہونے سے بچو۔

------ حواشی --

1057 - اقتضاء الصراط المستقیم : ص ۱۳۰، اعلاء السنن : ج ۱۲/ ص ۷۰۶

1058 - اقتضاء الصراط المستقیم : ۱۱۱

1059 - رواہ ابو الشیخ وسکت عنہ ابن تیمیہ، الاقتضاء : ص ۸۱

1060 - رواہ الشیخ، الاقتضاء : ص ۸۶ وروی البیھقی باسناد صحیح عن سفیان الثوری عن ثور بن یزید عن عطاء بن دینار نحوہ) اعلاء السنن : ج ۱۲ / ص ۷۰۲-۷۰۳

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں :

من بنیٰ ببلاد الاعاجم وصنع بنیروز ھم ومھر جانھم و تشبہ بھم حتی یموت وہو کذلک حشر معھم یوم القیٰمۃ ولہ طرق عدیدۃ صحاح وحسان ذکرھا ابن تیمیہ[1061]

ترجمہ : جو غیر مسلموں کے علاقے میں گھر بنائے اور ان کے تہواروں کی نقل اتارے، ان میں شریک ہو اور اسی حالت میں مر جائے، تو قیامت کے دن اس کا حشر انہی کے ساتھ کیا جائے گا۔

ان آثار واقوال سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلموں کے مذہبی میلوں میں ان کی رعایت ودلجوئی کی خاطر شرکت جائز نہیں ہے۔

اس سلسلے میں بعض عمومی احادیث سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے، جن میں معصیت کی محفلوں میں شرکت کو باعثِ گناہ قرار دیا گیا ہے، مثلاً

(ا) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو ایک ولیمہ کی دعوت ملی اور وہ تشریف لے گئے، لیکن وہاں خرافات دیکھ کر واپس لوٹ گئے، لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے ارشاد فرمایا :

من کثر سواد قوم فھو منھم ومن رضی عمل قوم کان شریک من عمل بہ[1062]

ترجمہ : جو کسی قوم کی تعداد میں اضافہ کرتا ہے اس کا شمار اسی قوم کے ساتھ ہوگا اور جو کسی قوم کے عمل سے راضی ہوگا وہ اس کے عمل میں شریک مانا جائے گا۔

ابن مبارک نے کتاب الزہد والرقاق میں حضرت ابو ذر غفاریؓ کا واقعہ بھی اسی طرح نقل کیا

------ حواشی--

1061 - الاقتضاء: ص ۹۵

1062 - رواہ ابو یعلی فی مسندہ، نصب الرایہ: ج ۴ / ص ۳۴۶، کنز العمال: ج ۹ / ص ۲۲، رقم - ۲۴۷۳۵، جامع المسانید والسنن: ج ۲۷ / ص ۳۰۸ رقم، ۵۸۹

ہے، اور قریب انہی الفاظ میں ان سے روایت نقل کی ہے [1063]

(۲) بخاری، مسلم اور ترمذی وغیرہ میں حضرت عائشہؓ کی ایک روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

يغزو جيش الكعبۃ فاذا كانو ببيداء من الارض يخسف باولهم وآخرهم قالت،قلت يا رسول الله كيف يخسف باولهم و آخرهم و فيهم اسواقهم ومن ليس منهم قال يخسف باولهم وآخرهم ثم يبعثون على نياتهم [1064]

ترجمہ: ایک لشکر کعبہ کی طرف جنگ کے لئے نکلے گا، جب وہ مقامِ بیداء کے پاس پہونچے گا، تو اس کا اول و آخر سب زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے؟ جبکہ ان میں بازار بھی ہوں گے، اور وہ لوگ بھی ہوں گے جو اس ارادہ سے ان لوگوں میں شامل نہ ہوں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب دھنسا دیئے جائیں گے، البتہ قیامت کے دن اپنی نیتوں اور ارادوں کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ معصیت اور کفر کی مجلسوں میں شرکت کرنا اپنے کو ان میں شامل کرنے اور عذابِ الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے، اس عموم میں غیر مسلموں کی مذہبی تقریبات بھی داخل ہیں اس لئے ان میں شرکت گناہ ہے۔ اور اس ضمن میں جو بازار لگتے ہیں وہ بھی اسی میں شامل ہیں اس لئے بلاضرورت ان بازاروں میں جانا بھی مکروہ ہے ہمارے بزرگوں میں حضرت تھانویؒ کی رائے بھی یہی ہے البتہ مقتداء حضرات کے لئے سد اللذرائع ایسے مجمعوں سے احتراز کو وہ واجب قرار دیتے ہیں۔ [1065]

اسی طرح غیر مسلموں کو ان کے تہواروں کی مبارک باد دینا بھی درست نہیں، اس لئے کہ اس سے ان کے شرکیہ رسوم اور تہواروں کی تعظیم لازم آتی ہے، ایسے مواقع پر حکمت عملی سے ان کے تہوار کے

------ حواشی--

1063 ۔ نصب الرایہ: ج ۴/ ص ۳۴۶

1064 ۔ بخاری مع فتح الباری باب ماذکر فی الاسوق کتاب البیوع: ج ۶/ ص ۱۵۰، ترمذی: ج ۲/ ص ۲۴، فتح الملہم: ج ۶/ ص ۳۶۲

1065 ۔ امداد الفتاویٰ: ج ۲/ ص ۱۴۰-۱۴۱

بارے میں ضروری باتیں کی جاسکتی ہیں جن سے ان کی تالیف قلب بھی ہو جائے اور ان کے تہواروں کی تعظیم بھی نہ ہو۔

اسلامی تقریبات میں غیر مسلموں کی شرکت

ایک مسئلہ اسلامی تقریبات مثلاً عید، یا افطار رمضان وغیرہ میں غیر مسلموں کی شرکت کا ہے، اس سلسلے میں فقہاء کے یہاں بہت زیادہ تصریح تو نہیں ملتی البتہ قربانی کے گوشت کے بارے میں فقہاء کہتے ہیں کہ غیر مسلم کو دے سکتے ہیں۔ (شامی وغیرہ)

امام غزالیؒ نے حضرت حسن بصریؒ کا مسلک نقل کیا ہے کہ وہ پڑوسی یہودی یا نصرانی کو قربانی کا گوشت کھلانے کی اجازت دیتے تھے[1066]

اس پر قیاس کرتے ہوئے اگر غیر مسلموں کے لئے افطار یا عید کے ماکولات ومشروبات کا الگ نظم کر دیا جائے، مسلمانوں کے ساتھ مخلوط نہ ہو تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

یہاں اس پہلو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے کہ افطار وغیرہ کے مواقع، شریعت میں انتہائی متبرک مواقع ہیں، اور ان کو فی الجملہ عبادت کا درجہ حاصل ہے، ایسے متبرک مواقع پر کفر کی نحوست سے نقصان کا بہر حال اندیشہ ہے، اس سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ غیر مسلموں کی طرف سے جو افطار پارٹیاں دی جاتی ہیں، ان میں شرکت تو فی نفسہ ناجائز معلوم نہیں پڑتی لیکن مقصدِ افطار فوت ہو جاتا ہے، اس لئے کراہیت سے خالی نہیں ہے، اور اس پر مداومت گناہ ہے۔

غیر مسلموں کی عبادتگاہوں کی تعمیر اور نقشہ سازی

باہمی روابط کی بنا پر اگر غیر مسلم، مسلمان انجینئروں سے خواہش کریں کہ وہ ان کی عبادتگاہوں کے نقشے بنائیں اور تعمیر کرائیں یا مسلمان مزدوروں سے تعمیری کام لینا چاہیں، تو امام ابو حنیفہؒ کے اصول پر اس کی گنجائش ہے، فتاویٰ ہندیہ میں اس سلسلے میں ایک صریح جزئیہ موجود ہے:

------ حواشی --

1066 - احیاء علوم الدین بحث حقوق الجوار: ج ۲/ ص ۲۳۳

ولو استاجر الذمی مسلما لیبنی لہ بیعۃ او کنیسۃ جاز ویطیب لہ الاجرکذافی المحیط[1067]

ترجمہ : اگر غیر مسلم کسی مسلمان سے گرجا یا کنیسہ اجرت پر تعمیر کرنے کو کہے تو جائز ہے اور اجرت بھی حلال وطیب ہے۔

غیر مسلموں سے چندہ لینا اور دینا

مساجد و مدارس کے لئے غیر مسلموں کا چندہ قبول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ ثواب سمجھ کر دیں، مساجد و مدارس کے مصالح کے خلاف نہ ہو، مسلمانوں پر آئندہ ان کے احسان جتلانے کا اندیشہ نہ ہو، اور وہ اس کے بدلہ اپنے عبادت خانوں کے لئے مسلمانوں سے چندہ نہ طلب کریں، ان شرائط کے ساتھ ہمارے علماء نے غیر مسلموں کا چندہ لینے کی اجازت دی ہے[1068]

شامی میں ہے:

قولہ وان یکون قربۃ فی ذاتہ الخ قال الشامی فتعین ان ھذا شرط فی وقف المسلم فقط بخلاف الذمی لمافی البحروغیرہ ان شرط وقف الذمی ان یکون قربۃ عند ناوعندھم کالوقف علی الفقراء وعلی مسجد القدس[1069]

ترجمہ : فی نفسہ اس امر کا قربت ہونا ضروری ہے، یہ صرف مسلم کے وقف کی شرط ہے بر خلاف ذمّی کے اس لئے کہ بحر وغیرہ میں ہے کہ ذمّی کے وقف کی شرط یہ ہے کہ وہ چیز ہمارے اور ان کے نزدیک بھی عبادت ہو، مثلاً فقراء یا مسجد قدس پر وقف وغیرہ۔

البتہ قربت ہونے کے لئے واقف کے مذہب کا اعتبار ہو گا یا اس کی نیت کا مشہور قول یہ ہے کہ

------ حواشی --

1067 ۔ فتاویٰ ہندیہ کتاب الاجارۃ: ج ا ص ۴۹

1068 ۔ امداد الفتاویٰ: ج ۲ / ص ۶۶۴ تا ۶۶۸، ج ۳ / ص ۱۳۰-۱۲۹

1069 ۔ شامی: ج ۳ / ص ۳۶۰

مذہب کا اعتبار ہے، لیکن حضرت تھانویؒ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ واقف کی رائے کا اعتبار ہے[1070]

غیر مسلموں کی عبادتگاہوں کے لئے مسلمانوں کا چندہ دینا درست نہیں اور اگر یہ امید ہو کہ غیر مسلم آئندہ ہم سے اپنی عبادتگاہوں کے لئے چندہ طلب کریں گے تو ان کا چندہ قبول کرنا بھی جائز نہ ہوگا، اگر چہ کہ وہ عبادت سمجھ کر دیں۔

غیر مسلموں کی طبقاتی جنگ میں مسلمانوں کا کردار

غیر مسلموں کی باہم طبقاتی جنگ یا کَش مکش میں مسلمانوں کو اولاً ایک فعالِ ثالث کا کردار ادا کرنا چاہئے، اور طبقاتی کش مکش ختم کرکے باہم امن وسلامتی کا ماحول بنانا چاہئے، اگر کسی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو تو کم از کم درجہ یہ ہے کہ ظالم کے بجائے مظلوم کے ساتھ اخلاقی ہمدردی رکھی جائے، جہاں تک ظالموں کے مقابلے میں مظلوم طبقہ کا قانونی یا فوجی طور پر ساتھ دینے کی بات ہے وہ ملک وقوم کے حالات وظروف پر موقوف ہے، اگر حالات اجازت دیں اور مسلمان اس پوزیشن میں ہوں کہ مظلوم طبقہ کا ساتھ دینے سے ظلم مٹ سکتا ہو اور امن وانصاف کو فروغ مل سکتا ہو تو مسلمانوں کو ایسا ضرور کرنا چاہئے، جس طرح کہ "حبشہ" میں حضرت زبیرؓ نے کیا تھا، تفصیل پہلے گذر چکی ہے، لیکن اگر مسلمان اس پوزیشن میں نہ ہوں یا حالات ناساز گار ہوں اور مظلوم طبقہ کا ساتھ دینے سے خود مسلمانوں کی جان ومال اور عزت وآبرو خطرہ میں پڑ سکتے ہوں تو ایسی حالت میں قلبی اور اخلاقی طور پر مظلوم کے ساتھ ہم دردی برتی جائے گی، عملی اقدام کے لیے میدان میں اترنا ضروری ہے، بلکہ مناسب بھی نہ ہوگا، اس وقت مکہ میں قیام کے دوران روم اور فارس کی جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا جو طرزِ عمل رہا، وہی ہمارے لیے بہترین اسوہ ہوگا۔

اس لیے کہ عزت وآبرو، یا جان ومال کو خطرہ میں ڈال کر ظلم یا گناہ کا ختم کرنا مطلوب نہیں ہے، ظلم یا گناہ کے خلاف آواز اٹھانا بڑے ثواب اور فضیلت کا کام ہے لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ پہلے آواز اٹھانے والا اپنی

------ حواشی ------

1070 - امداد الفتاویٰ: ج ۲/ ص ۶۶۸

حیثیت خوب اچھی طرح جان لے، اور اس کا، جان ومال اور عزت و آبرو پر کیا ردِ عمل ہو گا، اسکا اچھی طرح اندازہ کرلے، اس کے بعد ہی اس کے لیے میدانِ عمل میں اترے۔

اس باب میں ہمیں بعض صحابہ کرام کے طرزِ عمل سے روشنی ملتی ہے:

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن (مشہور ظالم) حجاج کی تقریر سنی، اس میں اس نے بہت سی غلط باتیں کہیں، میں نے سوچا کہ اس کی اصلاح کروں، اور اس کو غلطی پر متوجہ کروں، لیکن مجھے فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم یاد آیا کہ:

لا ينبغى للمومن ان يذل نفسه"

مؤمن کے لیے جائز نہیں کہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، اپنے کو ذلیل کرنے کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا: اپنے کو ایسے خطرات میں مبتلاء کرنا جن سے حفاظت کی طاقت نہ ہو۔[1071]

امام احمدؒ نے قاضی شریحؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ عیاض بن غنمؓ نے ہشام بن حکیمؓ کو ایک خاص واقعہ پر متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

اے ہشام! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو تم نے سنا وہ ہم نے بھی سنا ہے، اور جو تم نے دیکھا ہے وہ ہم نے بھی دیکھا ہے، کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا۔

من ارادان ينصح لذى سلطان بامر فلا يبد له علانية ولكن لياخذ بيده فيخلو به، فان قبل منه فذاک، والاكان قد ادى الذى عليه

جو شخص کسی صاحبِ طاقت شخص کو کسی بات کی نصیحت کرنا چاہے تو علی الاعلان نہ ٹوکے بلکہ اس کا ہاتھ پکڑ کر تنہائی میں لے جائے، اگر قبول کرلے تو بہتر ہے، ورنہ اس نے تو اپنا حق ادا کردیا۔

------ حواشی --

1071 - رواہ الطبرانی والبزار واسناد الطبرانی جید، مجمع الزوائد: ج ۲/ ص ۲۷۴

اور تم اے ہشام جری ہو، تم نے صاحبِ طاقت کے خلاف جرأت کا مظاہرہ کیا، تجھے خطرہ نہیں ہوا؟ کہ وہ اگر قتل کر دیتا تو اس سلطان کا قتیل کہلاتا[1072]

"طبرانی" اور "احمد" کی روایت ہے کہ سعید بن جمہان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو امامہؓ سے کہا کہ سلطان لوگوں پر ظلم کر رہا ہے، اور ایسا ویسا کر رہا ہے، انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر زور سے دبا دیا اور پھر بعد میں کہا، اے ابن جمہاں! سوادِ اعظم کی پیروی کرو، اگر سلطان تیری بات سُن سکتا ہو تو اس کے گھر جا اور اپنی باتوں سے آگاہ کر، اگر قبول کر لے تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو چھوڑ دے، کہ صاحبِ معاملہ اپنی چیزوں کو زیادہ بہتر جانتا ہے[1073]

امام ابو یوسفؒ کی کتاب "الخراج" میں ہے کہ ایک شخص حضرت عمر بن الخطابؓ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا: اے امیر المومنین! میں اللہ کی باتوں میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہیں کرتا، خواہ وہ میرے لیے بہتر ثابت ہو یا نہ ہو، حق بات کہہ ہی دیتا ہوں، اس پر حضرت عمر بن الخطابؓ نے فرمایا:

> امامن ولی من امر المؤمنین شیئا فلا یخاف فی اللہ لومۃ لائم،ومن کان خلوا من ذلک فیقبل علی نفسہ ولینصح لولی امرہ
>
> ترجمہ: جو شخص کسی ذمّہ دارانہ منصب پر فائز ہو اس کے لیے یہ حکم ہے کہ کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کرے، لیکن جو اس سے خالی ہو اسے پہلے اپنی پوزیشن دیکھنی چاہیئے اور اپنی ذات کا خیال رکھنا چاہیئے اور ذمّہ داروں کے ساتھ اس کارَویہ خیر خواہانہ ہونا چاہیئے[1074]

ان آثار و روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ مظلوم طبقہ کا ساتھ دینے کی ذم۔ ّہ داری اس وقت عائد ہوتی ہے جب کہ ساتھ دینے والا شخص اقتدار میں ہو، بصورتِ دیگر اپنے حالات اور اپنی پوزیشن دیکھ کر قدم

------ حواشی--

1072 ۔ مجمع الزوائد: ج ۵ / ص ۲۲۹۔۲۳۰

1073 ۔ مجمع الزوائد: ج ۶ / ص ۲۳۲

1074 ۔ کتاب الخراج لابی یوسفؒ: ۱۶

اٹھانا ضروری ہے۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں مسلمان اقتدار سے محروم ہیں، اور حالات اتنے ساز گار نہیں کہ مسلمان کسی کا کھل کر ساتھ دے سکیں، اس لیے مسلمانوں کو یہاں پہلے اپنی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی فکر کرنی چاہئے، اس کے بعد ہی درجہ ہے دوسروں کی قانونی یا اخلاقی امداد کا۔

ہنگامی مواقع پر غیر مسلموں کی امداد

یقیناً اسلام میں خدمتِ خلق کی بڑی اہمیت ہے، اور انسانیت کے ناطے اسلام ہر ایک کی خدمت کرنے کا حکم دیتا ہے، انسان تو انسان اسلام جانوروں کی خدمت کو بھی باعثِ اجر قرار دیتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا:

ان لنا فی البھائم اجرا؟

چوپایوں میں بھی ہم کو اجر ملے گا؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"فی کل ذات کبد رطبۃ اجر"

ہر زندہ جگر والی مخلوق میں اجر ہے[1075]

اسلام حسبِ توفیق ساری انسانیت کی خدمت کا حکم دیتا ہے، اور انسانی بنیاد پر غیر مسلموں کی نصرت و اعانت کی اجازت ہی نہیں ترغیب دیتا ہے۔

حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ میرے پاس میری ماں آئیں جب کہ وہ مشرک تھیں، قریش سے معاہدہ کا زمانہ تھا، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی اور عرض کیا کہ میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی مدد کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں کرو[1076]

------ حواشی ------

1075 - بخاری و مسلم، اعلاء السنن: ج ۱۶/ ص ۱۵۲

1076 - متفق علیہ، مشکوٰۃ: ۴۱۸-۴۱۹

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ دونوں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا:

الخلق عیال اللہ،فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ 1077

ساری مخلوق اللہ کی عیال ہے، اللہ کو سب سے زیادہ وہ شخص پسند ہے، جس کا برتاؤ اس کی مخلوق کے ساتھ زیادہ اچھا ہو۔

اس طرح کی متعدد احادیث موجود ہیں، جو انسانی بنیادوں پر تمام انسانوں کی خدمتِ خلق کی ترغیب دیتی ہیں، اس لیے اگر مسلمان خدمتِ خلق کا کوئی ادارہ قائم کریں یا قدرتی آفات کے موقع پر امدادی اسکیم لے کر چلیں تو حتی المقدور غیر مسلموں کو بھی اس میں شامل کریں، مسلمانوں سے دوہرے رشتہ کی بنا پر ان کو اولیت ضرور دی جائے گی، لیکن اگر گنجائش ہو تو غیر مسلموں کو بھی اس میں ضرور شامل کرنا چاہئے، بالخصوص ہندوستان جیسے ممالک میں اس کی بہت زیادہ اہمیت ہے، غیر مسلموں میں اس سے اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے اچھا ماحول پیدا ہو گا۔

رہا یہ کہ بعض شدت پسند عناصر ایسے مواقع پر مسلمانوں کے ساتھ امتیاز کا معاملہ کرتے ہیں تو ان کا کردار ان کے لیے ہے، لیکن ہم اسلام کی اعلیٰ اخلاقیات ہر گز ترک نہیں کریں گے، تمام اقوام عالم میں یہی ہمارا امتیاز ہے۔

اسلام ہمیں حکم دیتا ہے کہ جو قطع رحمی کرے، اس کے ساتھ ہم صلہ رحمی کریں، جو ہم پر ظلم کرے اس کو ہم معاف کر دیں۔ اور جو ہمارے ساتھ بُرا سلوک کرے، ہم اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔

اہلِ مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر کیسے کیسے ظلم کیے، لیکن جب مکہ میں قحط پڑا، اور حضرت ابو سفیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دعاء کی درخواست لے کر آئے، آپ نے ان کے لیے دعا فرمادی اس لیے کہ آب ودانہ ایک انسانی ضرورت ہے، اور اس موقع پر انسانوں کے درمیان تفریق نہیں

------ حواشی --

1077 ۔رواہ البیہقی، مشکوۃ:۴۲۵

کی جائے گی۔

حضرت ثمامہ بن اثال نے اہلِ مکہ کو رسد بھیجنے پر پابندی لگادی، اہلِ مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی تو آپ نے حضرت ثمامہؓ کو ہدایت کی کہ جس طرح پہلے مکہ غلہ آتا تھا اسی طرح آنے دیا جائے[1078]

اس لیے غیر مسلموں کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ جو بھی رہے، لیکن مسلمانوں کو اپنے اسلامی اخلاق اور اصولوں کو چھوڑنا ہرگز مناسب نہیں، واللہ اعلم بالصواب، وعلمہ اتم واحکم۔

تجاویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا

☆اسلام انسانیت کا احترام کرتا ہے، اس لئے مسلمانوں کے لئے حتی المقدور انسانی ہمدردی کی بنیاد پر مظلوم غیر مسلم بھائیوں کی مدد کرنا ان کا اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے۔

☆مسلمانوں کی طرف سے چلائے جانے والے خدمت خلق کے اداروں مثلاً ہاسپیٹل وغیرہ کے ذریعہ بلا تفریق مذہب تمام لوگوں کی خدمت واعانت کرنی چاہیے، یہی انسانی ہمدردی اور اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے، البتہ اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، کہ زکوۃ کی رقم صرف مستحق مسلمانوں ہی پر خرچ کی جائے۔

☆اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے کہ قدرتی آفات کے موقعہ پر مسلم تنظیموں کی جانب سے برادران وطن کے ساتھ بھی حسن سلوک کیا جائے، اوران کے ساتھ ہمدردانہ رویہ اختیار کیا جائے[1079]۔

------ حواشی --

1078 - مسند احمد بن حنبل: ج ۲ ر ص ۲۴۸، الوثائق السیاسیۃ: ۷۵-۷۶

1079 - جدید مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے، حصہ اول ص ۲۱۹

1
2
3
جدید عائلی مسائل
نکاح و طلاق
4
جدید مالی معاملات اور مسائل
5
6
اسلامی قانون اور سیاست
اختر امام عادل قاسمی